(بضعۂ رسول سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کا مطالبہ فدک
اور اس "مطالبہ" پر انہیں "خطا پر تھیں" یا ان سے "غلطی ہو گئی" کے کلام اور اس کے ثبوت پر
دیئے جانے والے دلائل کا اصولِ شرع کی روشنی میں تعاقب)

براءة سيدة النساء عن تهمة الغلط والخطأ

(حرمت بتول)

مؤلف: علامہ ابو تراب سید حبیب الحق شاہ کاظمی

خلاصہء مضامین

- فضائل سیدۃ نساء اہل الجنۃ رضی اللہ عنہا
- بضعہء رسول سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا محفوظہ عن الخطا
- خطاء و غلطی پر ثابت کرنے کے لئے دیئے جانے والے دلائل کا تعاقب
- استفسار فدک میں سیدہ پاک کا مستدل عموم آیت میراث
- سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ

اس پر (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) درجنوں اصولیوں کی تصریحات

- سیدہ زہراء کا عدم سماع مخصص

اس پر (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) درجنوں اصولیوں کی تصریحات

- اگر مخصص سننے سے پہلے فدک لے لیتیں تو بھی جائز و حلال تھا
- اجتہاد میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے حوالے سے اہلسنت کا راجح و مختار
- غیر انبیاء اولیاء کاملین کی حفاظت کے حوالے سے اہل سنت کی آراء

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

"الولد سر لابیہ" بیٹا اپنے باپ کی سیرت کا آئینہ دار ہوتا ہے، بالفاظ دیگر بیٹے کی چال ڈھال سے باپ کے اوصاف کا پتا چل جاتا ہے۔ اہلِ بیتِ نبوت کی وجاہت و مرتبت نسبتِ رسولِ کریم ﷺ کے باعث جس طرح دیگر اہلِ ایمان و اسلام سے ارفع و اعلیٰ ہے، یونہی دینِ متین اور اس کے مقتضیات کی حفاظت بھی دوسروں کی بنسبت اس خانوادہ کی بھاری ذمے داریوں میں زیادہ اہم و اتم ہے۔ کیوں نہ ہو کہ "صاحب البیت أدری بالذی فیہ" کا اعزاز جو اس خانوادہ کی کوکھ میں ودیعت رکھا گیا ہے، لہٰذا ان کے حقوق عالیہ کے ساتھ ساتھ ان پر فرائض وواجبات بھی وراء الوریٰ ہیں۔

بقول متنبی: "عَلیٰ قَدرِ أَھلِ العَزمِ تَأتی العَزائِمُ

وَتَأتی عَلیٰ قَدرِ الکِرامِ المَکارِمُ"

یعنی جتنا بڑا سر ہو اتنی بڑی سر دردیاں بھی جھیلنی پڑتی ہیں۔

تاریخ کی ورق گردانی سے پتہ چلتا ہے کہ اس خانوادے کی عزیز القدر ہستیوں پر ابتلاء و آزمائش کی آندھیاں دوسروں کی بنسبت زیادہ اور بہت تند و تیز رہی ہیں۔ گزشتہ پندرہ صدیوں میں جہاں بھی نظر دوڑائیں، آزمائشوں کا ایک طویل سلسلہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ بعد کے ادوار میں منافقین و دشمنانِ اسلام کے پیدا کردہ فتنوں سے بہت پہلے خیر القرون کے ادوارِ ثلاثہ میں بھی ان نفوس قدسیہ کے امتحانات و آزمائشوں کا سلسلہ کسی طور پر کم نہ رہا۔ بایں ہمہ "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" کا مظہر و مصداق یہ نفوسِ قدسیہ ثابت قدمی کے انمٹ نقوش تاریخ عالم کے سینے پہ رقم کرتے رہے۔ تاہم امتحانات کے صبر آزما مراحل کے باوجود عزت و عظمت کے کچھ ایسے مقاماتِ رفیعہ تھے جن پر کسی دشمن کو بھی کچھ کہنے کی ہمت و جرأت نہ ہو سکی۔

مگر! شومئ قسمت! اہل سنت و جماعت (کثر اللہ عددھم و شوکتھم) کے گھر میں پرورش پانے والے بعض بدنصیبوں کی حرماں نصیبی کہ انہوں نے عفت و عصمت کے محفوظ ترین دریچوں پر تنی چادر تطہیر کو بھی تار تار کرنے کی سعی نامسعود کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت سیدۃ نساء اھل الجنۃ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو "قضیہ فدک" کے حوالے سے "خطاء پر تھیں" اور "لقمہ حرام" جیسے غیر مہذبانہ الفاظ و اندازِ گفتار کے ساتھ کبھی کسی بڑے سے بڑے بدباطن و دشمن اسلام نے بھی موردِ طعن نہ ٹھہرایا تھا، مگر جن کی قسمت و مقدر میں حرماں نصیبی تھی انہوں نے محض عوامی مجلس ہی میں نہیں بلکہ سوشل میڈیائی پلیٹ فارم پر اظہار کر دیا۔

اس سعی نامسعود کا کیا نتیجہ نکلنا تھا!!! جنہیں خالقِ دوجہاں جل جلالہ نے پاک و طاہر فرما دیا انہیں کون گدلا کر سکتا ہے؟ چاند پر تھوکا اپنے منہ پر پڑتا ہے، جی ہاں! ہم نے دیکھا وہ شخص جو کچھ عرصہ پہلے تک بہت سارے لوگوں کی آنکھوں کا تارا تھا جس کے علم و فضل کے اپنے پرائے معترف تھے جن میں راقم الحروف بھی شامل تھا، وہ اس نامسعود قول کی وجہ سے ایسا قعرِ مذلت میں پڑا کہ دنیا میں رسوائی کے ساتھ ساتھ اخروی پھٹکار کا باعث نظر آیا، الامان والحفیظ، اور تو اور جس خانقاہ و درس گاہ سے فیض علم و فضل پایا تھا وہاں سے بھی راندہ درگاہ ہونے کی صورت میں بدنصیبی کے شاخسانے برآمد ہونے لگے۔ اساتذہ و شیخ طریقت نے بھی اس قول شنیع کی وجہ سے براءت کا اظہار کر دیا۔ اللہ اکبر! اساتذہ کرام کو اکثر یہ کہتے سنا:

> "فضل خداوندی کے بغیر علم، حقانیت کی دلیل نہیں، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو ابلیس ملعون بھی بڑا عالم و معلم ہے"۔

اس سب پر مستزاد کہ اس زلّتِ لسانی و قلمی ہو جانے پر بڑے بڑے اکابر علماء و مفتیان اہل سنت نے سمجھانے کی کوشش فرمائی، اس کے باوجود اِبِیٰ و استکبر کی کیفیت سے مکیف ہونا مقدر ٹھہرا، احساسِ ندامت اور توبہ و رجوع کی سعادت سے محروم رہنے کے ساتھ ساتھ اپنے قول نامسعود کی ایسی دور از کار تاویلیں خود متکلم اور حواریوں نے کر دیں کہ "عذر گناہ بد از گناہ" کا نمونہ بن کر مزید جگ ہنسائی کا باعث ہوئیں۔

تاہم اس تقریر و تحریرِ نامسعود کا یہ بُرا نتیجہ نکلا کہ اہل سنت دو طبقات میں بٹ گئے، ایک وہ جو عقیدہ و نظریہ اہل سنت کے عین مطابق صحابہ کرام و اہل بیت اطہار رضوان اللہ علیہم اجمعین کے "محفوظ عن الخطاء" کے لفظی و معنوی مطالب کو اکابر کی تصریحات کے مطابق کامل فہم و ادراک کے ساتھ اس عقیدہ حقہ کے قائل و مؤید ہیں اور دوسرے وہ جو روافض کے پھیلائے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر محفوظ و معصوم کی کلامی اصطلاحات میں فرق کئے بغیر عوامی و سوشل میڈیائی مرعوبیت کے باعث "خطائی قول" کے بظاہر نہ سہی بباطن مؤید بن گئے۔

البتہ حزم و احتیاط سے موصوف طبقہ علماء اس سوفسطائی بحث سے الگ تھلگ رہ کر اپنی "فکر وسطی" اور "صراط سوی" کا پرچار کرتے ہوئے اتحاد امت کے لیے کوشاں رہا، کئی ماہ بلکہ سال کے بعد بعض احباب اپنی سوچ کے مطابق رضوی فکر کا ادعا کرتے ہوئے پیش منظر میں تو نہیں البتہ پس منظر میں رہتے ہوئے "قول بالخطاء کے صواب، البتہ صرف انداز گفتار نامناسب" جیسے الفاظ سے تائید کرنے والے بن گئے۔ عفا اللہ عنا وعنھم

لہٰذا یہ محسوس کیا گیا کہ "خطائی قول" کی علمی و تحقیقی اعتبار سے باضابطہ کوئی مربوط تحریر اور دلائل و شواہد کا یکجا مجموعہ نہ ہونے کی وجہ سے مستقبل میں امت مسلمہ کے مزید بھٹکنے کا بہت زیادہ امکان ہے، لہٰذا اس کا سدباب کرنے کے لیے کسی ایسے فرد کا میدان میں اترنا ضروری تھا جو مہذبانہ اندازِ گفتار سے اس موضوع کا حق ادا کرتے ہوئے تحقیق و تخریج کے قدیم وجدید اسالیب کے ساتھ اس انتہائی نازک موضوع پر قلم اٹھائے۔

الحمدللہ العظیم اس گوئے بہی کو برلانے کا سہرا حضرت صاحبزادہ علامہ سید حبیب الحق شاہ صاحب زید مجدہ کے سر سج رہا ہے کہ خون فاطمی ہونے کی حسبی و نسبی اعتبارات کا بھرم رکھتے ہوئے انتہائی سنجیدگی و متانت سے اس اہم موضوع اور نازک موضوع کے "مالھا و ما علیھا" کو صفحہ قرطاس پر لے آئے ہیں۔ ماشاء اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت صاحبزادہ صاحب نے صرف اپنا حسبی و نسبی فریضہ ہی ادا نہ فرمایا بلکہ اہل بیت اطہار سے محبت کا دم بھرنے والے امت مسلمہ کے اہل علم کے ذمے پر آنے والے قرض کو اتارا ہے۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ أحسن الجزاء۔

کچھ مؤلف کے بارے میں:

حضرت علامہ صاحبزادہ سید حبیب الحق شاہ صاحب ضیائی زید مجدہ ابھرتے ہوئے نوجوان محقق و مصنف ہیں، دینی و دنیوی علوم سے بہرہ مند اور ہر دو طرح کی درسگاہوں سے فیض یافتہ ہیں، جہاں آپ نے تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان کی شہادۃ العالیہ (بی اے) اور آخری ڈگری الشہادۃ العالمیہ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ (ایم اے عربی واسلامیات) ملک بھر میں پہلی پوزیشن کے ساتھ حاصل کی ہے، وہیں عصری و اسلامی اداروں میں بین الاقوامی شہرت و حیثیت کی حامل یونیورسٹی الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ اسلام آباد (انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد) سے ایل ایل بی (آنرز) شریعہ، اور دیگر کئی جامعات (یونیورسٹیز) سے ایم اے، ایم ایڈ اور ایل ایل ایم کر رکھا ہے۔ ذلك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آپ صرف تحریر و تصنیف کے میدان کے شاہسوار ہی نہیں تدریس و تقریر کے میدان میں بھی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوائے ہوئے ہیں، درس نظامی کی ابتدائی کلاسوں کے ساتھ ساتھ درجہ عالیہ و عالمیہ کے اسباق جامعہ رضویہ ضیاء العلوم میں عملاً پڑھا رہے ہیں اور انتظامی امور جس میں جامعہ آمنہ ضیاء البنات اسلام آباد کی تمام تر انتظامی ذمے داریاں آپ ہی نبھاتے ہیں۔ الحمد للہ علی ذلك

صاحبزادہ صاحب زید مجدہ نے اپنی وکالت کی ڈگری کو عام دنیوی کیسز میں تو استعمال نہیں کیا، البتہ غازی اسلام ملک ممتاز حسین قادری شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ میں وکلاء پینل کے اہم رکن کے طور پر سیشن کورٹ، ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ آف پاکستان تک مقدمے کی پیروی فرمانے کی سعادت حاصل فرمائی۔ اس دوران اسلامی و شرعی اعتبار سے کیس میں غازی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عمل مبارک کے برحق و صواب ہونے پر دلائل کا اکثر و بیشتر مواد آپ ہی کاوشوں کی بدولت عدالت کو فراہم ہوا۔ آپ کا ایم اے عربی و اسلامیات کا تحقیقی مقالہ بھی اسی عنوان "غازی ممتاز حسین قادری قاتل یا مجاہد اسلام" پر ہے۔ اور کیس کی روئداد اور حرمت رسول کے قانون کی تائید و دفاع میں "تحفظ ناموس رسالت اسلامی و عالمی قانون" کے عنوان سے کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

تصنیف پر طائرانہ نظر:

زیر نظر تصنیف بہت مختصر وقت میں ترتیب دی گئی، مؤلف زید مجدہ کی مصروفیات و مشاغل کو دیکھتے ہوئے اتنے نازک موضوع پر اتنی بسط و تفصیل کے ساتھ حوالہ جات کی قوس قزح کسی کرامت اور روحانی تصرف کے بغیر ناممکن لگتا ہے۔ کتاب کے ابواب و ذیلی عناوین اور ان پر قرآن و حدیث اور اکابرین امت کے اقوال و تحقیقات کا ایسا مربوط انداز اپنایا گیا ہے کہ نقاد طبیعت شخص بھی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

راقم الحروف کو جب کچھ عرصہ پہلے یہ معلوم ہوا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب زید مجدہ اس نازک موضوع پر مواد اکٹھا فرما رہے ہیں تو میرا ابتدائی مشورہ یہی تھا کہ اہل سنت اور اہل اسلام کے دیگر مسائل و مشکلات اتنے اہم ہیں کہ اس طرح کے اختلافی و نزاعی مسائل پر قیمتی وقت اور سرمایہ لگانا شاید زیادہ سود مند نہ ہو، مگر جب ملاقات پہ حضرت صاحبزادہ صاحب نے اپنا عندیہ اور پس منظر بیان کیا جس کا تذکرہ ان کی ابتدائی گفتگو میں موجود ہے تو میرا بھی انشراح صدر ہو گیا۔

کتاب کی ترتیب و تالیف کے بعد نظر ثانی کے لیے اکابر اساتذہ کرام اور اہل علم کو اس کے نسخے مہیا کئے گئے، جس میں مجھے بھی نظر ثانی کرنے کا کہا گیا، راقم الحروف کی عدیم الفرصتی مشہور بین الناس ہے، بنظر غائر تو جائزہ وریڈنگ نہیں کر سکا البتہ جن مقامات پہ کچھ مشورہ دیا حضرت صاحبزادہ صاحب نے اسے قبول کر کے محو و ترمیم فرمادی۔ تقبل اللہ سعیہ

براءۃ سیدۃ النساء عن تہمة الغلط و الخطأ المعروف "حرمت بتول" پانچ ابواب پر مشتمل ہے، اہم موضوعات و مضامین کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

1. فضائل و کمالات سیدۃ نساء اہل الجنۃ (قرآن و حدیث اور اقوال صحابہ وفقہاء کی روشنی میں)
2. بضعہ رسول سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا "محفوظہ عن الخطا" ہیں۔
3. آپ رضی اللہ عنہا کو خطاء و غلطی پر ثابت کرنے کے لئے دیئے جانے والے دلائل کا تعاقب۔
4. استفسار فدک میں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا مستدل عموم آیت میراث۔
5. سیدہ پاک کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ وفقہا (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی)
6. سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا عدم سماع مخصص (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) درجنوں اصولیوں کی تصریحات۔
7. اگر مخصص سننے سے پہلے فدک لے لیتیں تو بھی جائز و حلال تھا (شرعی و فقہی اصول مع حوالہ جات)
8. اجتہاد میں انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے حوالے سے اہل سنت کا راجح و مختار۔
9. غیر انبیاء اولیاء کاملین کی "حفاظت" (محفوظ عن الخطاء ہونے) کے حوالے سے اہل سنت کی آراء

ابواب کی ترتیب و تقسیم:

باب اول:	فضائل سیدۃ نساء اہل الجنۃ
باب دوم:	قضیۂ فدک (شرعی و فقہی حیثیت، اہل سنت اور اہل تشیع کا باہم نزاع)
باب سوم:	اجتہاد اور اس کے متعلقات (خطاء اجتہادی کی تاویل)
باب چہارم:	استدلال زہراء از عموم نص (اجماع صحابہ وفقہاء کی تصریحات)
باب پنجم:	قبل از سماعِ مخصص "عین فدک" میں تصرف کا حکم

ہر باب کے تحت ذیلی عناوین قائم کر کے ان پر تصریحات ائمہ و مجتہدین اور اصول شرعیہ وفقہیہ کی تطبیقات مع اصل عبارات وترجمہ مکمل حوالہ جاتی اصول وضوابط کے تحت دیا گیا ہے، تاکہ کوئی صاحب کسی بھی بات کو پرکھنا چاہیں تو اصل کی طرف سے رجوع کرنا ممکن ہو۔

راقم طبعاً نقاد واقع ہوا ہے، یہی وجہ ہے کہ اپنی کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھ پایا؛ کیونکہ اَن دیکھا خوف "من صنف قد استهدف" طاری رہتا ہے۔ تنقیدی طبیعت کے باوصف مجھے یہ کہنے میں کچھ تامل نہیں کہ صاحبزادہ والاشان نے مختصر وقت میں "بڑا کام" کر دیا ہے، میرے خیال ونظر میں اس اہم اور نازک موضوع پر اتنا عمدہ اور وسیع مواد کہیں اور میسر نہیں آئے گا۔

نیز یہ بات کہنے میں بھی حرج نہیں کہ:

اس وقیع تالیف میں مؤلف سلمه الله تعالیٰ کی توجہ جمع مواد پر زیادہ رہی، کتاب کا یہ پہلا ایڈیشن اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوصف اس پہلو سے مزید توجہ کا متقاضی ہے، خود مصنف ومؤلف بھی اس بات کا اقرار و اعتراف کرتے نظر آتے ہیں، لہٰذا ادبی و تصنیفی پہلوؤں میں سے اگر کہیں جھول نظر آئے تو اسے صرف نظر کیا جائے۔

گزرے دنوں کہی گئی اپنے دل کی بات:

سوشل میڈیائی پلیٹ فارم پر بنے علماء اہل سنت کے ایک مخصوص گروپ میں جو مختلف مراکز علمی و روحانی کے وابستگان اچھا گلدستہ ہے، اس میں ایک پوسٹ پر جب بحث ومباحثہ شروع ہوا تو معتقدین محقق دوراں صاحب نے "مسلمات اہل اسلام" کو اپنے حضرت کی عقیدت سے کم تر سمجھتے ہوئے اُن کی ایک مجلس زناں میں کی گئی گفتگو کے دوران کی جانے والی غلط گفتگو، جس کے ناصواب اور خلاف واقع ہونے پر سب گروپ ممبر ان متفق نظر آتے تھے، مگر کیا مجال ان معتقدین کو یہ بات سمجھائی جا سکے۔ ان محقق صاحب کے معتقدین اپنی خوش عقیدگی والی روش کے باعث، حبك الشئ يعمى ويصم کے مصداق بنے اپنے مرکز عقیدت کی کمزور باتوں کی دور از کار تاویلیں کئے جارہے تھے، عام طور پر ایسی ابحاث میں راقم الحروف بہت کم جواب وسوال کرتا ہے، تاہم اس موقع پر "سبقت لسانی وزلت قلمی" کے حوالے سے ایک پوسٹ میں نے بھی لکھی تھی، جنہیں اشاروں اور کنائیوں سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اور ذوق بلاغی رکھتے وہ اس سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ وھا ھو ھذا من تحت

"سبقت لسانی یا سہو و خطا":　(ٹائم لائن پہ موجود کچھ پوسٹوں پر عندیہ و بیانیہ)

آج کل کے دور میں "رجوع" کرنا بہت مشکل ہے؛ کیونکہ ہمارے نو آموز احباب اسے "یوٹرن" کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں جو سماجی رابطے کی ویب سائٹس استعمال کرنے والے اور سیاسی کلچر کے گرویدہ احباب کے ہاں بہت معیوب ہے، سو اس وجہ سے وہ "ہائی وے" کی بجائے "موٹروے" استعمال کرتے ہوئے اپنی سپیڈ مزید بڑھا دیتے ہیں، نیز "باب التاویلات مفتوح" کا سہارا لیتے ہوئے دور از کار تاویلیں کر کے عذر گناہ بدتر از گناہ کے مرتکب ہونے لگتے ہیں۔ الامان والحفیظ کچھ دیگر فوروموں پہ بھی ایسی پوسٹیں نظر نواز ہوئیں جو اس سے زیادہ قابل گرفت ہیں۔

نیز طے شدہ پالیسی ہے کہ موٹروے پر یوٹرن نہیں ہوتا، سو اس وجہ سے بھی ان کے لیے "یوٹرن" لینا منع ہے اور انٹر چینج (مداحوں کے جھرمٹ) سے باہر نکل کر واپس مڑنے کی اجازت مداحین و حاشیہ نشین نہیں دیتے، بدیں وجہ اس رجوع کی نوبت نہیں آتی، وگرنہ ناسخ و منسوخ بھی تو شریعت اسلامیہ اور دین متین کے ماتھے کا جھومر ہے۔ سہو و خطا کا صدور کسی سے بھی ہو سکتا ہے، اور توبہ و رجوع کو اسی وجہ سے شریعت اسلامیہ میں رکھا گیا اور اس پر "یبدل اللہ سیئاتھم حسنات" پر مژدہ بھی سنایا گیا، مگر توفیق ندارد!

راقم الحروف "ولکل وجھۃ ھو مولیھا" کا قائل ہے، کسی کی دل آزاری مطلوب و مقصود نہیں۔ اگر کسی مہربان کی طبع مبارک پہ تحریر کا کوئی لفظ گراں گزرے تو بصد عجز و نیاز مندی پہلے ہی معذرت خواہ۔

تالیف کا پیش لفظ و اختتامیہ:

جس طرح مولف گرامی نے اپنی کتاب کے خلاصہ بحث و اختتامیہ کی سطور سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے مزار پُر انوار کے دامن میں بیٹھ کر تحریر فرمائیں، ایسے ہی یہ الحاقی پیش لفظ بالخصوص اس کی یہ آخری سطور حرم نبوی صلی اللہ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم میں حضرت سیدۃ نساء اہل الجنۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارک کے سامنے محراب فاطمی والی جانب (گھر کی دہلیز کے قریب) بیٹھ کر آپ ہی کے در اقدس سے دریوزہ گری کرتے ہوئے آج شعبان المعظم ۱۴۴۵ھ کے آخری جمعۃ المبارک کی مسعود ساعتوں (بوقت فجر) میں لکھنے کی سعادت نصیب ہو رہی ہے۔ فللہ الحمد

دعا ہے اللہ تعالیٰ شہزادیٔ کونین کی بارگاہ میں پیش کیے گئے اس نذرانے کو قبو فرماتے ہوئے راقم اور اس کے خاندان کو غلامی سادات میں قبول فرماتے ہوئے اس گھرانے کی مقبول خدمت کی سعادت مقدر فرما کر قربِ مصطفیٰ و اہل بیتِ نبوت صلی اللہ علی حبیبہ وآلہ واصحابہ وسلم نصیب فرمائے اور ہم سب کو صراط سوی کی توفیق خیر رفیق فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

این دعائے من واز جملہ جہاں آمین باد

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ

یکے از خادمین اہل بیت اطہار

حافظ محمد اسحاق ظفر (نزیل مدینۃ المنورہ)

جمعۃ المبارک 27 شعبان المعظم 1445ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰنَا لِہٰذَا وَ مَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡلَاۤ اَنۡ ہَدٰنَا اللّٰہُ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ الۡمُصۡطَفٰی وَعَلٰی آلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡن

پس منظر

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے، جو دین و دنیا کے تمام معاملات میں رہنمائی فراہم کرتا ہے، اس کی تعلیمات کسی ایک قوم و قبیلہ کے لیے یا کسی ایک زمانہ کے لیے نہیں، بلکہ قیامت تک تمام انسانوں کے لیے اس میں رہنمائی و ہدایت ہے۔ کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کے حل کے لیے اسلامی تعلیمات میں ہدایت موجود نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد اہل ایمان نے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنالیا۔ منصب خلافت سنبھالتے ہی آپ کو بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑا، لیکن رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اس رفیق نے تمام مسائل کو حکمت و تدبر اور خوش اسلوبی سے حل فرمایا۔ اور آپ کا مختصر دور چیلنجز سے بھرپور تھا لیکن آپ کے عدل و انصاف اور صداقت کے طفیل تمام فتنے دم توڑ گئے۔

آپ کے دور میں ہی ایک مسئلہ قضیۂ فدک کے حوالے سے کتب میں مذکور ہے کہ بضعۂ رسول حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علی ابیہا وعلیہا نے فدک کا مطالبہ فرمایا، یہ مطالبہ کس حیثیت سے تھا[1] اسلامی کتب میں اس میں اختلاف ہے، صحیحین کی روایات میں اسے وراثت سے تعبیر کیا گیا۔

سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کی شخصیت پر تو گزشتہ صدیوں میں بھی کسی کو تنقید کرنے کی جرات نہ ہوئی مگر ان روایات کو لے کر ابتدائی ادوار میں ایک گروہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صداقت و عدالت کو ہدف تنقید بنانا شروع کر دیا جس کے جواب میں ائمہ کرام اور محدثین عظام خوش اسلوبی کے ساتھ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کے کردار و عدالت کے حوالے سے ان کے ہر اعتراض کا مدلل و مسکت جواب دیتے رہے۔ جہاں سیدنا صدیق اکبر کی صداقت پر کبھی حرف نہیں آنے دیا وہیں بضعۂ رسول سیدہ زہراء کی چادر تطہیر پر بھی کسی قسم کی گرد کو

---

[1] بعض نے اسے نُحل (ھبہ) کے دعویٰ سے تعبیر کیا۔ اور آپ کو نہ دینے کی وجہ بیان کی گئی کہ اس دعویٰ کے لیے گواہی کا نصاب پورا نہ تھا، لیکن دعویٰ کے متعلق وراثت والی روایات مضبوط ہیں۔ مَا رُوِيَ أَنَّهَا ادَّعَتْ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهَبَ فَدَكَ لَهَا وَأَقَامَتْ رَجُلًا وَامْرَأَةً فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ، رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ، ضُمِّ إلَى الرَّجُلِ رَجُلًا، أَوْ إلَى الْمَرْأَةِ امْرَأَةً (المبسوط المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483ھ)

گوارا نہ کیا۔ گزشتہ چودہ صدیاں گواہ ہیں کہ ہمارے اسلاف نے ہر دو طرف اپنی خدمت کا حق ادا کیا اور احتیاط کے پہلو کو کبھی نظر انداز نہ ہونے دیا۔

2019ء میں جب پوری دنیا میں کرونا نامی وبا پھیل رہی تھی اور تقریباً ہر ملک اس سے متاثر ہو رہا تھا، ہزاروں مساجد و مدارس زبردستی بند کروائے جا رہے تھے، یہاں تک حرمین شریفین کو بھی بند کر دیا گیا۔ اس دوران ایک شخص کی ویڈیو وائرل ہوئی جو انتہائی درشت اور بے باکانہ لہجے میں جگر گوشۂ رسول سیدۃ نساء العالمین کے بارے میں **"خطا پر تھیں"** کے الفاظ کا تکرار کر رہا ہے، معلومات کرنے پر پتہ چلا کہ چند دن پہلے کسی خاتون نے اپنی بدنصیبی کا اظہار کرتے ہوئے عدالت سیدنا صدیق اکبر کو نشانہ بنایا، اور شخص مذکور چند دن پہلے (فروری ۲۰۱۹) سیدنا صدیق اکبر کے دفاع کے لئے بضعۂ رسول سیدہ پاک کو تنقید کا نشانہ بنا رہا ہے کہ وہ "خطا پر تھیں" اور ان سے "غلطی ہو گئی"۔ العیاذ باللہ

قضیہ فدک میں سیدہ پاک کے لے استعمال کئے گئے یہ الفاظ و انداز ایسا تھا جس کی نظیر پہلی چودہ صدیوں میں نہیں ملتی، بلکہ کئی گمراہ فرقے جن کی تقسیم ہی صحابہ و اہل بیت کی تنقیص کی بنیاد پر ہوئی ہے۔ (روافض صحابہ کرام کو تنقید و تنقیص کا نشانہ بنا کر جہنم خریدتے رہے اور خوارج و نواصب حسنین کریمین، مولیٰ مرتضیٰ اور دیگر اہل بیت کو تبرا کر کے ایمان برباد کرتے رہے) مگر ان میں سے بھی کوئی سیدہ زہراء کی ذات مبارکہ پر تبرا کرنے اور ہدف تنقید بنانے کا قائل نہ تھا۔ بلکہ وہ کتب جو خوارج و نواصب نے لکھیں ان میں بھی قضیۂ فدک میں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دفاع تو کیا گیا، مگر بضعۂ رسول کے لیے "خطا پر تھیں" اور ان سے "غلطی ہو گئی" کے الفاظ کسی نے نہ لکھے۔

کرونا کی وباء صحت کے لیے مہلک تھی ہی، لیکن اس دوران ایمان و روح کے لیے مہلک ترین وبا بھی پھیل گئی، لہذا اہل محبت اس سے ہونے والی تکلیف سے تڑپ اٹھے کہ چودہ صدیوں میں گمراہ فرقوں کی کتب میں بھی جس جرم کی شہرت نہیں ملتی، وہ ہمارے دور میں سرزد ہوا۔ اور کرنے والا بھی کسی بے ادب فرقے کا فرد نہیں ہے۔ بلکہ اس جماعت کا فرد کہلواتا ہے، جس کا طرۂ امتیاز ہی انبیاء علیہم السلام، اہل بیت کرام و صحابہ عظام رضی اللہ عنہم کا ادب ہے۔

لہذا جیسے ہی یہ بات پھیلی فوراً ان کے ہمدرد اور خیر خواہوں نے، جس میں ان کے اساتذہ اور اساتذہ کے اساتذہ، مرشدزادے، شیوخ الحدیث اور مفتیان کرام شامل تھے، انہیں توبہ و رجوع کا کہا کہ اس مسئلہ میں تم خود خطا پر ہو لہذا فوراً توبہ و رجوع کرو۔ لیکن ڈاکٹر صاحب نے رجوع الی اللہ کے صراط مستقیم پر چلنے کے بجائے سیدہ

زہراء کو مسئلہ فدک میں خطا پر کہنے والے ایک نئے گروہ کی بنیاد رکھی۔ اور اپنے کلام کے درست ہونے پر دلائل دینے شروع کر دیئے۔ اور ایسے دلائل دیئے جن سے مزید خرابیاں لازم آتی گئیں۔ جن کا تجزیہ اگلے صفحات میں کیا جائے گا۔ اور اس مسئلہ میں انہیں غلط کہنے والوں کے لیے تفسیق، تضلیل اور رفض کے علاوہ ایسے الفاظ استعمال کئے اور کئے جارہے ہیں جو احاطہ تحریر میں لائے جانے کے قابل نہیں۔ بہت سے علماء اور مفتیان کرام کے حوالے سے پتہ چلا کہ جو اس کلام کے تو خلاف ہیں، مگر مجمع عام میں اس بارے میں رائے دینے یا کچھ لکھنے سے اس لئے پہلو تہی کرتے ہیں کہ سوشل میڈیا پر ان کی اور ان کی تنظیم کی بھی کردار کشی شروع ہو جائے گی۔ تحفظ ناموس رسول ہو یا حرمت بتول ان کی وجہ سے اگر کسی مخالفت یا کردار کشی کا سامنا کرنا بھی پڑ جائے تو آخرت میں یہ عزت ووقار کا باعث ہو گا۔

قضیۂ فدک صدیوں سے اہل علم کے ہاں زیر بحث رہا اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر اعتراض کرنے والوں کے جواب میں ہر دور کے اہل علم نے تحریر و تقریر کا حق ادا کیا۔ اس موضوع پر ماضی قریب میں لکھی جانے والی بہترین کتاب ''تصفیہ ما بینِ سنی و شیعہ'' ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے بھی دفاعِ سیدنا صدیق اکبر میں جگر پارۂ رسول سیدۃ نساء العالمین رضی اللہ عنہا کے مطالبہ پر اس طرح کے بے باکانہ الفاظ استعمال نہ کیے جو ڈاکٹر صاحب نے کیے ہیں۔ اور پھر انہیں درست ثابت کرنے کے لئے جو دلائل دیئے اور تاویلات باطلہ کے ذریعے مغالطہ دیا۔ اس کے رد میں معروضات ۲۳ ربیع الاول 1445ھ کو مدینہ طیبہ میں مکمل ہو گئی تھیں، لیکن جب مرشد گرامی نے مسودہ دیکھا تو فضائل بھی تحریر کرنے کا حکم ارشاد فرمایا، جس پر سیدہ پاک کے فضائل پر مشتمل باب کا اضافہ کیا ہے۔ اس عظیم بارگاہ کے حضور کچھ تحریر کرنے کے لئے فقیر کو اپنی کم مائیگی اور کمی کا شدت سے احساس ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کسی نے کہا تھا۔

ہزار بار بشویم دہن زِ مُشک و گلاب ہنوز نام تُو گفتن کمالِ بے ادبی است

کریم نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کریم شہزادی ہیں آپ رضی اللہ عنہا کے خاندانی کرم کے حضور دست بستہ عرض گزار ہوں اس ناکارہ کی کمی سے در گزر فرمائیں۔

جارُوب کَش درِ زہراء

ابو تراب حبیب الحق شاہ کاظمی

باب اول

فضائل سیدۃ نساء اہل الجنۃ رضی اللہ عنہا

بضعۂ رسول، طیبہ، طاہرہ، زاہدہ، زکیہ، مرضیہ، سیدہ زہراء علی ابیھا و علیھا السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام خواتین عالم میں ایک خاص اور ممتاز و منفرد مقام عطاء فرمایا۔ زہد و ورع اور تقویٰ و طہارت میں آپ تمام خواتین میں ممتاز تھیں۔ اور ہوتی بھی کیوں نہ جس گھر میں آنکھ کھولی اور جن شخصیات نے تربیت فرمائی، ان میں والد گرامی سید الانبیاء، وجہ تخلیق کائنات، آقائی و مولائی حضرت سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، تو والدہ ماجدہ سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا جن کا کردار اتنا پاکیزہ تھا کہ قریش آپ کو طاہرہ کے لقب سے پکارتے تھے، رفاقت رسول میں ان منازل پر متمکن ہوئیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کے ذریعہ سلام بھیجا اور سرکار دوعالم کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ "أَنْ يُبَشِّرَهَا بِبَيْتٍ فِي الْجَنَّةِ مِنْ قَصَبٍ" (انہیں جنت میں موتیوں کے ایک محل کی بشارت دے دیں)، آپ کائنات کی افضل ترین خواتین میں سے تھیں، بچپن میں ہی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو والدہ ماجدہ کی آغوش کرم سے جدائی دیکھنا پڑی، جس کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہی دوھری تربیت فرمائی اور آپ رسول اللہ کی خاص الخاص شفقت اور پیار سے فیض یاب ہوتی رہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والدہ کے حصہ کی محبتیں بھی سمیٹیں۔ حضرت خدیجہ کی جدائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی بہت زیادہ حزن کا باعث بنی اسی لیے اس سال کا نام ہی عام الحزن رکھا گیا۔ والدہ کے بعد سیدہ طیبہ کی رسول اللہ کے ساتھ قربت اور زیادہ بڑھ گئی اور چھوٹی عمر سے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضروریات کا خاص خیال رکھتیں، اور کفار کی تکلیف و ایذاء کو آپ سے دور کرنے میں کوشاں رہتیں، جیسا کہ عقبہ بن ابی معیط بدبخت کے واقعہ میں ہے کہ جیسے ہی آپ رضی اللہ عنہا تک اطلاع پہنچی، آپ جلد از جلد حرم میں تشریف لے گئیں اور اس تکلیف کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور کیا۔ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زخمی ہونے کی اطلاع پہنچی تو آپ کی مرہم پٹی کی۔ آپ رضی اللہ عنہا سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس طرح خیال رکھتیں کہ آپ کو "ام ابیھا"[1] بھی کہا جاتا تھا۔

---

[1] كُنْيَةُ فَاطِمَةَ: أُمُّ أَبِيهَا (اپنے باپ کی ماں)(قال الطبراني في "المعجم الكبير" (22 / 397))، وقال الذهبي رحمه الله تعالى: "فاطمة رضي الله عنها. وهي سيدة نساء هذه الأمة. كنيتها، فيما بلغنا: أم أبيها." انتهى من "تاريخ الإسلام" (2 / 29). كانت تكنى أَمّ أبيها." انتهى من "الإصابة" (14 / 87).

سیدہ طیبہ طاہرہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی وجہ تسمیہ

اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم مبارک کی طرح آپ رضی اللہ عنہا کا اسم مبارک بھی آپ کا علم ذاتی بھی ہے اور صفاتی بھی۔ آپ رضی اللہ عنہا کے اسم گرامی کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں:

ابن عساکر حضرت عبد اللہ بن مسعود سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إِنَّمَا سُمِّيَتْ فَاطِمَةُ فَاطِمَةَ لِأَنَّ اللهَ فطمها وَذُرِّيَّتَهَا عن النَّارِ يوم القيامة.

فاطمہ اس لیے نام ہوا کہ اللہ عزوجل نے اسے، اس کی نسل کو روز قیامت آگ سے محفوظ فرما دیا۔[1]

اس حدیث میں نہ صرف آپ کی شان کا بیان ہے، بلکہ آپ کی وجہ سے آپ کی اولاد پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کا بھی بیان ہے کہ وہ بھی جہنم سے محفوظ ہیں۔ سیدی اعلیٰ حضرت مزید لکھتے ہیں:

ائمہ دین اولیائے کاملین علمائے عالمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تصریح فرماتے ہیں کہ سادات کرام رحمہ اللہ تعالیٰ خباثت کفر سے محفوظ و مصئون ہیں جو واقعی سید ہے اس سے کبھی کفر واقع نہ ہو گا۔ قال اللہ:

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا

اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کر دے ستھرا کر کے۔

تمام فوائد اور بزار و ابو یعلی مسند اور طبرانی کبیر اور حاکم بافادہ تصحیح مستدرک میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إن فاطمة أحصنت فرجها فحرم الله وذريتها على النار[2]

بیشک فاطمہ نے اپنی حرمت پر نگاہ رکھی تو اللہ عزوجل نے اسے اور اس کی ساری نسل کو آگ پر حرام کر دیا۔[3]

---

1 فتاوی رضو یہ ج15ص 732، المواهب اللدنية المقصي الثاني الفصل الثاني بحواله ابن عساكر المكتب الإسلامي بيروت ج2ص46، تنز يهه الشر يعة بحواله ابن عساكر باب مناقب السبطين الخ الفصل الأول دار الكتب العلمية بيروت ج1ص 413

2 المستدرک للحاکم کتاب معرفة الصحابه دار الفكر بيروت ج3ص 152، فتاوی رضو یہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص731

3 فتاوی رضو یہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص731

طہارت سیدۃ نساء العالمین

اِنَّمَا یُرِیۡدُ اللّٰہُ لِیُذۡہِبَ عَنۡکُمُ الرِّجۡسَ اَہۡلَ الۡبَیۡتِ وَ یُطَہِّرَکُمۡ تَطۡہِیۡرًا

اللہ یہی چاہتا ہے کہ تم سے نجاست دور رکھے نبی کے گھر والو! اور تمہیں خوب پاک کر دے ستھرا کر کے۔

ان آیات کریمہ میں اہل بیت [1] سے کون مراد ہیں؟ اس میں تین اقوال نقل کیے گئے ہیں۔

1. صرف ازواج مطہرات مراد ہیں، اور اس کی ایک وجہ یہ نقل کی گئی کہ اس آیت سے پہلے اور اس کے بعد ازواج مطہرات سے خطاب ہے۔
2. ازواج مطہرات اور آل عبا دونوں مراد ہیں۔
3. آل کساء یعنی علی، حسن، حسین، سیدۃ النساء رضی اللہ عنہم مراد ہیں۔

اس کے شان نزول کے حوالے سے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

عَنۡ أَبِي سَعِيۡدٍ الۡخُدۡرِيِّ رضی الله عنه فِي قَوۡلِهِ تَعَالَی: ﴿إِنَّمَا يُرِيۡدُ اللهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ أَهۡلَ الۡبَيۡتِ﴾ قَالَ: نَزَلَتۡ فِي خَمۡسَةٍ: فِي رَسُوۡلِ اللهِ صلی الله علیه وسلم، وَعَلِيٍّ، وَفَاطِمَةَ، وَالۡحَسَنِ، وَالۡحُسَيۡنِ رضی الله عنهم.[2]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے)۔ کے بارے میں، فرمایا کہ یہ آیت پانچ شخصیات کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ۔

---

1 اہل بیت کلی مشکک ہے جو اپنے افراد پر باہمی فرق کے ساتھ صادق آتی ہے۔ جب کسی کے اہل بیت کا ذکر ہوتا ہے تو اس میں بنیادی طور پر تین طرح کے افراد مراد ہوتے ہیں،

اَ- خونی رشتے دار (جو رشتہ ختم نہیں ہوتا، اصول و فروع) الا یہ کہ کفر اس رشتہ کو ختم کر دیتا ہے۔ مگر ولدیت پھر بھی قائم رہتی ہے۔

ب- ازواج (جب تک نکاح میں ہوں تو اہل بیت ہیں، اگر کسی دوسرے سے نکاح ہو جائے تو اس کی اہل بیت ہو جاتی ہیں)

ت- گھر میں رہنے والے افراد (خادمین)

ان سب پر دلائل موجود ہیں کہ انہیں اہل بیت بولا جاتا ہے۔

سرکار دو عالم نے ان تینوں طرح کے افراد کو اہل بیت فرمایا ہے بلکہ اعزازا حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کو بھی اہل بیت فرمایا ہے۔

2 المعجم الأوسط للطبراني، 3 / 380، الرقم: 3456، المعجم الصغير، 1 / 231، الرقم: 375، كتاب طبقات المحدثين بأصبهان والواردين عليها لاصبهاني، 3 / 384، تاريخ بغداد للخطيب، 10 / 278، جامع البيان للطبري، 22 / 6.

ان تینوں اقوال میں پہلے قول کے رد میں خود نظم قرآن اور احادیث رسول ہیں۔ کیونکہ اس آیت کے ما قبل اور مابعد "جمع مونث" کی ضمائر ازواج مطہرات پر دلالت کرتی ہیں۔ لیکن اس آیت میں جن کے لیے حکم ہے ان کے لئے "عنکن" کے بجائے "عنکم" جمع مذکر کی ضمیر استعمال کی گئی ہے، جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اس میں صرف خواتین نہیں مرد بھی شامل ہیں۔ پھر اس پر کئی احادیث شاہد ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو مشہور اہل بیت ہیں ان کے حوالے سے اس آیت کریمہ کو تلاوت کیا۔

اس آیت کریمہ کے حوالے سے مسلم شریف میں حدیث پاک ہے۔

عَنْ صَفِيَةَ بِنْتِ شَيْبَةَ، قَالَتْ: قَالَتْ عَائِشَةُ رضی الله عنها: خَرَجَ النَّبِيُّ صلی الله علیه و آله وسلم غَدَاةً وَ عَلَيْهِ مِرْطٌ مُرَحَّلٌ، مِنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ، فَجَاءَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضی الله عنهما فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ جَاءَ الْحُسَيْنُ رضی الله عنه فَدَخَلَ مَعَهُ، ثُمَّ جَاءَتْ فَاطِمَةُ رضی الله عنها فَأَدْخَلَهَا، ثُمَّ جَاءَ عَلِيٌّ رضی الله عنه فَأَدْخَلَهُ، ثُمَّ قَالَ: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾۔[1]

حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت باہر تشریف لائے اس حال میں کہ آپ ﷺ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی، جس پر سیاہ دھاگوں سے کجاووں کے نقش بنے ہوئے تھے۔ تو حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما تشریف لائے تو آپ ﷺ نے اُنہیں اس چادر میں داخل فرما لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو وہ بھی ان کے ساتھ (چادر میں) داخل ہو گئے، پھر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے انہیں اس چادر میں داخل فرما لیا، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں داخل فرمالیا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت مبارکہ پڑھی: "اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرما دے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے"۔

---

[1] مُسْلِمٌ، کتاب: فضائل الصحابة، باب: فضائل أهل بيت النبي، 4 / 1883، الرقم: 2424، المصنف لابن أبي شيبة، 6 / 370، الرقم: 36102، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 672، الرقم: 1149، المسند لابن راهو يه، 3 / 678، الرقم: 1271، المستدرک للحاکم، 3 / 169، الرقم: 4707، السنن الكبري للبيهقي، 2 / 149، جامع البيان للطبري، 22 / 6، 7.

ایسی ہی روایت حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہما سے بھی ہے کہ یہ واقعہ ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر کا ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ رَبِيْبِ النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم، قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الْآيَةُ عَلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم: ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾ فِي بَيْتِ أُمِّ سَلَمَةَ، فَدَعَا فَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ، وَعَلِيٌّ رضى الله عنه خَلْفَ ظَهْرِهِ فَجَلَّلَهُ بِكِسَاءٍ، ثُمَّ قَالَ: اللَّهُمَّ، هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي، فَأَذْهِبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا.[1]

نبی اکرم ﷺ کے ربیب (لے پالک) حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت مبارکہ (إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا) (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے اور تمہیں پاک کر کے خوب ستھرا کر دے) جب حضور نبی اکرم ﷺ پر حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں نازل ہوئی۔ تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور چادر میں ڈھانپ لیا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پیچھے تھے، آپ ﷺ نے انہیں بھی چادر میں ڈھانپ لیا، پھر فرمایا: الٰہی! یہ میرے اہل بیت ہیں، ان سے ناپاکی دور کر دے اور ان کو خوب پاک کر کے ستھرا کر دے۔

اس کے بعد چھ ماہ تک جب آپ ﷺ صبح کی نماز کے لیے جاتے تو حضرت سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے دروازے پر اس آیت کی تلاوت فرماتے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضى الله عنه: أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَمُرُّ بِبَابِ فَاطِمَةَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ إِذَا خَرَجَ إِلَى صَلَاةِ الْفَجْرِ، يَقُوْلُ: الصلاة! يَا أَهْلَ الْبَيْتِ ﴿إِنَّمَا يُرِيْدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا﴾.[2]

---

1 الترمذي كتاب: تفسير القرآن، باب: ومن سورة الأحزاب، 5 / 351، 663، الرقم: 3205، مسند احمد بن حنبل، 6 / 292، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 587، الرقم: 994، المستدرک للحاكم، 2 / 451، الرقم: 3558، 3 / 158، الرقم: 4705، والمعجم الكبير للطبراني، 3 / 52، الرقم: 2662.

2 سنن ترمذی، كتاب: تفسير القرآن، باب: ومن سورة الأحزاب، 5 / 352، الرقم: 3206، مسند احمد بن حنبل، 3 / 259، 285، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 761، الرقم: 1340، 1341، المصنف لابن أبي شيبة، 6 / 388، الرقم: 32272، الآحاد والمثاني للشيباني، 5 / 360، الرقم: 2953، المسند لعبد بن حميد: 367، الرقم: 12223، المستدرک للحاكم، 3 / 172، الرقم: 4748.

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ چھ ماہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فجر کی نماز کے لئے نکلتے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے دروازہ کے پاس سے گزرتے تو فرماتے: اے اہل بیت! الصلاۃ (اس آیت کی تلاوت فرماتے)۔ إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (اللہ تو یہی چاہتا ہے اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی دُور فرمادے اور تمہیں پاک کرکے خوب ستھرا کردے)۔

مامور من الرسول حضور تاجدار گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

البتہ جداگانہ اور ممتازانہ تطہیر آل کساحدیث ذیل ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے۔

عن ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان فی بیتھاعلی منامۃ لہ علیہ کساء خیبری فجاءت فاطمۃ ببرمۃ فیھا خزیرۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعی زوجك وابنیك حسنا وحسینا فدعتھم فبینماھم یاکلون اذاانزلت علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَ يُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب 33) فاخذ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بفضلہ فغشاھم ایاھاثم اخرج یدہ من الکساء والویٰ بھا الی السمآء ثم قال اللھم ھٰؤلاء اھل بیتی وفی روایۃ وخاصتی فاذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا قالھا ثلاثامرات قالت ام سلمۃ فادخلت راسی فی الستر فقلت یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانامعکم فقال انك الیٰ خیر مرتین۔(مسند احمد وغیرہ)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر بستر پر آرام فرماتھے اور اوپر خیبر سے لائی ہوئی ایک اونی چادر لی ہوئی تھی اور اس حال میں جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا ایک برتن لائیں جس میں طعام تھا، حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ اپنے خاوند اور دونوں بیٹوں حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو بلا لو، جب یہ حضرات کھانا تناول فرمارہے تھے تو آیت تطہیر نازل ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے اپنی چادر مبارک کا کچھ حصہ ان کے اوپر ڈال کر انہیں اس میں ڈھانپ لیا، پھر چادر سے ہاتھ نکال کر آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: اے خدا یہ میرے خاص اہل بیت ہیں ان سے رجس وناپاکی زائل فرما کر انہیں خوب پاک فرمادے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اس طرح فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے چادر کے اندر سر کرکے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابا دوبار فرمایا تو بھلائی کی طرف ہے۔

اس حدیث سے آل کساء یعنی سیدۃ النساء، حسن، حسین اور علی علیہم السلام کے لئے جداگانہ تطہیر معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انہی حضرات کو چادر کے اندر داخل کرنا اور پھر تین مرتبہ دعامانگنا اور فرمانا "فاذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهيرا"، بے شک ایک نرالی تطہیر ہے۔ اس "طهرهم" کے یہ معنی نہیں کہ آل کساء علیہم السلام کے لئے جداگانہ احکام شرعیہ بھیج بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کو طہارت کاملہ سے مطہر فرما۔ اس حدیث میں جملہ "اللهم هٰؤلاء اهل بيتي وخاصتي" قابل غور ہے۔ ان چار تن پاک کی خصوصیت لفظ خاصتی سے تو ظاہر ہے ہی، اس کے علاوہ لفظ "هؤلاء" سے جو خصوصیت و امتیاز وصف (اہل بیت) مقصود ہے وہ اہل علم ہی سمجھ سکتے ہیں۔

(**قاعدہ**) یہ امر مسلم اور ثابت شدہ ہے کہ مسند الیہ کی تعریف بالاشارہ اس کی تمیز کو اعلیٰ درجہ کی تمیز کا فائدہ دیتی ہے یعنی یہ مسند الیہ بنی نوع سے ممتاز اور مخصوص ہے ساتھ اس حکم کے جو اس مسند الیہ کے بعد ذکر کیا جائے گا۔

کما قال الشاعر:

هذا ابو الصقر فردا فی محاسنه   من نسل شيبان بين الضال و السلم

معنی۔ یہ ہیں ابو الصقر جو ضال و سلم کے درختوں کے درمیان رہنے والے شیبانی نسل کے ایسے شخص ہیں جو اپنے محاسن میں منفرد ہیں۔

اس حدیث شریف میں چار تن پاک کو هؤلاء کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ آل عبا علیہم السلام حکم اہل بیت و خواص ہونے میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اور اذہاب الرجس و تطہیر بدیں معنی یعنی سب عیوب سے پاک کر دیا انہی کا حصہ ہے۔ اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو زیر عفو و تطہیر داخل ہو گی۔

اگر حدیث کے لحاظ سے آیت تطہیر میں وہ معنی نہ لیے جائیں جو بقرینہ نظائر اوپر لکھ چکا ہوں تو بھی غیر مناسب نہیں بلکہ دوسرے معنی کا مراد لینا واجب ہے۔ یہ خیال نہ کیا جائے کہ امر قطعی الوقوع یعنی تطہیر آل کساء بوجہ مراد ہونے باری تعالیٰ کے ضروری التحقق ہو گی۔ پھر دعامانگنے کے کیا معنی؟ اس لیے کہ قطعی الوقوع بھی بذریعہ دعا طلب کیا جاتا ہے۔ دیکھیے موعود باری عزاسمہ کا وقوع یعنی وہ امر جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا ہو ضروری اور قطعی التحقق ہے۔ معٰہذا

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰی رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران 194)

ترجمہ: (اے پروردگار تونے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے وعدے کیے ہیں وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں رسوانہ کرنا تو بے شک خلاف وعدہ نہیں کرتا) وارد ہے اور دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ یوم لا یخزی اللہ النبی (الآیۃ) آچکا تھا۔ پھر بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم و لا تخزنا یوم القیٰمۃ، بجناب باری عزاسمہ عرض فرماتے ہی رہے۔

حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے تفسیر در منثور میں اس آیت کے متعلق پہلے تقریباً چار روایات اس مضمون کی ذکر کی ہیں کہ اہل بیت سے مراد ازواج مطہرات ہیں۔ اس کے بعد تقریباً بیس روایات مختلفۃ الطرق اس میں لائے ہیں کہ اہل بیت سے مراد آل کساء پاک ہی ہیں علیہم السلام منجملہ ان روایات کے حدیث ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا بھی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اگر کہا جائے کہ اس تقدیر پر کلام بے ربط ہو جائے گا۔ کیونکہ آیت میں خطاب ازواج مطہرات کی جانب چلا آتا ہے تو جواباً کہہ سکتے ہیں کہ کلام متسق النظام میں جملہ اجنبیہ کا واقع ہو جانا محاورۃ عربیہ کے خلاف نہیں بلکہ یہ قرآن کریم میں کئی جگہ واقع ہے۔ قال اللہ تعالیٰ:

قَالَتْ اِنَّ الْمُلُوْكَ اِذَا دَخَلُوْا قَرْيَةً اَفْسَدُوْهَا وَ جَعَلُوْٓا اَعِزَّةَ اَهْلِهَآ اَذِلَّةً ۚ وَ كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ(34) وَاِنِّيْ مُرْسِلَةٌ اِلَيْهِمْ بِهَدِيَّةٍ۔ (النمل: 34-35)

ترجمہ: بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں اور اسی طرح یہ بھی کریں گے۔ اور میں ان کی طرف کچھ تحفے بھیجتی ہوں۔

اس آیت میں کلام بلقیس میں کذالك یفعلون بقول ابن عباس جملہ معترضہ منجانب باری عزّ اسمہ واقع ہوا ہے۔ ایسا ہی۔

فلا أقسم بمواقع النجوم وإنه لقسم لو تعلمون عظيم، إنه لقرآن كريم (الواقعہ 75-77) ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم اور اگر تم سمجھو تو یہ بہت بڑی قسم ہے کہ یہ بڑے رتبے کا قرآن ہے۔

میں وإنه لقسم لو تعلمون عظيم، اعتراض پر اعتراض ہے۔

حضرت شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کشفی بیان سے بھی بمطابق روایات کثیرہ یہی ظاہر ہوتا ہے کہ آیۃ تطہیر کا نزول آل کساء یعنی سیدۃ النساء و حسن و حسین و علی علیہم السلام اور ان کی اولاد کی شان میں ہے۔ چنانچہ وہ باب 29 فتوحات مکیۃ میں لکھتے ہیں:

فدخل الشرفاء اولاد فاطمة كلهم رضي الله عنهم ومن هو من اهل البيت مثل سلمان فارسى الى يوم القيامة فى حكم هٰذا الآية من الغفران فهم المطهرون اختصاصاً من الله وعنايته بهم

لشرف محمد صلی اللہ علیہ و سلم وعنایۃ اللہ بہ ولا یظہر حکم ھٰذا الشرف لاھل البیت الا فی الدار الآخرۃ فانہم یحشرون مغفورا لہم واما فی الدنیا فمن اتی منہم حدا اقیم علیہ کالتائب اذ بلغ الحاکم امرہ فقد زنیٰ وسرق اوشرب اقیم علیہ الحد مع تحقق المغفرۃ کماعز وامثالہ ولایجوز ذمہ وینبغی لکل مسلم یؤمن باللہ وبما انزلہ ان یصدق اللہ تعالیٰ فی قولہ (لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا) فیعتقد فی جمیع مایصدر من اھل البیت ان اللہ تعالیٰ قد عفا عنہم فیہ فلا ینبغی لمسلم ان یلحق المذمۃ بہم ولا ما یشنأ اعراض من قد شہد اللہ بتطہیرہ وذھاب الرجس عنہ لا بعمل عملوہ ولا بخیر قدموہ بل بسابق عنایۃ من اللہ بہم ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔

ترجمہ: سادات فاطمیہ جو قیامت تک ہونے والے ہیں اور جو لوگ اہل بیت میں شمار ہیں جیسے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ وہ سب اس آیت کے حکم میں داخل ہیں۔ اور وہ خواہ کیسے ہی گنہگار ہوں حشر ان کا اس حال میں ہو گا کہ مغفور ہوں گے۔ لیکن مغفرت کاملہ کا ظہور آخرت میں ہو گا۔ دنیا میں اگر ان سے کوئی فعل سرزد ہو جس پر شرعی حد جاری ہوتی ہے تو وہ ان پر بھی جاری کی جائے گی۔ جیسے توبہ کے باوجود زانی پر ثبوت جرم کے بعد حد لگائی جاتی ہے۔ اور جو ایک صحابی رضی اللہ عنہ حضرت ماعز کے قصہ سے ظاہر ہے۔ جنہیں توبہ کرنے کے بعد بھی شرعی حد لگائی گئی۔ لہٰذا مسلمان کو یہ ہرگز مناسب نہیں کہ وہ ان لوگوں کی مذمت یا تحقیر کرے جن کی پاکیزگی اور تحفظ کی خود اللہ تعالیٰ نے شہادت دی ہے۔ یہ فضل و کرم ان کے کسی عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ محض عنایت ربانی ہے اور اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے اپنا فضل کرتا ہے۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و آلہ وصحبہ۔

پھر اس باب میں لکھتے ہیں۔

فلو کشف لک یا ولی عن منازلہم عند اللہ فی الآخرۃ لوددت ان تکون مولی من موالیہم۔

یعنی اے دوست اگر اللہ تعالیٰ تمھارا حجاب دور فرما کر تمھیں اہل بیت کی شان اور رتبہ جو ان کو عند اللہ آخرت میں حاصل ہو گا، دکھائے تو ضرور تو تہہ دل سے ان کی غلامی کو چاہے۔[1]

---

[1] تصفیہ ما بین سنی و شیعہ ص 54_58

حافظ ابن حجر عسقلانی "بیت" کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ""اہل بیت نبی" کا مرجع سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں:

وَفِي ذِكْرِ الْبَيْتِ مَعْنًى آخَرُ لِأَنَّ مَرْجِعَ أَهْلِ بَيْتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَيْهَا لِمَا ثَبَتَ فِي تَفْسِيرِ قَوْلِهِ تَعَالَى إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ قَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ لَمَّا نَزَلَتْ دَعَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةَ وَعَلِيًّا وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ فَجَلَّلَهُمْ بِكِسَاءٍ فَقَالَ اللَّهُمَّ هَؤُلَاءِ أَهْلُ بَيْتِي الْحَدِيثُ أَخْرَجَهُ التِّرْمِذِيُّ وَغَيْرُهُ وَمَرْجِعُ أَهْلِ الْبَيْتِ هَؤُلَاءِ إِلَى خَدِيجَةَ لِأَنَّ الْحَسَنَيْنِ مِنْ فَاطِمَةَ وَفَاطِمَةُ بِنْتُهَا وَعَلِيٌّ نَشَأَ فِي بَيْتِ خَدِيجَةَ وَهُوَ صَغِيرٌ ثُمَّ تَزَوَّجَ بِنْتَهَا بَعْدَهَا فَظَهَرَ رُجُوعُ أَهْلِ الْبَيْتِ النَّبَوِيِّ إِلَى خَدِيجَةَ دُونَ غَيْرِهَا۔[1]

"بیت" کے ذکر میں ایک اور معنی ہے اور وہ یہ ہے کہ "اہل بیت النبی ﷺ" کا مرجع ان (سیدہ خدیجہ) کی طرف ہے۔ اللہ تعالی کے قول (**إنما يريد الله ليذهب عنكم الرجس أهل البيت**) کی تفسیر میں یہ بات ثابت ہے کہ ام سلمہ نے فرمایا: کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فاطمہ، علی، حسن، حسین کو بلایا اور ایک چادر سے انہیں ڈھانپ دیا۔ اور فرمایا: اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں (الی آخر الحدیث) اور ان اہل بیت کا مرجع سیدہ خدیجہ ہیں کیونکہ حسنین سیدہ فاطمہ سے ہیں اور فاطمہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ہیں اور سیدنا علی جب بچے تھے تو آپ نے سیدہ خدیجہ کے گھر میں پرورش پائی، پھر آپ کی بیٹی سے شادی کی تو اہل بیت نبوی کا رجوع سیدہ خدیجہ کی طرف ظاہر ہوا (یہ فضیلت کسی) اور کی نہیں۔

علامہ عبد الرؤوف مناوی (المتوفی: 1031ھ) فیض القدیر میں آپ کی طہارت کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

وفي الفتاوى الظهيرية للحنفية أن فاطمة لم تحض قط ولما ولدت طهرت من نفاسها بعد ساعة لئلا تفوتها صلاة قال: ولذلك سميت بالزهراء وقد ذكره من صحبنا المحب الطبري في ذخائر العقبى في مناقب ذوي القربى وأورد فيه حديثين أنها حوراء آدمية طاهرة مطهرة لا تحيض ولا يرى لها دم في طمث ولا ولادة وفي الدلائل للبيهقي أن المصطفى صلى الله تعالى عليه وعلى آله وسلم وضع يده على صدرها و رفع عنها الجوع فما جاعت بعد وفي مسند أحمد

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة = بيروت، 1379 ج 7ص 138

وغیرہ أنها لما احتضرت غسلت نفسها وأوصت أن لا یکشفها أحد فدفنها علی بغسلها ذلك وذکر العلم العراقی أن فاطمۃ وأخاها إبراهیم أفضل من الخلفاء الأربعۃ بالاتفاق[1]

اور احناف کے فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ سیدہ پاک کو خواتین کا عارضہ کبھی بھی لاحق نہیں ہوا۔ اور جب آپ کے ہاں ولادت بھی ہوئی تو آپ ساعت بعد ہی پاک ہو گئیں کہ کہیں آپ کی نماز فوت نہ ہو جائے۔ فرماتے ہیں اس لیے آپ کا نام زہراء رکھا گیا ہمارے اصحاب میں سے محب طبری نے اسے ذکر کیا ہے اور اس میں دو حدیثیں بیان کی ہیں کہ بے شک آپ آدمیوں میں حور ہیں، طاہرہ مطہرہ ہیں، نہ ہی آپ کو عورتوں والا عارضہ لاحق ہوا، نہ ولادت کے وقت دم دیکھا گیا۔ اور امام بیہقی کی الدلائل میں ہے کہ مصطفی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے آپ پر دست مبارک رکھا جس سے آپ سے بھوک ختم ہو گئی، اس کے بعد کبھی بھوک نہیں لگی۔ اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ جب آپ کے وصال کا وقت آیا، تو آپ نے خود غسل فرمایا اور وصیت فرمائی کہ کوئی انہیں نہ کھولے تو حضرت علی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ نے آپ کو آپ کے غسل پر دفن کیا، اور امام علم الدین عراقی نے ذکر فرمایا ہے بے شک فاطمہ اور ان کے بھائی ابراہیم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا (بضعیت کے اعتبار سے) خلفاء اربعہ سے بالاتفاق افضل ہیں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلی رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں:

اہل بیت سے کوئی بھی جہنمی نہیں

ابو القاسم بن بشران اپنے امالی میں حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ وسلم فرماتے ہیں:

سألت ربی ان لا یدخل أحدا من اهل بیتی النار فاعطانیها.[2]

میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میرے اہل بیت سے کسی کو دوزخ میں نہ ڈالے اس نے میری یہ مراد عطا فرمائی۔

---

[1] فیض القدیر شرح الجامع الصغیر المؤلف: زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علي بن زین العابدین الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: 1031ھ) الناشر: دار المعرفة –بیروت الطبعة: الثانية، 1391ج 4 ص 422

[2] کنز العمال بحواله ان بشران فی امالیه عن عمران بن حصین حدیث 34149 موسسة الرساله بیروت ج12ص95، فتاوی رضویه رضا فاؤنڈیشن ج15 ص731

اہل بیت عذاب سے بری ہیں

طبرانی بسند صحیح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے راوی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

ان اللہ تعالی غیر معذبك ولا ولدك.[1]

بیشک اللہ تعالیٰ نہ تجھے عذاب فرمائے گا نہ تیری اولاد کو۔

اہل بیت آگ میں نہیں جاسکتے

قرطبی آیۂ کریمہ: "وَ لَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" کی تفسیر میں حضرت ترجمان القرآن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ناقل کہ انہوں نے فرمایا:

رضا محمد صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ان لایدخل احد من اهل بیته النار.[2]

یعنی اللہ عزوجل نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے راضی کر دینے کا وعدہ فرمایا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا اس میں ہے کہ ان کے اہل بیت سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔

نار دو قسم کی ہے: نار تطہیر کہ مومن عاصی جس کا مستحق ہو، اور نار خلود کافر کے لئے ہے اہل بیت کرام میں حضرت امیر المومنین مرتضیٰ و حضرت بتول زہراء و حضرت سید مجتبیٰ، حضرت شہید کربلا صلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدہم و علیہم وبارک وسلم تو بالقطع والیقین ہر قسم سے ہمیشہ ہمیشہ محفوظ ہیں اس پر تو اجماع قائم اور نصوص متواترہ حاکم باقی نسل کریم تاقیامت کے حق میں اگر بفضلہٖ تعالیٰ دخول سے محفوظی لیجئے اور یہی ظاہر لفظ سے متبادر، اور اسی طرف کلمات اہل تحقیق ناظر، جب تو مراد بہت ظاہر، اور منع خلود مقصود جب بھی نفی کفر پر دلالت موجود۔[3]

شرح المواھب للعلامۃ الزرقانی میں زیر حدیث مذکور:

انما سمیت فاطمة هی فأما هی، وابناها، فالمنع مطلق، وأما من عداهم، فالممنوع عنهم نار الخلود، وأما رواه أبو نعیم، والخطیب، أن علیا الرضا بن موسی الكاظم ابن جعفر الصادق

---

1. المعجم الکبیر عن عباس حدیث المکتبۃ الفیصلیۃ بیروت، فتاوی رضویہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص 732
2. الجامع لاحکام القرآن (تفسیر قرطبی) تحت آیۃ ولسوف یعطیک ربک دار احیاء التراث العربی بیروت ج 20 ص 95، فتاوی رضویہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص 732
3. فتاوی رضویہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص 733

سئل عن حديث أن فاطمة أحصنت فرجها، فحرمها الله وذريتها على النار، فقال: خاص بالحسن والحسين، وما نقله الأخباريون عنه من توبيخه لأخيه زيد حين خرج على المأمون، وقوله أغرك قوله صلى الله تعالى عليه وسلم أن فاطمة أحصنت الحديث، أن هذا لمن خرج من بطنها، لا لي، ولا لك فهذا من باب التواضع، وعدم الاغترار بالمناقب، وإن كثرت، كما كان الصحابة المقطوع لهم بالجنة على غاية من الخوف، والمراقبة وإلا فلفظ ذرية، لا يخص بمن خرج من بطنها في لسان العرب وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ الاية وبينهم وبينه قرون كثيرة فلا يرد بذلك مثل على الرضا مع فصاحته ومعرفته لغة العرب، على أن التقييد بالطائع يبطل خصوصية ذريتها ومحبيها إلا أن يقال لله تعذيب الطائع، فالخصوصية أن لا يعذبه إكراما لها والله اعلم اھ مختصرا ورأيتني كتبت على هامش قوله الا ان يقال ما نصه. أقول ولا يجدي فان الوقوع ممنوع باجماع اهل السنة واما الإمكان فثابت عند من يقول به الى خلاف ائمتنا الماتريدية رضي الله تعالى عنهم فانهم يحيلونه.

(فتاویٰ رضویہ کے اس حصہ میں متن وترجمہ میں کتابت کا تسامح تھالہذا ترمیم کی ہے)

بیشک فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ نام ہے لیکن فاطمہ اور ان کے بیٹے تو ان پر مطلقا جہنم کی آگ ممنوع ہے لیکن ان کے ماسوا کے لیے جہنم کا خلود ممنوع ہے۔ آپ پر اور ان پر اللہ تعالیٰ کا سلام ہو۔ اور لیکن جو ابو نعیم اور خطیب نے روایت کیا ہے کہ علی رضا بن موسیٰ کاظم ابن جعفر الصادق سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا گیا کہ فاطمہ نے اپنے حرم گاہ کو محفوظ رکھا تو انہوں نے جواب میں فرمایا یہ حسن اور حسین کے لیے خاص ہے، اور وہ جو مورخین نے ان سے یہ نقل کی کہ انہوں نے اپنے بھائی زید کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا جب اس نے مامون پر خروج کیا اور کہا کیا تجھے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے اس فرمان نے غرور میں مبتلا کیا ہے کہ فاطمہ نے اپنی حرم گاہ کو محفوظ رکھا ہے الحدیث، اس پر انہوں نے فرمایا یہ میرے اور تیرے لیے خاص نہیں بلکہ جو آپ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوا ہے ان سب کے لیے ہے، تو یہ تواضع اور مناقب کثیرہ کے باوجود غرور نہ کرنے کے باب سے ہے جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لیے جنت قطعی ہے اس کے باوجود وہ خوف ومراقبہ میں مبتلا تھے، ورنہ تو ذریت کا لفظ عربی زبان میں ایک پیٹ کی اولاد کے لیے خاص نہیں، جیسے آیۂ کریمہ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَ سُلَيْمٰنَ ہے، حالانکہ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اور داؤد وسلیمان علیہما السلام کے درمیان کئی قرون کا فاصلہ ہے، لہذا علی رضا اپنی فصاحت اور عربی لغت کی معرفت کے باوجود یہ خاص مراد نہیں لے سکتے، علاوہ ازیں فرمان بردار کی تقیید حضرت

زہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد کی خصوصیت کو باطل کر دیتی ہے، مگر یوں کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو فرمان بردار کی تعذیب کا اختیار ہے لیکن حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے اکرام کے لیے اسے عذاب نہیں دیتا، واللہ تعالیٰ اعلم اھ مختصرا۔ میں نے زرقانی کے قول الا ان یقال پر حاشیہ لکھا ہے جس کی عبارت یہ ہے۔ اقول (میں کہتا ہوں) ان کا یہ بیان مفید نہیں ہے **عذاب کا وقوع تو باجماع اہل سنت ممنوع ہے**، باقی رہا امکان تو یہ اس کے قائل کے ہاں ثابت ہے جو ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ محال سمجھتے ہیں۔[1]

ایک اور مقام پر شیخ اکبر کے حوالے سے سیدی اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

شیخ اکبر اور اہل بیت

امام الطریقہ لسان الحقیقہ شیخ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوحات مکیہ باب 29 میں فرماتے ہیں:

ولما كان رسول الله صلى الله عليه وسلم عبدا محضا قد طهره الله تعالى وأهل بيته تطهيرا، وأذهب عنهم الرجس وهو كل ما يشينهم، فإن الرجس وهو كل ما يشينهم فهم المطهرون؛ بل هم عين الطهارة.. فهذه الاية تدل على أن الله تبارك وتعالى قد شرك أهل البيت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في قوله تعالى ليغفر لك الله ما تقدم من ذنبك وما تأخر، وأي وسخ وقذر من الذنوب فطهر الله سبحانه نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم بالمغفرة مما هو ذنب بالنسبة إلينا فدخل الشرفاء أولاد فاطمة كلهم رضي الله تعالى عنه إلى يوم القيامة في حكم هذه الاية من الغفران الى اخر ما افاد واجاد وثمه **كلام طويل نفيس جليل فعليك به رزقنا الله العمل بما يحبه ويرضاه امين!**[2]

(فتاویٰ رضویہ کی اس عبارت کے ترجمہ میں کاتب یا مترجم سے سہو ہے اس لیے ترجمہ میں کچھ تبدیلی ہے)

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے خاص عبد ہیں کہ ان کو اور ان کے اہل بیت کو کامل طور پر پاک کر دیا ہے اور ناپاکی کو ان سے دور کر دیا ہے اور رجس ہر ایسی چیز ہے جو ان حضرات کو داغدار کرے تو وہ پاکیزہ لوگ بلکہ وہی عین طہارت ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

---

1 فتاویٰ رضویہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص 734

2 فتاوی رضویہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص 736

کے ساتھ اہل بیت کو طہارت میں شریک فرمایا ہے جس پر آیۂ کریمہ ہے ''لیغفر لك اللہ'' اللہ تمہارے سبب سے گناہ بخشے تمہارے اگلوں کے اور تمہارے پچھلوں کے، یعنی گناہوں کی میل و قذر سے آپ کو پاک رکھا ہے جو ہماری نسبت سے گناہ ہو سکتے ہیں تو تمام سادات حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد قیامت تک اس مغفرت کے حکم میں داخل ہے۔ **حضرت شیخ نے بہترین فائدہ مند کلام فرمایا یہاں آپ کا جلیل نفیس طویل کلام ہے تو آپ پر لازم ہے کہ اس کی طرف راجع ہوں اللہ تعالیٰ ہمیں پسندیدہ عمل کا حصہ عطا فرمائے، آمین!**

اولاد فاطمہ کے جنتی ہونے پر تفصیلی دلائل بیان کرنے کے بعد آخر میں سیدی اعلیٰ حضرت نتیجہ میں لکھتے ہیں:

ہر سید صحیح النسب طاہر ہے (صغریٰ) اور کوئی طاہر نجس نہیں (کبریٰ)۔ نتیجہ: کوئی سید صحیح النسب نجس نہیں۔

صغریٰ منصوص اور کبریٰ بدیہی تو نتیجہ قطعی [1]

ہر سید صحیح النسب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا پارہ ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کا کوئی پارہ مستحق نار نہیں (ملخص) [2]

علامہ عبد الوہاب شعرانی (م: 973ھ) ''البحر المورود'' میں طریقت کے آداب بیان کرتے ہوئے ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فأما أولاد فاطمة رضی اللہ عنهم فإنهم بضعة من رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم و لا ینبغی لمسلم ان یدخل بضعة من رسول اللہ صلی اللہ علیه و سلم تحت أمره و تصریفه و خدمته کما یفعل بالمریدین من آحاد الناس و من فعل ذلك من الفقراء فهو دلیل علی جهله بالواجب فضلا عن الآداب فإن اللہ تعالی جعل مرتبة الشرفا أعلی منا اختصاصا إلهیا لا بعمل عملوه و لا بخیر قدموه بل سابق عنایة من اللہ عزو جل لهم.

وتأمل قوله تعالی: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا﴾ (الاحزاب: 33) یظهر لك ما قلناه، فإنه لا رجس ارجس من المعاصی، فذنوبهم انما هی ذنوب

---

1 فتاویٰ رضویہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص 738

2 فتاوی رضویہ رضا فاؤنڈیشن ج 15 ص 738

فی الصورۃ لا فی المعنی، لعدم مؤاخذۃ الحق تعالی لھم بھا، فأی شیخ یدعی ھذا القدم لہ، ولو توقفت المغفرۃ لذنوبھم علی توبتھم، لم یکن لھم مزیۃ ولا اختصاص علی غیرھم، فافھم۔[1]

بہر حال اولاد فاطمہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا جزء ہیں جیسا کہ روایت میں آیا ہے۔ اور مناسب نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ٹکڑے کو اپنے امر اور تصرف کے تحت داخل کیا جائے جیسا کہ عام مریدین کے ساتھ کیا جاتا ہے اور جو فقراء کے ساتھ ایسا کرے وہ آداب تو کجا اس کے لازم امر سے ناواقف ہونے کی دلیل ہے۔ بے شک اللہ تعالی نے شرفاء کو ہم میں سے سب سے بلند درجہ عطا کیا جو اختصاص الٰہی ہے نہ کہ ان کے کسی عمل کی وجہ سے ہے اور نہ ان کی کسی سابقہ نیکی کی وجہ سے ہے بلکہ یہ ان پر اللہ تعالی کی خاص عنایت ہے۔

اور غور کرو اللہ تعالی کے فرمان [إِنَّمَا يُرِيدُ اللهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا] (الاحزاب، ۳۳) میں تو جو ہم نے کہا ہے وہ آپ کے لئے ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ گناہوں سے بڑی کوئی نجاست نہیں سو ان کے گناہ صرف صورتاً ہیں نہ کہ معناً کیونکہ حق تعالیٰ ان کا ان گناہوں پر مواخذہ نہیں فرمائے گا۔ تو کون ایسا شیخ ہے جو اس مقام کا اپنے لیے دعوی کر سکے۔ اور اگر ان کے گناہوں کی مغفرت ان کی توبہ پر ہی منحصر ہے، تو اس میں ان کی کوئی خصوصیت نہیں اور نہ ان کا غیر پر کوئی اختصاص ہو گا، اس کو سمجھو۔

حدیث پاک "فاطمة بضعة منی يَرِيبُنِی مَا رَابَهَا وَيُؤْذِينِی مَا آذَاهَا" کی روشنی میں آپ نے علماء کا قول نقل کیا:

قال العلماء: ولأولادھا كلِّھم ھذا الحكم إلی یوم القیامة، فعُلِم أن من أقبحِ الخصالِ أن یتسرَّی الواحد علی شریفةٍ، أو یتزوجَ علیھا، أو یُؤذیھا بسوءِ خلقه، أو بُخله، أو یُخالفھا فی شیء تطلبه منه من المباحات۔[2]

سیدہ پاک کی قیامت تک کی ساری اولاد اسی حکم میں شامل ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ بدترین عمل یہ ہے کہ کسی شریفہ سے بناوٹی مروت کرنا، یا شریفہ پر دوسری شادی کرنا، یا اسے بد اخلاقی کے ذریعے یا بخل سے اسے ضرر دینا، یا مباح امور میں اگر وہ کوئی مطالبہ کرے تو اس کی مخالفت کرنا۔

---

1 البحر المورود فی المواثیق والعهود المؤلف: ابوالمواهب عبدالوهاب الشعرانی (م: 973ھ) دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان، الطبعة الثانية 2011ء) ص 112

2 البحر المورود فی المواثیق والعهود المؤلف: ابوالمواهب عبدالوهاب الشعرانی (م: 973ھ) دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان، الطبعة الثانية 2011ء) ص 144

آیت مباہلہ

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ. ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ. (ال عمران 59-61)

پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان سے فرمادو آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں پھر مُباہلہ کریں تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈالیں۔

اس آیت کے شان نزول کے حوالے سے مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

وَلَمَّا نَزَلَتْ هَذِهِ الآيَةُ (فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ) دَعَا رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم عَلِيًّا وَفَاطِمَةَ وَحَسَنًا وَحُسَيْنًا فَقَالَ « اللَّهُمَّ هَؤُلاَءِ أَهْلِى »[1]

جب یہ آیت مبارکہ (ندعُ أبناءنا وأبناء کم) (آؤ ہم تم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا اللّٰهُمَّ هَؤُلاَءِ أهل بَيْتِي اے اللہ یہ میرے گھر والے ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں کو اسلام کی دعوت دی، تو ان کا ایک وفد عاقب نامی شخص کی قیادت میں مدینہ طیبہ حاضر ہوا اور آپ سے بحث کرنے لگا۔ جس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رب تعالیٰ نے انہیں مباہلہ کرنے کی دعوت دینے کا حکم ارشاد فرمایا۔ اس کی تفسیر میں تاجدار گولڑہ بیان فرماتے ہیں:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انہیں دعوت اسلام فرمائی مگر انہوں نے معذرت کی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سوال کیا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کا باپ کون تھا ان کا عقیدہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام (معاذ اللہ) خدائے تعالیٰ کے بیٹے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظار وحی کیا جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ. خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ، اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ، فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ. ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ.[2]

---

1 صحیح مسلم الرقم: 6373

2 (ال عمران 59-61)

آیت کا مطلب اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کا حال مثل آدم علیہ السلام کے ہے اللہ تعالیٰ نے اسے مٹی سے بنایا اور کہا "ہو" اور وہ ہو گیا حق تمہارے رب کی طرف سے ہے پس شک کرنے والوں میں سے مت ہو اگر کوئی اس علم اور دانست کے بعد تم سے اس بات پر جھگڑے تو اس کو کہہ دو کہ فریقین مع اپنے بیٹوں اور عورتوں کے مل کر جھوٹوں پر عجز و انکسار سے لعنت کریں (یعنی مباہلہ کریں)۔

یہ کلام الٰہی سن کر بھی وہ لوگ اپنے عقیدہ سے نہ پھرے اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اب بھی نہیں مانتے ہو تو آؤ ہم مباہلہ کر لیں اور مشورہ کے لئے انہیں وقت دیا۔ اپنی فرودگاہ میں پہنچ کر ان کے قائد نے کہا کہ مجھے یقین ہے کہ گو آپ لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کا زبان سے اقرار نہیں کرتے مگر آپ سب لوگ دل میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نبی برحق مانتے ہیں۔ اور ان کا بیان دربارہ مسیح علیہ السلام بھی مدلل اور معقول ہے لہٰذا مباہلہ کرنا میرے نزدیک ٹھیک نہ ہو گا۔ کیونکہ سچے نبی سے مباہلہ کرنے والی قوم یقینا ہلاک ہو جاتی ہے بہتر ہے صلح کر لیں۔

سب نے یہ رائے پسند کی اور دوسرے روز جب حضورِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آئے تو دیکھتے کیا ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جناب حسین علیہ السلام کو گود میں اٹھائے اور حسن علیہ السلام کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ جناب سیدۃ النساء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے تشریف لا رہے ہیں۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے ہیں کہ اگر نصاریٰ مباہلہ کو آ گئے تو میں دعا مانگوں گا اور تم سب مل کر آمین کہنا۔ جب نصاریٰ نے یہ نقشہ دیکھا تو کانپ گئے اور عاقب نے ان سے کہا کہ "اے گروہِ نصاریٰ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ پانچ منہ خدائے تعالیٰ سے کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھاڑنے کا سوال کریں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور اسے پورا کرے گا۔ پس مباہلہ مت کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے"۔ حسب رائے نصاریٰ نے عرض کیا کہ ہم مباہلہ نہیں کرتے اور اس بات پر صلح کرتے ہیں کہ آپ ہمارا تعرض نہ فرمائیں اور ہم دو ہزار حلہ (پوشاک) سالانہ حضور میں بطور جزیہ پہنچایا کریں گے۔ آخر الامر اسی پر صلح ٹھہری۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ إن العذاب قد تدلی علی أھل نجران ولو تلاعنوا لمسخوا قردۃ وخنازیر ولاضطرم علیھم الوادی نارا، ولاستأصل اللہ نجران وأھلہ حتی الطیر علی الشجر، ولما حال الحول علی النصاری کلھم حتی ھلکوا.

ترجمہ: مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ بالتحقیق عذاب قریب آگیا تھا اہل نجران پر۔ اور وہ مباہلہ کرتے تو وہ بندروں اور خنزیروں کی شکلوں پر ہو جاتے اور وادی ان پر آگ ہو کر بھڑکتی اور البتہ اللہ تعالیٰ نجران کو مع ان کے اہل کے بیخ سے اکھاڑ دیتا یہاں تک کہ درختوں پر پرندوں کو بھی، اور کامل سال گزرنے نہ پاتا کہ وہ ہلاک ہو جاتے۔

اسی واقعہ سے ظاہر ہے کہ آل عبا یعنی علی، حسن و حسین اور سیدۃ النساء علیہم السلام کا ایک جداگانہ قرب بحضور نبوی ﷺ تھا۔ پنجتن پاک کا یہ کیفیت مذکورہ جلوہ گر ہونا بے نظیر و عجیب نظارہ ہوگا اور دیکھنے والے محو حیرت ہوں گے۔ ان کی زبان حال مترنم بدیں مقال ہوگی۔

مبتلائے حیرتم جاں گو یمت یا جانِ جاں اصطلاحِ شوق بسیار است و من دیوانہ ام

اِس صورت نوں میں جان آکھاں جانان کہ جانِ جہان آکھاں

سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

الٰہی بحرمت آں وقتیکہ پنجتن پاک علیہم الصلاۃ والسلام برائے مباہلہ تشریف فرماشدند ایں سیاہ جریدہ تر دامنے رامع اقارب و دوستاں و سائر برادرانِ اسلام و اخوانِ طریقت و ہمگی امتِ مرحومہ بہ بخشا کہ بغیر از فضل و کرم تو در دست نداریم۔ خَلَقْتَنَا مَجَّانًا وَرَزَقْتَنَا مَجَّانًا فَاغْفِرْ لَنَا مَجَّانًا فَإِنَّكَ قَدِيْمُ الْإِحْسَانِ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ وَلَطِيْفٌ قَبْلَ كُلِّ لَطِيْفٍ وَلَطِيْفٌ بَعْدَ كُلِّ لَطِيْفٍ، فَالْطُفْ بِنَا كَمَا لَطَفْتَ فِيْ ظُلُمَاتِ الْأَحْشَاءِ يَا أَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ بِحُرْمَتِ حَبِيْبِكَ رَحْمَةِ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ۔

آیت مباہلہ میں کلمہ "أَبْنَاءَنَا" میں حسنین پاک رضی اللہ عنہما کو فرزندان رسول کہلانے کا شرف ثابت ہے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رات کو کسی کام کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوا۔ آپ ﷺ باہر تشریف لائے اس حالت میں کہ کسی نامعلوم شے کو ڈھانپے ہوئے تھے (یعنی مجھے پتہ نہ چل سکا کہ کیا چیز ہے) جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو میں نے عرض کیا کہ یہ آپ ﷺ نے کس چیز کو ڈھانپا ہوا ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے پردہ اٹھایا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ آپ کے دونوں پہلوؤں میں ہیں پس آپ ﷺ نے فرمایا۔ ھذان ابنائی وابنا ابنتی (یہ دونوں میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے فرزند ہیں۔ (ذکرہ ترمذی)

اس آیت شریفہ میں لفظ "نِسَآءَنَا" اگرچہ بصیغہ جمع ارشاد ہوا ہے مگر طرز عمل نبوی سے واضح ہو گیا کہ مراد سیدۃ النساء جگر پارہ رسول حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس موقعہ سے قبل آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی باقی تینوں دختریں وفات پا چکی تھیں۔

ایسا ہی کلمہ "اَنْفُسَنَا" سے کمال اتحاد و قرابت مابین نفس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و نفس مرتضوی رضی اللہ عنہ پائی جاتی ہے۔ ظاہرہ قرابت تو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ علاوہ اس کے معنوی یا باطنی قرابت بھی جسے کمال اتحاد سے تعبیر کرنا چاہئے اس کلمہ "اَنْفُسَنَا" کا مفہوم ہے۔ یہی تعبیر ایک اور حدیث شریف سے ثابت ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اما انت یا علی فختنی وابو ولدی انت منی وانا منك (اے علی رضی اللہ عنہ تو میرا داماد اور میرے دونوں فرزندوں کا باپ ہے تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں)۔

حضرت شیخ اکبر کا فتوحات مکیہ میں کشفی بیان ہے کہ حقیقت کلیہ تجلی نوری کے ورود کے بعد ھبا[1] ہو گئی اور اس میں سب سے پہلا تعین حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تھا۔ پھر فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وکان اقرب الیہ علی ابن ابی طالب امام الاولیاء وسر الانبیاء اجمعین یعنی اس حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تعیّن اوّل سے نزدیک تر علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب تھے جو اولیاء کے امام اور انبیاء علیہم السلام کے سرّ یعنی راز ہیں۔[2]

آیت مودت

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى. (ال عمران 61)

تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت

وجوب مودۃ قرابت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قرابت داروں کی مودت واجب ہے اور مودتِ قرابت کا انکار کفر ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى} تم فرماؤ میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا مگر قرابت کی محبت۔

---

[1] ھَبا اور عَما تجلی کے نام ہیں جس کی تشریح حضرت مؤلف کے ملفوظات میں موجود ہے۔

[2] تصفیہ ما بین سنی و شیعہ ص 50

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری قرابت کی محبت جس دل میں نہ ہو اس میں ایمان داخل ہی نہیں ہوتا۔

عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّ قُرَيْشًا إِذَا لَقِيَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا لَقُوهُمْ بِبِشْرٍ حَسَنٍ وَإِذَا لَقُونَا لَقُونَا بِوُجُوهٍ لَا نَعْرِفُهَا قَالَ فَغَضِبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَضَبًا شَدِيدًا وَقَالَ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَا يَدْخُلُ قَلْبَ رَجُلٍ الْإِيمَانُ حَتَّى يُحِبَّكُمْ لِلَّهِ وَلِرَسُولِهِ.[1]

حضرت عباس بن عبد المطلب سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ قریش جب آپس میں ملتے ہیں تو خوش روئی سے ملتے ہیں اور جب ہم سے ملتے ہیں تو بے رخی سے ملتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے شدید غضبناک ہو کر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کسی شخص کے دل میں ایمان داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تم سے محبت نہ کرے۔

فضائل صحابہ میں امام احمد بن حنبل نقل فرماتے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس سے قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى میں کون سے افراد مراد ہیں روایت ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: لَمَّا نَزَلَتْ {قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى} [الشورى: 23]، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، مَنْ قَرَابَتُكَ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ وَجَبَتْ عَلَيْنَا مَوَدَّتُهُمْ؟ قَالَ: عَلِيٌّ، وَفَاطِمَةُ، وَابْنَاهَا عَلَيْهِمُ السَّلَامُ.[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب {قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰى} نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ وہ آپ کے کون سے قرابت دار ہیں جن کی مودت ہم پر واجب ہے آپ نے فرمایا علی، فاطمہ، اور ان کے دونوں بیٹے علیہم السلام۔

---

1 مسند الإمام أحمد بن حنبل الرقم: 11399، سنن ابن ماجه الرقم: 140، سنن الترمذي الرقم: 3758، السنن الكبرى للنسائي الرقم: 8176، مصنف ابن أبي شيبة 32221،

2 فضائل الصحابة المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيباني (المتوفى: 241هـ) الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت الطبعة: (الأولى، 1403 – 1983) ج 2 ص 669، المعجم الكبير للطبراني الرقم: 2641، 11259، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد 11326، مفاتيح الغيب ـ التفسير الكبير،

مامور من الرسول حضور تاجدار گولڑہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب بعض مشرکین نے ایک اجتماع میں کہا تھا کہ کیا محمد ﷺ اپنے عمل (تبلیغ قرآن) کے لئے اجر اور عوض چاہتا ہے؟ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تم سے اپنے کام کے لئے کچھ اجر نہیں چاہتا جیسا کہ انبیاء سابقہ علی نبینا علیہم السلام نے بھی نہیں چاہا البتہ یہ چاہتا ہوں کہ قرابت مابین کو جو مجھے تمہارے ہر بطن کے ساتھ ہے ملحوظ رکھ کر مجھ سے پیار رکھو اور ایذاء نہ پہنچاؤ کیونکہ شرع و عادت اور مروت کا مقتضٰی یہی ہے اور صلہ رحمی پر تم بھی فخر کرتے ہو۔

جاننا چاہیے کہ اس آیت کریمہ کے دو محمل ہیں۔ ایک تو وہ جو اوپر مذکور ہوا۔ اس تقدیر پر الا المودۃ میں مودت سے مراد "مودۃ" رسول ہوگی اور کلمہ "فی" سببیت کے لئے یا "لام" کے معنی میں ہوگا۔ یعنی آپ ﷺ کی محبت بوجہ قرابت کے مطلوب ہے۔ دوسرا محمل یہ کہ مودّۃ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے اہل قرابت کی دوستی ہو۔ اس صورت میں کلمہ "فی" ظرفیت کے لئے اور ظرف مستقر المودّۃ سے حال ہوگا اور آیت منجملہ ان آیات کے ہوگی جن میں فضائل اہل بیت سیدنا فاطمہ، علی، حسن، حسین علیہم السلام خصوصا اور اہل قرابت آنحضرت ﷺ عموما بشرطیکہ وہ مومنین سے ہوں، بیان کئے گئے ہیں، تفسیر روح البیان وغیرہ میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت آنحضرت ﷺ سے کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ من قرابتك هؤلاء الذين وجبت علينا مودتهم یعنی آپ ﷺ کے اہل قرابت اور رشتہ داروں میں وہ کون لوگ ہیں جن کی دوستی ہم پر واجب کی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے جوابا فرمایا علی، فاطمہ اور ان کی اولاد اور اسی کی تائید وہ قول کرتا ہے جو حضرت علی سے مروی ہے۔ انه قال شكوت الى رسول الله صلى الله عليه وسلم حسد الناس لى فقال اما ترضى ان تكون اول من يدخل الجنة انا وانت والحسن والحسين وازواجنا عن يميننا وشمائلنا وذرياتنا خلف ازواجنا. یعنی علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبوی ﷺ میں شکایت کی کہ لوگ میرے ساتھ حسد کرتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اے علی رضی اللہ عنہ کیا تو اس پر خوش نہیں کہ سب سے پہلے میں تم اور حسن اور حسین بہشت میں داخل ہوں گے اس حالت میں کہ ہمارے دائیں بائیں ہماری بیبیاں ہوں گی اور ہماری اولاد ہماری بیبیوں کے پیچھے ہوگی۔ انتہی

یہاں پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ آیۃ مودۃ میں الفاظ "فی القربیٰ" سے مراد آل عبا یعنی علی فاطمہ، حسن، حسین علیہم السلام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے۔ اور مکہ میں حسنین پاک کا تولّد نہیں ہوا تھا۔ اور روایت نزول بالمدینہ ضعیف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آیت کا نزول اگرچہ مکہ میں ہو مگر

چونکہ قربیٰ اور قرابت بآنحضرت ﷺ کا معنی آل عبا علیہم السلام میں بابلغ الوجوہ پایا جاتا ہے اس لئے ان حضرات علیہم السلام کا مراد ہونا بطریق اولیٰ ہوگا بہ نسبت ان اقارب کے جو مکہ میں بروقت نزول آیت موجود تھے۔ چنانچہ آل محمد ﷺ کی محبت کی مدح اور اس سے بغض کی مذمت کے متعلق کتب حدیث میں متعدد احادیث وارد ہیں۔ جن سے مندرجہ ذیل احادیث کو ایک مشہور محقق ومفسر صاحب روح البیان نے نقل فرمایا ہے۔

1. وعنه عليه السلام حرمت الجنة على من ظلم اهل بيتي واذاني في عترتي.
جنت اس پر حرام کی گئی ہے جس نے میرے اہل بیت پر ظلم کیا اور میری عترت کو ایذاء دے کر مجھے ایذاء پہنچائی۔
2. ومن اصطنع صنيعة الى احد من ولد عبد المطلب ولم يجازه فانا اجازيه عليها غدا اذا القيني يوم القيامة.
عبد المطلب کی اولاد میں سے اگر کوئی اپنے محسن کا مکافی اور معاوضہ دینے والا نہ ہو تو میں قیامت میں اس کا مجازی اور عوض دہندہ ہوں گا جب وہ مجھ سے ملاقات کرے گا۔
3. من مات على حب آل محمد مات شهيدا.
جس کا خاتمہ محبت اہل بیت پر ہوگا وہ شہید ہوگا۔
4. الا ومن مات على حب آل محمد مات مغفورا له.
خبردار جس کا خاتمہ محبت اہل بیت پر ہوگا وہ مغفور ہو کر مرے گا۔
5. الا ومن مات على حب آل محمد مات تائبا.
خبردار جس کا خاتمہ محبت اہل بیت پر ہوگا وہ مقبول التوبہ ہو کر مرے گا۔
6. الا ومن مات على حب آل محمد مات مومنا مستكمل الايمان.
خبردار جس کا خاتمہ محبت اہل بیت پر ہوگا اس کی موت بحالت کامل ایمان ہوگی۔
7. الا ومن مات على حب آل محمد بشره ملك الموت بالجنة ثم منكر ونكير.
خبردار جس کی موت حب اہل بیت پر ہوگی اسے ملک الموت اور منکر نکیر جنت کی بشارت دیں گے۔
8. الا ومن مات على حب آل محمد يزف الى الجنة كما تزف العروس الى بيت زوجها.
خبردار جس کا خاتمہ محبت اہل بیت پر ہوگا وہ جنت کی طرف ایسے دوڑے گا جیسے دولھا اپنی دولہن کے گھر کی طرف۔

9. الا ومن مات علی حب آل محمد فتح له فی قبره بابان الی الجنة.
خبر دار جس کی موت محبت اہل بیت پر ہو گی اس کے لئے اس کی قبر میں دو دروازے بہشت کی جانب کھولے جائیں گے۔

10. الا ومن مات علی حب آل محمد جعل الله قبره مزار ملائکة الرحمة.
خبر دار جس کی موت آل محمد کی محبت پر ہو گی اللہ تعالیٰ اس کی قبر کو ملائکہ رحمت کی زیارت گاہ بنائے گا۔

11. الا ومن مات علی حب آل محمد مات علی السنة والجماعة.
خبر دار جس کی موت آل محمد کی محبت پر ہو گی وہ طریقۂ سنت والجماعت پر مرے گا۔

12. الا ومن مات علیٰ بغض آل محمد جاء یوم القیامة مکتوب بین عینیه آئس من رحمة الله.
خبر دار جس کی موت آل محمد سے بغض کی حالت میں ہوئی وہ قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان لکھا ہو گا یہ ناامید ہے رحمت خدا سے۔

13. الا ومن مات علیٰ بغض آل محمد مات کافرا.
خبر دار جو آل محمد سے بغض رکھتے ہوئے مرا وہ بحالت کفر مرے گا۔

14. الا ومن مات علیٰ بغض آل محمد لم یشم رائحة الجنة.
خبر دار جو شخص آل محمد سے بغض رکھتے ہوئے مرا وہ جنت کی ہوا نہ سونگھے گا۔

ان احادیث کو بیان کرنے کے بعد صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں: وآل محمد هم اللذین یؤل امرهم الیه علیه السلام فکل من کان مآل امرهم الیه اکمل واشد کانوا هم الآل ولا شك ان فاطمة وعلیا والحسن والحسین کان التعلق بینهم وبین الرسول اشد التعلقات بالنقل المتواتر فوجب ان یکونوا هم الآل۔ انتهیٰ۔ یعنی جن کے رشتے اور تعلق کا رجوع آنحضرت ﷺ کی جانب کامل اور مکمل اور اعلیٰ درجہ پر ہوں وہی لوگ آل رسول علیہم الصلوۃ والسلام کہلانے کے مستحق ہیں اور اس میں شک نہیں کہ حضرت علی اور فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کا حضور ﷺ سے نہایت گہرا تعلق ہے۔

اقول اور یہ ضروری امر نہیں کہ بر وقت نزول آیت محکوم علیہ کے کل افراد موجود ہوں اور نہ یہ کہ اس وقت کے موجود افراد پر ہی وہ حکم محصور ہو مثلا بنی اسرائیل کے متعلق بعہد موسوی علیہ السلام تورات میں پیشن گوئی مدرج تھی کہ تم دو دفعہ ارتکاب جرم و معاصی کروگے اور سزا پاؤ گے۔ کما قال الله تعالیٰ۔

وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا، فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ الی قولہ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا (بنی اسرائیل 8-4)

اس آیت میں یہود مدینہ، بنو قریظہ اور بنو نضیر سے خطاب ہے جو نزول تورات کے کئی صدیوں کے بعد مدینہ منورہ میں موجود ہوئے اور ان کے لئے حکم باری تعالیٰ ہوا کہ وان عدتم عدنا یعنی اگر تم فساد کی طرف عود اور رجوع کروگے تو ہم بھی سزا اور عذاب دیں گے اور چونکہ انہوں نے فساد کی طرف عود کیا اور حضرت ﷺ کی رسالت کو نہ مانا لہذا من جانب اللہ سزا دیئے گئے، بنو قریظہ قتل کیے گئے اور بنو نضیر پر جزیہ عائد کیا گیا اور وہ وطن سے نکالے گئے۔

اسی طرح الفاظ اھل قربیٰ میں حسنین پاک علیہما السلام داخل ہیں گو وہ اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے اور آل کسا کے بارے میں بلحاظ قرابت کاملہ جو احادیث مسطورہ بالا و نقل متواتر سے ثابت ہیں یہ کہنا کہ آیت مودۃ انہیں کی شان میں نازل ہوئی صحیح ٹھہرا اور آثار ذیل بالکلیہ درست۔

أ- صواعق محرقہ میں لکھا ہے (اس کا بیان پہلے بھی اوپر آچکا ہے) اخرج احمد والطبرانی وابن ابی حاتم والحاکم عن ابن عباس ان ھذہ الایۃ لما نزلت قالوا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من قرابتك ھؤلاء الذین وجبت علینا مودتھم قال علی وفاطمۃ وابناھما.

یعنی اس آیت کے نزول کے وقت لوگوں نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کے وہ قریبی لوگ کون ہیں جن کی مودت اور دوستی ہم پر واجب ہے۔ آپ ﷺ نے جوابا فرمایا علی رضی اللہ عنہ اور فاطمۃ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد۔

ب- وروی ابوالشیخ وغیرہ عن علی کرم اللہ وجھہ فینا آل حم آیۃ لایحفظ مودتنا الا کل مومن ثم قراء قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

یعنی علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہمارے یعنی اہل بیت کے حق میں ایک آیت نازل ہوئی ہے کہ نہیں محفوظ رکھتا ہماری دوستی کا حق مگر مومن اور اس کے بعد یہ آیت پڑھی قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

ت- سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے خطبہ میں فرمایا کہ من عرفنی فقد عرفنی و من لم یعرفنی فانا الحسن بن محمد پھر ایک دو جملے کے بعد فرمایا و انا من اہل البیت الذین افترض اللہ عزوجل مودتہم و مولاتہم فقال فیما انزل علی محمد صلی اللہ علیہ و سلم قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى پھر فرمایا و اقتراف الحسنات مودتنا اہل البیت یعنی میں حسن رضی اللہ عنہ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور ان اہل بیت سے ہوں جن کی محبت اللہ تعالیٰ نے آیت مذکورہ میں فرض فرمائی ہے اور اسی آیت میں اقتراف حسنہ سے مراد ہماری محبت ہے۔[1]

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا شبیہ مصطفیٰ

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا بول چال اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے میں عکس رسول تھیں۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ أَشْبَهَ كَلَامًا بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا حَدِيثًا وَلَا جِلْسَةً مِنْ فَاطِمَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَآهَا قَدْ أَقْبَلَتْ، رَحَّبَ بِهَا، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا، فَقَبَّلَهَا، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهَا فَجَاءَ بِهَا حَتَّى يُجْلِسَهَا فِي مَكَانِهِ، وَكَانَتْ إِذَا رَأَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَحَّبَتْ بِهِ، ثُمَّ قَامَتْ إِلَيْهِ فَقَبَّلَتْهُ.[2]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ میں نے گفتگو بول چال اور اٹھنے بیٹھنے میں کسی کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشابہ نہیں دیکھا۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو آتے ہوئے دیکھتے تو انہیں خوش آمدید کہتے، پھر ان کی خاطر کھڑے ہو جاتے، انہیں بوسہ دیتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر لاتے اور انہیں

---

1 تصفیہ ما بین سنی و شیعہ ص 59-62

2 السنن الکبري للنسائي، 5 / 391، 392، الرقم: 9236، 9237، الصحيح لابن حبان، 15 / 403، الرقم: 6953، المستدرک للحاکم، 4 / 303، الرقم: 7715، الأدب المفرد للبخاري، 1 / 336، الرقم: 947، الآحاد و المثاني للشيباني، 5 / 367، الرقم: 2967، سنن البيهقي الکبری، المعجم الأوسط للطبراني، 4 / 242، الرقم: 4089، الذرية الطاهرة للدولابي، 1 / 100، الرقم: 184.

اپنی نشست پر بٹھا لیتے اور جب سیدہ پاک رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھتیں تو خوش آمدید کہتیں پھر کھڑی ہو جاتیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بوسہ دیتیں۔

ایسے ہی ایک اور روایت ہے:

عَنْ مَسْرُوقٍ حَدَّثَتْنِی عَائِشَةُ أُمُّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ إِنَّا كُنَّا أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهُ جَمِيعًا لَمْ تُغَادَرْ مِنَّا وَاحِدَةٌ فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَام تَمْشِي لَا وَاللهِ مَا تَخْفَى مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

مسروق سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ تمام ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھیں، کوئی وہاں سے نہیں ہٹی تھی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چلتی ہوئی آئیں۔ خدا کی قسم ان کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال سے الگ نہیں تھی۔

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب ترین ہستی

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھیں:

عَنْ جُمَيْعِ بْنِ عُمَيْرٍ التَّيْمِيِّ، قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ عَمَّتِي عَلَى عَائِشَةَ، فَسُئِلَتْ أَيُّ النَّاسِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم؟ قَالَتْ: فَاطِمَةُ، فَقِيْلَ: مِنَ الرِّجَالِ؟ قَالَتْ: زَوْجُهَا، إِنْ كَانَ مَا عَلِمْتُ صَوَّامًا قَوَّامًا.[2]

حضرت جمیع بن عمیر تیمی روایت کرتے ہیں کہ میں اپنی پھوپھی کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو ان سے پوچھا گیا: لوگوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب کون تھا؟ تو انہوں نے کہا: فاطمہ، پھر پوچھا گیا: مردوں میں کون تھا؟ انہوں نے کہا: ان کے شوہر، یعنی علی، میں خوب جانتی ہوں وہ بڑے صائم اور تہجد گزار تھے۔

---

1 صحیح بخاري 5 / 2317، الرقم: 5928، صحیح مسلم 4 / 1905، الرقم: 2450، فضائل الصحابة للنسائي: 77، الرقم: 263، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 762، الرقم: 1342، المسند للطیالسي: 196، الرقم: 1373، الطبقات الکبری لابن سعد، 2 / 247، الذریة الطاهرة للدولابي، 1 / 101، 102، الرقم: 188.

2 سنن ترمذی 5 / 701، الرقم: 3874، المستدرک للحاکم، 3 / 171، الرقم: 4744، المعجم الکبیر للطبراني، 22 / 403، 404، الرقم: 1008، 1009، أسد الغابة لابن الأثیر، 7 / 219، سیر أعلام النبلاء للذهبي، 2 / 125، تهذیب الکمال للمزي، 4 / 512، در السحابة للشوکاني، 1 / 273.

ایسے ہی ایک اور حدیث پاک حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے ہے:

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ أَبِيهِ قَالَ كَانَ أَحَبَّ النِّسَاءِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ وَمِنْ الرِّجَالِ عَلِيٌّ.[1]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں اور مردوں میں علی رضی اللہ عنہ تھے۔

ایسے ہی ایک روایت خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دربار رسالت میں استفسار کیا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طالب رضی اللہ عنہ: يَا رَسُوْلَ الله، أَيُّمَا أَحَبُّ إِلَيْكَ: أَنَا أَمْ فَاطِمَة؟ قَالَ: فَاطِمَةُ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْكَ، وَأَنْتَ أَعَزُّ عَلَيَّ مِنْهَا.[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے (بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں) عرض کیا: یارسول اللہ! آپ کو میرے اور حضرت فاطمہ میں سے کون زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ مجھے تم سے زیادہ محبوب ہے، اور تم میرے نزدیک اس سے زیادہ عزیز ہو۔

سبحان اللہ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتنا فصیح و بلیغ کلام فرمایا کہ جس کے ذریعے دونوں کے دلوں کو تسکین و طمانیت کی دولت عطا فرمادی۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت علی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے عرض کی ترمذی شریف میں ہے:

أَخْبَرَنِي أُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا إِذْ جَاءَ عَلِيٌّ وَالْعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ، فَقَالَا: يَا أُسَامَةُ اسْتَأْذِنْ لَنَا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ عَلِيٌّ وَالعَبَّاسُ يَسْتَأْذِنَانِ، فَقَالَ: أَتَدْرِي، مَا جَاءَ بِهِمَا؟ قُلْتُ: لَا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَكِنِّي أَدْرِي، فَأَذِنَ لَهُمَا، فَدَخَلَا، فَقَالَا: يَا رَسُولَ اللهِ جِئْنَاكَ نَسْأَلُكَ أَيُّ أَهْلِكَ أَحَبُّ إِلَيْكَ؟ قَالَ: فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ[3]

---

[1] سنن ترمذي 5 / 698، الرقم: 3868، السنن الكبري للنسائي، 5 / 140، الرقم: 8498، المستدرک للحاکم، 3 / 168، الرقم: 4735، المعجم الأوسط للطبراني، 7 / 199، الرقم: 7262، سير أعلام النبلاء للذهبي، 2 / 131، درالسحابة للشوكاني، 10 / 274.

[2] المعجم الأوسط لطبراني، 7 / 343، الرقم: 7675، مجمع الزوائد للهيثمي، 9 / 173، فيض القدير للمناوي، 4 / 422.

[3] ترمذي 3819، مسند البزار 2620، المستدرک علی الصحيحين 3562، المعجم الكبير للطبراني 1007

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں علی اور عباس رضی اللہ عنہما دونوں اندر آنے کی اجازت مانگنے لگے، انھوں نے کہا: اسامہ! ہمارے لیے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اجازت مانگو، تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! علی اور عباس دونوں اندر آنے کی اجازت مانگ رہے ہیں، آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم ہے کہ وہ کیوں آئے ہیں؟ میں نے عرض کیا: میں نہیں جانتا، اس پر نبی اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: مجھے تو معلوم ہے، پھر آپ نے انہیں اجازت دے دی وہ اندر آئے اور عرض کیا کہ ہم آپ کے پاس اس لیے آئے ہیں تاکہ ہم آپ سے پوچھیں کہ آپ کے اہل میں آپ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: فاطمہ بنت محمد۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے حوالے سے فرماتے ہیں:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَقَالَ: يَا فَاطِمَةُ، وَاللهِ مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم مِنْكِ، وَاللهِ مَا كَانَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ بَعْدَ أَبِيكِ صلى الله عليه وسلم أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْكِ.[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے اور کہا: اے فاطمہ! خدا کی قسم! میں نے آپ کے سوا کسی شخص کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک محبوب تر نہیں دیکھا اور خدا کی قسم! لوگوں میں سے مجھے بھی آپ کے والد محترم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کوئی آپ رضی اللہ عنہا سے زیادہ محبوب نہیں۔

حب اہل بیت اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

ایسے ہی بخاری شریف میں ہے کہ اہل بیت کے بارے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

فَتَكَلَّمَ أَبُو بَكْرٍ فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي.[2]

---

[1] المستدرک للحاکم، 3 / 168، الرقم: 4736، المصنف لابن أبي شيبة، 7 / 432، الرقم: 37045، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 1 / 364، الآحاد والمثاني للشيباني، 5 / 360، الرقم: 2952، تاريخ بغداد للخطيب، 4 / 401.

[2] بخاري الرقم: 3712

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت والوں سے حسن سلوک کرنا مجھ کو اپنی قرابت والوں کے ساتھ حسن سلوک کرنے سے زیادہ پسند ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے تمام لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشنودی حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرمایا:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنْ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ قَالَ ارْقُبُوا مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَهْلِ بَيْتِهِ.[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے تھے، وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے کہا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خیال آپ کے اہل بیت میں رکھو۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واپسی سفر پر سب سے پہلے سیدہ پاک سے ملاقات کا معمول

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو انتہائی عزیز تھیں، آپ سفر پر جاتے ہوئے سب سے آخر میں سیدہ پاک سے ملاقات فرماتے۔ اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے اپنی لخت جگر کو شرف زیارت بخشتے۔ حضرت ثوبان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمول کے حوالے سے بیان فرماتے ہیں:

عَنْ ثَوْبَانَ مَوْلَى رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، قَالَ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم إِذَا سَافَرَ كَانَ آخِرُ عَهْدِهِ بِإِنْسَانٍ مِنْ أَهْلِهِ فَاطِمَةَ، وَأَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ عَلَيْهَا إِذَا قَدِمَ فَاطِمَةَ.[2]

حضرت ثوبان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کے لیے روانہ ہوتے تو اپنے اہل بیت کے جس فرد سے سب سے آخر میں ملاقات کرتے وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتیں۔ اور جب واپس آتے تو سب سے پہلے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی کے پاس تشریف لاتے اس حدیث کو امام ابو داود اور احمد نے روایت کیا ہے۔

---

1 بخاري الرقم: 3713

2 سنن أبوداود، 4 / 87، الرقم: 4213، مسند احمد بن حنبل، 5 / 275، السنن الكبري للبيهقي، 1 / 26، تركة النبي صلي الله عليه وآله وسلم لز يد البغدادي: 57.

ایسے ہی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنهما: أَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیه و آله و سلم كَانَ إِذَا سَافَرَ كَانَ آخِرُ النَّاسِ عَهْدًا بِهِ فَاطِمَة، وَإِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ كَانَ أَوَّلُ النَّاسِ بِهِ عَهْدًا فَاطِمَة رضی اللہ عنها فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیه و آله و سلم: فِدَاكِ أَبِي وَأُمِّي.[1]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنے اہل بیت میں سے سب کے بعد جس سے ملاقات کر کے سفر پر روانہ ہوتے وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ہوتیں، اور سفر سے واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے جس کے پاس تشریف لاتے وہ بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ہی ہوتیں، اور یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے: میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو اپنی نشست عطا فرمانا

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس نشست پر جلوہ افروز ہوتے سیدہ طیبہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ اپنی نشست پر بٹھاتے۔

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ رضی اللہ عنها: أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَتْ (فَاطِمَة) إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ صلی اللہ علیه و آله و سلم رَحَّبَ بِهَا وَقَامَ إِلَيْهَا فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا وأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ.[2]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے آپ بیان فرماتی ہیں کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو خوش آمدید کہتے، کھڑے ہو کر ان کا استقبال کرتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیتے اور انہیں اپنی نشست پر بٹھا لیتے۔

امام نسائی نے اپنی سنن الکبری میں اسی مضمون کی طویل روایت نقل کی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِيْنَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ كَانَ أَشْبَهَ بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَامًا وَلَا حَدِيثًا وَلَا جِلْسَةً مِنْ فَاطِمَةَ، قَالَتْ: وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

---

[1] المستدرک للحاکم، 3 / 169، 170، الرقم: 4739، 4740، الصحیح لابن حبان، 2 / 470، 471، الرقم: 696، موارد الظمآن للهیثمي: 631، الرقم: 2540، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر، 43 / 141.

[2] المستدرک للحاکم، 3 / 167، الرقم: 4732، فضائل الصحابة للنسائي، 1 / 78، الرقم: 264، المسند لابن راهویة، 1 / 8، الرقم: 6، السنن الکبري للبیهقي، 7 / 101، شعب الإیمان للبیهقي، 6 / 467، الرقم: 8927، الرخصة في تقبیل الید للمقري، 1 / 91، فتح الباري لابی حجر، 11 / 50. الألباني: صحیح قال المحقق د. عبد الغفور البلوشي: رجال الإسناد بین ثقة وصدوق

وَسَلَّمَ إِذَا رَآهَا قَدْ أَقْبَلَتْ رَحَّبَ بِهَا، ثُمَّ قَامَ إِلَيْهَا فَقَبَّلَهَا، ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِهَا فَجَاءَ بِهَا حَتَّى يُجْلِسَهَا فِي مَكَانِهِ، وَكَانَتْ إِذَا أَتَاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحَّبَتْ بِهِ، ثُمَّ قَامَتْ إِلَيْهِ فَقَبَّلَتْهُ، وأَنَّهَا دَخَلَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي قُبِضَ فِيهِ، فَرَحَّبَ وَقَبَّلَهَا، وَأَسَرَّ إِلَيْهَا، فَبَكَتْ، ثُمَّ أَسَرَّ إِلَيْهَا، فَضَحِكَتْ، فَقُلْتُ لِلنِّسَاءِ: إِنْ كُنْتُ لَأَرَى أَنَّ لِهَذِهِ الْمَرْأَةِ فَضْلًا عَلَى النِّسَاءِ، فَإِذَا هِيَ مِنَ النِّسَاءِ، بَيْنَمَا هِيَ تَبْكِي إِذَا هِيَ تَضْحَكُ، فَسَأَلْتُهَا: مَا قَالَ لَكِ؟ قَالَتْ: إِنِّي إِذًا لَبَذِرَةٌ، فَلَمَّا قُبِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: أَسَرَّ إِلَيَّ فَقَالَ: إِنِّي مَيِّتٌ، فَبَكَيْتُ، ثُمَّ أَسَرَّ إِلَيَّ فَقَالَ: إِنَّكِ أَوَّلُ أَهْلِي بِي لُحُوقًا، فَسُرِرْتُ بِذَلِكَ وَأَعْجَبَنِي.[1]

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے لوگوں میں گفتگو، چال ڈھال اور اٹھنے بیٹھنے میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ کسی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مشابہ نہیں دیکھا۔ نبی اکرم جب ان کو آتا دیکھتے تو خوش آمدید کہتے، پھر ان کی طرف اٹھتے اور انہیں بوسہ دیتے، پھر ان کا ہاتھ پکڑ کر انہیں لے آتے اور اپنی جگہ پر بٹھاتے۔ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ہاں تشریف لے جاتے تو وہ خوش آمدید کہتیں، پھر اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھتیں اور بوسہ دیتیں۔ ایک دفعہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وصال میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں تشریف لائیں تو آپ نے انہیں خوش آمدید کہا اور بوسہ دیا اور ان کے ساتھ رازداری سے بات کی تو وہ رو پڑیں، پھر ان سے سرگوشی کی تو وہ ہنس پڑیں۔ میں نے عورتوں سے کہا: میں اس عورت کی دوسری عورتوں پر فضیلت دیکھ رہی ہوں۔ یہ عام عورتوں میں سے ایک عورت ہے، ابھی یہ رو رہی تھی اور ساتھ ہی ہنسنا شروع کر دیا۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کیا فرمایا؟ انہوں نے کہا: تب تو میں راز فاش کرنے والی ہوئی (اگر آپ کو بتا دوں) جب نبی اکرم وصال فرما گئے تو انہوں نے بتایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا تھا: میرا (اس بیماری میں) وصال ہونے والا ہے۔'' یہ سن کر میں رو پڑی۔ پھر دوسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرگوشی کی تو فرمایا: میرے گھر والوں میں سے سب سے پہلے تم مجھ سے ملو گی۔ اس سے میں خوش ہو گئی اور یہ بات مجھے پسند آئی۔

[1] سنن الكبرى للنسائي 9236، الأدب المفرد للبخاري 947، مسند إسحاق بن راهو يه 2103، مشكل الآثار للطحاوي 125

سیدہ پاک کے لیے برکت کی دعا

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ پاک آپ کے شوہر اور اولاد کے لئے خصوصی برکت کی دعا فرمائی، اس حدیث کو متعدد محدثین نے اپنی کتب میں ذکر کیا ہے۔

عَنْ بُرَيْدَةَ رضی اللہ عنہ، قَالَ: فَلَمَّا كَانَ لَيْلَةُ الْبِنَاءِ، قَالَ: يَا عَلِيُّ، لَا تُحْدِثْ شَيْئًا حَتَّى تَلْقَانِي، فَدَعَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بِمَاءٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهُ ثُمَّ أَفْرَغَهُ عَلَى عَلِيٍّ، فَقَالَ: اللَّهُمَّ، بَارِكْ فِيهِمَا وَبَارِكْ عَلَيْهِمَا وَبَارِكْ لَهُمَا فِي شِبْلِهِمَا. وفی روایۃ عنہ: وَبَارِكْ لَهُمَا فِي نَسْلِهِمَا.[1]

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (حضرت علی و فاطمہ) کی شادی کی رات نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے ملے بغیر کوئی عمل نہ کرنا پھر آپ ﷺ نے پانی منگوایا، اس سے وضو کیا پھر حضرت علی ﷺ پر پانی ڈال کر فرمایا: اے اللہ! ان دونوں کے حق میں برکت اور ان دونوں پر برکت نازل فرما، ان دونوں کے لئے ان کی اولاد میں برکت عطا فرما۔

سیدہ پاک کی حکمت ودانائی

حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ بیان کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّهُ كَانَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيُّ شَيْءٍ خَيْرٌ لِلْمَرْأَةِ؟ فَسَكَتُوا، فَلَمَّا رَجَعْتُ قُلْتُ لِفَاطِمَةَ: أَيُّ شَيْءٍ خَيْرٌ لِلنِّسَاءِ؟ قَالَتْ: أَلَّا يَرَاهُنَّ الرِّجَالُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنَّمَا فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّي رَضِيَ اللهُ عَنْهَا.[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر تھے، رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: عورت کے لیے کون سی بات سب سے بہتر ہے؟ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم خاموش ہو گئے حضرت علی کہتے ہیں کہ میں نے واپس آکر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ عورتوں

---

1 السنن الكبري للنسائي، 6 / 76، الرقم: 10088، عمل اليوم و الليلة للنسائي: 253، الرقم: 258، مسند البزار الرقم: 4471، المسند للرو ياني، 1 / 77، الرقم: 35، مشكل الآثار للطحاوي الرقم: 5200، المعجم الكبير للطبراني، 2 / 20، الرقم: 1153، أسد الغابة لابن الاثير، 7 / 217، الطبقات الكبري لابن سعد، 8 / 21، مجمع الزوائد للهيثمي، 9 / 209.

2 مسند البزار (المطبوع باسم البحر الزخار) المؤلف: أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار المتوفى: 292ھ) الناشر: مكتبة العلوم والحكم = المدينة المنورة الطبعة: الأولى، (بدأت 1988م، وانتهت 2009م) ج 2 ص 159 الرقم: 526

کے لئے سب سے بہتر کیا بات ہے ؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مرد ان کو نہ دیکھیں، تو میں نے جواب رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔

سیدہ پاک کا عقد مسنون بحکم الٰہی

سیدہ پاک کے نکاح مبارک کے حوالے سے روایت ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی الله عنه، عَنْ رَسُوْلِ الله صلی الله علیه و آله وسلم، قَالَ: إِنَّ الله أَمَرَنِي أَنْ أُزَوِّجَ فَاطِمَةَ مِنْ عَلِيٍّ.[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم فرمایا ہے کہ میں فاطمہ کا نکاح علی سے کر دوں۔

ایسے ہی ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی ہے جسے ابن عساکر نے روایت کیا ہے۔

عن أنس قال: كنت قاعدا عند النبی صلی الله علیه وسلم فغشیه الوحی، فلما سری عنه قال: أتدری یا أنس ما جاء به جبریل من عند صاحب العرش قلت: بأبی وأمی وما جاء به جبریل من عند صاحب العرش قال: إن الله أمرنی أن أزوج فاطمة من علی.[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا کہ آپ پر وحی کے نزول کی کیفیت طاری ہوگئی جب آپ اس سے فارغ ہوئے تو فرمایا اے انس کیا تو جانتا ہے کہ جبریل علیہ السلام صاحب عرش سے کیا پیغام لے کر آئے ہیں میں نے عرض کی آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان جبریل صاحب عرش سے کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کروادوں۔

---

1 المعجم الكبير للطبراني، 10 / 156، الرقم؛ 10305، البيان والتعريف للحسيني، 1 / 174، الرقم؛ 455، مجمع الزوائد للهيثمي، 9 / 204، الكشف الحثيث للحلبي، 1 / 174، فيض القدير للمناوي، 2 / 215. مجمع الزوائد للهيثمي 9/204 وقال عقبه: رواه الطبراني ورجاله ثقات. روح البيان، جامع الأحاديث للسيوطي، مرقاة المفاتيح

2 تاريخ دمشق المؤلف: أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى: 571هـ) الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع عام النشر: 1415هـ = 1995 م) ج 37 ص 13، كنز العمال 37756، التنوير شرح الجامع الصغِيرِ المؤلف: محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى: 1182هـ) ج 3 ص 277، مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح،

بضعۂ رسول کا رفیق حیات ہونا مولیٰ مرتضی رضی اللہ عنہ کے لیے بھی اعزاز کی بات تھی، مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی جب اپنے مناقب بیان فرماتے تو حضرت بی بی پاک رضی اللہ عنہا کا رفیق حیات ہونا اپنے مناقب میں بیان فرماتے تھے، حضرت علی کے اپنے اشعار ہیں:

مُحَمَّدٌ النَّبِیُّ أَخِی وَصِهْرِی وَحَمْزَةُ سَیِّدُ الشُّهَدَاءِ عَمِّی

اللہ کے نبی محمد میرے بھائی اور سسر ہیں اور سید الشہداء حمزہ میرے چچا ہیں

وَجَعْفَرٌ الَّذِی یُمْسِی وَیُضْحِی یَطِیرُ مَعَ الْمَلَائِکَةِ ابْنُ أُمِّی

اور جعفر جو صبح و شام ملائکہ کے ساتھ پرواز کرتے ہیں میری ماں کے بیٹے ہیں

وَبِنْتُ مُحَمَّدٍ سَکَنِی وَعِرْسِی مَنُوطٌ لَحْمُهَا بِدَمِی وَلَحْمِی

اور نبی اکرم کی بیٹی میری گھر والی اور زوجہ ہیں ان کا دم اور لحم مجھ سے مل چکا ہے

وَسِبْطَا أَحْمَدَ ابْنَایَ مِنْهَا فَأَیُّکُمُ لَهُ سَهْمٌ کَسَهْمِی

اور رسول اللہ کے نواسے میرے بیٹے انہیں سے ہیں تم میں سے کس کا حصہ مجھ جیسا ہے

سَبَقْتُکُمْ إِلَی الْإِسْلَامِ طُرًّا غُلَامًا مَا بَلَغْتُ أَوَانَ حُلْمِی[1]

اسلام کی طرف میں نے تم پر سبقت کی ہے جب میں بچہ تھا ابھی بلوغت کو بھی نہیں پہنچا تھا۔

صواعق المحرقہ میں علامہ ہیتمی ان اشعار کے حوالے سے علامہ بیہقی کی وصیت بھی نقل کرتے ہیں:

قال البیہقی إن هذا الشعر مما یجب علی کل أحد متوان فی علی حفظه لیعلم مفاخره فی الإسلام[2]

---

[1] البداية والنهاية المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774هـ) تحقيق: عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان سنة النشر: 1424هـ / 2003م)ج11 ص 117، تاريخ دمشق المؤلف: أبو القاسم علي بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى: 571هـ) المحقق: عمرو بن غرامة العمروي الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع عام النشر: 1415 هـ = 1995 م) ج23 ص54، جامع الأحاديث المؤلف : جلال الدين السيوطي ج31ص 387، سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد المؤلف: محمد بن يوسف الصالحي الشامي (المتوفى: 942هـ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، 1414 هـ = 1993 م)ج11 ص 301

[2] الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة المؤلف: أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (ت ٩٧٤هـ) الناشر: مؤسسة الرسالة – لبنان الطبعة: الأولى، ١٤١٧هـ = ١٩٩٧م) ج2 ص 387

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت علی کے معاملے میں ہر کوتاہی کرنے والے کے لیے ضروری ہے کہ ان اشعار کو یاد کرلے تاکہ اسلام میں آپ رضی اللہ عنہ کے مفاخر سے آگاہ ہو۔

بضعۂ رسول حضرت سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی شخصیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک انتہائی ادب احترام والی تھی۔ ان کی وجہ سے جب تک یہ مولیٰ مرتضیٰ کی ظاہری رفاقت میں رہیں، صحابہ کرام آپ رضی اللہ عنہ کی اضافی قدر و منزلت فرماتے، جیسا کہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بخاری میں روایت ہے ''وَكَانَ لِعَلِيٍّ مِنَ النَّاسِ وَجْهٌ حَيَاةَ فَاطِمَةَ''[1] جب تک سیدہ پاک زندہ رہیں صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بہت زیادہ قدر کرتے تھے۔ یعنی ان کی رفاقت حضرت علی کی شان و منزلت میں اور زیادہ اضافہ کرتی تھی۔

سیدہ زہراء کی حیات میں دوسرے عقد کی ممانعت

متعدد کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے کہ جب سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی حیات میں حضرت مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے دوسرے نکاح کا تذکرہ ہوا، تو سرکار دوعالم نے آپ رضی اللہ عنہ کو اس سے منع کر دیا، جیسا کہ متفق علیہ حدیث ہے۔

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ إِنَّ بَنِي هِشَامِ بْنِ الْمُغِيرَةِ اسْتَأْذَنُوا فِي أَنْ يُنْكِحُوا ابْنَتَهُمْ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ فَلَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ ثُمَّ لَا آذَنُ إِلَّا أَنْ يُرِيدَ ابْنُ أَبِي طَالِبٍ أَنْ يُطَلِّقَ ابْنَتِي وَيَنْكِحَ ابْنَتَهُمْ فَإِنَّمَا هِيَ بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا أَرَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا[2]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ممبر پر فرمارہے تھے کہ ہشام بن مغیرہ (جو ابو جہل کا باپ تھا اس) کی اولاد (حارث بن ہشام اور سلم بن ہشام) نے اپنی بیٹی کا نکاح علی بن ابی طالب سے کرنے کی مجھ سے اجازت مانگی ہے لیکن میں انہیں ہرگز اجازت نہیں دوں گا یقینا میں اس کی اجازت نہیں دوں گا ہرگز میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ البتہ اگر علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دے کر ان کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہیں (تو میں اس میں رکاوٹ نہیں بنوں گا) کیونکہ وہ (فاطمہ رضی اللہ عنہا) میرے

---

1 بخاری الرقم: 4240

2 بخاري الرقم: 5230، مسلم الرقم: 6460

جگر کا ایک ٹکڑا ہے جو اس کو برا لگے وہ مجھ کو بھی برا لگتا ہے اور جس چیز سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

محدثین کرام اس کے تحت لکھتے ہیں کہ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ پر سوکن لانا منع تھا، کیونکہ سوکن آنے پر آپ رضی اللہ عنہا کو برا لگتا، باعث تکلیف ہوتا تو جو آپ کو برا لگے اور باعث تکلیف ہو، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا لگتا ہے اور ان کے لئے باعث تکلیف ہوتا ہے۔ اور جو چیز اپنی اصل کے اعتبار سے جائز بھی ہو اگر رسول للہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے باعث تکلیف ہو تو وہ حرام ہو جاتی ہے۔

ملا علی قاری مرقاۃ میں علامہ ابن داود کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

قَالَ ابْنُ دَاوُدَ: حَرَّمَ اللهُ عَلَى عَلِيٍّ أَنْ يَنْكِحَ عَلَى فَاطِمَةَ حَيَاتَهَا لِقَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} [الحشر: 7] فَلَمَّا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''لَا آذَنُ'' لَمْ يَكُنْ يَحِلُّ لِعَلِيٍّ أَنْ يَنْكِحَ عَلَى فَاطِمَةَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. وَسَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ دَاوُدَ يَقُولُ: لَمَّا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ''فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يُرِيبُنِي مَا رَابَهَا وَيُؤْذِينِي مَا آذَاهَا'' حَرَّمَ اللهُ عَلَى عَلِيٍّ أَنْ يَنْكِحَ عَلَى فَاطِمَةَ وَيُؤْذِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {وَمَا كَانَ لَكُمْ أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ} [الأحزاب: 53] أَخْرَجَهُمَا الْحَافِظُ أَبُو الْقَاسِمِ الدِّمَشْقِيُّ.[1]

ابن داود فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے سیدہ پاک کی حیات میں دوسرا نکاح حرام فرمادیا تھا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} [الحشر: 7] اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔ لہذا جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اس کی اجازت نہیں دوں گا تو حضرت علی کے لئے حلال نہیں تھا کہ حضرت فاطمہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کرتے مگر یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی اجازت عطا فرمادیتے، اور میں نے عمر بن داود سے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو اس کو برا لگے وہ مجھ کو بھی برا لگتا ہے اور جس چیز سے اسے تکلیف پہنچتی ہے اس سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان {وَمَا كَانَ لَكُمْ

---

[1] مرقاۃ المفاتيح شرح مشكاۃ المصابيح المؤلف: علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (المتوفى: 1014ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت – لبنان الطبعة: (الأولى، 1422ھ 2002م) ج 9 ص 3966

أَنْ تُؤْذُوا رَسُولَ اللهِ} [الأحزاب: 53] اور تمہیں نہیں پہنچتا کہ رسول اللہ کو ایذا دو۔ حضرت علی پر حرام فرمادیا تھا کہ حضرت فاطمہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح کر کے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف پہنچائیں۔

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے سید زادی پر اپنی بیٹی کو سوکن بنانے سے معذرت کرلی تو اس کے تحت ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں:

وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّهُ بَعَثَ إِلَيْهِ حَسَنُ بْنُ الْحَسَنِ يَخْطُبُ ابْنَتَهُ فَقَالَ لَهُ: فَلْيَأْتِنِي فِي الْعَتَمَةِ، فَلَقِيَهُ فَحَمِدَ الْمِسْوَرُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَمَا مِنْ نَسَبٍ وَلَا سَبَبٍ وَلَا صِهْرٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَسَبِكُمْ وَصِهْرِكُمْ، وَلَكِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يَقْبِضُنِي مَا يَقْبِضُهَا وَيَبْسُطُنِي مَا يَبْسُطُهَا وَإِنَّ الْأَنْسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَنْقَطِعُ إِلَّا نَسَبِي وَسَبَبِي وَصِهْرِي". وَعِنْدَكَ ابْنَتُهُ وَلَوْ زَوَّجْتُكَ لَقَبَضَهَا ذَلِكَ، فَانْطَلَقَ عَاذِرًا. أَخْرَجَهُ أَحْمَدُ، وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلَى أَنَّ الْمَيِّتَ يُرَاعَى مِنْهُ مَا يُرَاعَى فِي الْحَيِّ، وَقَدْ ذَكَرَ الشَّيْخُ أَبُو عَلِيٍّ السِّنْجِيُّ فِي شَرْحِ التَّلْخِيصِ، أَنَّهُ يَحْرُمُ التَّزْوِيجُ عَلَى بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَعَلَّهُ يُرِيدُ مَنْ يَنْتَسِبُ إِلَيْهِ بِالنُّبُوَّةِ، وَيَكُونُ هَذَا دَلِيلُهُ.[1]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن بن حسن رضی اللہ عنہما نے ان سے ان کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا، انہوں نے جوابا یہ پیغام بھیجا کہ حسن بن حسن آج رات خود مجھ سے ملیں۔ جب حسن رضی اللہ عنہ کی مسور سے ملاقات ہوئی تو مسور رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اللہ کی حمد و ثناء کی اور پھر کہا: اللہ کی قسم مجھے تمہاری رشتہ داری اور دامادی سے بڑھ کر دوسری کوئی چیز محبوب نہیں ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مجھے بھی وہ بات ناراض کرتی ہے جس سے وہ ناراض ہوتی ہوں۔ اور مجھے بھی اس بات سے خوشی ہوتی ہے جس سے وہ خوش ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے تعلق، رشتہ داری اور دامادی کے علاوہ باقی تمام رشتہ داریاں قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گی۔ تمہارے نکاح میں ان (سیدہ زہراء کی اولاد میں سے) کی ایک بیٹی ہے۔ اگر میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کروں تو اس سے ان کا دل دکھے گا، چنانچہ انہیں اس بارے میں معذور سمجھتے ہوئے واپس چلے گیے۔ امام احمد نے روایت کی ہے۔ اس میں اس بات کی

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، الرقم 6139،

بھی دلیل ہے کہ جو زندہ کی رعایت کی جاتی ہے وہ فوت شدہ سے بھی کی جائے گی، الشیخ ابو علی السنجی التلخیص کی شرح میں فرماتے ہیں کہ بنات رسول پر کسی دوسری عورت کا نکاح حرام ہے یعنی وہ بنات جن کی نسبت آپ کے طرف ہے نبوت کی وجہ سے (اس نسبت کی وجہ سے انہیں بنات نبی کہا جاتا ہے)۔

علامہ قاضی عیاض مالکی لکھتے ہیں:

قال أهل العلم: فيه تحريم أذى النبي عليه الصلاة والسلام بكل وجه وإن كان ما يباح للرجل في الشرع فعله، وأنه في ذلك بخلاف غيره؛ لأنه من فعل ما يجوز له فتأذى به غيره فلا حرج عليه، وحق النبي عليه الصلاة والسلام بخلاف هذا، لا يحل فعل شئ يتأذى به، ولو كان مباحاً فعله في حق المؤذى.[1]

اہل علم فرماتے ہیں کہ اس میں نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دینے کی حرمت ہے چاہے وہ کسی صورت میں بھی ہو اگرچہ شریعت میں اس کا وہ فعل مباح ہی کیوں نہ ہو، اور آپ ﷺ اس میں دوسروں سے مختلف ہیں۔ کیونکہ اس نے ایسا فعل کیا جو اس کے لیے جائز ہے اور اس سے آپ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے کو تکلیف بھی پہنچی تو اس پر کوئی حرج نہیں، اور نبی ﷺ کا حق اس سے مختلف ہے، جو فعل آپ ﷺ کے لیے باعث تکلیف ہو وہ حلال نہیں چاہے تکلیف دینے والے کے حق میں وہ مباح ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ طیبی اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قالوا في الحديث: تحريم إيذاء النبي صلى الله عليه وسلم بكل حال وعلى كل وجه، وإن تولد الإيذاء مما كان أصله مباحاً وهو من خواصه صلى الله عليه وسلم وهو لوجهين:

أحدهما: أن ذلك يؤدي إلى أذى فاطمة فيتأذى حينئذ النبي صلى الله عليه وسلم فيهلك على رضي الله عنه من أذاه فنهى عن ذلك لكمال شفقته على علي رضي الله عنه.

---

[1] شرح صحيح مسلم لِلقاضِي عِياض المُسَمَّى إِكمالُ المُعْلِمِ بفوائد مسلم المؤلف: عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبي السبتي، أبو الفضل (المتوفى: 544هـ) الناشر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، مصر الطبعة: (الأولى، 1419هـ 1998م) ج 7 ص 472

وثانيهما: خاف الفتنة عليها بسبب الغيرة.[1]
اھل علم فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دینا ہر حال اور ہر صورت میں حرام ہے چاہے اس چیز سے تکلیف دی گئی ہو جو اپنی اصل کے اعتبار سے مباح تھی۔ یہ آپ ﷺ کے خواص سے ہے اس کی دو وجوہات ہیں:
پہلی: جو چیز سیدہ پاک کو تکلیف دے تو اس سے نبی اکرم ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انہیں تکلیف دینے کی وجہ سے نقصان ہوتا۔ لہذا حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آپ ﷺ کی کمال شفقت کی وجہ سے انہیں منع فرمادیا۔
دوسری: آپ ﷺ کو یہ ڈر تھا کہ اس سے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا غیرت کی وجہ سے آزمائش میں پڑ سکتی ہیں۔

علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں:
قَوْله: (وَإِنِّي لست أحرم حَلَالا وَلَا أحل حَرَامًا) قد أعلم صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بذلك بِإِبَاحَة نِكَاح بنت أبي جهل لعَلي، رَضِي الله تَعَالَى عَنهُ، وَلَكِن نهى عَن الْجمع بَينهَا وَبَين فَاطِمَة ابْنَته لعلتين منصوصتين: إِحْدَاهمَا: أَن ذَلِك يُؤْذِينِي، لِأَن إِيذَاء فَاطِمَة إِيذَاء لي. وَالْأُخْرَى: خوف الْفِتْنَة عَلَيْهَا بِسَبَب الْغيرَة.
وَقَالُوا: فِي هَذَا الحَدِيث: تَحْرِيم إِيذَاء النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم، بِكُل حَال وعَلى كل وَجه، لِأَن تولد ذَلِك الْإِيذَاء مِمَّا كَانَ أَصله مُبَاحا وَهُوَ فِي هَذَا بِخِلَاف غَيره. وَقَالَ النَّوَوِيّ: وَيحْتَمل أَن المُرَاد تَحْرِيم جَمعهمَا، وَيكون معنى: لَا أحرم حَلَالا، أَي: لَا أَقُول شَيْئا يُخَالف حكم الله، فَإِذا أحل شَيْئا لم أحرمهُ، وَإِذا حرمه لم أحله وَلم أسكت على تَحْرِيمه، لِأَن سكوتي تَحْلِيل لَهُ، وَيكون من جملَة مُحرمَات النِّكَاح: الْجمع بَين بنت رَسُول الله، صلى الله عَلَيْهِ وَسلم وَبنت عَدو الله، وَالله أعلم.[2]
قَوْله: (وَإِنِّي لست أحرم حَلَالا وَلَا أحل حَرَامًا) نبی اکرم ﷺ اس سے ابو جہل کی بیٹی کا حضرت علی سے نکاح کا جائز ہونا جانتے تھے۔ لیکن آپ ﷺ نے دو منصوص علتوں کی وجہ سے ابو جہل

---

1. شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ (الكاشف عن حقائق السنن) المؤلف: شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي (743هـ) الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز (مكة المكرمة = الرياض) الطبعة: (الأولى، 1417هـ 1997م) ج 12 ص 3903
2. عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت) ج 15 ص 34

کی بیٹی کو حضرت سیدہ پاک کے ساتھ جمع کرنے سے منع فرمادیا: ان میں سے پہلی: کہ یہ میرے لیے باعث تکلیف ہے، کیونکہ فاطمہ کی تکلیف میرے لیے باعث تکلیف ہے۔ اور دوسری: سیدہ پاک کی غیرت کے سبب ان کے آزمائش میں پڑنے کا ڈر ہے۔
اہل علم فرماتے ہیں نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دینا ہر حال اور ہر صورت میں حرام ہے چاہے اس چیز سے تکلیف دی گئی ہو جو اپنی اصل کے اعتبار سے مباح تھی۔ اور آپ اس میں دوسروں سے مختلف ہیں۔ اور امام نووی نے فرمایا ہے اس میں اس کا احتمال ہے کہ ان کو جمع کرنے کی حرمت ہو، اور اس کا معنی یہ ہو میں حلال نہیں کرتا یعنی میں حکم الٰہی کے خلاف کوئی بات نہیں کرتا، اگر اللہ کسی چیز کو حلال کرے تو میں اسے حرام نہیں کرتا، اور اگر وہ کسی چیز کو حرام کرے تو میں اسے حلال نہیں کرتا، اور اس کی تحریم پر سکوت بھی نہیں کرتا کیونکہ میرا سکوت اس کے لئے حلت ہوتا ہے، اور نکاح کے محرمات میں سے پیغمبر خدا کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی کا اکٹھا ہونا ہے۔ واللہ اعلم

آپ مزید لکھتے ہیں:

وَفِيه: تَحْرِيم أدنى أَذَى من يتَأَذَّى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم بتأذيه.[1]

اس میں یہ بھی ہے کہ جو ادنیٰ ایذاء بھی نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا باعث ہو وہ بھی حرام ہے۔

جائز کام بھی سیدہ پاک کی ناراضگی کا باعث بنے تو حرام ہوجاتا ہے

اس سے قبل فقہاء کرام کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ سیدہ زہراء کی اذیت رسول اللہ کی اذیت کا باعث ہے، لہذا اگر شرعا جو کام جائز بھی ہو لیکن اس سے سیدہ پاک کو اذیت پہنچے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی کئی فقہاء نے اس کی تائید کی ہے۔ علامہ ابو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (المتوفی: 676ھ) ''المنهاج شرح صحیح مسلم بن الحجاج'' میں لکھتے ہیں:

قَالَ الْعُلَمَاءُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ تَحْرِيمُ إِيذَاءِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِكُلِّ حَالٍ وَعَلَى كُلِّ وَجْهٍ وَإِنْ تَوَلَّدَ ذَلِكَ الْإِيذَاءُ مِمَّا كَانَ أَصْلُهُ مُبَاحًا وَهُوَ حَيٌّ وَهَذَا بِخِلَافِ غَيْرِهِ قَالُوا وَقَدْ أَعْلَمَ صَلَّى اللهُ

---

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت) ج 20 ص 212

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِإِبَاحَةِ نِكَاحِ بِنْتِ أَبِي جَهْلٍ لِعَلِيٍّ بِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَسْتُ أُحَرِّمُ حَلَالًا وَلَكِنْ نَهَى عَنِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا لِعِلَّتَيْنِ مَنْصُوصَتَيْنِ إِحْدَاهُمَا أَنَّ ذَلِكَ يُؤَدِّي إِلَى أَذَى فَاطِمَةَ فَيَتَأَذَّى حِينَئِذٍ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَهْلِكُ مَنْ أَذَاهُ فَنَهَى عَنْ ذَلِكَ لِكَمَالِ شَفَقَتِهِ عَلَى عَلِيٍّ وَعَلَى فَاطِمَةَ وَالثَّانِيَةُ خَوْفُ الْفِتْنَةِ عَلَيْهَا بِسَبَبِ الْغَيْرَةِ.[1]

اہل علم فرماتے ہیں اس حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دینا ہر حال اور ہر صورت میں حرام ہے چاہے اس چیز سے تکلیف دی گئی ہو جو اپنی اصل کے اعتبار سے مباح تھی۔ اور آپ اس میں دوسروں سے مختلف ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرم ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہما کے بنت ابی جہل سے نکاح کی اباحت جانتے تھے اپنے اس قول کے کہ "میں حلال کو حرام نہیں کرتا"۔ لیکن آپ نے دونوں کو بیک وقت جمع کرنے سے منع فرمادیا دو منصوص علتوں کی وجہ سے ان میں سے ایک یہ کہ: یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لیے اذیت کا باعث ہو گی تو یہ رسول اللہ ﷺ کے لیے باعث اذیت ہو گی، اور آپ کو اذیت دینے والا ہلاک ہو جاتا ہے۔ تو آپ ﷺ نے حضرت علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما پر کمال شفقت کی وجہ سے اس سے منع فرمادیا۔ اور دوسری: سیدہ پاک کی غیرت کے سبب ان کے آزمائش میں پڑنے کا ڈر تھا۔

آگے مزید اس کا معنی بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ويكون مَعْنَى لَا أُحَرِّمُ حَلَالًا أَيْ لَا أَقُولُ شَيْئًا يُخَالِفُ حُكْمَ اللهِ فَإِذَا أَحَلَّ شَيْئًا لَمْ أُحَرِّمْهُ وَإِذَا حَرَّمَهُ لَمْ أُحَلِّلْهُ وَلَمْ أَسْكُتْ عَنْ تَحْرِيمِهِ لِأَنَّ سُكُوتِي تَحْلِيلٌ لَهُ وَيَكُونُ مِنْ جُمْلَةِ مُحَرَّمَاتِ النِّكَاحِ الْجَمْعُ بَيْنَ بنت نبى اللهِ وَبِنْتِ عَدُوِّ اللهِ.[2]

اس کا معنی ہو گا میں حلال کو حرام نہیں کرتا یعنی میں کوئی بات اللہ کے حکم کے خلاف نہیں کرتا اگر اللہ کسی چیز کو حلال کرے تو میں اسے حرام نہیں کرتا، اور اگر وہ کسی چیز کو حرام کرے تو میں

---

1 المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المؤلف: أبو زكر يا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة: الثانية، ج 16 ص 3، مصباح الزجاجة للسيوطي (ت 911ھ) 2، إنجاح الحاجة لمحمد عبد الغني المجددي الحنفي (ت 1296ھ) 3 ما يليق من حل اللغات وشرح المشكلات لفخر الحسن بن عبد الرحمن الحنفي الكنكوهي (1315ھ) الناشر: قديمي كتب خانة – كراتشي) ج 1 ص 144،

2 المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المؤلف: أبو زكر يا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة: الثانية، ج 16 ص 3،

اسے حلال نہیں کرتا، اور اس کی تحریم پر سکوت بھی نہیں کرتا کیونکہ میرا سکوت اس کے لئے حلت ہوتا ہے، نکاح کے محرمات میں سے پیغمبر خدا کی بیٹی اور خدا کے دشمن کی بیٹی کا اکٹھا ہونا ہے۔

علامہ ابن حجر العسقلانی فتح الباری میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

قَالَ ابن التِّينِ أَصَحُّ مَا تُحمَلُ عَلَيْهِ هَذِهِ الْقِصَّةُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَّمَ عَلَى عَلِيٍّ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ ابْنَتِهِ وَبَيْنَ ابْنَةِ أَبِي جَهْلٍ لِأَنَّهُ عَلَّلَ بِأَنَّ ذَلِكَ يُؤْذِيهِ وَأَذِيَّتُهُ حَرَامٌ بِالِاتِّفَاقِ وَمَعْنَى قَوْلِهِ لَا أُحَرِّمُ حَلَالًا أَيْ هِيَ لَهُ حَلَالٌ لَوْ لَمْ تَكُنْ عِنْدَهُ فَاطِمَةُ وَأَمَّا الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا الَّذِي يَسْتَلْزِمُ تَأَذِّي النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِتَأَذِّي فَاطِمَةَ بِهِ فَلَا وَزَعَمَ غَيْرُهُ أَنَّ السِّيَاقَ يُشْعِرُ بِأَنَّ ذَلِك مُبَاح لعَلى لكنه مَنعه النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِعَايَةً لِخَاطِرِ فَاطِمَةَ وَقَبِلَ هُوَ ذَلِكَ امْتِثَالًا لِأَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي يَظْهَرُ لِي أَنَّهُ لَا يَبْعُدُ أَنْ يُعَدَّ فِي خَصَائِصِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا يُتَزَوَّجَ عَلَى بَنَاتِهِ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ ذَلِكَ خَاصًّا بِفَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ.[1]

علامہ ابن تین فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کی اصح تعبیر یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت علی کے لئے حرام کر دیا تھا کہ ان کی بیٹی اور ابو جہل کی بیٹی کو جمع کریں کیونکہ اس کی علت یہ تھی کہ یہ ان کی لیے باعث اذیت تھا اور آپ ﷺ کو اذیت دینا بالاتفاق حرام ہے اور آپ کے فرمان " لَا أُحَرِّمُ حَلَالًا " کا معنٰی یہ ہو گا یہ ان کے لیے حلال ہوتا اگر ان کے نکاح میں فاطمہ نہ ہوتیں، اور ان دونوں کو جمع کرنا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اذیت کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی اذیت کا باعث ہے۔ اس کا سیاق بتاتا ہے کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے مباح تھا۔ لیکن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وجہ سے منع فرمادیا اور آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے قبول کیا، اور اس سے میں یہ سمجھا کہ ان کا شمار رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں ہونا بعید نہیں کہ ان کی بیٹیوں کی موجودگی میں کوئی دوسری شادی نہ کرے اور ممکن ہے کہ یہ بات فاطمہ علیہا السلام سے مخصوص ہو۔

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن حَجَر العسقلاني (المتوفى: 852هـ).الناشر: دار المعرفة = بيروت.) ج 9 ص 328

ایک اور مقام پر حدیث پاک کی شرح میں لکھتے ہیں:

عَنِ الْمِسْوَرِ يُقْبِضُنِي مَا يُقْبِضُهَا وَيُبْسِطُنِي مَا يُبْسِطُهَا أَخْرَجَهَا الْحَاكِمُ وَيُؤْخَذُ مِنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ فَاطِمَةَ لَوْ رَضِيَتْ بِذَلِكَ لَمْ يُمْنَعْ عَلِيٌّ مِنَ التَّزْوِيجِ بِهَا أَوْ بِغَيْرِهَا وَفِي الْحَدِيثِ تَحْرِيمُ أَذَى مَنْ يَتَأَذَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَأَذِّيهِ لِأَنَّ أَذَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَرَامٌ اتِّفَاقًا قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ وَقَدْ جَزَمَ بِأَنَّهُ يُؤْذِيهِ مَا يُؤْذِي فَاطِمَةَ فَكُلُّ مَنْ وَقَعَ مِنْهُ فِي حَقِّ فَاطِمَةَ شَيْءٌ فَتَأَذَّتْ بِهِ فَهُوَ يُؤْذِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَهَادَةِ هَذَا الْخَبَرِ الصَّحِيحِ وَلَا شَيْءَ أَعْظَمُ فِي إِدْخَالِ الْأَذَى عَلَيْهَا مِنْ قَتْلِ وَلَدِهَا وَلِهَذَا عُرِفَ بِالِاسْتِقْرَاءِ مُعَاجَلَةُ مَنْ تَعَاطَى ذَلِكَ بِالْعُقُوبَةِ فِي الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ.[1]

حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے روایت ہے يُقْبِضُنِي مَا يُقْبِضُهَا وَيُبْسِطُنِي مَا يُبْسِطُهَا امام حاکم نے اس کی تخریج کی ہے، اس حدیث سے پتہ چلتا ہے اگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس نکاح سے راضی ہو تیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ منع نہ کیے جاتے اس شادی کرنے یا اس کے غیر سے اور اس حدیث میں اس اذیت کی حرمت ہے جس کی اذیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوتی ہو کیونکہ ایذاء نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بالاتفاق حرام ہے چاہے قلیل ہو یا کثیر ہو اور یہ یقینی بات ہے جو فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت دے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دیتا ہے، لہذا کسی سے بھی کوئی ایسا کام ہوا جس سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اذیت ہو تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا باعث ہے اس خبر صحیح کی گواہی سے۔ ان کے لیے ان کے فرزند کے قتل کرنے سے بڑی کوئی اذیت نہیں ہے اور اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو ایسا کرے گا اسے دنیا میں سزا ہو گی اور آخرت کا عذاب شدید ترین ہے۔

علامہ زرقانی لکھتے ہیں:

قال أبو داود: حرم علي على أن ينكح على فاطمة في حياتها، لقوله تعالى: {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} [الحشر: 7].

وذكر الشيخ أبو علي السنجي في شرح التلخيص: أنه يحرم التزويج على بنات النبي صلى الله عليه وسلم. ويحتمل أن يكون ذلك خاصًا بفاطمة رضي الله عنها، وقد علل صلى الله عليه وسلم بأن ذلك يؤذيه، وإذايته حرام بالاتفاق، وفي هذا تحريم أذى من يتأذى النبي صلى

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري. المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن حَجَر العسقلاني (المتوفى: 852ھ) الناشر: دار المعرفة = بيروت.) ج 9 ص 329

الله عليه وسلم بتأذيته، لأن إيذاء النبي صلى الله عليه وسلم حرام اتفاقًا قليله وكثيره. وقد جزم عليه الصلاة والسلام بأنه يؤذيه ما آذى فاطمة، فكل من وقع منه في حق فاطمة شيء تأذت به فهو يؤذي النبي صلى الله عليه وسلم بشهادة الخبر الصحيح.[1]

ابو داود فرماتے ہیں کہ حضرت علی کے لیے سیدہ پاک کی حیات میں دوسرا نکاح حرام فرما دیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کہ {وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا} [الحشر:7] اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

الشیخ ابو علی السنجی التلخیص کی شرح میں فرماتے ہیں کہ وہ بنات رسول پر کسی دوسری عورت کا نکاح حرام سمجھتے تھے۔ اور احتمال ہے کہ یہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خاصہ ہو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علت بیان فرمائی ہے کہ یہ ان کی لیے باعث اذیت ہے اور ان کی اذیت بالاتفاق حرام ہے۔ اس اذیت کی حرمت ہے جس کی اذیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت ہوتی ہو کیونکہ رسول اللہ کو قلیل و کثیر اذیت کا دینا بالاتفاق حرام ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے یقینی فرمادیا کہ جو فاطمہ کو اذیت دے وہ ان کے لیے بھی باعث اذیت ہے، خبر صحیح اس پر شاہد ہے کہ کسی سے بھی کوئی ایسا کام ہوا جس سے فاطمہ کو اذیت ہو تو وہ رسول اللہ کی اذیت کا باعث ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے اس جمع کی ممانعت کی ایک اور حکمت بھی لکھی ہے کہ سوکنوں میں حسد کا پیدا ہو جانا طبعی امر ہے اور اکثر ایسا ہو جاتا ہے۔ اور رسول اللہ کی بیٹی کا بغض خود سرکار دوعالم اور ان کے گھرانے کے بغض تک لے جائے گا۔

وقد اعتبر النبي صلى الله عليه وسلم هذا الأصل في تحريم الجمع بين بنت النبي صلى الله عليه وسلم وبنت غيره؛ فإن الحسد من الضرة واستئثارها من الزوج كثيرا ما ينجران إلى بغضها وبغض أهلها، وبغض النبي صلى الله عليه وسلم ولو بحسب الأمور المعاشية يفضى إلى الكفر.[2]

---

1 شرح الزرقاني على المواهب اللدنية بالمنح المحمدية المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عبد الباقي بن يوسف بن أحمد بن شهاب الدين بن محمد الزرقاني المالكي (المتوفى: 1122هـ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الأولى 1417هـ=1996م) ج 7 ص 274

2 حجة الله البالغة المؤلف: الشاه ولي الله الدهلوي » (ت ١١٧٦هـ) الناشر: دار الجيل، بيروت = لبنان الطبعة: (الأولى، سنة الطبع: ١٤٢٦هـ = ٢٠٠٥م) ج 2 ص 204

نبی اکرم ﷺ نے بنت نبی اور دوسرے کی بیٹی کو جمع کرنے کی حرمت میں اس اصل (قطع رحم) کا اعتبار کیا ہے۔ کہ سوکن سے حسد اور اس کے شوہر سے اپنی ترجیح چاہنا اکثر اس کے اور اس کے خاندان کے لیے نفرت کا باعث بنتی ہے، اور نبی کریم ﷺ کا بغض چاہے معاشی امور کی وجہ سے ہی کیوں نہ ہو، کفر تک لے جاتا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پاک کی شرح کرتے ہوئے مفتی احمد یار خان نعیمی بھی لکھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز بلکہ فرض کام سے حضور ناراض ہوں تو وہ کام حرام ہو جاتا ہے نکاح سنت ہے مگر فاطمہ زہراء کی موجودگی میں حضرت علی کے لیے حرام ہو گیا کہ یہ جناب فاطمہ کی تکلیف کا باعث تھا اور آپ کی تکلیف حضور کی تکلیف کا سبب ہے۔ [1]

حافظ ابو العباس احمد بن الشیخ الفقیہ ابی حفص عمر بن ابراھیم الأنصاری القرطبی "المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم" میں لکھتے ہیں:

وأذى النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ حرام، فيحرم ما يؤدي إليه. ففيه القول بسد الذرائع، وإعمال المصالح، وأن حرمة النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ أعظم من حرمة غيره، وتظهر فائدة ذلك: بأن من فعل منا فعلا يجوز له فعله لا يمنع منه، وإن تأذى بذلك الفعل غيره، وليس ذلك حالنا مع النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ بل يحرم علينا مطلقا فعل كل شيء يتأذى به النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ وإن كان في أصله مباحا، لكنه إن أدى إلى أذى النبي ـ صلى الله عليه وسلم ـ ارتفعت الإباحة، ولزم التحريم. [2]

اذیت رسول حرام ہے اور جو اس کا باعث بنے وہ بھی حرام ہے، اور اسی میں سد الذرائع اور اعمال المصالح کا قول ہے۔ اور رسول اللہ کی حرمت غیر کی حرمت سے بہت بڑی ہے اور اس سے یہ فائدہ سامنے آتا ہے کہ: ہم میں سے جس نے وہ کام کیا جو اس کے لیے جائز تھا تو اسے منع نہیں کیا جائے گا، چاہے وہ غیر کی لیے تکلیف کا باعث ہو۔ لیکن یہ ہم نبی اکرم ﷺ کے معاملے نہیں کر سکتے۔ ہر وہ کام جو نبی اکرم ﷺ کی اذیت کا باعث ہو ہمارے لئے مطلق حرام ہے، چاہے وہ

---

1 مراۃ المناجیح مفتی احمد یار خان ج 8 ص 415

2 المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم المؤلف: أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (م:656ھ) الناشر: (دار ابن كثير، دمشق = بيروت)، (دار الكلم الطيب، دمشق = بيروت) الطبعة: (الأولى، 1417ھ) ج 6 ص 354

اصل کے اعتبار سے مباح ہو۔ لیکن اگر وہ اذیت رسول کا باعث ہو تو اس کی اباحت اٹھ جائے گی اور حرمت لازم ہو جائے گی۔

ان کے علاوہ درجنوں مزید فقہاء و محدثین کی تصریحات بھی موجود ہیں کہ جس جائز کام سے بھی بضعۂ رسول سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا ناراض ہوتی ہوں، اس پر رسول اللہ کی ناراضگی کے سبب وہ کام ہی حرام ہو جاتا ہے۔ اہل علم سے یہ مخفی نہیں۔

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے وصال کے باوجود ان کا نکاح باقی

سیدہ پاک کو یہ خصوصیت بھی حاصل ہے کہ ان کا نکاح وصال کے بعد بھی باقی ہے عام لوگوں کی طرح وصال سے منقطع نہیں ہوا۔ احناف کا مختار یہی ہے کہ وصال کے بعد عام لوگوں کی زوجیت باقی نہیں رہتی نکاح ختم ہو جاتا ہے، لہذا زوجہ وصال کے بعد شوہر کے لیے اجنبیہ کی طرح ہو جاتی ہے، نہ وہ اس کے جسم کو چھو سکتا ہے اور نہ ہی غسل دے سکتا ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک خاوند زوجہ کو غسل دے سکتا ہے جیسا کہ رد المحتار علی الدر المختار میں ہے: قَالَتِ الْأَئِمَّةُ الثَّلَاثَةُ: يَجُوزُ لِأَنَّ عَلِيًّا غَسَّلَ فَاطِمَةَ (خاوند کا زوجہ کو غسل دینا جائز ہے) اور ان کے پاس جواز کی دلیل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تھا۔ احناف اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ اگر ایسا ہوا ہے تو یہ سیدہ پاک اور مولیٰ مرتضی کی خصوصیت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ ان کا نکاح وصال کے بعد بھی باقی ہے، جیسا کہ کتب احناف میں تصریح ہے: قُلْنَا: هَذَا مَحْمُولٌ عَلَى بَقَاءِ الزَّوْجِيَّةِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ "كُلُّ سَبَبٍ وَنَسَبٍ يَنْقَطِعُ بِالْمَوْتِ إلَّا سَبَبِي وَنَسَبِي" (ہم کہتے ہیں کہ یہ ان کی زوجیت کے باقی رہنے پر محمول ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے کہ "ہر سبب اور نسب موت سے منقطع ہو جاتا ہے مگر میرا سببی اور نسبی رشتہ موت سے بھی منقطع نہیں ہوتا")۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غسل دینے پر ان سے سوال بھی کیا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے غسل کیوں دیا ہے؟ فقال له: أما علمت أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: إن فاطمة زوجتك في الدنيا والآخرة.[1] تو آپ نے ان سے فرمایا کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ فاطمہ دنیا و آخرت میں تمہاری زوجہ ہے۔

---

[1] كتاب المبسوط تأليف: شمس الدين أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي ج 2 ص 128، رد المحتار على الدر المختار المؤلف: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252ھ) الناشر: دار الفكر =بيروت الطبعة:

روز محشر سیدہ پاک کی شان

روز محشر بھی بضعۂ رسول کو اللہ تعالیٰ اپنے خصوصی فضل و عنایت سے فیض یاب فرمائے گا، مستدرک میں امام حاکم روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ: إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ: يَا أَهْلَ الْجَمْعِ، غُضُّوْا أَبْصَارَكُمْ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ علیہ وسلم حَتَّى تَمُرَّ.[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا جب قیامت کا دن ہو گا ایک ندا دینے والا پردے کے پیچھے سے ندا دے گا اے اہلِ محشر! اپنی نگاہیں جھکا لو تاکہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گزر جائیں۔

ایک اور روایت ہے کہ آپ حوروں کے جھرمٹ میں بجلی کی سی تیزی سے گزر جائیں گی۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا كَانَ يَوْمُ الْقِيَامَةِ نَادَى مُنَادٍ مِنْ بُطْنَانِ الْعَرْشِ، يَا أَهْلَ الْجَمْعِ نَكِّسُوا رُءُوسَكُمْ، وَغُضُّوا أَبْصَارَكُمْ حَتَّى تَمُرَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ عَلَى الصِّرَاطِ. قَالَ: فَتَمُرُّ مَعَ سَبْعِينَ أَلْفَ جَارِيَةٍ مِنَ الْحُورِ الْعِينِ كَمَرِّ الْبَرْقِ.[2]

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہو گا عرش کے درمیان سے ایک ندا دینے والا ندا دے گا: اے محشر والو! اپنے

(الثانية، 1412ھ 1992م) ج 2 ص 198، بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع المؤلف: علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (المتوفى: 587ھ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: (الثانية، 1406ھ 1986م) ج 1 ص 305، الغرة المنيفة في تحقيق بعض مسائل الإمام أبي حنيفة المؤلف: عمر بن إسحق بن أحمد الهندي الغزنوي، سراج الدين، أبو حفص الحنفي (المتوفى: 773ھ) الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية الطبعة: (الأولى 1406=1986ھ) ج 1 ص 47، حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح المؤلف: أحمد بن محمد بن إسماعيل الطحطاوي الحنفي (م: 1231ھ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: الطبعة (الأولى 1418ھ 1997م) ج 1 ص 572

[1] المستدرک للحاکم، 3 / 166، الرقم: 4728، ذخائر العقبي في مناقب ذَوِي القربي للمحب الطبري، 1 / 94، أسد الغابة لابن الاثير، 7 / 220، كشف الخفاء للعجلوني، 1 / 101، الرقم: 263. الخطيب البغدادي في تاريخ بغداد، 8 / 142، ذخائر العقبي في مناقب ذَوِي القربي للمحب الطبري: 94.

[2] كتاب الفوائد (الغيلانيات) المؤلف: أبو بكر محمد بن عبد الله بن إبراهيم بن عبدوَيْه البغدادي الشافعي البزّاز (المتوفى: 354ھ) 'ذخائر العقبي في مناقب ذَوِي القربي المؤلف: المحب الطبري (المتوفى: 694ھ) في، 1 / 94، صحيح وضعيف الجامع الصغير وزيادته المؤلف: السيوطي، كنز العمال للهندي، 12 / 105، 106، الرقم: 34210، تذكرة الخواص لابن جوزي، 1 / 279، الصواعق المحرقة للهيتمي، 2 / 557، فيض القدير للمناوي، 1 / 420، 429. مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح.

سروں کو جھکالو اور اپنی نگاہیں نیچی کر لو تا کہ فاطمہ بنت محمد ﷺ پل صراط سے گزر جائیں۔ آپ نے فرمایا پس آپ ستر ہزار حورِ عین کے ساتھ چمکتی بجلیوں کی طرح گزریں گی۔

ابن عساکر نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ذکر کی ہے کہ قیامت کے دن سیدہ پاک رضی اللہ عنہا رسول اللہ کی ناقۃ العضباء پر سوار ہوں گی۔ حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر فرمایا کہ قیامت کے دن وہ اپنی ناقہ پر ہوں گے، قال معاذ بن جبل یا رسول الله وأنت على العضباء قال أنا على البراق يخصني الله به من بين الأنبياء وفاطمة ابنتي على العضباء۔[1] تو حضرت معاذ بن جبل نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کے دن آپ اپنی ناقہ العضباء پر ہوں گے آپ نے فرمایا میں براق پر ہوں گا جسے اللہ تعالیٰ انبیاء کے درمیان میرے لیے خاص فرمائے گا اور فاطمہ میری بیٹی العضباء پر ہو گی۔

دوسری روایت میں ہے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه و آله وسلم: إِذَا كَانَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حُمِلْتُ عَلَى الْبُرَاقِ وَحُمِلَتْ فَاطِمَةُ عَلَى نَاقَةِ الْعَضْبَاءِ۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن مجھے براق پر اور فاطمہ کو ناقہ عضباء پر بٹھایا جائے گا۔"

مستدرک میں امام حاکم حضرت ابو ھریرۃ سے روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: تُبْعَثُ الْأَنْبِيَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَى الدَّوَابِ لِيُوَافُوْا بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ قَوْمِهِمُ الْمُحَشَّرِ، وَيُبْعَثُ صَالِحٌ عَلَى نَاقَتِهِ، وَأُبْعَثُ عَلَى الْبُرَاقِ خَطْوُهَا عِنْدَ أَقْصَى طَرَفِهَا، وَتُبْعَثُ فَاطِمَةُ أَمَامِي۔[3]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے دن انبیاء کرام سواری کے جانوروں پر سوار ہو کر اپنی اپنی قوم کے مؤمنین کے ساتھ محشر میں تشریف

---

[1] تاریخ دمشق الكبير لابن عساكر، 10 / 353،

[2] تاريخ دمشق الكبير لابن عساكر، 10 / 353، شرف المصطفى المؤلف: عبد الملك بن محمد بن إبراهيم النيسابوري الخركوشي، أبو سعد (المتوفى: 407ھ) الناشر: دار البشائر الإسلامية مكة الطبعة: الأولى 1424ھ) ج6 ص 55

[3] المستدرک للحاکم، 3/166، الرقم: 4727.

لائیں گے، اور صالح اپنی اونٹنی پر لائے جائیں گے اور مجھے براق پر لایا جائے گا، جس کا قدم اُس کی منتہائے نگاہ پر پڑے گا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے آگے ہو گی۔

سیدہ پاک کی جنت میں تشریف آوری اور رفاقت رسول

امام حاکم مستدرک میں مولیٰ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت نقل کرتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی الله علیه و آله وسلم: إِنَّ أَوَّلَ مَنْ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَنَا وَفَاطِمَةُ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ. قُلْتُ: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ، فَمُحِبُّوْنَا؟ قَالَ: مِنْ وَّرَائِکُمْ.[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے بتایا: (میرے ساتھ) سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والوں میں، میں، فاطمہ، حسن اور حسین ہوں گے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم سے محبت کرنے والے کہاں ہوں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تمہارے پیچھے ہوں گے۔

جنت میں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی رہائش کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا نَائِمٌ عَلَى الْمَنَامَةِ، فَاسْتَسْقَى الْحَسَنُ أَوِ الْحُسَيْنُ، قَالَ: فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى شَاةٍ لَنَا بِكِيءٍ فَحَلَبَهَا فَدَرَّتْ، فَجَاءَهُ الْحَسَنُ، فَنَحَّاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ فَاطِمَةُ: يَا رَسُولَ اللهِ، كَأَنَّهُ أَحَبُّهُمَا إِلَيْكَ؟ قَالَ: لَا، وَلَكِنَّهُ اسْتَسْقَى قَبْلَهُ ثُمَّ قَالَ: إِنِّي وَإِيَّاكِ وَهَذَيْنِ وَهَذَا الرَّاقِدَ، فِي مَكَانٍ وَاحِدٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ فرماتے ہیں میں بستر پر سویا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے امام حسن یا امام حسین رضی اللہ عنہما نے پینے کے لیے کوئی چیز طلب کی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہماری ایک بکری کی طرف کھڑے ہوئے جس کا دودھ بہت قلیل تھا یا بالکل ختم ہو گیا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دوہنے لگے تو اس نے دودھ اتار دیا امام حسن رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

---

[1] المستدرک للحاکم، 164/3، الرقم: 4723، تاریخ دمشق الکبیر لابن عساکر، 173/14، کنز العمال للهندي، 98/12، الرقم: 34166، الصواعق المحرقة للهیتمي، 448/2، ذخائر العقبي في مناقب ذَوِي القربي للمحب الطبري، 214/1.

[2] مسند احمد بن حنبل، 1 / 101، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 692، الرقم: 1183، مسند البزار، 3 / 29، 30، الرقم: 779، السنة للشيباني، 2 / 598، الرقم: 1322، مجمع الزوائد للهيثمي، 9 / 169، 170، أسد الغابة لابن الاثير في معرفة الصحابة، 7 / 220.

طرف گئے تو آپ نے ان کو ایک طرف کر دیا۔ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے عرض کی معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں میں سے آپ کو حسین زیادہ پیارے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں ایسی کوئی بات نہیں لیکن حسین نے پہلے مانگا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا: میں، تو، یہ دونوں (حسن و حسین رضی اللہ عنہما) اور یہ سونے والا (حضرت علی رضی اللہ عنہ) روزِ قیامت ایک ہی جگہ ہوں گے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان پر جنت میں اپنے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مؤمن ذریت کے اَحوال کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ نَعِيْمٍ(17) فٰكِهِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمْ رَبُّهُمْ ۚ وَوَقٰىهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ(18) كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ(19) مُتَّكِـِٕيْنَ عَلٰى سُرُرٍ مَّصْفُوْفَةٍ ۚ وَزَوَّجْنٰهُمْ بِحُوْرٍ عِيْنٍ(20) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُمْ بِاِيْمَانٍ اَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَآ اَلَتْنٰهُمْ مِّنْ عَمَلِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ؕ كُلُّ امْرِئٍۭ بِمَا كَسَبَ رَهِيْنٌ.[1]

بے شک پرہیز گار باغوں اور چین میں ہیں اپنے رب کی دین پر شاد شاد اور اُنہیں ان کے رب نے آگ کے عذاب سے بچالیا کھاؤ اور پیو خوشگواری سے صلہ اپنے اعمال کا تختوں پر تکیہ لگائے جو قطار لگا کر بچھے ہیں اور ہم نے اُنہیں بیاہ دیا بڑی آنکھوں والی حوروں سے **اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملادی اور اُن کے عمل میں انہیں کچھ کمی نہ دی سب آدمی اپنے کیے میں گرفتار ہیں۔**

اس آیت کے تحت تقریباً تمام مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جن والدین کو عالی درجہ عطا کیا جا چکا ہوگا ان کی مؤمن ذریت (مسلمان اولاد) کو رب اپنے فضل و کرم سے جنت میں والدین کے ساتھ ملا دے گا۔ ایسے ہی علامہ قرطبی سورۃ النساء آیت ۱۱ (آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا) کے تحت حضرت عبد اللہ بن عباس کا قول نقل کرتے ہیں:

إِنَّ الِابْنَ إِذَا كَانَ أَرْفَعَ مِنْ دَرَجَةِ أَبِيهِ فِي الْآخِرَةِ سَأَلَ اللهَ فَرَفَعَ إِلَيْهِ أَبَاهُ، وَكَذَلِكَ الْأَبُ إِذَا كَانَ أَرْفَعَ مِنَ ابْنِهِ.[2]

---

1 سورۃ الطور 21

2 الجامع لأحكام القرآن ـ تفسير القرطبي المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى: 671هـ) تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش الناشر: دار الكتب المصرية القاهرة الطبعة: (الثانية، 1384هـ 1964م) سورۃ النساء آیت ۱۱

اگر آخرت میں بیٹے کا درجہ والد سے رفیع ہو اور وہ رب سے التجا کرے (کہ اس کے والد کو بھی یہ رفعت عطا کی جائے) تو والد کو اس کی طرف رفعت عطا کر دی جائے گی، ایسے ہی اگر والد کا درجہ آخرت میں بیٹے سے بلند ہو (تو اس کی التجا پر بیٹے کو اس کی طرف رفعت مل جائیگی)۔

ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اہل بیت رسول جنت میں اس درجہ میں کیسے ہو سکتے ہیں جس میں سرکار ہوں گے کیونکہ یہ تو جنت میں سب سے اعلیٰ درجہ ہے، جنت میں ایک درجہ اعمال کی بدلے میں ملے گا یقینا اس میں تو کوئی رسول اللہ کے درجہ کے برابر نہیں مگر دوسرا اگر رب کسی پر فضل و انعام فرماتے ہوئے یا اس کا محبوب کسی کو عطا فرماتے ہوئے کسی کی منزلت بلند فرماتا ہے تو اس پر کئی شواہد موجود ہیں۔ مسلم شریف میں حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ہے۔

حَدَّثَنِي رَبِيعَةُ بْنُ كَعْبٍ الْأَسْلَمِيُّ، قَالَ: كُنْتُ أَبِيتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوئِهِ وَحَاجَتِهِ فَقَالَ لِي: سَلْ فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذَلِكَ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ: «فَأَعِنِّي عَلَى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُودِ.[1]

حضرت ربیعہ بن کعب (بن مالک) اسلمی رضی اللہ عنہ نے کہا: میں (خدمت کے لیے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (صفہ میں آپ کے قریب) رات گزارا کرتا تھا، (جب آپ تہجد کے لیے اٹھتے تو) میں وضو کا پانی اور دوسری ضروریات لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ (ایک مرتبہ) آپ نے مجھے فرمایا: "(کچھ) مانگو"۔ تو میں نے عرض کی: میں آپ سے یہ چاہتا ہوں کہ جنت میں بھی آپ کی رفاقت نصیب ہو۔ آپ نے فرمایا: "یا اس کے سوا کچھ اور؟" میں نے عرض کی: بس یہی۔ تو آپ نے فرمایا: "تم اپنے معاملے میں سجدوں کی کثرت سے میری مدد کرو۔"

ایسے ہی بنی اسرائیل کی بڑھیا کا قصہ ہے جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نہ صرف جنت کا وعدہ لیا، بلکہ جنت کے اس حصہ کا مطالبہ کیا جس میں آپ کے ساتھ رہ سکے، اور اس کے مطالبہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے ساتھ رکھنے کا وعدہ فرمایا:

عَنْ أَبِي مُوسَى، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم نَزَلَ بِأَعْرَابِيٍّ فَأَكْرَمَهُ، فَقَالَ لَهُ: يَا أَعْرَابِيُّ، سَلْ حَاجَتَكَ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، نَاقَةً بِرَحْلِهَا وَأَعْنُزٌ يَحْلُبُهَا أَهْلِي، قَالَهَا مَرَّتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ

---

[1] صحیح مسلم الرقم: 1094

رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: أَعَجَزْتَ أَنْ تَكُونَ مِثْلَ عَجُوزِ بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ فَقَالَ أَصْحَابُهُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَمَا عَجُوزُ بَنِي إِسْرَائِيلَ؟ قَالَ: إِنَّ مُوسَى أَرَادَ أَنْ يَسِيرَ بِبَنِي إِسْرَائِيلَ، فَأَضل عَنِ الطَّرِيقِ، فَقَالَ لَهُ عُلَمَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ: نَحْنُ نُحَدِّثُكَ أَنَّ يُوسُفَ أَخَذَ عَلَيْنَا مَوَاثِيقَ اللهِ أَنْ لاَ نَخْرُجَ مِنْ مِصْرَ حَتَّى نَنْقُلَ عِظَامَهُ مَعَنَا، قَالَ: وَأَيُّكُمْ يَدْرِي أَيْنَ قَبْرُ يُوسُفَ؟ قَالُوا: مَا تَدْرِي أَيْنَ قَبْرُ يُوسُفَ إِلاَّ عَجُوزُ بَنِي إِسْرَائِيلَ، فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا، فَقَالَ دُلِّينِي عَلَى قَبْرِ يُوسُفَ، فَقَالَتْ: لاَ وَاللهِ لاَ أَفْعَلُ حَتَّى أَكُونَ مَعَكَ فِي الْجَنَّةِ، قَالَ: وَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ مَا قَالَتْ، فَقِيلَ لَهُ: أَعْطِهَا حُكْمَهَا، فَأَعْطَاهَا حُكْمَهَا، فَأَتَتْ بُحَيْرَةً، فَقَالَتْ: أَنْضِبُوا هَذَا الْمَاءَ، فَلَمَّا نَضَبُوهُ، قَالَتِ: احْفِرُوا هَهُنَا، فَلَمَّا حَفَرُوا إِذَا عِظَامُ يُوسُفَ، فَلَمَّا أَقَلُّوهَا مِنَ الأَرْضِ فَإِذَا الطَّرِيقُ مِثْلُ ضَوءِ النهارِ.[1]

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس ٹھہرے تو اس نے آپ کی بہت عزت و تکریم کی۔ آپ نے اس دیہاتی سے فرمایا: اے اعرابی! تو مجھ سے اپنی حاجت کا سوال کر۔ اس نے کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! ایک اونٹنی کجاوہ سمیت اور کچھ بکریاں عطا فرما دیں، میرے گھر والے اس کا دودھ دوہیں گے۔ اس نے اپنا یہ سوال دو مرتبہ دہرایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا: کیا تو بنی اسرائیل کی بڑھیا جیسا ہونے سے بھی عاجز ہے۔ آپ کے صحابہ نے عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ بنی اسرائیل کی بڑھیا کا کیا قصہ ہے؟ آپ نے فرمایا: موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے جانے کا ارادہ کیا تو راستہ گم ہو گیا (اندھیرا چھا گیا)۔ تو آپ سے بنی اسرائیل کے علماء نے کہا: ہم آپ علیہ السلام کو بتاتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ہم سے وعدہ لیا تھا کہ جب مصر سے نکلیں تو میرا جسم بھی ساتھ لے کر جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: تو تم میں سے یوسف علیہ السلام کی قبر انور کا کس کو پتہ ہے؟ انہوں نے کہا: یوسف علیہ السلام کی قبر کا صرف بنی اسرائیل کی (فلاں) عورت کو پتہ ہے۔ آپ نے اس بڑھیا کی طرف پیغام بھیجا اور کہا کہ ہمیں یوسف علیہ السلام کی قبر کا پتہ بتاؤ۔ اس نے کہا: نہیں خدا کی قسم! میں اس وقت تک نہیں بتاؤں گی جب تک آپ مجھے اپنے ساتھ جنت میں رکھنے کا

[1] المستدرک علی الصحیحین الرقم: 4088، مسند أبي یعلی الرقم: 7254

وعدہ نہیں کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول کو اس کی یہ بات ناپسند گزری۔ آپ سے (بذریعہ وحی) فرمایا گیا: یہ جو کچھ مانگ رہی ہے آپ عطا فرما دیجئے۔ تو آپ نے اس کے ساتھ وعدہ کر لیا۔ وہ ان کو ایک جھیل پر لے آئی اور بولی: یہ پانی خشک کرو۔ جب انہوں نے وہ پانی خشک کر لیا تو اس نے کہا: یہاں سے کھدائی کرو۔ جب انہوں نے وہاں سے کھدائی کی تو ان کو حضرت یوسف علیہ السلام کا جسم مبارک مل گیا۔ جب انہوں نے آپ کا جسم اطہر زمین سے نکال لیا تو (وہ گمشدہ) راستہ روز روشن کی طرح واضح ہو گیا۔

ایسے ہی علماء فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات جنت میں آپ کے ساتھ ہوں گی بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے تو صریح روایت موجود ہے:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ جِبْرِيلَ جَاءَ بِصُورَتِهَا فِي خِرْقَةِ حَرِيرٍ خَضْرَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ إِنَّ هَذِهِ زَوْجَتُكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.[1]

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: جبرئیل علیہ السلام ایک سبز ریشم کے ٹکڑے پر ان کی تصویر لے کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اور کہا: یہ دنیا اور آخرت دونوں میں آپ کی بیوی ہیں۔

سیدہ پاک کی غلامی ذریعۂ نجات

آل رسول سے محبت کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کے حوالے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه و آله وسلم: قَالَ: أَنَا وَعَلِيٌّ وَفَاطِمَةُ وَحَسَنٌ وَحُسَيْنٌ مُجْتَمِعُوْنَ وَمَنْ أَحَبَّنَا، يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَأْكُلُ وَنَشْرَبُ حَتَّى يُفَرَّقَ بَيْنَ الْعِبَادِ.[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں، علی، فاطمہ، حسن و حسین رضی اللہ عنہم اور ہم سے محبت کرنے والے سب روزِ قیامت ایک ہی جگہ ہوں گے، ہم اکٹھے کھا پی رہے ہونگے، یہاں تک کہ لوگوں میں فیصلے کر دیئے جائیں گے۔

---

[1] سنن الترمذي الرقم: 3880

[2] المعجم الكبير للطبراني، 3 / 41، الرقم: 2623، مجمع الزوائد للهيثمي، 9 / 174.

اولاد فاطمہ اولاد رسول

سرکار دوعالم ﷺ کا فرمان ذیشان ہے:

عَنْ جَابِرٍ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اِللہ صلی الله علیه و آله وسلم: لِكُلِّ بَنِی أُمٍّ عَصَبَةٌ يَنْتَمُوْنَ إِلَيْهِمْ إِلَّا ابْنَی فَاطِمَةَ، فَأَنَا وَلِيُّهُمَا وَعَصَبَتُهُمَا.[1]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر ماں کی اولاد کا عصبہ (باپ) ہوتا ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتی ہے، سوائے فاطمہ کے بیٹوں کے، کہ میں ہی اُن کا ولی اور میں ہی اُن کا عصبہ ہوں۔

اسی طرح ایک اور روایت ہے جسے طبرانی حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور خطیب بغدادی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں:

أَن النَّبِی صلی الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ إِن الله جعل ذُرِّيَّة كل نَبِی فِی صلبه وَجعل ذريتی فِی صلب عَلیّ بن أَبی طَالب.[2]

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی ذریت اس کی صلب میں رکھی اور میری ذریت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی صلب میں رکھی۔

مستدرک اور مسند ابو یعلی میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے

وَأَمَّا أَنْتَ يَا عَلِيُّ فَأَخِي وَأَبُو وَلَدَيَّ، وَمِنِّي وَإِلَيَّ[3]

اے علی تم میرے بھائی ہو میری اولاد کے والد ہو، تم مجھ سے ہو اور میری طرف سے ہو۔

---

1. المستدرک للحاکم، 3 / 179، الرقم: 4770، اِستجلاب اِرتقاء الغرف بحب اَقرباء الرسول صلي الله عليه وآله وسلم و ذَوِي الشرف للسخاوي، 1 / 130.

2. تاریخ بغداد أو مدينة السلام المولف: الامام الحافظ أبي بكر أحمد بن علي الخطيب البغدادي (المتوفى 463) المعجم الكبير للطبراني الرقم: 2564، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد الرقم: 15013، التيسير بشرح الجامع الصغير المؤلف: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: 1031هـ) ج1 ص 250، كنز العمال في سنن الأقوال والأفعال الرقم: 32892، تاريخ دمشق المؤلف: ابن عساكر

3. المستدرک علی الصحیحین الرقم: 4957، مسند أبي يعلى الرقم: 528

اور مسند احمد اور سنن النسائی الکبری کے الفاظ ہیں:

وَأَمَّا أَنْتَ يَا عَلِيُّ فَخَتَنِي وَأَبُو وَلَدِي، وَأَنَا مِنْكَ وَأَنْتَ مِنِّي، [1]

اے علی تم میرے داماد اور میرے اولاد کے والد ہو اور میں تم سے اور تم مجھ سے ہو

خود مولیٰ مرتضیٰ بھی حسنین کریمین رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد فرمایا کرتے تھے حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا:

قال علی رضی الله عنه: لقد علمتم أنی أخو النبی صلی الله علیه وسلم ووزیره، وأنی أولکم إیمانًا، وأبو ولدیه، وزوج ابنته سیدة ولده وسیدة نساء أهل الجنة. [2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم جانتے ہو کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھائی اور وزیر ہوں اور میں تم میں سے ایمان لانے میں پہلا ہوں، اور آپ کی اولاد کا باپ ہوں، اور آپ کی دختر کا شوہر جو ان کی اولاد کی سیدہ اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہیں۔

اسی طرف امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان بریلوی نے بھی اشارہ فرمایا:

اصلِ نسلِ صفا وجہِ وصلِ خدا　　　باب فضلِ ولایت پہ لاکھوں سلام

سیدہ پاک کی اولاد بھی بضعہ رسول ہے

علامہ الأمیر عزالدین محمد بن إسماعیل بن صلاح بن محمد الحسنی، الکحلانی (م: 1182ھ) فرمان رسول "فاطمة بضعة منی فمن أغضبها أغضبنی" کے تحت علامہ سمہودی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

قال السمهودی: معلوم أن أولادها بضعة منها فیکونون بالواسطة بضعة منه، ومن ثم لما رأت أم الفضل فی النوم أن بضعة منه صلی الله علیه وسلم وضعت فی حجرها أولها صلی الله علیه وسلم أنها تلد فاطمة غلاماً فیوضع فی حجرها فولدت الحسن علیه السلام فوضع فی

1 مسند احمد الرقم: 11708، سنن النسائي الكبرى الرقم: 5823

2 التوضيح لشرح الجامع الصحيح المؤلف: ابن الملقن سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري (المتوفى: 804هـ) الناشر: دار النوادر، دمشق – سوريا الطبعة: الأولى، 1429 هـ = 2008 م ج19ص 546، مناقب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضي الله عنه المؤلف: علي بن محمد بن محمد بن الطيب بن أبي يعلى بن الجلابي، أبو الحسن الواسطي المالكي، المعروف بابن المغازلي (ت ۴۸۳هـ) الناشر: دار الآثار – صنعاء الطبعة: الأولى ۱۴۲۴هـ = ۲۰۰۳م) ص 168

حجرها فكل من يشاهد الآن من ذريتها فهو بضعة من تلك البضعة وإن تعددت الوسائط قال ابن حجر فيه تحريم من يتأذى المصطفى بتأذيه فكل من وقع منه فی حق فاطمة شیء فتأذت به فالنبی صلی الله علیه و سلم یتأذی به بشهادة هذا الخبر ولا شیء أعظم من إدخال الأذی علیها من قتل أولادها وقد عرف بالاستقراء معاجلة من تعاطی ذلك بالعقوبة فی الدنیا والعذاب فی الآخرة انتهی.[1]

امام سمہودی فرماتے ہیں: کہ یہ معلوم ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کی اولاد آپ کے بدن کا حصہ ہے تو یہ اولاد بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا حصہ بنی، اور اس وجہ سے جب ام الفضل نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا ایک حصہ آپ رضی اللہ عنہا کی جھولی میں گرا تو اس کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تاویل فرمائی کہ فاطمہ کا ایک بیٹا ہو گا تو وہ آپ کی جھولی میں رکھا جائیگا پھر سیدہ پاک کے بیٹے حسن علیہ السلام ہوئے تو آپ کی جھولی میں رکھے گئے۔ آج سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی ساری ذریت بھی اسی بضعہ سے ایک جزء ہیں اگرچہ وسائط متعدد ہیں۔ امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ سیدہ پاک کو اذیت دینے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا بھی حرام ہے۔ اور اس خبر کی شہادت سے ہر وہ بات جو سیدہ پاک کے حق میں واقع ہو اور اس سے سیدہ پاک کو اذیت ہو تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت ہوتی ہے۔ اور آپ کے بچوں کے قتل سے اور کوئی چیز سیدہ پاک کو دینے اذیت میں بڑی نہیں ہو سکتی۔ اور استقراء سے یہ معلوم ہے کہ جس نے ایسا کیا اسے دنیا و آخرت میں عذاب و ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

ایسا ہی کلام امام المناوی (المتوفی: 1031ھ) نے فیض القدیر میں نقل فرمایا ہے۔

فكل من يشاهد الآن من ذريتها بضعة من تلك البضعة وإن تعددت الوسائط ومن تأمل ذلك انبعث من قلبه داعی الإجلال لهم وتجنب بغضهم علی أی حال كانوا علیه.[2]

آج سیدہ پاک کی ساری ذریت بھی اسی بضعہ سے ایک جزء ہیں اگرچہ وسائط متعدد ہیں اور جو اس میں غور و فکر کرے گا اس کے دل سے ان کی اولاد کی عظمت کا داعی ابھرے گا اور ان کے بغض سے کنارہ کش ہو جائے گا وہ انہیں جس حال میں پائے۔

---

[1] التنویر شرح الجامع الصغیر المؤلف: محمد بن إسماعیل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى: 1182ھ) المحقق: د. محمّد إسحاق محمّد إبراهيم الناشر: مكتبة دار السلام، الرياض الطبعة: الأولى، 1432ھ = 2011م ج 7ص 467

[2] فيض القدير شرح الجامع الصغير المؤلف: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: 1031ھ) الناشر: المكتبة التجارية الكبرى - مصر الطبعة: الأولى، 1356 ج 4ص 421

اسی طرح علامہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الشافعی ثم الحنفی (م:۸۹۳ھ) نقل کرتے ہیں:

قلت ومن صلی علی الحسن والحسین فقد صلی علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانها قطعة من تلك البضعة.[1]

اور میں کہتا ہوں جس نے حسن و حسین رضی اللہ عنہما پر درود بھیجا پس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا کیونکہ یہ ٹکڑا (حسنین رضی اللہ عنہما) اس ٹکڑے (بضعۂ رسول زہراء رضی اللہ عنہا) سے ہے۔

سیدہ پاک کی اولاد پر انعامات الٰہی

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ کے لیے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ، إِنِّي أُعِيْذُهَا بِكَ وَ ذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ.[2]

اے اللہ! میں (اپنی) اس (بیٹی) اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔

اس کے علاوہ فرمایا کہ اولاد فاطمہ جہنم سے بھی محفوظ ہو گی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنهما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لِفَاطِمَةَ رضی اللہ عنها: إِنَّ اللّٰهَ عزوجل غَيْرُ مُعَذِّبِكِ وَلَا وُلْدِكِ.[3]

"حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمھیں اور تمہاری اولاد کو عذاب نہیں دے گا۔

ایک اور روایت میں فرمایا:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: إِنَّ فَاطِمَةَ حَصَّنَتْ فَرْجَهَا فَحَرَّمَهَا اللّٰهُ وَ ذُرِّيَّتَهَا عَلَى النَّارِ.[4]

---

1. الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري المؤلف: أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكوراني الشافعي ثم الحنفي (المتوفى ۸۹۳ھ) المحقق: الشيخ أحمد عزو عناية الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، ۱۴۲۹ھ). ج 6 ص 499

2. الصحيح لابن حبان، 15 / 394، 395، الرقم: 6944، المعجم الكبير للطبراني، 22 / 409، الرقم: 1021، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 762، الرقم: 1342، موارد الظمآن للهيثمي، 550، 551، الرقم: 2225، تذكرة الخواص لابن الجوزي، 1 / 277، ذخائر العقبى للمحب الطبری، 1 / 67.

3. المعجم الكبير للطبرانی، 11 / 263، الرقم: 11685، مجمع الزوائد للهيثمی، 9 / 202، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوی، 1 / 117.

4. المعجم الكبير للطبراني، 22 / 407، الرقم: 1018، مسند البزار، 5 / 223، الرقم: 1829، المستدرک للحاكم، 3 / 165، الرقم: 4726، حلية الأولياء لابو نعيم، 4 / 188، استجلاب ارتقاء الغرف للسخاوي، 1 / 115، 116.

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک فاطمہ نے اپنی عصمت و پاک دامنی کی ایسی حفاظت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اور اُس کی اولاد کو آگ پر حرام فرمادیا ہے۔

اصالۃ قطبیت (قطبیت ارشاد) اولادِ زہراء کو عطا کی گئی

امت مصطفیٰ میں مرتبۂ صحابیت کے بعد اولیاء اللہ کے لئے اقطاب، اوتاد، ابدال و نجبا کے مراتب ہیں، صوفیاء اور اہل علم کے نزدیک جتنے بھی اولیاء اللہ ہیں انہیں اب قرب ولایت کا فیض حضرت علی، سیدہ فاطمہ، حسنین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد ان کی اولاد میں سے جنہیں قطب ارشاد (مستقل غوث) کا مرتبہ عطا ہوا، ان ائمہ کے توسط سے ملتا ہے۔ حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کے بعد آپ کی اولاد میں سے ہی ۹ ائمہ رضی اللہ عنہم بالترتیب اس مرتبہ پر فائض ہوئے اور ان کے بعد حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ اس مرتبہ پر متمکن ہوئے اور آخر میں امام مہدی رضی اللہ عنہ کو یہ منصب عطا ہو گا۔

شاہ ولی اللہ کے مشہور و معروف شاگرد قاضی علامہ محمد ثناء اللہ ہندی نقشبندی حنفی عثمانی مظہری اپنی تفسیر میں مشہور حدیث (عن جابر قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی حجتہ یوم عرفۃ وھو علی ناقتہ القصواء یخطب فیقول یا ایھا الناس انی ترکت فیکم ما إن أخذتم بہ لن تضلوا کتاب اللہ و عترتی اھل بیتی۔
حضرت جابر سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کے حج میں عرفہ کے روز دیکھا آپ اپنی اونٹنی قصواء پر خطبہ ارشاد فرمارہے تھے۔ آپ فرمارہے تھے: اے لوگو! بے شک میں تم میں ایسی چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم اسے پکڑے رہو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے (ایک) اللہ کی کتاب ہے اور (دوسری) میری عترت میری اہل بیت) کے تحت لکھتے ہیں:

> قلت أشار النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اھل البیت لانھم اقطاب الإرشاد فی الولایات أولھم علیؓ علیہ السلام ثم ابناؤہ الی الحسن العسکری و آخرھم غوث الثقلین محی الدین عبد القادر الجیلی رضی اللہ عنھم أجمعین لا یصل أحد من الأولین والآخرین إلی درجۃ الولایۃ الا بتوسطھم کذا قال المجدد رضی اللہ تعالی عنہ۔

میں کہتا ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے اہل بیت کی جانب اس لیے اشارہ فرمایا کہ وہ (ولایت میں) اقطاب ارشاد ہیں۔ ان میں سے پہلے مولا علی علیہ السلام ہیں پھر آپ کے بیٹے امام حسن عسکری تک اور ان میں سے آخری غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین

ہیں۔ اولین و آخرین میں سے کوئی بھی درجہ ولایت کو نہ پہنچا مگر انہی کے توسط سے۔ حضرت مجدد نے ایسا ہی فرمایا ہے۔

اسی طرح ایک مشہور حدیث "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" کے تحت لکھتے ہیں:

ومن أجل ذلك ترى كثيرا من سلاسل المشائخ تنتهي الى ائمة اهل البيت ومضى كثير من الأولياء فی السادات العظام منهم غوث الثقلين محی الدين عبد القادر الجيلی الحسنی الحسينی وبهاء الدين النقشبندی والسيد السند مودود الچشتی وسيد معين الدين الچشتی وأبو الحسن الشاذلی وغيرهم ومن أجل ذلك قال رسول الله صلى الله عليه وسلم انی تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتی.[1]

یہی وجہ ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ مشائخ کے بیشتر سلاسل ائمہ اہل بیت پہ جا کر مکمل ہوتے ہیں۔ اور کثیر اولیاء سادات عظام میں گزرے ہیں، ان میں سے: غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی حسنی حسینی اور بہاؤ الدین نقشبند اور سید السند مودود چشتی اور سید معین الدین چشتی اور ابو الحسن شاذلی وغیر ہم ہیں۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہارے بیچ دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: اللہ تعالیٰ کی کتاب اور اپنی عترت۔

ایسے ہی آپ لکھتے ہیں:

ان عليا رضى الله عنه والأئمة من أولاده كانوا اقطابا لكمالات الولاية.

بے شک مولا علی اور آپ کی اولاد میں سے ائمہ ولایت کے کمال کی وجہ سے قطب تھے۔

علامہ شہاب الدین سید محمود بن عبد اللہ آلوسی رحمہ اللہ تعالی (م: 1270ھ) مکتوبات مجدد کے کلام کا فائدہ اپنے الفاظ میں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فی مكتوبات الإمام الفاروقی الربانی مجدد الألف الثانی قدس سره ما حاصله إن القطبية لم تكن على سبيل الأصالة إلا لأئمة أهل البيت المشهورين ثم إنها صارت بعدهم لغيرهم على سبيل النيابة عنهم حتى انتهت النوبة إلى السيد الشيخ عبد القادر الكيلانی قدس سره النورانی فنال مرتبة القطبية على سبيل الإصالة فلما عرج بروحه القدسية إلى أعلى عليين

[1] تفسیر مظہری ج 8 ص 320

نال من نال بعده تلك الرتبة على سبيل النيابة عنه فإذا جاء المهدي ينالها إصالة كما نالها غيره من الأئمة رضوان الله تعالى عليهم أجمعين. اهـ،[1]

امام ربانی فاروقی مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مکتوبات میں ہے جس کا حاصل یہ ہے: بے شک قطبیت اصالۃً تو صرف اہل بیت کے ائمہ مشہورین (ائمہ اثنا عشرہ) کے لیے ہی ہوئی ہے۔ پھر ان کے بعد ان کے غیر کو ان کی نیابت میں ملی ہے۔ یہاں تک نیابت کا اختتام سید شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ النورانی پر ہوا، تو آپ نے مرتبہ قطبیت اصالۃً حاصل کیا۔ پھر جب آپ اپنی روح اقدس کے ساتھ اعلیٰ علیین میں تشریف لے گئے، تو آپ کے بعد جس نے بھی یہ مرتبہ حاصل کیا تو آپ کے نائب کی حیثیت سے حاصل کیا۔ پس جب امام مہدی تشریف لائیں گے تو اس مرتبہ کو اصالۃً حاصل کریں، جیسے دیگر ائمہ نے حاصل کیا تھا۔

اس کے بعد امام آلوسی لکھتے ہیں:

وهذا مما لا سبيل إلى معرفته والوقوف على حقيته إلا بالكشف وأنى لي به. والذي يغلب على ظني أن القطب قد يكون من غيرهم لكن قطب الأقطاب لا يكون إلا منهم لأنهم أزكى الناس أصلا وأوفرهم فضلا.[2]

اور یہ وہ معاملہ ہے جس کی معرفت اور اس کی حقیقت تک رسائی کشف کے بغیر نہیں اور مجھے یہ کہاں حاصل۔ اور میر اغالب ظن یہ ہے کہ "قطب" تو ان (اولاد فاطمہ) کے علاوہ ہو سکتا ہے، لکن "قطب الارشاد" ان کے علاوہ نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ اصل کے اعتبار سے ازکی ہیں اور فضل کے اعتبار سے سب سے زیادہ ہیں۔

اسی طرح کی گفتگو آپ نے ایک اور تصنیف "الفيض الوارد على روض مرثية مولانا خالد" میں اشعار کی شرح کرتے ہوئے "اقطاب" کی تعداد اور مقام کے حوالے سے تفصیل سے کی ہے۔[3]

---

[1] روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) المحقق: علي عبد الباري عطية الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: (الأولى، 1415 هـ) ج 11 ص 200

[2] روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) المحقق: علي عبد الباري عطية الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: (الأولى، 1415 هـ) ج 11 ص 200

[3] الفيض الوارد على روض مرثية مولانا خالد المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) المطبعة الكستلية 1861 ص 180 = 182

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان بارہ ائمہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھا کہ یہ سب کے سب مستقل غوث ہیں:

> مولا علی (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) کو (غوثیت عطا ہوئی) اور امامین محترمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما وزیر ہوئے۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے درجہ بدرجہ امام حسن عسکری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تک یہ سب حضرات مستقل غوث ہوئے۔ امام حسن عسکری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے بعد حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جتنے حضرات ہوئے سب ان کے نائب ہوئے۔ ان کے بعد سیدنا غوثِ اعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) مستقل غوث، حضور تنہا غوثیتِ کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضور ''غوثِ اعظم'' بھی ہیں اور ''سید الافراد'' بھی، حضور کے بعد جتنے ہوئے اور جتنے اب ہوں گے حضرت امام مہدی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تک سب نائب حضور غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوں گے۔ پھر امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غوثیتِ کبریٰ عطا ہو گی۔[1]

ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم (بارہ ائمہ) کے بارے میں بعض لوگوں کو یہ وہم پیدا ہو گیا کہ شاید یہ اہل تشیع کی اصطلاح اور ان کی معتبر شخصیات ہیں، اور ان کے ذکر کو ترک کر دیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے، اہل سنت کے نزدیک ان کے لئے جو امام کا لفظ بولا جاتا ہے وہ اس معنی میں نہیں جس میں اہل تشیع امام کہتے ہیں بلکہ اس سے مراد قطب ارشاد ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری رحمۃ اللہ علیہ مقال (۳۸ تا ۴۵) میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> قاضی صاحب سیف المسلول میں مرتبہ قطبیت ارشاد کو یوں بیان کر کے کہ:
> فیوض وبرکات کارخانۂ ولایت کہ از جناب الٰہی بر اولیاء اللہ نازل مے شود اول بر یک شخص نازل مے شود وازاں شخص قسمت شدہ بہر یک از اولیائے عصر موافق مرتبہ وبحسبِ استعداد می رسد، وبہ ہیچ کس از اولیاء اللہ بے توسط او فیضی نمی رسد وکسے از مردانِ خدا بے وسیلۂ او درجۂ ولایت نمی یابد اقطاب جُزئی واوتاد وابدال ونجباء ونقباء وجمیع اقسام از اولیائے خدا بوے محتاج می باشند صاحب این منصب عالی را امام وقطب الارشاد بالاصالۃ نیز خوانند وایں منصب عالی از وقت ظہور آدم علیہ السلام بروحِ پاک علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ مقرر بود۔[2] کارخانۂ

---

1 ملفوظات اعلی حضرت مولف: مفتی اعظم ہند علامہ محمد مصطفی رضا خان مکتبۃ المدینیہ باب المدینہ کراچی (سن طباعت 1430) ص 178

2 سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص 527 تا 529

ولایت کے فیوض وبرکات جو خدا کی بارگاہ سے اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں پہلے ایک شخص پر اترتے ہیں اور اس شخص سے تقسیم ہوکر اولیائے وقت میں سے ہر ایک کو اس کے مرتبہ واستعداد کے مطابق پہنچتے ہیں اور کسی ولی کو بھی اس کی وساطت کے بغیر کوئی فیض نہیں پہنچتا۔ اور اہل اللہ میں سے کوئی بھی اس کے وسیلہ کے بغیر درجہ ولایت نہیں پاتا۔ جزئی اقطاب اوتاد، ابدال، نجباء، نقبا اور تمام اقسام کے اولیاء اللہ اس کے محتاج ہوتے ہیں، اس منصب بلند والے کو امام اور قطب الارشاد بالاصالۃ بھی کہتے ہیں اور یہ منصب عالی ظہور آدم علیہ السلام کے زمانے سے حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ کی روح پاک کے لیے مقرر تھا۔(ت)

پھر ائمہ اطہار رضوان اللہ تعالٰی علیہم کو بترتیب اس منصب عظیم کا عطا ہونا لکھ کر کہتے ہیں:

بعد وفات عسکری علیہ السلام تاوقت ظہور سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبد القادر الجیلی ایں منصب بروح حسن عسکری علیہ السلام متعلق بود۔[1] حضرت عسکری کی وفات کے بعد سید الشرفا غوث الثقلین محی الدین عبد القادر جیلانی کے زمانہ ظہور تک یہ منصب حضرت حسن عسکری کی رُوح سے متعلق رہے گا۔(ت)

پھر کہا:

چوں حضرت غوث الثقلین پیدا شد ایں منصب مبارک بوے متعلق شد وتا ظہور محمد مہدی این منصب بروح مبارک غوث الثقلین متعلق باشد۔[2] جب حضرت غوث الثقلین پیدا ہوئے یہ منصب مبارک ان سے متعلق ہوا اور امام محمد مہدی کے ظہور تک یہ منصب حضرت غوث الثقلین کی روح سے متعلق رہے گا۔(ت)

اخیر میں کہا:

استنباط ایں مدعا از کتاب اللہ واز حدیث می توانیم کرد۔ اھ ملخصا۔ ہم اس مدعا کا استنباط کتاب اللہ اور حدیث پاک سے کرسکتے ہیں۔ اھ ملخصا (ت)

امام مہدی تک اولیاء کو فیض غوث اعظم کے توسط سے ملے گا مجدد الف ثانی ان کے نائب ہیں

اعلٰی حضرت لکھتے ہیں اصل ان سب اقوال ثلثہ کی جناب شیخ مجدد الف ثانی سے ہے، جیسا کہ جلد سوم مکتوب نمبر ۱۲۳ صفحہ ۱۲۳ میں مفصلاً مذکور، ان کے کلام میں اس قدر امر اور زائد ہے کہ:

بعد از ایشان (یعنی حضرت مرتضٰی کرم اللہ تعالٰی وجہہ الاسنی) بہر یکے از ائمہ اثنا عشر علی الترتیب والتفصیل قرار گرفت ودر اعصار ایں بزرگواران وہمچنیں بعد از ارتحال ایشاں ہر کرا فیض وہدایت می رسد

---

[1] سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص 527 تا 529

[2] سیف المسلول مترجم اردو خاتمہ کتاب فاروقی کتب خانہ ملتان ص 527 تا 529

بتوسط این بزرگوار ان بوده ملاذ ملجائے ہمہ ایشاں بوده اند تا آنکہ نوبت بحضرت شیخ عبد القادر جیلانی رسید قدس سرہ، [1] ط الخ اھ ملخصًا۔ حضرت مرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے بعد بارہ اماموں میں سے ہر ایک کے لیے ترتیب و تفصیل کے ساتھ قرار پذیر ہوا۔ ان بزگوں کے زمانے میں اسی طرح ان کی رحلت کے بعد جسے بھی فیض و ہدایت پہنچتی انہی بزرگوں کے توسط سے تھی اور سب کا ملجا یہی حضرات تھے یہاں تک کہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ، تک نوبت پہنچی الخ (ت)۔ [2]

اور انہوں نے جلد ثانی میں خود اپنے لئے بھی اس منصب کا حصول مانا اور اس اعتراض سے کہ پھر اس دور میں منصب مذکور کا حضور پر نور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختصاص کب رہا جلد ثالث میں یوں جواب دیا کہ: مجدد الف ثانی دریں مقام نائب مناب حضرت شیخ است و بنیابت حضرت شیخ ایں معاملہ باو مربوط است چنانکہ گفتہ اند نور القمر مستفاد من نور الشمس فلا محذور۔ [3] مجدد الف ثانی اس مقام میں حضرت شیخ کا قائم مقام ہے اور حضرت شیخ کی نیابت سے یہ معاملہ اس سے وابستہ ہے جیسا کہ کہا گیا ہے مہتاب کا نور آفتاب کے نور سے مستفاد ہے تو کوئی اعتراض نہ رہا۔ (ت) [4]

روحانی فیض رسانی کے پیشوا مولیٰ مرتضٰی عالم ارواح سے ہیں

امام ربّانی مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے جس مکتوب کے حوالے گزرے ہیں اس میں رقمطراز ہیں:

اللہ تعالیٰ کی طرف پہنچانے والے راستے دو ہیں۔ ایک طریق بہ قُرب نبوّت یہی راہ سلوک مُوصل اصل الاصل ہے۔ اس راستے کے واصلان بالاصالۃ انبیائے کرام سے فیض پاتے ہیں۔ جیسے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فیضان رسانی کا یہ راستہ اعلیٰ اور افضل ہے مگر اس راستے سے استفادہ کرنے والے بہت تھوڑے ہیں (دوسروں کی بنسبت)۔ دوسرا راستہ جو قُرب ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔ اقطاب، اوتاد، بدلا، نجباء اور عامہ اولیاء اللہ اسی راستے کے واصل ہیں۔ روحانی فیض رسانی کے اس سلسلے کے پیشوا، سرگروہ منبع، ماویٰ و ملجاء حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذات والا صفات ہے۔ رسول کریم ﷺ کے دونوں قدم آپ کے سر پر ہیں یہ منصب عظیم امام ربانی کے عقیدہ میں حضرت مولا علی کو عالم ارواح سے حاصل ہے۔ ''انگارم کہ حضرت امیر (کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم) **قبل از نشأہ عُنصری نیز ملاذ وَملجاً ایں مقام بودہ اند چنانچہ بعد از نشأہ عُنصری وہَر کرا فیض وہدایت ازیں راہ میر سید بتوسّط ایشان**

---

1. مکتوب امام ربانی مکتوب دوصد و بست و سوم مطبع منشی نو لکشور لکھنو 3\ 48= 247
2. فتاوی رضو یہ ج 9 ص 812
3. مکتوب امام ربانی مکتوب دوصد و بست و سوم مطبع منشی نو لکشور لکھنو 3\ 48= 247
4. فتاوی رضو یہ ج 9 ص 813

میر سید "جس کو اس راستے سے فیض و ہدایت نصیب ہوا اس کے مرکز ولادت سے قبل اور مابعد حضرت مولا علی ہیں۔ ائمہ اہل بیت ہی فیضاں رسانی کا ذریعہ ہیں۔ تمام اقطاب، نجباء کے ملاذ وملجاء اہل بیت اطہار ہی ہیں۔ اس مرکز اہل بیت سے دریوزہ گری کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ جب نوبت حضرت غوثِ صمدانی، شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ تک پہنچی فیض رسانی کا منصب آپ کو نصیب ہوا اس وقت سے لے کر ظہورِ امام مہدی علیہ السلام تک آپ ہی کے پاس ہے۔ آپ کی منظوری کے بغیر کسی کو ولایت نصیب نہیں ہوتی یہاں تک کہ حضرت مجدّد الف ثانی بھی ان کے نائب کے طور پر فیض تقسیم کرتے ہیں۔

امام اہل سنت امام احمد رضا خان بریلوی سے ہی بارہ ائمہ رضی اللہ عنہم کی امامت کے متعلق سوال ہوا:

سوال: بارہ امام جن کے نام عوام میں مشہور ہیں ان میں باستثنائے جناب امام علی مرتضی کرم اللہ وجہہ حضرت امام حسن و حضرت امام حسین و حضرت امام مہدی کے کسی اور امام کی نسبت صحیح حدیثوں میں اشارۃً یا صراحۃً کوئی خبر آئی ہے؟ امامت ان کی ولایت کے درجے پر ماننا چاہئے ان کے عقائد واحکام واعمال وغیرہ ائمہ مجتہدین میں سے کسی ایک کے مشابہ تھے یا سب سے الگ؟ یہ خود مجتہد تھے یا مقلد؟ بعض اعمال وجفر وغیرہ کی کتابوں میں ان کے اقوال ملتے ہیں یہ کہاں تک صحیح ہیں؟ بعض کا یہ اعتراض ہے کہ صحاح کی کتابوں میں ان کی روایتیں بہت کم لی گئی ہیں حالانکہ ان کا خاندانی علم تھا ان سے زیادہ دوسرے کو کہاں تک واقفیت ہو سکتی ہے اہل سنت کی کتابوں میں ان کے حالات کم لکھنے کی کیا وجہ ہے؟

الجواب: امام باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بشارت بتصریح نام گرامی صحیح حدیث میں ہے جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے ہے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا ذکر فرمایا کہ ان سے ہمارا اسلام کہنا۔ سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ طلب علم کے لئے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے انہوں نے ان کی غایت تحریم کی اور کہا: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یسلم علیك[1] رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کو سلام فرماتے ہیں، اور اخرج منکما الکثیر الطیب[2] (اللہ تعالیٰ تم دونوں کو کثیر پاکیزہ اولاد عطا فرمائے) میں ان سب حضرات کی بشارت ہے۔ امامت اگر بمعنی مقتدیٰ فی الدین ہونے کے ہے تو بلاشبہ ان کے غلام اور غلاموں کے کلام مقتدیٰ فی الدین ہیں، اور اگر اصطلاح مقامات ولایت مقصود ہے کہ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں عبد الملک وعبد الرب انہیں امامین کہتے ہیں،

---

1 تاریخ دمشق الکبیر ترجمہ 2901 محمد بن علی بن حسین دار احیاء التراث العربی بیروت 57\215_216

2 تنزیہ الشریعہ باب فی مناقب السبطین و امہما و آل البیت دار الکتب العلمیۃ بیروت 1\411

تو بلاشبہ **یہ سب حضرات خود غوث ہوئے**۔ اور اگر امامت بھی خلافت عامہ مراد ہے تو وہ ان میں صرف امیر المومنین مولیٰ علی وسیدنا امام حسن مجتبیٰ کو ملی اور اب سیدنا امام مہدی کو ملے گی وبس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ باقی جو منصب امامت ولایت سے بڑھ کر ہے وہ خاصۂ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے جس کو فرمایا: "إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا" [1] (میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں۔ت) وہ امامت کسی غیر نبی کے لئے نہیں مانی جاسکتی، "أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ" [2] (حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول اللہ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔ت) ہر غیر نبی کی امامت اولی الامر منکم تک ہے جسے فرمایا: "وَجَعَلْنَاهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا" [3] (اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔ت) مگر "أَطِيعُوا الرَّسُولَ" کے مرتبے تک نہیں ہو سکتی اس حد پر ماننا جیسے روافض مانتے ہیں صریح ضلالت و بے دینی ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک تو بلاشبہ یہ حضرات مجتہدین وائمہ مجتہدین تھے، اور باقی حضرات بھی غالباً مجتہد ہوں گے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ نظر بظاہر ہے **ورنہ باطنی طور پر کوئی شک کا مقام نہیں کہ یہ سب حضرات عین الشریعۃ الکبریٰ تک واصل تھے**، جو بسند صحیح ثابت یا کسی فقہ معتمد کی نقل ہے اس کا ثبوت مانا جائے گا ورنہ مجاہیل یا عوام یا ایسی کتاب کی نقل جو رطب ویابس سب کی جامع ہوتی ہے کوئی ثبوت نہیں۔ صحاح میں صدیق اکبر وفاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات بھی بہت کم ہیں، رحمت الٰہی نے حصے تقسیم فرمادیئے ہیں کسی کو خدمت الفاظ، کسی کو خدمت معانی، کسی کو تحصیل مقاصد، کسی کو ایصال الی المطلوب، نہ ظاہری روایت کی کثرت وجہ افضلیت ہے نہ اس کی قلت وجہ مفضولیت۔ صحیحین میں امام احمد سے صدہا احادیث ہیں اور امام اعظم و امام شافعی سے ایک بھی نہیں۔ اور باقی صحاح میں اگر ان سے ہیں بھی تو بہت شاذ ونادر، حالانکہ امام احمد امام شافعی کے شاگرد ہیں، اور امام شافعی امام اعظم کے شاگردوں کے شاگرد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ بلکہ امام احمد کا منصب بھی بہت ارفع و اعلیٰ ہے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہیں رُبع اسلام کہا ہے۔ ہزاروں محدثین جو فقیہ تک نہ تھے ان سے جتنی روایات صحاح میں ملیں گے صدیق وفاروق بلکہ خلفائے اربعہ سے اس کا دسواں حصہ بھی نہ ملے گا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ محض غلط وافتراء ہے کہ ان کے احوال اہلسنت کی کتابوں میں کم ہیں، اہلسنت کی جتنی کتابیں بیان حالات اکابر میں ہیں سب ان پاک مبارک محبوبان خدا کے ذکر سے گونج رہی ہیں اور خود ان کے ذکر میں مستقل کتابیں ہیں واللہ تعالیٰ اعلم۔ [4]

---

[1] القرآن الکریم 2\124
[2] القرآن الکریم 4\59
[3] القرآن الکریم 21\73
[4] فتاوی رضویہ 26 / 430-431

جن اکابر اہل سنت کی کتب کی طرف امام اہل سنت نے اشارہ کیا ہے بعض تو وہ ہیں جن کی کتب میں بارہ ائمہ کا تذکرہ موجود ہے اور بعض نے تو مستقل ان کے حالات پر کتب لکھی ہیں۔

یحییٰ بن سلامہ ابن الحسین ابو الفضل الشافعي، الحصکفی (م: 553) نے اہل بیت کی حضور اشعار میں نذرانہ عقیدت پیش کیا تو بارہ ائمہ کے حضور بالترتیب اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ جسے البدایة والنهایة میں علامہ ابن کثیر (م:774ھ) نے نقل کیا، اسی طرح شیخ ابو حامد فرید الدین محمد بن ابی بکر ابراہیم ابی یعقوب اسحاق العطّار (م: 627ھ) نے اپنی کتاب "مظهر العجائب و مظهر الاسرار" میں بارہ ائمہ کی شان میں اشعار تحریر فرمائے، علامہ کمال الدین ابو سالم محمد بن طلحہ القرشی العدوی النصیبی الشافعی (م:652ھ) نے "مطالب السؤول فی مناقب آل رسول" بارہ ائمہ کے حالات پر مستقل کتاب تصنیف فرمائی، علامہ ابو المظفر شمس الدین یوسف بن قزغلي بن عبد اللہ البغدادی العونی الحنفی (م:654ھ) نے "تذكرة خواص الأمة في خصائص الأئمة" کتاب کے بارہویں، باب میں امام زین العابدین سے لے کر امام مہدی تک تمام ائمہ کے تفصیلی حالات نقل کئے۔ حافظ محمد بن یوسف الکنجی الشافعی (م:658ھ) نے اپنی تالیف "کفایة الطالب فی مناقب علی بن ابی طالب" میں بارہ ائمہ کا ذکر کیا، علامہ جلال الدین رومی (م:672ھ) نے اپنے "دیوان کبیر" میں ائمہ اہل بیت کی بارگاہ میں ہدیہ سلام پر مشتمل اشعار تحریر کئے، حافظ ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی (م:648ھ) نے "سیر اعلام النبلاء" میں تمام ائمہ کا ذکر کیا ہے۔ احمد بن محمد بن ابراہیم ابن خلکان (م:681ھ) نے "وفیات الاعیان" میں تمام ائمہ اہل بیت کا تذکرہ کیا ہے، خواجہ حمد اللہ بن ابی بکر بن احمد بن نصر مستوفی قزوینی (م:750ھ) نے "تاریخ گزیدہ" میں تمام ائمہ کا ذکر کیا ہے، علامہ شمس الدین محمد بن یوسف زرندی حنفی (م:757ھ) نے "معارج الوصول الی معرفة فضل آل الرسول والبتول" کے نام سے مستقل کتاب لکھی ہے، خواجہ محمد پارسا نقشبندی (م:822ھ) نے "فصل الخطاب لوصل الاحباب" میں بارہ ائمہ اہل بیت کا تذکرہ کیا ہے، علامہ علی بن محمد احمد المالکی المکی الشہیر بابن الصباغ (م:855) نے "الفصول المهمة فی معرفة الأئمة" کے نام سے بارہ ائمہ کے تذکرہ کے لئے مستقل کتاب تصنیف کی ہے۔ علامہ نور الدین عبد الرحمن جامی (م:898ھ) نے "شواهد النبوة" میں تمام بارہ ائمہ اہل بیت کے تفصیلا حالات ذکر کئے ہیں، علامہ شمس الدین محمد بن علی ابن طولون الحنفی الدمشقی الصالحی (م: ۹۵۳) نے ائمہ اہل بیت کے تذکرہ کے لیے "الائمة الإثنا عشر" کے نام سے مستقل کتاب تحریر کی ہے، ملا علی قاری (م:1014ھ) نے "مرقاة" میں بارہ ائمہ کا تذکرہ کیا، شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دھلوی (م:1051ھ) نے "احوال آئمه اثنا عشر" کے عنوان سے تمام ائمہ اہل بیت کے حالات کو جمع کیا۔ شیخ عبد الرحمن چشتی دہلوی (م:1045ھ) نے اپنی کتاب "مرآة الاسرار" میں بارہ ائمہ کا تذکر کیا۔ ان کے علاوہ کثیر تعداد میں علماء ہیں جنہوں نے ائمہ اہل بیت کا تذکرہ اپنی کتب میں کیا ہے۔ مسجد نبوی میں صحابہ

کرام اور ائمہ عظام رضی اللہ عنہم میں سے جن شخصیات کے اسماء گرامی کو لکھا گیا ان میں بارہ ائمہ اہل بیت کے نام بھی موجود ہیں۔

اہل محبت کا تو معمول تھا کہ وہ ان پاک ہستیوں کے تذکروں سے اپنے قلوب واذہان کو منور کرتے تھے، نہ جانے کیوں ان کے ذکر اور ان سے عقیدت و محبت کو رفض کی علامت سمجھا جانے لگا۔ اسی لئے مامور من الرسول حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر اہل سنت کو نصیحت فرمائی تھی:

> اور افراد امت کو چاہیئے کہ ان کی تعظیم واکرام میں کوتاہی نہ کریں قیامت کے روز کسی کو اعمال مکسوبۂ غیر سے سوال نہ ہوگا۔ بے ادبی اور ناحق شناسی سعادت سے محرومی کا باعث ہے۔ اہل علم کو چاہیئے کہ اہل بیت کرام کے مشاہیر ائمہ دوازدہ علیہم السلام کے مرویہ مناقب و فضائل کو نصب العین بنائیں، اور خوف خدا کرتے ہوئے ایسی تقریروں سے کنارہ کش رہیں۔ کہ کیا ہوتا اگر حسین یزید کی بیعت قبول کرلیتا" (معاذ اللہ) بنی امیہ کا خاندان تو ختم ہوگیا لیکن ان کے سکہ کی تاثیر وتصرف اب تک بھی بعض دلوں پر اثر انداز ہے۔ تاریخ دانوں پر مخفی نہیں کہ بنی امیہ کے بادشاہوں کا برتاؤ حضرات اہل بیت سے بہت ہی برا رہا ہے۔ اور وہ ہمیشہ حضرات اہل بیت کی اہانت میں کوشاں رہے۔ لیکن اس کے باوجود انہیں مجالس و معارضات میں ہاشمی فصاحت و بلاغت سے ہمیشہ ذلت ورسوائی نصیب ہوتی رہی۔ [1]

آپ ایک اور مقام پر ائمہ اہل بیت کے لئے امام کا لفظ استعمال کرنے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اطلاق لفظ امام بلحاظ بطون خلافت نزد اہل سنت و خصوص معنی مصطلح علیہ عند الشیعہ بر ائمہ اہل بیت علیہم السلام صحیح و جائز است۔ عند صاحبۃ غیر او شاں رانیز اگرچہ بلحاظ مقتدائے دین بودن امام گفتہ شود۔ اما خصوصیات مختصہ بنفوس قدسیہ او شان محصور و محدود اند در ذوات مقدسہ او شان علیہم الرضوان۔
>
> اہلسنت کے نزدیک خلافت کے باطنی مفہوم کے لحاظ سے اور اہل شیعہ کے نزدیک اصطلاحی معنی کے لحاظ سے امام کے لفظ کا اطلاق ائمہ اہل بیت علیہم السلام پر صحیح اور جائز ہے۔ ان حضرات کے

---

[1] ملفوظات مہر یہ قبلہ عالم خواجہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب مقام اشاعت گولڑہ شریف اسلام آباد (طبعہ 1418ھ) ملفوظ (162) ص 121

علاوہ دوسرے حضرات دینی پیشوا ہونے کی بنا پر امام کہلاتے ہیں ورنہ ان حضرات کی خصوصیاتِ مختصہ انہی تک محدود ہیں۔[1]

اولاد فاطمہ میں قرب قیامت امام مہدی کی آمد

قرب قیامت اللہ تعالیٰ کے جس مقرب و برگزیدہ بندے کا احادیث مبارکہ میں ذکر خیر ملتا ہے کہ جن کے ہاتھ پر اس دور کے ابدال و صلحاء بیعت کریں گے اور آپ کی زیر قیادت دنیا میں عدل و انصاف قائم ہو گا، اور ہر طرف فراوانی نعمت ہو جائی گی، اور روح اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی اقتداء میں نماز ادا کریں گے۔

متفق علیہ حدیث پاک ہے:

أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيكُمْ وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ.[2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگوں کا اس وقت (خوشی سے) کیا حال ہو گا۔ جب تم میں عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام (آسمان سے) اتریں گے اور تمہارا امام (مہدی) تمہیں میں سے ہو گا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب تشریف لائیں گے تو نماز کا وقت ہو گا اور آپ کو امامت کے لئے عرض کیا جائے گا، مگر آپ علیہ السلام امام مہدی رضی اللہ عنہ کو امامت کا کہیں گے۔ علامہ ابن حجر فتح الباری میں اس حوالے سے لکھتے ہیں۔

وَقَالَ أَبُو الْحَسَنِ الْخَسْعِيُّ الْآبِدِيُّ فِي مَنَاقِبِ الشَّافِعِيِّ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ بِأَنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَأَنَّ عِيسَى يُصَلِّي خَلْفَهُ.[3]

حافظ ابن حجر لکھتے کہ امام ابو الحسن الخسعی الابدی نے "مناقب الشافعی" میں لکھا ہے کہ اس بارے میں متواتر احادیث ہیں کہ حضرت مہدی اس امت میں سے ہوں گے اور عیسیٰ علیہ السلام امام مہدی کی اقتداء میں نماز ادا فرمائیں گے۔

---

[1] ملفوظات مہر یہ قبلہ عالم خواجہ سید پیر مہر علی شاہ صاحب مقام اشاعت گولڑہ شریف اسلام آباد (طبعہ 1418ھ) ملفوظ (151) ص 115

[2] صحیح بخاری، الرقم: 3265، صحیح مسلم، الرقم: 155، صحیح ابن حبان، الرقم: 6802

[3] فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة = بيروت، (1379) ج 6 ص 493

امام مہدی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے سنن ابی داود میں روایت ہے۔

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْمَهْدِيُّ مِنِّي أَجْلَى الْجَبْهَةِ أَقْنَى الأَنْفِ يَمْلأُ الأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلاً كَمَا مُلِئَتْ جَوْرًا وَظُلْمًا يَمْلِكُ سَبْعَ سِنِينَ.[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مہدی مجھ سے ہو گا (یعنی میری اولاد سے ہو گا) اس کا چہرہ خوب نورانی، چمک دار اور ناک ستواں و بلند ہو گی۔ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، جس طرح پہلے وہ ظلم وجور سے بھری ہو گی سات سال حکومت کریگا۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

يَكُونُ فِي آخِرِ أُمَّتِي خَلِيفَةٌ يَحْثِي الْمَالَ حَثْياً لاَ يَعُدُّهُ عَدَداً.[2]

"میری امت کے آخر میں ایک خلیفہ ہو گا جو گنے بغیر مال دے گا یعنی تقسیم کرے گا۔"

اس کے علاوہ امام حاکم نے نقل کیا ہے کہ سیدنا ابو سعید الخذری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أن رَسُولَ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم، قَالَ : يَخْرُجُ فِي آخِرِ أُمَّتِي الْمَهْدِيُّ، يَسْقِيهِ اللهُ الْغَيْثَ، وَتُخْرِجُ الأَرْضُ نَبَاتَهَا، وَيُعْطِي الْمَالَ صِحَاحًا، وَتَكْثُرُ الْمَاشِيَةُ، وَتَعْظُمُ الأُمَّةُ، يَعِيشُ سَبْعًا أَوْ ثَمَانِيًا يَعْنِي حِجَجًا،[3]

میری امت کے آخر میں مہدی آئے گا جس کے لیے اللہ تعالیٰ بارشیں نازل فرمائے گا اور زمین اپنے نباتات اگلے گی عدل و انصاف سے مال تقسیم کرے گا، مویشی زیادہ ہو جائیں گے اور امت کا غلبہ ہو گا وہ (اپنے ظہور کے بعد) سات یا آٹھ سال زندہ رہے گا۔

مصنف ابن ابی شیبہ اور مستدرک حاکم میں حدیث پاک ہے کہ اس دور کے اولیاء و ابدال حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم : يُبَايِعُ لِرَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي بَيْنَ الرُّكْنِ وَالْمَقَامِ، كَعِدَّةِ أَهْلِ بَدْرٍ، فَيَأْتِيهِ عَصَبُ الْعِرَاقِ، وَأَبْدَالُ الشَّامِ،

---

1. أبو داود، السنن، كتاب المهدي، 4: 107، رقم: 4285
2. (صحیح مسلم: ۲۹۱۳)
3. (المستدرک للحاکم، ج ۴، ص ۵۵۸)

فَيَأْتِيهِمْ جَيْشٌ مِنَ الشَّامِ، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْبَيْدَاءِ خُسِفَ بِهِمْ، ثُمَّ يَسِيرُ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِنْ قُرَيْشٍ أَخْوَالُهُ كَلْبٌ، فَيَهْزِمُهُمُ اللهُ قَالَ: وَكَانَ يُقَالُ: إِنَّ الْخَائِبَ يَوْمَئِذٍ، مَنْ خَابَ مِنْ غَنِيمَةِ كَلْبٍ.[1]

حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میری اُمت کے ایک شخص (مہدی) سے رکنِ حجر اسود اور مقامِ ابراہیم کے درمیان اہلِ بدر کی تعداد کے مثل افراد بیعتِ خلافت کریں گے۔ بعد ازاں اس امام کے پاس (بیعت کرنے) عراق کے اولیاء اور شام کے ابدال آئیں گے۔" ان کے پاس شام کا لشکر آئے گا، جب یہ لشکر مکہ کی ہموار زمین میں ہو گا تو ان کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا، پھر ایک قریشی آدمی ان کی جانب آئے گا، اس کے ننھیال قبیلہ کلب سے ہوں گے، اللہ اس کے ہاتھ پر ان کو شکست دے گا، اور کہا جائے گا، اس موقع پر وہ شخص خسارے اٹھانے والا ہو گا جو قبیلہ کلب کے مال غنیمت سے محروم رہا ہو گا۔

ان کی آمد کی نشانیوں کے حوالے سے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے ہے۔

عن مُجَاهِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي فُلَانٌ، رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ الْمَهْدِيَّ لَا يَخْرُجُ حَتَّى تُقْتَلَ النَّفْسُ الزَّكِيَّةُ ; فَإِذَا قُتِلَتِ النَّفْسُ الزَّكِيَّةُ غَضِبَ عَلَيْهِمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ فَأَتَى النَّاسَ الْمَهْدِيُّ فَزَفُّوهُ كَمَا تُزَفُّ الْعَرُوسُ إِلَى زَوْجِهَا لَيْلَةَ عُرْسِهَا وَهُوَ يَمْلَأُ الْأَرْضَ قِسْطًا وَعَدْلًا وَتُخْرِجُ الْأَرْضُ نَبَاتَهَا وَتُمْطِرُ السَّمَاءُ مَطَرَهَا وَتَنْعَمُ أُمَّتِي فِي وِلَايَتِهِ نِعْمَةً لَمْ تَنْعَمْهَا قَطُّ.[2]

حضرت مجاہد صحابی رسول رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا امام مہدی کا ظہور تب ہو گا جب "نفس زکیہ" قتل ہو جائیں گے۔ جب نفس زکیہ قتل کر دیے جائیں گے تو زمین و آسمان والے ان قاتلین پر غضب ناک ہوں گے۔ بعد ازاں لوگ (امام) مہدی علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور اُنہیں دلہا کی طرح آراستہ و پیراستہ کریں گے اور (امام) مہدی علیہ السلام زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیں گے۔ (اُن کے زمانہ خلافت میں) زمین اپنی پیداوار کو اُگل دے گی

1 حاکم، المستدرک، 4: 478، رقم: 8328، ابن أبی شیبه، المصنف، 7: 460، رقم: 37223

2 ابن أبي شيبة، المصنف: 7: 514: رقم: 37653

اور آسمان خوب برسے گا اور میری اُمت پر اُن کی ولایت و سلطنت میں اس قدر نعمتیں نازل ہوں گی کہ اتنی نعمتوں سے اسے پہلے کبھی نہیں نوازا گیا ہو گا۔

ان کی سیادت کے حوالے سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَقُولُ: نَحْنُ، وَلَدَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ، سَادَةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ، أَنَا وَحَمْزَةُ وَعَلِيٌّ وَجَعْفَرٌ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَالْمَهْدِيُّ.[1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خود فرماتے سنا ہے کہ ہم عبد المطلب کی اولاد اہلِ جنت کے سردار ہوں گے یعنی میں حمزہ، علی، جعفر، حسن، حسین اور مہدی۔

مذکورہ بالا روایت کے علاوہ متعدد دیگر روایات بھی موجود ہیں جو امام مہدی کا مقام و مرتبہ بیان کرتی ہیں، تمام مکاتب فکر کے نزدیک متفقہ طور پر آپ مقدس اور برگزیدہ شخصیات میں شامل ہیں، آپ کی آمد کے حوالے سے متواتر درجہ کی روایات کتبِ احادیث میں موجود ہیں، اس درجہ کمال اور شان والی شخصیت کے مالک امام مہدی بھی سیدہ زہرا پاک رضی اللہ عنہا کے ہی لختِ جگر ہوں گے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے متعدد کتب حدیث میں روایت ہے:

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ - صلى الله عليه وسلم - يَقُولُ الْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِي مِنْ وَلَدِ فَاطِمَةَ.[2]

ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: مہدی میری عترت میں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہو گا۔

اسی طرح امام حاکم مستدرک میں روایت نقل کرتے ہیں:

عن أُمِّ سَلَمَةَ، تَقُولُ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم يَذْكُرُ الْمَهْدِيَّ، فَقَالَ: نَعَمْ، هُوَ حَقٌّ، وَهُوَ مِنْ بَنِي فَاطِمَةَ.[3]

---

1 سنن ابن ماجه، الرقم: 4087

2 سنن ترمذي، الرقم: 2231، سنن ابو داود، الرقم: 4284، مسند احمد بن حنبل، الرقم: 3571، مستدرک حاکم، الرقم: 8672

3 مستدرک حاکم، الرقم: 8671

اُم المومنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امام مہدی کا ذکر کرتے ہوئے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں وہ برحق ہے اور وہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی اولاد سے ہو گا۔

اسی طرح حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مستدرک میں اور مسند احمد میں روایت ہے:

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم : لاَ تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تُمْلأَ الأَرْضُ ظُلْمًا، وَجَوْرًا، وَعُدْوَانًا، ثُمَّ يَخْرُجُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي مَنْ يَمْلأُهَا قِسْطًا وَعَدْلاً، كَمَا مُلِئَتْ ظُلْمًا وَعُدْوَانًا .[1]

حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی۔ یہاں تک کہ زمین ظلم وزیادتی اور سرکشی سے بھر جائے گی، پھر میری اولاد میں سے ایک آدمی آئے گا جو اسی طرح زمین کو عدل انصاف سے بھر دے گا جس طرح وہ پہلے ظلم و سرکشی سے بھری ہوئی ہو گی۔

اسی طرح ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

عن عائشة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال هو رجل من عترتي يقاتل على سنتي كما قاتلت أنا على الوحي.[2]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ (مہدی) میری عترت (اہل بیت) سے ہوں گے، میری سنت کے لیے جنگ کریں گے، جس طرح میں نے وحی الٰہی کے لیے جنگ کی۔

قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ داری منقطع نہیں ہو گی

قیامت کے دن جب تمام رشتہ داریاں منقطع ہو جائیں گی، اس دن بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جن کا رشتہ ہو گا، وہ برقرار رہے گا۔

---

1 مستدرک حاکم، الرقم: 8669، مسند الإمام أحمد بن حنبل الرقم: 12921

2 كتاب الفتن المؤلف: أبو عبد الله نعيم بن حماد بن معاوية بن الحارث الخزاعي المروزي (المتوفى: 228هـ) المحقق: سمير أمين الزهيري الناشر: مكتبة التوحيد – القاهرة الطبعة: (الأولى، 1412) الرقم: 1092

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رضی الله عنه قَالَ: إِنِّي سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی الله علیه وسلم يَقُوْلُ: كُلُّ نَسَبٍ وَ سَبَبٍ يَنْقَطِعُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَّا مَا كَانَ مِنْ سَبَبِي وَ نَسَبِي.[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: میرے نسب اور رشتہ کے سوا قیامت کے دن ہر نسب اور رشتہ منقطع ہو جائے گا۔

ایسی ہی ایک روایت حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہے۔

سیدہ پاک افضل نساء العالمین

سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ تمام جہان کی عورتوں میں سب سے افضل و اعلیٰ تھا۔ اور محققین کا مختار بھی یہی ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا مقام و مرتبہ میں تمام جہاں کی خواتین سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ اس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث دلالت کرتی ہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں سیدہ طیبہ سے فرمایا:

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنَّ أَزْوَاجُ النَّبِيِّ صلی الله علیه وسلم عِنْدَهُ لَمْ يُغَادِرْ مِنْهُنَّ وَاحِدَةً فَأَقْبَلَتْ فَاطِمَةُ تَمْشِي مَا تُخْطِئُ مِشْيَتُهَا مِنْ مِشْيَةِ رَسُولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم شَيْئًا فَلَمَّا رَآهَا رَحَّبَ بِهَا فَقَالَ مَرْحَبًا بِابْنَتِي. ثُمَّ أَجْلَسَهَا عَنْ يَمِينِهِ أَوْ عَنْ شِمَالِهِ ثُمَّ سَارَّهَا فَبَكَتْ بُكَاءً شَدِيدًا فَلَمَّا رَأَى جَزَعَهَا سَارَّهَا الثَّانِيَةَ فَضَحِكَتْ. فَقُلْتُ لَهَا خَصَّكِ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم مِنْ بَيْنِ نِسَائِهِ بِالسِّرَارِ ثُمَّ أَنْتِ تَبْكِينَ فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم سَأَلْتُهَا مَا قَالَ لَكِ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم قَالَتْ مَا كُنْتُ أُفْشِي عَلَى رَسُولِ اللهِ صلی الله علیه وسلم سِرَّهُ. قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم قُلْتُ عَزَمْتُ عَلَيْكِ بِمَا لِي عَلَيْكِ مِنَ الْحَقِّ لَمَا حَدَّثْتِنِي مَا قَالَ لَكِ رَسُولُ اللهِ صلی الله علیه وسلم فَقَالَتْ أَمَا الآنَ فَنَعَمْ أَمَا حِينَ سَارَّنِي فِي الْمَرَّةِ الأُولَى فَأَخْبَرَنِي أَنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُهُ

[1] المستدرک للحاکم، 3 / 153، الرقم: 4684، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 625، 626، 758، الرقم: 1069، 1070، 1333، مسند البزار، 1 / 397، الرقم: 274، المعجم الكبير للطبراني، 3 / 44، 45، الرقم: 2633، 2634، المعجم الأوسط للطبراني، 5 / 376، الرقم: 5606، 6 / 357، الرقم: 6609.

الْقُرْآنَ فِي كُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ وَإِنَّهُ عَارَضَهُ الآنَ مَرَّتَيْنِ وَإِنِّي لاَ أُرَى الأَجَلَ إِلاَّ قَدِ اقْتَرَبَ فَاتَّقِي اللهَ وَاصْبِرِي فَإِنَّهُ نِعْمَ السَّلَفُ أَنَا لَكِ. قَالَتْ فَبَكَيْتُ بُكَائِي الَّذِي رَأَيْتِ فَلَمَّا رَأَى جَزَعِي سَارَّنِي الثَّانِيَةَ فَقَالَ **يَا فَاطِمَةُ أَمَا تَرْضَيْنَ أَنْ تَكُونِي سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ أَوْ سَيِّدَةَ نِسَاءِ هَذِهِ الأُمَّةِ**. قَالَتْ فَضَحِكْتُ ضَحِكِي الَّذِي رَأَيْتِ. مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ.[1]

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں، کہ ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سب ازواج آپ کے پاس موجود تھیں ان میں سے کوئی (وہاں سے) غیر حاضر نہیں تھی، اتنے میں حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور ان کی چال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چال سے ذرہ برابر بھی مختلف نہ تھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ پاک کو دیکھا تو انہیں خوش آمدید کہا پھر انہیں اپنی دائیں یا بائیں جانب بٹھالیا، پھر ان سے رازداری سے کوئی بات کی تو وہ شدت سے رونے لگیں۔ جب آپ نے ان کی شدید بے قراری دیکھی تو آپ نے دوبارہ ان سے رازداری سے کوئی بات کی تو وہ ہنس پڑیں۔ (بعد میں) میں نے ان سے دریافت کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ازواج کو چھوڑ کر خاص طور پر آپ سے راز داری کی بات کی، پھر آپ روئیں (کیوں؟) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اس جگہ سے) تشریف لے گئے تو میں نے ان سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے کیا کہا؟ انہوں نے کہا میں ایسی نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا راز افشا کر دوں، پھر جب رسول اللہ کا وصال ہو گیا تو میں نے ان سے کہا میرا آپ پر جو حق ہے میں اس کی بنا پر اصرار کرتی ہوں مگر یہ کہ آپ مجھے بتائیں کہ آپ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا کہا تھا؟ انہوں نے کہا اب (اگر آپ پوچھتی ہیں) تو ہاں۔ پہلی بار جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سرگوشی کی تو مجھے بتایا کہ جبریل آپ کے ساتھ سال میں ایک یا دو بار قرآن کا دور کیا کرتے تھے لیکن اس سال دو بار کیا ہے، میرا خیال یہی ہے کہ میرا آخری وقت آ پہنچا ہے اس لیے تم تقوی اختیار کرتے ہوئے صبر کرنا، میں تمہارے لیے بہترین پیش رو ہوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کہا اس پر میں اس طرح روئی جیسا آپ نے دیکھا، پھر جب آپ نے میری شدید بے قراری دیکھی تو دوسری بار

[1] صحيح مسلم 4 / 1904، الرقم: 2450، وصحيح بخاري 3 / 1326، 1327، الرقم: 3426، 3427، مسند احمد بن حنبل، 6 / 282.

مجھ سے سر گوشی کی اور فرمایا اے فاطمہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں کہ تم تمام مومن عورتوں کی ملکہ بنو یا فرمایا اس امت کی تمام عورتوں کی ملکہ ہو! تو اس بات پر میں ہنس پڑی۔"

اس حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے جہاں سیدہ طیبہ رضی اللہ عنہا کو سیادت کے اعزاز سے آگاہ فرمایا وہیں باقی امہات المؤمنین کی موجودگی میں اس انداز سے راز و نیاز فرما کر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصی شان کا اظہار بھی فرمایا جیسا کہ ام المؤمنین سیدہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی بھی ہے، اس خصوصی شان کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مختلف الفاظ نقل ہیں جیسا کہ امام طحاوی نقل کرتے ہیں:

إن لك من بين نسائه فضل رسول الله صلى الله عليه وسلم من بيننا بالسرار.[1]
بے شک آپ ﷺ کی ازواج میں آپ کے لئے فضیلت ہے کہ آپ کو ہمارے درمیان رازداری کے لئے خاص فرمایا ہے۔

امام نسائی نے نقل کیا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

فَقُلْتُ لِلنِّسَاءِ: مَا كُنْتُ أَرَى إِلَّا أَنَّ لَهَا فَضْلًا عَلَى النِّسَاءِ.[2]
میں نے دیگر امہات المؤمنین سے کہا کہ میں نہیں دیکھتی مگر یہ کہ انہیں تمام خواتین پر فضیلت حاصل ہے۔

مذکورہ بالا حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم "**سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِينَ**" (تمام مومن عورتوں کی سیدہ ہو) یا "**سَيِّدَةَ نِسَاءِ هَذِهِ الأُمَّةِ**" (اس امت کی تمام عورتوں کی سیدہ ہو)، اگر یہ روایت کسی دوسری روایت سے متعارض ہو تو بھی یہی راجح ہو گی کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان آپ کے آخری ایام کا ہے۔ اس کے علاوہ ایک اور موقع پر آپ رضی اللہ عنہا کو تمام جنتی عورتوں کی سیدہ بھی بیان فرمایا تھا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں بھی روایت موجود ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.[3]
نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فاطمہ جنتی عورتوں کی ملکہ ہیں۔

---

1 مشكل الآثار للطحاوي 125
2 سنن الكبرى للنسائي 9236، مسند إسحاق بن راهو يه 2103
3 صحيح بخاري الرقم: 3624

سنن ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں یہی روایت حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے تفصیل سے مروی ہے:

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ سَأَلَتْنِي أُمِّي مَتَى عَهْدُكَ تَعْنِي بِالنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ مَا لِي بِهِ عَهْدٌ مُنْذُ كَذَا وَكَذَا فَنَالَتْ مِنِّي فَقُلْتُ لَهَا دَعِينِي آتِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُصَلِّيَ مَعَهُ الْمَغْرِبَ وَأَسْأَلُهُ أَنْ يَسْتَغْفِرَ لِي وَلَكِ فَأَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّيْتُ مَعَهُ الْمَغْرِبَ فَصَلَّى حَتَّى صَلَّى الْعِشَاءَ ثُمَّ انْفَتَلَ فَتَبِعْتُهُ فَسَمِعَ صَوْتِي فَقَالَ مَنْ هَذَا حُذَيْفَةُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ مَا حَاجَتُكَ غَفَرَ اللهُ لَكَ وَلِأُمِّكَ قَالَ إِنَّ هَذَا مَلَكٌ لَمْ يَنْزِلِ الْأَرْضَ قَطُّ قَبْلَ هَذِهِ اللَّيْلَةِ اسْتَأْذَنَ رَبَّهُ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيَّ وَيُبَشِّرَنِي بِأَنَّ فَاطِمَةَ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ وَأَنَّ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.[1]

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ سے میری والدہ نے پوچھا تم نبی اکرم کی خدمت میں کب گئے تھے؟ میں نے عرض کی کہ اتنے دنوں سے نہیں جاسکا تو وہ مجھ پر خفا ہوئیں، میں نے ان سے کہا: آپ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے دیجئے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز مغرب پڑھوں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میں اپنے اور آپ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا مغفرت کی درخواست کروں گا، چنانچہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور آپ کے ساتھ نماز مغرب پڑھی پھر آپ (نوافل) پڑھتے رہے یہاں تک کہ آپ نے عشاء پڑھی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوٹے تو میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے پیچھے چلا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میری آواز سنی تو فرمایا: کون ہو؟ حذیفہ؟ میں نے عرض کیا: جی ہاں، حذیفہ ہوں، آپ نے فرمایا: تمہاری کیا حاجت ہے اللہ تمہاری اور تمہاری ماں کی مغفرت فرمائے (پھر) آپ نے فرمایا: یہ ایک فرشتہ ہے جو اس رات سے پہلے زمین پر کبھی نہیں اترا، اس نے اپنے رب سے مجھے سلام کرنے اور یہ بشارت دینے کی اجازت مانگی ہے کہ **فاطمہ رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی ملکہ ہیں** اور حسن و حسین رضی اللہ عنہما اہل جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔

---

[1] سنن ترمذي، 5 / 660، الرقم: 3871، السنن الكبري للنسائي، 5 / 80، 95، الرقم: 8298، 8365، فضائل الصحابة للنسائي: 58، 76، الرقم: 193، 260، مسند احمد بن حنبل، 5 / 391، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 788، الرقم: 1406، المصنف لابن أبي شيبة، 6 / 388، الرقم: 32271، المستدرک للحاکم، 3 / 164، الرقم: 4721، 4722. المعجم الكبير للطبراني، 22 / 403، الرقم: 1006، التاريخ الكبير للبخاري، 1 / 232، الرقم: 728، سير أعلام النبلاء للذهبي، 2 / 127، تهذيب الكمال للمزي، 26 / 391.

ایسے ہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل جنت میں جن خواتین کو افضلیت حاصل ہے ان کا ذکر فرمایا تو ان میں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا تذکرہ بھی فرمایا:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ خَطَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ خُطُوطٍ قَالَ تَدْرُونَ مَا هَذَا فَقَالُوا اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ بِنْتُ مُزَاحِمٍ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ وَمَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ.[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہیں آپ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین پر چار لکیریں کھینچیں اور فرمایا: تم جانتے ہو یہ کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ اور اُس کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہتر جانتے ہیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اہل جنت کی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، فرعون کی بیوی آسیہ بنت مزاحم اور مریم بنت عمران ہیں۔

اسی طرح ترمذی شریف میں روایت ہے:

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حَسْبُكَ مِنْ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مَرْيَمُ ابْنَةُ عِمْرَانَ وَخَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ وَآسِيَةُ امْرَأَةُ فِرْعَوْنَ.[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ساری دنیا کی عورتوں میں سے تمہیں مریم بنت عمران، خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، اور فرعون کی بیوی آسیہ کافی ہیں۔

ان احادیث کے علاوہ بھی جن خواتین کا احادیث مبارکہ میں خصوصی مقام و مرتبہ اور فضیلت بیان ہوئی ہے، ان میں سابقہ امتوں میں سیدہ مریم اور سیدہ آسیہ رضی اللہ عنہما ہیں اور امتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا، سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ جن علماء و محدثین کرام نے ان کے فضائل کی احادیث کو جمع کر کے تطبیق دیتے ہوئے ترتیب فضیلت بیان کی ہے تو انہوں نے سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی افضلیت کی دو جہتوں پر کلام کیا

---

[1] مسند احمد بن حنبل، 1 / 293، 316، السنن الكبري للنسائي، 5 / 93، 94، الرقم: 8355، 8364، فضائل الصحابة للنسائي: 74، 76، الرقم: 250، 259، الصحيح لابن حبان، 15 / 470، الرقم: 7010، المستدرک للحاكم، 2 / 539، الرقم: 3836، 3 / 174، الرقم: 4752، 4754، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 760، 761، الرقم: 1339، مسند أبي يعلى الرقم: 2722

[2] سنن ترمذی الرقم:3878

ہے۔ ایک اگر سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کی افضیلت سے مراد اصل کی شرافت اور نسب کی عظمت ہو تو تمام خواتین سے بالاتفاق سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں۔ کیونکہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بدن کا حصہ ہیں اور یہ ایسا اختصاص ہے جس میں آپ رضی اللہ عنہا کے بہن بھائیوں کے علاوہ کوئی شریک نہیں، اگر مراد سیادت ہو تو آپ سیدۃ نساء المؤمنین و اہل الجنہ ہیں۔ اور اگر افضلیت من حیث الوجوہ ہو تو محققین کے نزدیک اصح اور مختار افضلیت سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا علی نساء العالمین ہی ہے۔

غوث الثقلین، امام ربانی، سیدنا الشیخ عبد القادر الجیلانی الحسنی والحسینی رضی اللہ عنہ (م: 561ھ) سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

فاطمة بنت نبينا محمد صلى الله عليه وسلم ورضى الله تعالى عنها وعن بعلها وأولادها أفضل نساء العالمين، ويجب موالاتها ومحبتها كما يجب ذلك فى حق أبيها صلى الله عليه وسلم قال النبى صلى الله عليه وسلم: فاطمة بضعة منى، يريبنى ما يريبها.[1]

سیدہ فاطمہ بنت نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالی آپ سے، آپ کے زوج اور اولاد سے راضی ہو، عالمین کی عورتوں سے افضل ہیں۔ آپ کی دوستی اور محبت ایسے ہی لازم ہے جیسے کہ آپ کے والد مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لازم ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے جو بات انہیں پریشان کرتی ہے وہ مجھے پریشان کرتی ہے۔

امام جلال الدین سیوطی (المتوفی: 911ھ) اپنی مشہور تصنیف تدریب الراوی میں فرماتے ہیں:

اختلف فى التفضيل بين فاطمة وعائشة على ثلاثة أقوال ثالثها الوقف والأصح تفضيل فاطمة فهى بضعة منه وقد صححه السبكى فى الحلبيات وبالغ فى تصحيحه وفى الصحيح فى فاطمة سيدة نساء هذه الأمة وروى النسائى عن حذيفة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال هذا ملك من الملائكة استأذن ربه ليسلم على وبشرنى أن حسنا وحسينا سيدا شباب اهل الجنة وأمهما سيدة نساء أهل الجنة.[2]

---

[1] الغنية لطالبي طريق الحق عز وجل المؤلف: عبد القادر بن موسى بن عبد الله بن جنكي دوست الحسني، أبو محمد، محيي الدين الجيلاني، أو الكيلاني، أو الجيلي (ت ٥٦١هـ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان الطبعة: (الأولى، ١٤١٧هـ ١٩٩٧م) ج1ص162

[2] تدريب الراوي في شرح تقريب النواوي المؤلف: عبد الرحمن بن أبي بكر السيوطي (المتوفى: 911هـ) الناشر: مكتبة الرياض الحديثة – الرياض ج2ص225

سیدہ فاطمہ اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے درمیان فضیلت میں اختلاف ہے اور اس میں تین قول ہیں، تیسرا قول توقف کا ہے مگر اصح قول یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ افضل ہیں کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا حصہ ہیں اور اسی کی امام سبکی نے حلبیات میں تصحیح کی ہے اور اس کی تصحیح میں بہت مبالغہ کیا ہے، اور صحیح حدیث میں وارد ہے کہ فاطمہ اس امت کی عورتوں کی ملکہ ہیں۔ امام نسائی نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ فرشتہ ہے اس نے اپنے رب سے مجھ پر سلام کی اجازت مانگی، اور مجھے بشارت دی کہ حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں اور ان کی ماں جنتی عورتوں کی ملکہ ہے۔

امام یحیی بن ابی بکر بن محمد بن یحیی العامری الحرضی (المتوفی: 893) اپنی کتاب "بهجة المحافل" میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولم يتزوج عليها حتى ماتت ومذهب المحققين انها أفضل من عائشة وان فاطمة أفضل من الجميع.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ہوتے ہوئے دوسرا نکاح نہ کیا۔ اور محققین کا مذھب یہ ہے کہ آپ سیدہ عائشہ سے افضل ہیں اور فاطمہ سب سے افضل ہیں۔

ابو حیان الاندلسی (المتوفی: 745ھ) البحر المحیط میں فرماتے ہیں:

وَالَّذِي رَأَيْتُ مِمَّنِ اجْتَمَعَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْعُلَمَاءِ، أَنَّهُمْ يَنْقُلُونَ عَنْ أَشْيَاخِهِمْ: أَنَّ فَاطِمَةَ أَفْضَلُ النِّسَاءِ الْمُتَقَدِّمَاتِ وَالْمُتَأَخِّرَاتِ لِأَنَّهَا بَضْعَةٌ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[2]

میرے نزدیک جس بات پر علماء کا اتفاق ہے اور وہ اپنے شیوخ سے بھی نقل کرتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تمام عورتیں چاہے پچھلے زمانہ کی ہوں یا اگلے زمانہ کی سب سے افضل ہیں کیونکہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا ٹکڑا ہیں۔

---

1 بهجة المحافل و بغية الأماثل في تلخيص المعجزات والسير والشمائل المؤلف: يحيى بن أبى بكر بن محمد بن يحيى العامري الحرضي (المتوفى: 893ھ) الناشر: دار صادر - بيروت ج2ص139

2 البحر المحيط في التفسير المؤلف: أبو حيان محمد بن يوسف بن علي بن يوسف بن حيان أثير الدين الأندلسي (المتوفى: 745ھ) المحقق: صدقي محمد جميل الناشر: دار الفكر - بيروت الطبعة: 1420ھ ج3ص147

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا غار حرا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کھانا لے کر جاتی تھیں ایک دفعہ کھانا لے کر گئیں تو حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا آ رہی ہیں لہذا ان پر رب کی طرف سے اور میرے طرف سے سلام پڑھیں اس قصہ کے حوالے سے ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (المتوفی: 852ھ) فتح الباری لکھتے ہیں:

قَالَ السُّهَيْلِيُّ اسْتَدَلَّ بِهَذِهِ الْقِصَّةِ أَبُو بَكْرِ بْنِ دَاوُدَ عَلَى أَنَّ خَدِيجَةَ أَفْضَلُ مِنْ عَائِشَةَ لِأَنَّ عَائِشَةَ سَلَّمَ عَلَيْهَا جِبْرِيلُ مِنْ قِبَلِ نَفْسِهِ وَخَدِيجَةُ أَبْلَغَهَا السَّلَامَ مِنْ رَبِّهَا وَزعم بن الْعَرَبِيِّ أَنَّهُ لَا خِلَافَ فِي أَنَّ خَدِيجَةَ أَفْضَلُ مِنْ عَائِشَةَ وَرُدَّ بِأَنَّ الْخِلَافَ ثَابِتٌ قَدِيمًا وَإِنْ كَانَ الرَّاجِحُ أَفْضَلِيَّةَ خَدِيجَةَ بِهَذَا وَبِمَا تَقَدَّمَ قُلْتُ وَمِنْ صَرِيحِ مَا جَاءَ فِي تَفْضِيلِ خَدِيجَةَ مَا أَخْرَجَهُ أَبُو دَاوُدَ وَالنَّسَائِيُّ وَصَحَّحَهُ الْحَاكِمُ مِنْ حَدِيثِ بن عَبَّاسٍ رَفَعَهُ أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيجَةُ بِنْتُ خُوَيْلِدٍ وَفَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّدٍ قَالَ السُّبْكِيُّ الْكَبِيرُ كَمَا تَقَدَّمَ لِعَائِشَةَ مِنَ الْفَضَائِلِ مَا لَا يُحْصَى وَلَكِنَّ الَّذِي نَخْتَارُهُ وَنَدِينُ اللَّهَ بِهِ أَنَّ فَاطِمَةَ أَفْضَلُ ثُمَّ خَدِيجَةَ ثُمَّ عَائِشَةَ وَاسْتَدَلَّ لِفَضْلِ فَاطِمَةَ بِمَا تَقَدَّمَ فِي تَرْجَمَتِهَا أَنَّهَا سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْمُؤْمِنِين.[1]

سہیلی نے کہا کہ ابو بکر بن داود نے اس قصہ سے استدلال کیا ہے کہ حضرت خدیجہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر جبریل علیہ السلام نے اپنی طرف سے سلام کہا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کو ان کے رب کی طرف سے سلام کہا، ابن العربی نے اس سے گمان کیا کہ خدیجہ کی عائشہ پر افضلیت میں کوئی اختلاف نہیں، انہیں جواب دیا گیا کہ اس میں قدیم اختلاف ثابت ہے ہاں اس سے سیدہ خدیجہ کی افضلیت راجح ہے اور جو گزر چکی ہے۔ میں کہتا ہوں سیدہ خدیجہ کی افضلیت میں صریح وہ ہے جو ابو داود اور نسائی نے تخریج کی ہے اور حاکم نے حضرت ابن عباس سے مرفوعا بیان کی ہے، کہ اہل جنت کی عورتوں میں سے افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد ہیں۔ سبکی کبیر نے فرمایا ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ حضرت عائشہ کے فضائل بے شمار ہیں لیکن ہمارا مختار اور ہمارا دین یہ ہے کہ فاطمہ افضل ہیں، پھر خدیجہ پھر عائشہ اور حضرت فاطمہ کی فضیلت پر استدلال جو انکے ترجمہ میں گزر چکا ہے کہ آپ سیدۃ نساء المؤمنین ہیں۔

---

1 فتح الباري شرح صحيح البخاري. المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن حَجَر العسقلاني (المتوفى: 852ھ) الناشر: دار المعرفة = بيروت، 1379) ج 7 ص 139

حافظ ابن حجر فتح الباری میں ہی باب مناقب فاطمی میں نقل فرماتے ہیں:

وَأَقْوَى مَا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى تَقْدِيمِ فَاطِمَةَ عَلَى غَيْرِهَا مِنْ نِسَاءِ عَصْرِهَا وَمَنْ بَعْدَهُنَّ مَا ذُكِرَ مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهَا سَيِّدَةُ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ إِلَّا مَرْيَمَ.[1]

اور آپ رضی اللہ عنہا کی تقدیم اور افضلیت تمام عورتیں پر چاہے وہ آپ کے زمانہ کی ہیں یا بعد میں آنے والی ہیں کی سب سے قوی دلیل جس سے استدلال کیا جاتا ہے وہ یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کے لئے فرمایا(إنها سيدة نساء العالمين) کہ سیدہ فاطمہ عالمین کی عورتوں کی ملکہ ہیں سوائے مریم کے۔

اس کے علاوہ (قوله باب فضل عائشة رضى الله عنها) کے تحت حافظ ابن حجر علامہ ابن قیم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وَقَالَ بن الْقَيِّمِ إِنْ أُرِيدَ بِالتَّفْضِيلِ كَثْرَةُ الثَّوَابِ عِنْدَ اللهِ فَذَاكَ أَمْرٌ لَا يُطَّلَعُ عَلَيْهِ فَإِنَّ عَمَلَ الْقُلُوبِ أَفْضَلُ مِنْ عَمَلِ الْجَوَارِحِ وَإِنْ أُرِيدَ كَثْرَةُ الْعِلْمِ فَعَائِشَةُ لَا مَحَالَةَ وَإِنْ أُرِيدَ شَرَفُ الْأَصْلِ فَفَاطِمَةُ لَا مَحَالَةَ وَهِيَ فَضِيلَةٌ لَا يُشَارِكُهَا فِيهَا غَيْرُ أَخَوَاتِهَا وَإِنْ أُرِيدَ شَرَفُ السِّيَادَةِ فَقَدْ ثَبَتَ النَّصُّ لِفَاطِمَةَ وَحْدَهَا قُلْتُ امْتَازَتْ فَاطِمَةُ عَنْ أَخَوَاتِهَا بِأَنَّهُنَّ مُتْنَ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا تَقَدَّمَ وَأَمَّا مَا امْتَازَتْ بِهِ عَائِشَةُ مِنْ فَضْلِ الْعِلْمِ فَإِنَّ لِخَدِيجَةَ مَا يُقَابِلُهُ وَهِيَ أَنَّهَا أَوَّلُ مَنْ أَجَابَ إِلَى الْإِسْلَامِ وَدَعَا إِلَيْهِ وَأَعَانَ عَلَى ثُبُوتِهِ بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَالتَّوَجُّهِ التَّامِّ فَلَهَا مِثْلُ أَجْرِ مَنْ جَاءَ بَعْدَهَا وَلَا يُقَدِّرُ قَدْرَ ذَلِكَ إِلَّا اللهُ وَقِيلَ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ عَلَى أَفْضَلِيَّةِ فَاطِمَةَ وَبَقِيَ الْخِلَافُ بَيْنَ عَائِشَةَ وَخَدِيجَةَ[2]

اور ابن قیم نے کہا ہے اگر تفضیل سے مراد کثرت علم (جس سے امت نے فائدہ اٹھایا) ہو تو لا محالہ سیدہ عائشہ ہیں اور اگر شرف نسب ہو تو لا محالہ سیدہ فاطمہ افضل ہیں اور یہ ایسی فضیلت ہے جس میں آپ کے ساتھ آپ کی اخوات کے علاوہ کوئی شریک نہیں اور اگر شرف سیادت مراد ہو تو صرف سیدہ فاطمہ کے لئے نص ثابت ہے۔ **میں کہتا ہوں کہ سیدہ فاطمہ اپنی دیگر اخوات سے**

---

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة = بيروت، 1379 ج 7 ص 105

[2] فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة = بيروت، 1379 ج 7 ص 109

ممتاز ہیں کہ وہ سب رسول اللہ ﷺ کی حیات میں فوت ہوئیں جس طرح پہلے گزر چکا۔ اور جو فضیلت علم سیدہ عائشہ کی ہے ویسی ہی سیدہ خدیجہ کے لئے بھی ہے کیونکہ آپ ہی وہ پہلی خاتون ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا اور اس کی طرف دعوت دی اور اسلام کے لئے اپنی جان ومال کو خرچ کیا اور اس طرف مکمل توجہ دی تو ان کے لئے ان تمام کے مثل اجر ہے جو بعد میں آنے والی ہیں۔ اور اس کا اندازہ صرف اللہ تعالی ہی کو ہے۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ افضلیت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر اجماع منعقد ہے اور سیدہ عائشہ اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت میں اختلاف ہے۔

حافظ ابن حجر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے درمیان افضلیت میں بھی راجح قول یوں بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ تَقَدَّمَ فِي أَبْوَابِ بَدْءِ الْوَحْيِ بَيَانُ تَصْدِيقِهَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أَوَّلِ وَهْلَةٍ وَمِنْ ثَبَاتِهَا فِي الْأَمْرِ مَا يَدُلُّ عَلَى قُوَّةِ يَقِينِهَا وَوُفُورِ عَقْلِهَا وَصِحَّةِ عَزْمِهَا لَا جَرَمَ كَانَتْ أَفْضَلَ نِسَائِهِ عَلَى الرَّاجِحِ.[1]

ابواب بدء الوحی میں پہلے یہ گزر چکا ہے کہ سیدہ خدیجہ نے پہلی فرصت میں نبی کریم ﷺ کی تصدیق کی اور اسلام میں آپ کی ثابت قدمی آپ کی قوت یقین اور عقل کی کثرت اور ارادہ کی پختگی پر دلالت کرتی ہے، **یقینا راجح یہی ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کی تمام ازواج میں افضل ہیں۔**

ابن الملقن سراج الدین أبو حفص عمر بن علی بن احمد الشافعی المصری (المتوفی: 804ھ) بخاری شریف کی شرح "التوضیح لشرح الجامع الصحیح" میں نقل کرتے ہیں:

إقراء جبريل عليها السلام من ربها جل جلاله دال على فضل خديجة على عائشة، وقد أقرأ عائشة رضى الله عنها أيضًا الرب جل جلاله السلام كما رواه الطبراني في أكبر معاجمه من حديثها، وسنده جيد فيما علمت؛ لأنه عليه السلام أقرأها سلام جبريل كذا استنبطه ابن داود وإن كان فيه خلاف عنده، وسئل أيضا أيما أفضل خديجة أم فاطمة؟ قال: الشارع

[1] فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة = بيروت، 1379 ج 7ص 134

قال: فاطمة بضعة منى، ولا أعدل ببضعة منه أحدا، وتوقف ابن التين فقال: الله أعلم أيهما أفضل خديجة أم عائشة.[1]

حضرت جبریل علیہ السلام نے رب کی طرف سے آپ (سیدہ خدیجہ) پر سلام پڑھا جو حضرت خدیجہ کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور تحقیق سیدہ عائشہ پر بھی رب نے سلام بھیجا ہے جیسا کہ طبرانی نے اپنی معاجم حدیث میں سے معجم کبیر میں اسے روایت کیا ہے[2] اور اس کی سند میری معلومات میں عمدہ ہے کیونکہ آپ علیہ السلام نے سیدہ عائشہ کے لیے جبریل کا سلام پڑھا اسی طرح ابن داود نے استنباط کیا اگرچہ ان کے نزدیک اس میں اختلاف ہے۔ اور آپ سے فضیلت سیدہ خدیجہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں سوال ہوا تو فرمایا کہ شارع علیہ السلام نے فرمایا ہے: فاطمہ میرے بدن کا حصہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بضعہ کے ساتھ کسی کو برابر نہیں سمجھتا۔ ابن التین نے اس میں توقف کیا ہے اور کہا ہے اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ میں کون افضل ہے۔

اسی طرح آپ جس حدیث مبارکہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت پر استدلال کیا جاتا ہے اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

حديث مرة الهمداني بإسكان الميم عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ رضي الله عنه، عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: كَمَلَ مِنَ الرِّجَالِ كَثِيرٌ، وَلَمْ يَكْمُلْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَرْيَمُ بِنتُ عِمْرَانَ وَآسِيَةُ امرَأَةُ فِرْعَوْنَ، وَفَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ. وقد سلف في فضلها، ومقتضاه فضل عائشة على فاطمة، والذي أراه أن فاطمة أفضل؛ لأنها بضعة منه ولا يعدل ببضعته.[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ مردوں میں سے بہت کامل ہوئے اور عورتوں میں سے سوائے مریم بنت عمران، آسیہ زوجہ فرعون کے کوئی کامل نہیں ہوا، اور عائشہ کی فضیلت عورتوں پر ایسے ہے

---

1 التوضيح لشرح الجامع الصحيح المؤلف: ابن الملقن سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري (المتوفى: 804هـ) الناشر: دار النوادر، دمشق – سوريا الطبعة: الأولى، 1429هـ = 2008م ج 20ص 433

2 اس کے الفاظ ہیں کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلام پڑھا، رب جل جلالہ کی طرف سے پڑھنے کی صراحت نہیں ہے۔ "المعجم الكبير" 23/34-38؛ وفيه: أن النبي صلى الله عليه وسلم أقرأها السلام من جبريل عليه السلام.

3 التوضيح لشرح الجامع الصحيح المؤلف: ابن الملقن سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري (المتوفى: 804هـ) الناشر: دار النوادر، دمشق – سوريا الطبعة: الأولى، 1429هـ = 2008م ج 26ص 181

جیسے ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ اور سیدہ عائشہ کی فضیلت میں اور بھی روایات گزر چکی ہیں جس کا (بظاہر) تقاضا یہ ہے کہ سیدہ عائشہ سیدہ فاطمہ پر افضل ہیں، مگر جو میری رائے ہے وہ یہ ہے کہ فاطمہ افضل ہیں کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کا جزء ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے جزوِ بدن کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کیا جاسکتا۔

امام بدر الدین العینی (المتوفی: 855ھ) عمدۃ القاری میں نقل فرماتے ہیں:

وَقَالَ ابْن الْأَثِير: قَوْله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم: (كفضل الثَّرِيد)، قيل وَلم يرد عين الثَّرِيد، وَإِنَّمَا أَرَادَ الطَّعَام الْمُتَّخذ من اللَّحْم والثريد مَعًا وَفِي (التَّوْضِيح) وَمُقْتَضَاهُ فضل عَائِشَة على فَاطِمَة، وَالَّذِي أرَاهُ أَن فَاطِمَة أفضل لِأَنَّهَا بضعَة مِنْهُ، وَلَا يعدل ببضعته.[1]

ابن الاثیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا قول (کفضل الثرید) کہا گیا ہے کہ عین الثرید نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے ایک طعام کا ارادہ فرمایا جو گوشت اور ثرید سے اکٹھا بنایا جاتا ہے۔ اور توضیح میں ہے کہ اس کا مقتضٰی یہ ہے کہ سیدہ عائشہ افضل ہوں سیدہ فاطمہ سے، مگر جو میری رائے ہے وہ یہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں کیونکہ آپ رسول اللہ ﷺ کا جزء ہیں، اور آپ ﷺ کے جزء کے برابر کوئی نہیں ہو سکتا۔

ابن المسبح الجزائری (م:980ھ) اپنی کتاب "عمدۃ البیان" میں ایک سوال (کہ سیدہ عائشہ اور سیدہ ام الحسنین میں افضل کون ہے) کے جواب میں لکھتے ہیں:

وأما أيهما أفضل ففاطمة رضى الله عنها بضعة من النبى ولا أفضل من بضعته، قال ابن حجر الهيتمى: فى شرح الشمائل على حديث فضل عائشة على النساء تستثنى خديجة فإنها أفضل من عائشة على الأصح لتصريحه لعائشة أنه لم يرزق خيراً إلا من خديجة وفاطمة أفضل منها إذ لا يعدل ببضعته أحد، وبه يعلم أن بقية أولاده كفاطمة وأن سبب الأفضلية ما فيهن من البضعة الشريفة، ومن ثم حكى ابن السبكى عن بعض أئمة عصره أنه افضل الحسن والحسين رضى الله عنهما على الخلفاء الأربعة أى من حيث البضعة لا مطلقاً فهم أفضل منهما علماً

---

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ج21ص54

ومعرفة وأكثر ثواباً وآثاراً في الإسلام انتهى وقال السيوطي في خصائصه: ذكر الإمام علم الدين العراقي أن فاطمة وأخاهم إبراهيم أفضل من الخلفاء الأربعة بالاتفاق. ونقل عن مالك أنه قال: لا أفضل على بضعة من النبي أحداً. اهـ. وقال ابن حجر العسقلاني: في فتح الباري على حديث فاطمة بضعة مني استدل به السهيلي على أن من سبها يكفر وفيه أنها أفضل بناته وما أخرجه الطحاوي وغيره من حديث عائشة في قصة مجيء زيد بن حارثة بزينب بنت النبي من مكة وفي آخره قال النبي هي أفضل بناتي أصيبت في فقد أجاب عنه بعض الأئمة وتقدير ثبوته، فإن ذلك كان مقدماً ثم وهب الله لفاطمة من الأحوال السنية والكمال ما لا يشركها فيه أحد من نساء هذه الأمة مطلقاً والله أعلم.[1]

آپ کا یہ پوچھنا کہ ان دو میں افضل کون ہے؟ تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا حصہ ہیں اور آپ کے جزء بدن سے کوئی افضل نہیں۔ ابن حجر الہیتمی شرح شمائل میں (فضل عائشہ علی النساء) والی حدیث میں فرماتے ہیں کہ ان (نساء) سے خدیجہ رضی اللہ عنہا مستثنیٰ ہیں کیونکہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے علی الاصح افضل ہیں۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ عائشہ سے صراحت فرمائی کہ مجھے خدیجہ سے خیر (بہتر) کوئی نہیں ملی۔ اور فاطمہ ان سے افضل ہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جزء بدن سے کوئی افضل نہیں۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی بقیہ اولاد بھی سیدہ فاطمہ کی طرح افضل ہے۔ اور سبب افضلیت یہ ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا حصہ ہیں۔ اسی وجہ سے امام سبکی نے اپنے زمانہ کے بعض ائمہ سے نقل کیا ہے کہ وہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کو خلفاء اربعہ پر بضعہ ہونے کی حیثیت سے افضلیت دیتے ہیں، مطلقاً نہیں کیونکہ وہ (خلفاء اربعہ) ان دونوں (حسنین) سے علم و معرفت میں افضل ہیں اسلام میں کارہائے نمایاں اور ثواب ان (خلفاء اربعہ) کا زیادہ ہے۔ انتہی امام سیوطی اپنے خصائص میں فرماتے ہیں: امام علم الدین العراقی نے ذکر کیا ہے کہ فاطمۃ رضی اللہ عنہا اور ان کے بھائی ابراہیم[2] (باعتبار بضعیت) خلفاء

[1] عمدة البيان في معرفة فروض الأعيان (شرح مختصر الأخضري في فقه الإمام مالک) للفقيه الفرضي أبي محمد عبد اللطيف بن المسبّح المرداسي القسنطيني الجزائري (ت 980ھ) ج 2 ص 313

[2] حضرت ابراھیم بن محمد آپ کی واحد اولاد ہیں جو حضرت خدیجہ کے علاوہ کسی دوسری زوجہ پاک (ام المؤمنین حضرت ماریہ رضی اللہ عنہا) سے پیدا ہوئے آپ کا وصال بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ بخاری شریف میں آپ کے حوالے سے ہے۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ: قُلْتُ لِابْنِ أَبِي أَوْفَى: رَأَيْتَ إِبْرَاهِيمَ ابْنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

اربعہ سے بالاتفاق افضل ہیں۔ اور امام مالک سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں: کہ رسول اللہ ﷺ کے جزء بدن سے کوئی افضل نہیں۔ اور ابن حجر العسقلانی اس حدیث (فاطمة بضعة منی) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ امام سہیلی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو سیدہ پاک کو برا کہے وہ کافر ہو جاتا ہے اور اس میں یہ بھی دلالت ہے کہ سیدہ پاک دیگر بیٹیوں کی بنسبت بھی افضل ہیں۔ طحاوی وغیرہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث جس میں زید بن حارثہ کے سیدہ زینب کو مکہ سے لانے کا واقعہ ہے اور اس کے آخر میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي أُصِيبَتْ فِيَّ) تو بعض ائمہ نے اس کا جواب بتقدیر ثبوت اس حدیث کے یہ دیا ہے کہ یہ پہلے کی بات ہے پھر اللہ تعالی نے سیدہ فاطمہ کو رفیع احوال و کمال سے وہ عطا فرمایا کہ جس میں اس امت کی عورتوں میں سے کوئی بھی شریک نہیں۔ واللہ اعلم

امام حاکم مستدرک میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے حوالے سے روایت حدیث کے بعد فرماتے ہیں:

ویمکن أن یقال: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم أراد بقوله أفضل: أی أکبر وأقدم أولادی والله أعلم[1]

یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے: رسول اللہ ﷺ نے اس قول افضل سے مراد لیا ہو: یعنی میری اولاد میں سے بڑی اور پہلی، واللہ اعلم۔ (کیونکہ سیدہ زینب عمر کے لحاظ سے بڑی تھیں۔)

قَالَ: «مَاتَ صَغِيرًا، وَلَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُونَ بَعْدَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَبِيٌّ عَاشَ ابْنُهُ، وَلَكِنْ لاَ نَبِيَّ بَعْدَهُ» (البخاری فی صحیحه 6194) اسماعیل بن ابی خالد بجلی سے روایت ہے کہ میں نے ابن ابی اوفیٰ سے پوچھا۔ آپ نے نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھا تھا؟ بیان کیا کہ ان کی وفات بچپن ہی میں ہو گئی تھی اور اگر آنحضرت ﷺ کے بعد کسی نبی کی آمد ہوتی تو آنحضرت ﷺ کے صاحبزادے زندہ رہتے لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ایسے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: وعن إسماعیل بن عبد الرحمن السدی، قال: سمعت أنس بن مالك رضی الله عنه یقول: لو عاش إبراهیم ابن النبی صلی الله علیه وسلم لکان صدیقا نبیا رواه أحمد فی المسند (19/ 359)، وفی (21/ 402) وغیرہ، حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں اگر حضرت ابراھیم بن محمد زندہ رہتے تو سچے نبی ہوتے۔ (لیکن آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا)

اس کے علاوہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: لَمَّا مَاتَ إِبْرَاهِيمُ ابْنُ رَسُولِ اللهِ ـ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ: «إِنَّ لَهُ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ، وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا، وَلَوْ عَاشَ لَعَتَقَتْ أَخْوَالُهُ الْقِبْطُ، وَمَا اسْتُرِقَّ قِبْطِيٌّ» (رواه ابن ماجة فی السنن 1511) عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا جنازہ پڑھا اور فرمایا: ”اس کے لیے جنت میں ایک دودھ پلانے والی مقرر ہے اور اگر وہ زندہ رہتا تو نبی صدیق ہوتا اور اگر وہ زندہ رہتا تو اس کے ماموں قبطی آزاد ہو جاتے، پھر کسی قبطی کو غلام نہ بنایا جاتا۔

[1] المستدرک علی الصحیحین للحاکم (4/ 47)

حضرت علامہ ملا علی القاری (المتوفی: 1014ھ) اپنی کتاب "جمع الوسائل فی شرح الشمائل" میں حدیث (فضل عائشة علی النساء کفضل الثرید علی سائر الطعام) کی شرح میں لکھتے ہیں:

وفی الحدیث إشارة إلی أن الفضائل التی اجتمعت فی عائشة، ما توجد فی جمیع النساء من کونها امرأة أفضل الأنبیاء، وأحب النساء إلیه، وأعلمهن وأنسبهن وأحسبهن، وإن کانت لخدیجة وفاطمة وجوه أخر من الفضائل البهیة، والشمائل العلیة، ولکن الهیئة الجامعیة فی الفضیلة المشبهة بالثرید، لم توجد فی غیرها ; ولهذا قیل :لیس فی هذا الحدیث تصریح بأفضلیة عائشة علی غیرها من النساء من جمیع الوجوه ; لأن فضل الثرید علی باقی الأطعمة من جهات مخصوصة، وهولا یستلزم الأفضلیة، من کل الوجوه، وقد ورد فی الصحیح مایدل علی أفضلیة فاطمة وخدیجة علی غیرهما من النساء، والله سبحانه أعلم۔[1]

حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ فضائل جو عائشہ میں جمع ہیں وہ اس لحاظ سے ساری عورتوں میں نہیں کہ آپ افضل الانبیاء کی زوجہ ہیں۔ اور تمام ازواج سے زیادہ محبوب ہیں۔ اور ان تمام میں آپ زیادہ علم والی اور حسب ونسب والی ہیں۔ اگرچہ سیدہ خدیجہ اور سیدہ فاطمہ کو دیگر وجوہ سے عظیم فضائل اور بلند شمائل حاصل ہیں۔ لیکن وہ فضلیت جامعیہ جو ثرید کے مشابہ ہو وہ سیدہ عائشہ کے غیر میں نہیں۔ اور اس لئے کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں "من جمیع الوجوہ" سیدہ عائشہ کی دیگر عورتوں پر افضلیت کی کوئی تصریح نہیں کیونکہ ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر مخصوص جہات سے ہے اور یہ افضلیت کلیہ کو مستلزم نہیں۔ اور صحیح میں ایسا مفہوم موجود ہے جو حضرت فاطمہ وخدیجہ رضی اللہ عنہما کا دیگر عورتوں سے افضل ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہی قول امام السفیری الشافعی (المتوفی:956ھ) شرح بخاری میں نقل فرماتے ہیں:

وأفاد شیخنا العلامة الجلال السیوطی: أن علم الدین العراقی قال: إن فاطمة وأخاها إبراهیم أفضل من الخلفاء الأربعة بالاتفاق، ونقل عن مالك أنه قال: لا أفضل علی بضعة من

---

[1] جمع الوسائل في شرح الشمائل المؤلف: علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (المتوفى: 1014هـ) الناشر: المطبعة الشرفية = مصر، طبع على نفقة مصطفى البابي الحلبي وإخوته ج1ص219

النبی صلی اللہ علیہ وسلم أحدا، وأفضل نسائہ بعدھا خدیجۃ وعائشۃ وزینب کما قالہ الشیخ برھان الدین الحلبی.[1]

ہمارے شیخ علامہ جلال الدین السیوطی کے افادات سے ہے کہ علم الدین العراقی فرماتے ہیں کہ بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہ خلفاء اربعہ سے (باعتبار بضعیت) بالاتفاق افضل ہیں، اور امام مالک سے نقل کیا کہ وہ فرماتے ہیں کہ بضعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی بھی افضل نہیں، اور سیدہ پاک کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں سے افضل سیدہ خدیجہ پھر سیدہ عائشہ پھر سیدہ زینب رضی اللہ عنہن ہیں، یوں ہی شیخ برھان الدین الحلبی کا بھی قول ہے۔

علامہ عبد الروف مناوی نے بھی فیض القدیر میں امام علم الدین عراقی کا قول نقل کیا ہے۔

امام السفارینی الحنبلی (المتوفی: 1188ھ) اپنی کتاب لوامع الانوار میں فرماتے ہیں:

فإن أرید بالفضل کثرۃ الثواب عند اللہ فذلك أمر لا یطلع علیہ إلا بالنص، لأنہ بحسب تفاضل أعمال القلوب، لا بمجرد أعمال الجوارح، وکم من عاملین أحدھما أکثر عملا بجوارحہ، والآخر أرفع درجۃ منہ فی الجنۃ، وإن أرید بالتفضیل التفضیل بالعلم فلا ریب أن عائشۃ أعلم وأنفع للأمۃ، وأدت من العلم ما لم یؤد غیرھا، واحتاج إلی علمھا خواص الأمۃ وعامتھا، وإن أرید بالتفضیل شرف الأصل وجلالۃ النسب فلا ریب أن فاطمۃ أفضل، فإنھا بضعۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم، وذلك اختصاص لم یشارکھا فیہ غیر إخوتھا، وإن أرید السیادۃ ففاطمۃ سیدۃ نساء الأمۃ، وإذا تبینت وجوہ التفضیل وموارد الفضل وأسبابہ صار الکلام بعلم وعدل، وأکثر الناس إذا تکلم فی التفضیل لم یفصل جھات الفضل، ولم یوازن بینھا فیبخس الحق، وإن انضاف إلی ذلك نوع تعصب وھوی لمن یفضلہ تکلم بالجھل والظلم.[2]

اگر فضل سے مراد اللہ تعالی کے ہاں کثرت ثواب ہو تو نص کے بغیر کوئی اس پر مطلع نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہ عمل قلب کے تفاضل پر موقوف ہے صرف اعضاء بدن پر نہیں، بہت سے لوگ بدن

---

1 شرح البخاري للسفيري (المجالس الوعظية في شرح أحاديث خير البرية صلى الله عليه وسلم من صحيح الإمام البخاري) المؤلف: شمس الدين محمد بن عمر بن أحمد السفيري الشافعي (المتوفى: 956هـ) حققه وخرج أحاديثه: أحمد فتحي عبد الرحمن الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت = لبنان الطبعة: (الأولى، 1425هـ) ج1 ص64

2 لوامع الأنوار البهية وسواطع الأسرار الأثرية لشرح الدرة المضية في عقد الفرقة المرضية المؤلف: شمس الدين، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفاريني الحنبلي (المتوفى: 1188هـ) الناشر: مؤسسة الخافقين ومكتبتها – دمشق الطبعة: الثانية = 1402هـ = 1982م ج2ص374

سے کثرت عبادت کرنے والے ہیں مگر جنت میں ان سے اعلیٰ درجہ پر دیگر لوگ ہونگے۔ اور اگر تفضیل سے مراد علم کی تفضیل ہو تو کوئی شک نہیں کہ سیدہ عائشہ اعلم وانفع للامۃ ہیں، اور آپ نے امت کو وہ علم دیا جو کسی اور نے نہیں دیا، امت کے خواص وعوام آپ کے علم کے محتاج ہیں۔ اور تفضیل سے مراد اصل کی شرافت اور نسب کی عظمت ہو تو کوئی شک نہیں کہ سیدہ فاطمہ افضل ہیں کیونکہ آپ نبی کریم ﷺ کے بدن کا حصہ ہیں اور یہ ایسا اختصاص ہے جس میں آپ کی بہن بھائیوں کے علاوہ کوئی شریک نہیں۔ اور اگر مراد سیادت ہو تو بھی سیدہ فاطمہ امت کی تمام عورتوں کی سیدہ ہیں۔ اور جب تفضیل کی وجوہ بیان ہوں اور فضل کے موارد اور اسباب واضح ہوں تو کلام علم وعدل کے ساتھ ہوتا ہے، مگر اکثر لوگ جب تفضیل کا مسئلہ بیان کرتے ہیں تو جہات فضل بیان نہیں کرتے اور ان کے درمیان موازنہ نہیں کرپاتے تو حق کو نقصان دیتے ہیں اور اگر اس کے ساتھ تعصب اور کسی کی جانب میلان نفس بھی ہو تو پھر ظلم وجہالت بھری گفتگو کرتے ہیں۔

میلان نفس، تعصب سے جس ظلم اور جہالت بھری گفتگو کی بات مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے اس کو سمجھنے کے لیے ایک مثال مدنظر رکھ لیں کہ کوئی سیدہ طیبہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کے لئے فدک کے حوالے سے کہے کہ: وہ ان کا اجتہاد تھا اور ہم اللہ عزوجل سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے گا۔ مگر دوسری طرف جب جمل کا ذکر کرے تو اس میں کہے کہ سیدہ طیبہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا نے جو اجتہاد کیا تھا وہ اس اجتہاد میں برحق اور صحت وصواب پر تھیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م: 1225ھ) نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر میں آیت مبارکہ (وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ) کے تحت تفضیل پر مفصل گفتگو کی، سیدہ مریم، سیدہ خدیجہ، سیدہ آسیہ کی فضیلت پر گفتگو کے بعد درج ذیل احادیث کی تخریج کرتے ہیں:

وفی الصحیحین من حدیث عائشۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یا فاطمۃ الا ترضین ان تکونی سیدۃ نساء اہل الجنۃ او نساء المؤمنین[1] وروی ابوداود والنسائی والحاکم عن

---

1 امام بخاری نے اس حدیث کو دو جگہ پر روایت کیا ایک روایت کے کلمات ہیں: (أما ترضين أن تكوني سيدة نساء أهل الجنة، أو نساء المؤمنين) صحيح البخاری (4/ 204) دوسری کے کلمات یوں ہے: (يا فاطمة، ألا ترضين أن تكوني سيدة نساء المؤمنين، أو سيدة نساء هذه الأمة) صحيح البخاری (8/ 64) تمام اہل ایمان یا امت کی تمام خواتین پر افضلیت کی بات ہے۔

ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أفضل نساء اهل الجنة خديجة بنت خويلد وفاطمة بنت محمد واخرج احمد والترمذی والنسائی وابن حبان والحاکم عن حذيفة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نزل ملك من السماء فاستأذن اللہ ان يسلم علیّ فبشرنی ان فاطمة سيدة نساء اهل الجنة.

فهذه الأحاديث تدل على ان فاطمة أفضل من مريم لان نساء اهل الجنة عام لا يحتمل التخصيص بزمان دون زمان بخلاف قوله تعالى اصطفك على نساء العلمين فانه يحتمل ان يكون المراد منه عالمی زمانها كما قلنا لكن ورد فيما روی ابويعلى وابن حبان والحاكم والطبرانی عن ابی سعيد الخدری ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فاطمة سيدة نساء اهل الجنة الا ما كان من مريم وروی الترمذی عن أم سلمة عن فاطمة قالت أخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انی سيدة نساء اهل الجنة الا مريم بنت عمران فهذين الحديثين يدلان على استثناء مريم من المفضولية ولا يدلان على كونها أفضل من فاطمة عليها السلام وما فی الصحيحين من حديث المسور بن مخرمة قوله صلی اللہ علیہ وسلم فاطمة بضعة منی وعند احمد والترمذی والحاكم عن ابن الزبير نحوه يقتضی فضل فاطمة على جميع الرجال والنساء كما قال مالك لا نعدل ببضعة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أحدا لكن عند جمهور اهل السنة خص منه من علم فضلهم قطعا من الأنبياء وبعض الصديقين وبقی من سواهم فی العموم واللہ اعلم.[1]

صحیحین میں سیدہ عائشہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے فاطمہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنتی عورتوں کی یا مؤمنین کی عورتوں کی ملکہ ہے۔ ابوداود، نسائی اور حاکم نے عبداللہ بن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جنت کی عورتوں میں افضل خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد ہیں۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آسمان سے ایک فرشتہ نازل ہوا تو

---

[1] التفسير المظهري المؤلف: المظهري، محمد ثناء الله (م: 1225هـ) المحقق: غلام نبي التونسي الناشر: مكتبة الرشدية – الباكستان الطبعة: 1412هـ ج1ص 924 ال العمران 3 اية 44

اللہ سے اجازت لی کہ مجھ پر سلام کہے پھر مجھے بشارت دی کہ فاطمہ سیدۃ نساء اہل الجنۃ (جنتی عورتوں کی ملکہ) ہیں۔

یہ احادیث دلالت کرتی ہیں کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سیدہ مریم سے بھی افضل ہیں کیونکہ جنتی عورتیں عام ہیں کسی زمانہ کی تخصیص ان میں نہیں۔ بخلاف اللہ تعالیٰ کے فرمان (وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ) کے کیونکہ اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد اسی زمانہ کی عورتیں ہوں جیسے ہم نے پہلے بھی کہا۔ لیکن مسند ابو یعلیٰ اور صحیح ابن حبان، حاکم، طبرانی میں ابو سعید خدری سے وارد ہے کہ نبی کریم صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: فاطمہ جنتی عورتوں کی ملکہ ہے مگر مریم۔ اسی طرح ترمذی نے ام سلمہ عن فاطمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے خبر دی کہ میں جنتی عورتوں کی ملکہ ہوں مگر مریم بنت عمران۔ تو ان دو احادیث میں یہ دلالت ہے کہ مریم مفضولیت سے مستثنیٰ ہیں مگر یہ دو احادیث اس پر دلالت نہیں کرتیں کہ مریم علیہا السلام سیدہ فاطمہ سے افضل ہیں۔ صحیحین میں مسور بن مخرمہ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے بدن کا ٹکڑا ہے۔ اور امام احمد، ترمذی، حاکم حضرت ابن الزبیر سے بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں تو یہ اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ سیدہ فاطمہ جمیع رجال و نساء سے افضل ہیں جیسے امام مالک نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ کے جزء بدن کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کرتے۔ لیکن جمہور اہل السنۃ نے اس سے انبیاء کرام اور بعض صدیقین جن کا فضل قطعا معلوم ہے کو مستثنیٰ کیا ہے اور باقی سب اس عموم میں شامل ہیں۔

علامہ سید شہاب الدین محمود بن عبد اللہ الحسینی الآلوسی (م:1270ھ) آیت مبارکہ (وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ) کے تحت دو قول ذکر کرتے ہیں کہ نساء العالمین سے ہر زمانہ کی عورتیں مراد ہیں، اس پر بطور شہادت ابن عباس کی حدیث پیش کی۔

عن ابن عباس أنه قال قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: سيدة نساء أهل الجنة مريم بنت عمران ثم فاطمة ثم خديجة ثم آسية امرأة فرعون.[1]

عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّىٰ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ نے فرمایا: جنتی عورتوں کی ملکہ مریم بنت عمران ہے پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی۔

---

[1] روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: الأولى، 1415هـ)

دوسرا قول کہ نساء سے مراد اس زمانہ کی عورتیں ہیں، اس پر بھی ابن عباس کی حدیث شاہد بنائی۔

یؤیدہ ما أخرجه ابن عساکر من طریق مقاتل عن الضحاك عن ابن عباس عن النبی صلی الله تعالی علیه وسلم أنه قال: أربع نسوة سادات عالمهن ومریم بنت عمران وآسیة بنت مزاحم وخدیجة بنت خویلد وفاطمة بنت محمد وأفضلهن عالما فاطمة.[1]

اس قول کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو ابن عساکر نے مقاتل عن الضحاك عن ابن عباس روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: چار عورتیں سارے عالم کی سادات ہیں مریم بنت عمران، آسیہ بنت مزاحم، خدیجہ بنت خویلد اور فاطمہ بنت محمد اور جہاں میں ان سب سے افضل فاطمہ ہیں۔

پھر اپنا راجح بیان کرتے ہیں:

والذی أمیل الیه أن فاطمة البتول أفضل النساء المتقدمات والمتأخرات من حیث أنها بضعة رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم بل ومن حیثیات أخر أیضا ولا یعکر علی ذلك الاحبار السابقة لجواز أن یراد بها أفضلیة غیرها علیها من بعض الجهات وبحیثیة من الحیثیات وبه یجمع بین الآثار.[2]

جس قول کی طرف میرا میلان ہے وہ یہ ہے کہ فاطمہ بتول اگلی پچھلی ساری عورتوں سے افضل ہیں اس حیثیت سے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کے بدن کا ٹکڑا ہیں بلکہ دیگر حیثیات سے بھی۔ اور سابقہ مرویات اس کے خلاف نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ اس سے مراد افضلیت جزئیہ بعض جہات وحیثیات سے ہو۔ اور اسی طرح تمام آثار کے درمیان جمع ممکن ہے۔

علامہ الأمیر عزالدین محمد بن اسماعیل الحسنی، الکحلانی (م:1182ھ) امام شہاب الدین قسطلانی (م:923ھ) کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

قال القسطلانی: إن قلت: ما الفرق بین الدرجة والمنزلة؟ قلت: ما نیل بجزاء عمل تفضلا من الله منزلة کقوله {جَزَاؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ} [البینة: 8]، وما حصل نجاة شافع أو ابتداء من الله فهو یسمی درجة ونضرب لك مثلاً فنقول: أزواج النبی صلی الله علیه وسلم

---

1 روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: الأولى، 1415هـ)

2 روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: محمود الألوسي أبو الفضل (م: 1270ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ج3ص155

معه فی الجنة و منزلته أشرف منهنَّ فلم ینالها بعمل موصل بل بفضل، وبناته صلی الله علیه وسلم مع أزواجهن فی الجنة وهو أفضل علی ما اختاره المخلصون من العلماء کما قال صلی الله علیه وسلم: فاطمة بضعة منی وبضعة رسول الله صلی الله علیه وسلم أفضل انتهی[1]

امام قسطلانی فرماتے ہیں اگر تو پوچھے کہ (درجۃ) اور (منزلت) میں کیا فرق ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ جو عمل سے ملے بفضل اللہ تو یہ منزلہ ہے اور جو نجات یا ابتداءً اللہ تعالی کی طرف سے ملے وہ درجہ ہے۔ اور ہم تجھے ایک مثال دیتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج آپ ﷺ کے ساتھ ہونگیں جنت میں اور آپ ﷺ کی منزلت ان سے افضل ہے انہوں نے اسے کسی عمل سے حاصل نہیں کیا بلکہ فضل سے ملا ہے، اور آپ ﷺ کی بنات آپ کی ازواج کے ساتھ ہوں گیں اور یہ بہتر ہے جسے مخلص علماء نے اختیار کیا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے جگر کا ٹکڑا افضل ہے۔

ابو عبد اللہ محمد بن عبد الباقي بن یوسف بن احمد بن شہاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی (م:1122ھ) ابو بکر بن ابی داود (م:316ھ) کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

وسئل ابن داود أیهما أفضل؟ فقال: عائشة أقرأها النبی صلی الله علیه وسلم السلام من جبریل، وخدیجة أقرأها جبریل علیه السلام من ربها علی لسان محمد، فهی أفضل قیل له: فمن أفضل خدیجة أم فاطمة؟ فقال: إن رسول الله صلی الله علیه وسلم قال: ''فاطمة بضعة منی'' فلا أعدل ببضعة رسول الله صلی الله علیه وسلم أحدا.[2]

ابو بکر بن داود سے سوال کیا گیا کہ سیدہ خدیجہ اور سیدہ عائشہ میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ سیدہ عائشہ پر نبی اکرم نے جبریل علیہ السلام کی طرف سے سلام پڑھا اور سیدہ خدیجہ کے لئے حضرت جبریل نے ان کے رب کی طرف سے رسول اللہ کی زبان میں پڑھایا۔ لہذا یہ افضل

---

1 التنویر شرح الجامع الصغِیرِ المؤلف: محمد بن إسماعیل بن صلاح بن محمد الحسني، الکحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهیم، عز الدین، المعروف کأسلافه بالأمیر (المتوفی: 1182ھ) المحقق: د. محمَّد إسحاق محمَّد إبراهیم الناشر: مکتبة دار السلام، الریاض الطبعة: الأولی، 1432ھ = 2011م ج7ص275

2 شرح الزرقاني علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عبد الباقي بن یوسف بن أحمد بن شهاب الدین بن محمد الزرقاني المالکي (المتوفی: 1122ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة الطبعة: (الأولی 1417ھ1996م)

ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ سیدہ خدیجہ اور سیدہ فاطمہ میں سے کون افضل ہے؟ تو فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے" لہٰذا میں کسی کو رسول اللہ کے ٹکڑے کے برابر نہیں سمجھتا۔

باقی خواتین کی افضلیت کی روایت میں تاویل ممکن مگر سیدہ پاک کی افضلیت قطعی

علامہ ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی (م:852ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ اَخْرَجَ النَّسَائِيّ بِإِسْنَاد صَحِيح وَأَخرجه الْحَاكِم من حَدِيث بن عَبَّاسٍ مَرْفُوعًا أَفْضَلُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ خَدِيجَةُ وَفَاطِمَةُ وَمَرْيَمُ و آسية **وَهَذَا نَص صَرِيح لايحتمل التَّأْوِيلَ.**[1]

امام نسائی نے سند صحیح سے تخریج کی ہے اور امام حاکم نے حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت کی ہے۔ جنت کی خواتین میں افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں **اور یہ نص صریح ہے جس میں تاویل کا احتمال ہی نہیں۔**

علامہ ابن حجر کی اس عبارت کا حوالہ دیتے ہوئے علامہ عبد الرؤوف مناوی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس مرفوعا أفضل نساء أهل الجنة خديجة بنت خويلد، وفاطمة بنت محمد، ومريم بنت عمران، و آسية بنت مزاحم. رواه أحمد والترمذي بإسناد صحيح قال الحافظ ابن حجر: **هذا نص صريح قاطع للنزاع في تفضيل خديجة على عائشة لايحتمل التأويل.**[2]

حضرت ابن عباس سے مرفوع روایت ہے جنت کی خواتین میں افضل خدیجہ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمد، مریم بنت عمران اور آسیہ بنت مزاحم ہیں۔ اسے امام احمد اور ترمذی نے سند صحیح سے روایت کیا ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے اختلاف میں یہ نص صریح قطعی ہے۔

---

1 فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن حَجَر العسقلاني (المتوفى: 852ھ) الناشر: دار المعرفة = بيروت، 1379) ج 7 ص 135

2 اتحاف السائل بما لفاطمة من المناقب والفضائل المؤلف: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: 1031ھ) الناشر: مكتبة القرآن للطبع والنشر والتوزيع، القاهرة ص 74

امام السفیری الشافعی (المتوفی: 956ھ) علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ سبکی کے حوالے سے تفصیلا سیدہ پاک کی فضیلت قطعی بیان فرماتے ہیں:

وهل فاطمة أفضل أم عائشة؟ قال شيخنا الجلال السيوطى تبعاً للسبكى قلنا: **الصواب القطع بتفضيل فاطمة**، وذهب بعضهم إلى أن عائشة أفضل لأنها يوم القيامة فى الجنة مع النبى صلى الله عليه وسلم فى درجته التى هى أعلى الدرجات بخلاف فاطمة. قال السبكى: وهذا القول ساقط مردود ضعيف لا سند له من نظر ولا نقل.

وهل هى أفضل أم أمها خديجة؟ قال السبكى: الذى نختاره وندين الله به: أن فاطمة أفضل ثم أمها خديجة ثم عائشة، واستدل على ذلك بأن النبى صلى الله عليه وسلم قال: «فاطمة بضعه منى» ولا أعدل ببضعة رسول الله صلى الله عليه وسلم أحداً.

وفى آخر: (فاطمة بضعة منى يريبنى ما رابها، ويؤذينى ما آذاها)

ويدل على تفضيلها أيضاً: أنه صلى الله عليه وسلم لما ساورها ثانية عند موته قال لها: (أما ترضين أن تكونى سيدة نساء أهل الجنة).

وثبت فى الصحيح أنه صلى الله عليه وسلم قال لها: أما ترضين أن تكونى سيدة نساء المؤمنين أو سيدة نساء هذه الأمة.

وهل مريم أفضل أم فاطمة؟ قال شيخنا العلامة جلال الدين السيوطى: لم يتعرض أحد للتفضيل بين مريم وفاطمة، والذى نختاره بمقتضى الأدلة تفضيل فاطمة عليها.

فقد روى النسائى عن حذيفة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: هذا ملك من الملائكة استأذن ربه ليسلم على، وبشرنى أن حسناً وحسيناً سيدا شباب أهل الجنة، وأمهما سيدة نساء أهل الجنة[1]

سیدہ فاطمہ افضل ہیں یا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہما؟ ہمارے شیخ جلال الدین السیوطی امام سبکی کی اتباع میں فرماتے ہیں: **حق بات یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ کی فضیلت قطعی ہے**۔ بعض اس طرف بھی گئے ہیں کہ سیدہ عائشہ افضل ہیں کیونکہ آپ جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] المجالس الوعظية في شرح أحاديث خير البر ية صلى الله عليه وسلم من صحيح الإمام البخاري المؤلف: شمس الدين محمد بن عمر بن أحمد السفيري الشافعي (المتوفى: 956هـ) دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، 1425هـ = 2004 م ج1 ص164

درجہ میں اعلیٰ درجات میں ہونگی بخلاف سیدہ فاطمہ کے۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ یہ قول ساقط، مردود، ضعیف ہے اس کی کوئی سند نہ نقلاً ہے اور نہ عقلاً۔

پھر اس میں اختلاف ہے کہ کیا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا آپ کی والدہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا؟ امام سبکی فرماتے ہیں کہ ہمارا مختار جس کے ساتھ ہم نے اللہ کے ساتھ معاملہ کرنا ہے وہ یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا افضل ہیں پھر آپ کی والدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پھر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، اور اس پر دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث (فاطمۃ بضعۃ منی) پیش کی ہے اور فرمایا کہ ہم بضعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی کو برابر نہیں کرتے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ (فاطمۃ بضعہ منی یریبنی ما رابھا، ویؤذینی ما آذاھا) فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جو بات انہیں پریشان کرے وہ مجھے پریشان کرتی ہے اور جو بات انہیں اذیت دے وہ مجھے اذیت دیتی ہے۔ آپ کی اَفضلیت پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری مرتبہ سیدہ پاک سے سرگوشی فرمائی تو فرمایا(أما ترضین أن تکونی سیدۃ نساء أھل الجنۃ) کہ کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو جنتی عورتوں کی ملکہ ہو۔ اور صحیح میں یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا(أما ترضین أن تکونی سیدۃ نساء المؤمنین أو سیدۃ نساء ھذہ الأمۃ) کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تو مؤمنین کی عورتوں کی ملکہ ہو یا اس امت کی عورتوں کی ملکہ ہو۔

پھر کیا حضرت مریم رضی اللہ عنہا افضل ہیں یا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا؟ تو ہمارے شیخ امام سیوطی فرماتے ہیں کہ سیدہ مریم اور سیدہ فاطمہ کے مابین تفضیل کا مسئلہ کسی نے بیان نہیں کیا، اور ہمارا جو مختار ہے وہ بمقتضی دلائل یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ ان سے افضل ہیں۔ امام نسائی حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ یہ فرشتہ ہے اس نے اپنے رب سے مجھ پر سلام کی اجازت مانگی، اور مجھے بشارت دی کہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما جنتی جوانوں کے سردار ہیں اور ان کی ماں رضی اللہ عنہا جنتی عورتوں کی ملکہ ہیں۔

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی افضلیت پر محققین کے اتنی کثرت سے اقوال و روایات موجود ہیں کہ بعض نے حضرت فاطمہ کے افضلیت علی نساء العالمین پر اجماع لکھا ہے۔

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا بالاجماع افضل النساء ہیں

سیدہ پاک کی افضلیت پر کثرت آراء کی وجہ سے بعض علماء نے آپ کے افضل النساء ہونے پر اجماع لکھا ہے۔ امام محمد بن حمزہ بن محمد، شمس الدین الفناری (یا "الفَنَری") الرومی (م:834ھ) اپنی کتاب "فصول البدائع" میں امام غزالی سے اجماع کی تعریف کے رد میں لکھتے ہیں:

قال الغزالي هو اتفاق أمة محمد على أمر ديني ويشعر بالاتفاق من البعثة إلى القيامة ويخالفه إجماع القائلين بالإجماع لأنه لا يفيد و ردعنا به بأن المراد في عصر كما في قوله تعالى {وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ} [آل عمران: 42] **فإن فاطمة أفضل إجماعًا**.[1]

امام غزالی نے فرمایا کہ (اجماع) امت محمد کا کسی دینی مسئلہ میں اتفاق ہونا آپ کی بعثت سے لے کر قیامت تک۔ اور اس کے خلاف اجماع کے قائلین کا اجماع ہے، کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں، ہماری طرف سے اس کا اس طرح رد کیا گیا ہے کہ اس اتفاق سے مراد ایک زمانے کا اتفاق ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان وَاصْطَفَاكِ عَلَى نِسَاءِ الْعَالَمِينَ ہے (اس میں عالمین سے مراد (عصر) ایک زمانہ ہے) جبکہ **سیدہ فاطمہ عالمین کی تمام عورتوں سے اجماعاً افضل ہیں**۔

حافظ ابن حجر "فتح الباری شرح صحیح البخاری"، کتاب المناقب میں، اس اجماع کی طرف اشارہ فرماتے ہیں:

وقيل **انعقد الإجماع على أفضلية فاطمة** وبقي الخلاف بين عائشة وخديجة.[2]

یہ قول بھی کیا گیا ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت پر تو اجماع ہے اور سیدہ عائشہ اور سیدہ خدیجہ کی افضلیت میں اختلاف ہے۔

ملا علی القاری نے "مرقاۃ" میں علامہ ابن حجر کے نقل اجماح کی تصریح فرمائی ہے:

وقد اختلفوا في التفضيل بين عائشة وخديجة وفاطمة. قال الأكمل: روى عن أبي حنيفة أن عائشة بعد خديجة أفضل نساء العالمين. أقول: فهذا يحتمل تساوي خديجة وعائشة، لكون الأولى من العرفاء السوابق، والثانية من الفضلاء اللواحق. **وقال الحافظ ابن حجر: فاطمة أفضل من خديجة وعائشة بالإجماع**، ثم خديجة ثم عائشة. وقال السيوطي رحمه الله في النقاية وشرحها: ونعتقد أن أفضل النساء مريم وفاطمة............ وعن ابن العماد أن

---

[1] فصول البدائع في أصول الشرائع المؤلف: محمد بن حمزة بن محمد، شمس الدين الفناري (أو الفَنَري) الرومي (المتوفى: 834هـ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان الطبعة: (الأولى، 2006 م = 1427هـ) ج 2 ص 286

[2] فتح الباري لابن حجر (7/ 109)

خديجة أفضل من فاطمة باعتبار الأمومة لا السيادة والله تعالى أعلم.... ونعم ما قال الإمام مالك: ولا أفضل أحدا على بضعة رسول الله صلى الله عليه وسلم.[1]

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت میں اختلاف ہے۔ الأکمل امام التورپشی فرماتے ہیں: امام صاحب سے روایت ہے کہ سیدہ خدیجہ کے بعد سیدہ عائشہ افضل نساء العالمین ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تساوی کا احتمال ہے کیونکہ پہلی (سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا) اسلام کی طرف سبقت کرنے والی عارفہ ہیں۔ اور دوسری (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) بعد میں آنی والی عالمہ ہیں۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: **فاطمہ رضی اللہ عنہا خدیجہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاجماع افضل ہیں**، پھر خدیجہ، پھر عائشہ۔ اور امام السیوطی رحمہ اللہ نقایہ اور اس کی شرح میں فرماتے ہیں: کہ افضل النساء مریم وفاطمہ ہیں۔۔۔۔ اور ابن العماد سے روایت ہے کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بلحاظ ماں ہونے کے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں، سیادت کے لحاظ سے نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اور کیا ہی بہترین بات امام مالک نے کی ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بضعہ پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا۔

اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قاضی عبد النبی بن عبد الرسول الأحمد نکری (م:1180ھ) اپنی کتاب ''دستور العلماء'' میں ''الآل'' کی شرح میں لکھتے ہیں:

واعلم أن أفضلية الخلفاء الأربعة مخصوصة بما عدا بنی فاطمة رضی الله تعالى عنها كما فی تكميل الإيمان[2] وقال الشيخ جلال الدين السيوطی رحمه الله فی الخصائص الكبرى أخرج ابن عساكر عن أنس رضی الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لا يقومن أحد من مجلسه إلا للحسن والحسين أو ذريتهما وفی شرعة الإسلام ويقدم أولاد الرسول صلى الله عليه وسلم بالمشی والجلوس وفی التشريح للإمام فخر الدين الرازی لا يجوز للرجل العالم أن يجلس فوق العلوی الأمی لأنه إساءة فی الدين۔۔۔۔۔۔۔ وقال الإمام علم الدين العراقی رحمه الله إن فاطمة وأخاها إبراهيم أفضل من الخلفاء الأربعة بالاتفاق. وقال الإمام مالك رضی الله عنه ما أفضل على بضعة النبی أحدا. وقال الشيخ ابن حجر العسقلانی رحمه الله **فاطمة أفضل من خديجة وعائشة بالإجماع ثم خديجة ثم عائشة.** واستدل

---

1 مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح (9/ 3965) علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (المتوفى: 1014ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت –لبنان الطبعة: الأولى، 1422ھ 2002م ج9ص 3965

2 یہ شیخ محقق کا مختار نہیں شرح قصیدہ امالیہ کے حوالے سے بعض فقہاو محدثین کا قول نقل کیا ہے (تکمیل الایمان الرحیم اکیڈمی کراچی تاریخ نشر 1421ھ، ص148)

السهيلی بالأحاديث الدالة على أن فاطمة رضی الله عنها بضعة رسول الله صلی الله عليه وسلم على أن شتمها رضی الله عنها يوجب الكفر.[1]

جان کہ افضلیت خلفاء اربعہ بنو فاطمہ کے علاوہ سے مخصوص ہے جیسا کہ تکمیل الایمان میں ہے۔ شیخ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ خصائص کبری میں فرماتے ہیں: ابن عساکر حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حسن، حسین اور ان کی ذریت کے علاوہ کسی کے لئے مجلس سے قیام نہ کیا جائے۔(2) شرعۃ الاسلام میں ہے کہ اولاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو چلنے اور بیٹھنے میں مقدم رکھا جائے۔ امام فخر الدین رازی کی تشریح میں ہے کہ کسی عالم شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ غیر عالم علوی سے اوپر بیٹھے کیونکہ یہ دین میں بے ادبی ہے۔۔۔۔ امام علم الدین العراقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ اور آپ کے بھائی ابراہیم علیہ السلام بالاتفاق (بضعیت کے اعتبار سے) خلفاء اربعہ سے افضل ہیں۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ بضعۃ النبی سے کوئی بھی افضل نہیں۔ الشیخ حافظ ابن حجر العسقلانی فرماتے ہیں کہ **فاطمہ خدیجہ وعائشہ رضی اللہ عنہا سے بالاجماع افضل ہیں پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا اور پھر عائشہ رضی اللہ عنہا۔** امام سہیلی نے ان احادیث سے جن میں ہے کہ فاطمہ بضعۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سے استدلال کیا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا کو گالی دینا موجب کفر ہے۔

بلکہ افضلیت سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے سے تو خود سیدہ طیبہ عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کا بھی فرمان ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی الله عنها قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ أَفْضَلَ مِنْ فَاطِمَةَ رضی الله عنها غَيْرَ أَبِيهَا.[3]

حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ فرماتی ہیں: میری نظر میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل ان کے ابا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی نہیں۔

آپ رضی اللہ عنہا سے ایک اور روایت بھی ہے جس میں آپ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ذکر کرتی ہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهُ قَالَ لِفَاطِمَةَ إِنَّ جِبْرِيلَ أَخْبَرَنِي أَنَّهُ لَيْسَ امْرَأَةٌ مِنْ نِسَاءِ الْمُسْلِمِينَ أَعْظَمَ ذُرِّيَّةً مِنْكِ.[4]

---

1 دستور العلماء = جامع العلوم فی اصطلاحات الفنون المؤلف: القاضی عبد النبی بن عبد الرسول الأحمد نکري (م: 1180ھ) عرب عباراته الفارسية: حسن هاني فحص الناشر: دار الكتب العلمية لبنان بيروت الطبعة: (الأولى 1421ھ) ج 1 ص 12

2 کنز العمال ج 12 ص 122

3 المعجم الأوسط للطبراني، ج3 ص 137 الرقم: 2721، مجمع الزوائد للهيثمي، ج9 ص 201، درالسحابة للشوكاني، ج1 ص 277 الرقم: 24

4 فتح الباري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة بيروت، 1379) ج 8 ص 136، عمدة القاري شرح صحيح البخاري ج 18 ص 63، الذرية الطاهرة النبوية للدولابي (310ھ)، ذخائر العقبى لطبري (694ھ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھے اطلاع دی ہے کہ مسلمان خواتین میں ذریت کے اعتبار سے تم سے اعظم کوئی بھی نہیں۔

شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

معلوم ہونا چاہیے کہ اس حدیث سے سیدہ فاطمہ کی فضیلت تمام ایماندار عورتوں پر ثابت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ حضرت مریم، حضرت آسیہ، حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ پر بھی، اسی طرح علامہ سیوطی نے فرمایا ہے ایک حدیث میں جن عورتوں پر سیدہ فاطمہ کو فضیلت دی گئی ہے۔ ان میں سے مریم بنت عمران کو مستثنٰی کیا گیا ہے ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اس امت میں فاطمہ کی صفت وہ ہے جو مریم کی اپنی قوم میں ہے، یعنی اپنے ماسوا سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ اختلاف اس بنا پر ہو کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت فاطمہ کی فضیلت کی اطلاع وحی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر دینے کے ذریعے تدریجاً دی گئی ہو آخر میں دنیا کی تمام عورتوں پر ان کی فضیلت ثابت ہو گئی ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بعض علماء حضرت عائشہ کو حضرت فاطمہ سے افضل قرار دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ جنت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ساتھ ہوں گی اور حضرت فاطمہ علی مرتضیٰ کے ساتھ ہوں گی۔ چاہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقام اور مکان حضرت علی مرتضیٰ کے مقام سے اعلیٰ اور اشرف ہے لیکن احادیث میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت فاطمہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم تم اور علی اور حسن و حسین ایک مکان اور ایک مقام میں ہوں گے۔ دوسری دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت عائشہ مجتہدہ تھیں اور چاروں خلفاء کے زمانے میں فتویٰ دیتی تھیں اور اجتہاد کرتی تھیں۔ علامہ سیوطی فتاویٰ میں کہتے ہیں کہ اس جگہ تین مذہب ہیں۔ اصح یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے افضل ہیں۔ بعض علماء مساوات کے قائل ہیں، بعض نے توقف کیا ہے۔ احناف میں سے استر دشنی اور بعض شافعیہ توقف کی طرف مائل ہیں۔ جب امام مالک سے یہ مسئلہ پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: فاطمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر پر کسی کو فضیلت نہیں دیتا۔ امام سبکی فرماتے ہیں کہ ہمارا مختار اور ہمارا دین یہ ہے کہ فاطمہ افضل ہیں ان کے بعد ان کی والدہ خدیجہ اور ان کے بعد عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنھن۔ حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ میں بھی اختلاف ہے۔ حق یہ ہے کہ حیثیات مختلف ہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ افضل ہونے کا معنی ثواب کی کثرت ہے جس کا علماء نے اعتبار

کیا ہے لیکن کوئی شخص شرفت ذات، اصل کی طہارت اور جوہر کی پاگیزگی میں سیدہ فاطمہ اور حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو نہیں پہنچتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

اسی سے ملتا ہوا کلام شیخ محقق کی کتاب تکمیل الایمان ص168 پر بھی موجود ہے۔ [2]

پارہائے صحف غنچہائے قدس اہل بیت نبوت پہ لاکھوں سلام

اہل اسلام کی مادرانِ شفیق بانوانِ طہارت پہ لاکھوں سلام

بضعہ رسول (جزء) کی تعظیم و توقیر کل کی طرح ہے

اہل علم نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ تعظیم و توقیر میں جزء کا حکم وہی ہے جو کل کا ہے جیسا کہ علامہ مناوی لکھتے ہیں:

(فَاطِمَة بضعَة) أي جُزْء (منى) كقطعة لحم مني وللبعض من الإجلال والتوقير مَا للْكُلّ. [3]

(فَاطمَة بضعَة) یعنی جزء ہیں (منی) جیسے میرے گوشت کا ٹکڑا۔ اور جزء کی توقیر و تعظیم وہی ہے جو کل کی ہے۔

اور فقہاء کا مسلمہ قاعدہ بھی ہے: جُزْءَ الْمَرْءِ فِي مَعْنَى نَفْسِهِ [4] انسان کا جزء اسی کے حکم ہوتا ہے۔

اسی طرح امام اہل سنت سیدی اعلیٰ حضرت ایک مسئلہ میں استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں آپ سے سوال ہوا کہ:

حضرت جناب پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ العزیز کا اسم شریف سن کر دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں کو بوسہ دینا اور دونوں چشموں پر رکھنا شرع میں جائز ہے یا نہیں اگر جائز ہے تو بدعت کہنے والا کافر ہے یا نہیں؟۔۔۔

---

1 اشعۃ اللمعات شرح مشکوۃ المولف: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی ترجمہ مولانا عبد الحکیم شرف قادری، خان محمد قادری ج7 ص 492

2 تکمیل الایمان المولف: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی الناشر: الرحیم اکیڈمی کراچی (طبعۃ 1421ھ) ص 168

3 التيسير بشرح الجامع الصغير المؤلف: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علي بن زين العابدين الحدادي ثم المناوي القاهري (المتوفى: 1031ھ) الناشر: مكتبة الإمام الشافعي الرياض الطبعة: (الثالثة، 1408ھ 1988م) ج2ص166

4 الهداية في شرح بداية المبتدي المؤلف: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593ھ) المحقق: طلال يوسف الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت - لبنان ج2 ص62

آپ اس پر دلائل لکھنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

حضور پر نور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ حضور اقدس وانور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وارث کامل ونائب تام وآئینۂ ذات ہیں کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع اپنی جمیع جمال وجلال وکمال وافضال کے ان میں متجلی ہیں جس طرح ذات عزت احدیت مع جملہ صفات ونعوت جلالت آئینۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تجلی فرما ہے من رانی فقد رأی الحق تعظیم غوثیت عین تعظیم سرکار رسالت ہے اور تعظیم سرکار رسالت عین تعظیم حضرت عزت ہے جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ ثم علیہ وسلم۔[1]

سیدہ زہراء کی ناراضگی رسول اللہ کی ناراضگی ہے

متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی قرار دیا:

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ: فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، فَمَنْ أَغْضَبَهَا أَغْضَبَنِي.[2]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، پس جس نے اسے ناراض کیا اُس نے مجھے ناراض کیا۔

ایک اور روایت میں الفاظ ہیں:

إِنَّ فَاطِمَةَ بَضْعَةٌ مِنِّي، وَإِنِّي أَكْرَهُ أَنْ يَسُوْءَهَا،[3]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بے شک فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اور مجھے ہرگز یہ پسند نہیں کہ کوئی شخص اسے تکلیف پہنچائے

ایک اور روایت کے الفاظ ہیں:

وَقَالَ: فَإِنَّمَا ابْنَتِي بَضْعَةٌ مِنِّي. يَرِيْبُنِي مَا رَابَهَا وَيُؤْذِيْنِي مَا آذَاهَا.[4]

---

1 فتاوی افریقہ المولف: امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان(م: 1340ھ) مطبوعۃ نوری کتب خانہ ص 106

2 صحیح بخاري،کتاب: المناقب،باب: مناقب قرابة رسول الله صلي الله عليه وآله وسلم، 3 / 1361، الرقم: 3510، في كتاب: المناقب، باب: مناقب فاطمة، 3 / 1374، الرقم: 3556،

3 صحيح بخاري،كتاب: المناقب،باب: ذكر أصهار النبي صلي الله عليه وآله وسلم، 3 / 1364، الرقم: 3523، وصحيح مسلم 4 / 1903، الرقم: 2448، سنن ابن ماجة 1 / 644، الرقم: 1999، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 759، الرقم: 1335، الصحيح لابن حبان، 15 / 407، 408، 535، الرقم: 6956، 6957، 7060، المعجم الكبير للطبراني، 20 / 18، 19، الرقم: 18، 19، 22 / 405، الرقم: 1013.

4 صحيح مسلم 4 / 1902، الرقم: 2449، سنن ترمذي 5 / 698، الرقم: 3867، سنن أبو داود 2 / 226، الرقم: 2071، سنن ابن ماجة 1 / 643، الرقم: 1998، السنن الكبري للنسائي، 5 / 147، الرقم: 8518، مسند احمد بن حنبل، 4 / 328، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 756، الرقم: 1328.

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: میری بیٹی میرے جسم کا حصہ ہے، اُس کی پریشانی مجھے پریشان کرتی ہے اور اُس کی تکلیف مجھے تکلیف دیتی ہے۔

ایسے ہی حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے روایت کے الفاظ ہیں۔

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم إِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي، يُؤْذِيْنِي مَا آذَاهَا.[1]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: فاطمہ تو بس میرے جسم کا ٹکڑا ہے، اسے تکلیف دینے والی چیز مجھے تکلیف دیتی ہے۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے ہی یہ الفاظ بھی مروی ہیں

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ رضی الله عنه قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: إِنَّمَا فَاطِمَةُ شَجْنَةٌ مِنِّي يَبْسُطُنِي مَا يَبْسُطُهَا وَيَقْبِضُنِي مَا يَقْبِضُهَا.[2]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک فاطمہ میری ٹہنی ہے، جس چیز سے اسے خوشی ہوتی ہے اس چیز سے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے اور جس چیز سے اُسے تکلیف پہنچتی ہے اس چیز سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ رضی الله عنهما، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم: إِنَّمَا فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِّنِّي، يُؤْذِيْنِي مَا آذَاهَا، وَيُنْصِبُنِي مَا أَنْصَبَهَا.[3]

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے، اسے تکلیف دینے والی چیز مجھے تکلیف دیتی ہے اور اسے مشقت میں ڈالنے والا مجھے مشقت میں ڈالتا ہے۔

---

1 صحيح مسلم 4 / 1903، الرقم: 2449، السنن الكبري للنسائي، 5 / 97، الرقم: 8370، السنن الكبري للبيهقي، 10 / 201، الآحاد والمثاني للشيباني، 5 / 361، الرقم: 2955، المعجم الكبير للطبراني، 22 / 404، الرقم: 1010، حلية الأولياء لابو نعيم، 2 / 40،

2 المستدرک للحاکم، 3 / 168، الرقم: 4734، مسند احمد بن حنبل، 4 / 332، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 765، الرقم: 1347، الآحاد والمثاني للشيباني، 5 / 362، الرقم: 2956، المعجم الكبير للطبراني، 20 / 25، الرقم: 30، أبونعيم في حلية الأولياء، 3 / 206، مجمع الزوائد للهيثمي، 9 / 203.

3 سنن ترمذي 5 / 698، الرقم: 3869، مسند احمد بن حنبل، 4 / 5، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 756، الرقم: 1327، المستدرک للحاکم، 3 / 173، الرقم: 4751، الأحاديث المختارة للمقدسي، 9 / 314، 315، الرقم: 274، فتح الباري لابن حجر، 9 / 329، درالسحابة للشوكاني، 16 / 274.

خود حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے:

عَنْ عَلِيٍّ رضی الله عنه، قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی الله علیه وسلم لِفَاطِمَةَ: إِنَّ اللّٰهَ يَغْضِبُ لِغَضَبِكِ، وَيَرْضَى لِرَضَاكِ.[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: بیشک اللہ تعالیٰ تیری ناراضگی پر ناراض ہوتا ہے اور تیری رضا پر راضی ہوتا ہے۔

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ: نَظَرَ النَّبِيُّ صلی الله علیه وسلم إِلَى عَلِيٍّ وَ فَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ، فَقَالَ: أَنَا حَرْبٌ لِمَنْ حَارَبَكُمْ وَ سِلْمٌ لِمَنْ سَالَمَكُمْ.[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کی طرف نظر فرمائی اور فرمایا: جو تم سے لڑے گا میں اس سے لڑوں گا، جو تم سے صلح کرے گا میں اُس سے صلح کروں گا۔

ہجر مصطفیٰ میں سیدہ پاک کی بے قراری

سیدہ زہراء پاک جنہوں نے بچپن میں والدہ ماجدہ کی جدائی دیکھی تھی اس کے بعد یکے بعد دیگرے اپنی ہمشیر گان کی جدائی کا غم دیکھا، جن کے جگر کے ٹکڑے حضرت امام حسین کی المناک شہادت کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دے چکے تھے، ان کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی کا صدمہ ناقابل برداشت تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں آپ کو بلا کر اپنی جدائی کی خبر سنائی جس پر شدت غم سے آپ رضی اللہ عنہا رونے لگیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساتھ ہی تسلی کا سامان کرتے ہوئے فرمایا: اے میری لخت جگر تمہارے لئے یہ ہجر کی مدت اہل بیت میں سے سب سے کم ہے اس لیے کہ میرے خاندان میں سے سب سے پہلے تم میرے پاس آو گی جب آپ نے یہ سنا کہ فراق کی مدت کم ہے تو مسکرانے لگیں۔

---

1 المستدرک للحاکم، 3 / 167، الرقم: 4730، الآحاد و المثاني للشيباني، 5 / 363، الرقم: 2959، المعجم الکبير للطبراني، 1 / 108، الرقم: 182، 22 / 401، الرقم: 1001، الذرية الطاهرة للدولابي: 120، الرقم: 235، التدوين في أخبار قزوين للقزويني، 3 / 11.

2 مسند احمد بن حنبل، 2 / 442، فضائل الصحابة لاحمد بن حنبل، 2 / 767، الرقم: 1350، المستدرک للحاکم، 3 / 161، الرقم: 4713، المعجم الکبير للطبراني، 3 / 40، الرقم: 2621، تاريخ بغداد للخطيب، 7 / 137، سير أعلام النبلاء للذهبي، 2 / 122، 3 / 257، 258.

لیکن جس روز آپ ﷺ کا وصال ہوا تو اہل ایمان پر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ضبط کے بند ہن ٹوٹ گئے ہر آنکھ اشک بار تھی، فراق مصطفیٰ کی مصیبت اور شدت غم کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ نے خود بھی فرمایا تھالَنْ یُصَابُوا بِمِثْلِی۔ انہیں میری (جدائی کی مصیبت) جیسی مصیبت نہ پہنچے گی۔ یعنی مجھ سے محبت کرنے والوں کے لیے میری جدائی کی مصیبت جیسی کوئی مصیبت نہیں۔

ہر کوئی فدا ہے بن دیکھے دیدار کا عالم کیا ہو گا

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے اس فراق پر اشعار کہے تھے۔

مَاذَا عَلَى مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ أَحْمَدَ... أَنْ لَا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبٌ لَوْ أَنَّهَا... صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ عُدْنَ لَيَالِيَا[1]

جس نے آپ کی تربت کی مٹی سونگھ لی اسے زندگی میں کسی دوسری خوشبو کی حاجت نہیں رہتی

مجھ پر ایسی مصیبتیں پڑیں کہ اگر وہ روشن دنوں پر آتیں تو تاریک راتوں میں بدل جاتے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَعَلَ يَتَغَشَّاهُ فَقَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَام وَا كَرْبَ أَبَاهُ فَقَالَ لَهَا لَيْسَ عَلَى أَبِيكِ كَرْبٌ بَعْدَ الْيَوْمِ فَلَمَّا مَاتَ قَالَتْ يَا أَبَتَاهُ أَجَابَ رَبًّا دَعَاهُ يَا أَبَتَاهُ مَنْ جَنَّةُ الْفِرْدَوْسِ مَأْوَاهُ يَا أَبَتَاهُ إِلَى جِبْرِيلَ نَنْعَاهُ فَلَمَّا دُفِنَ قَالَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَام يَا أَنَسُ أَطَابَتْ أَنْفُسُكُمْ أَنْ تَحْثُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التُّرَابَ.[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ شدت مرض کے زمانے میں نبی کریم ﷺ کی بے چینی بہت بڑھ گئی تھی۔ حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے کہا، آہ اباجان کو کتنی بے چینی ہے۔ حضور ﷺ نے اس پر فرمایا، آج کے بعد تمہارے اباجان کی یہ بے چینی نہیں رہے گی۔ پھر جب آپ ﷺ وصال فرما گئے تو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی تھیں، ہائے اباجان! آپ اپنے رب کے بلاوے پر چلے گئے، ہائے اباجان! آپ جنت الفردوس میں اپنے مقام پر چلے گئے۔ ہم جبریل کو آپ کے وصال کی خبر سناتے ہیں۔ پھر جب آپ ﷺ دفن کر دیئے گئے تو آپ رضی اللہ عنہا نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کہا "انس! تمہارے دل رسول اللہ ﷺ پر تراب ڈالنے کے لیے کس طرح آمادہ ہو گئے"۔

---

[1] شرح الطيبي على مشكاة المصابيح المسمى بـ (الكاشف عن حقائق السنن) المؤلف: شرف الدين الحسين بن عبد الله الطيبي (743هـ)الناشر: مكتبة نزار مصطفى الباز (مكة المكرمة =الر ياض) الطبعة: (الأولى، 1417هـ 1997م) ج 4 ص 1422

[2] بخاري الرقم: 4462

سیدہ پاک کا وصال باکمال

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری ایام میں ہی فرمادیا تھا کہ اہل بیت میں سے سب سے پہلے انہیں ہی ان کے پاس حاضری کی سعادت نصیب ہو گی، جس پر بہت مسرور ہو گئی تھیں۔ لہذا جب آپ کا آخری وقت آیا تو آپ نے اہتمام کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کے لئے اگلے سفر کی ساری تیاری فرمائی، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو وصال مبارک سے آگاہ فرمایا اور غسل کے لئے پانی کا انتظام کرنے کا کہا جیسا کہ روایت میں ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلْمَى قَالَتْ اشْتَكَتْ فَاطِمَةُ شَكْوَاهَا الَّتِي قُبِضَتْ فِيهِ فَكُنْتُ أُمَرِّضُهَا فَأَصْبَحَتْ يَوْمًا كَأَمْثَلِ مَا رَأَيْتُهَا فِي شَكْوَاهَا تِلْكَ قَالَتْ وَخَرَجَ عَلِيٌّ لِبَعْضِ حَاجَتِهِ فَقَالَتْ يَا أُمَّهْ اُسْكُبِي لِي غُسْلًا فَسَكَبْتُ لَهَا غُسْلًا فَاغْتَسَلَتْ كَأَحْسَنِ مَا رَأَيْتُهَا تَغْتَسِلُ ثُمَّ قَالَتْ يَا أُمَّهْ أَعْطِينِي ثِيَابِيَ الْجُدُدَ فَأَعْطَيْتُهَا فَلَبِسَتْهَا ثُمَّ قَالَتْ يَا أُمَّهْ قَدِّمِي لِي فِرَاشِي وَسَطَ الْبَيْتِ فَفَعَلْتُ وَاضْطَجَعَتْ وَاسْتَقْبَلَتْ الْقِبْلَةَ وَجَعَلَتْ يَدَهَا تَحْتَ خَدِّهَا ثُمَّ قَالَتْ يَا أُمَّهْ إِنِّي مَقْبُوضَةٌ الْآنَ وَقَدْ تَطَهَّرْتُ فَلَا يَكْشِفُنِي أَحَدٌ فَقُبِضَتْ مَكَانَهَا قَالَتْ فَجَاءَ عَلِيٌّ فَأَخْبَرْتُهُ.[1]

حضرت ام سلمی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ کہ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنی مرض وصال میں مبتلا ہوئیں تو میں ان کی تیمارداری کرتی تھی۔ بیماری کے اس پورے عرصہ کے دوران جہاں تک میں نے دیکھا ایک صبح ان کی حالت قدرے بہتر تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کسی کام سے باہر گئے۔ تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اماں! میرے غسل کے لیے پانی لائیں۔ میں پانی لائی۔ آپ رضی اللہ عنہا نے جہاں تک میں نے دیکھا بہترین غسل کیا۔ پھر بولیں: اے اماں! مجھے نیا لباس دیں۔ تو میں نے دے دیا تو زیب تن فرما لیا پھر کہا اے اماں میرا بستر کمرے کے درمیان رکھ دیں میں نے ایسا ہی کیا آپ رضی اللہ عنہا قبلہ رخ ہو کر لیٹ گئیں۔ ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے کر لیا پھر فرمایا: اے اماں: اب میری وفات ہو جائے گی، میں (غسل کر کے) پاک ہو چکی ہوں، لہٰذا مجھے کوئی نہ کھولے پس اُسی جگہ آپ رضی اللہ عنہا کی وفات ہو گئی۔ حضرت ام سلمی بیان کرتی ہیں کہ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف لائے تو میں نے انہیں ساری بات بتائی۔

---

1 مسند احمد بن حنبل، 6 / 461، الرقم: 27656. 27657، الذر یة الطاهر ة للدولابي، 1 / 113، نصب الراية للز يلعي، 2 / 250، ذخائر العقبي للطبري، 1 / 103، مجمع الزوائد للهيثمي، 9 / 210، أسد الغابة لابن الاثير، 7 / 221.

زندگی میں تو سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا شرم و حیا کا استعارہ تھی ہی تھیں، آپ رضی اللہ عنہا بعد از وصال بھی اپنے پردے کے بارے میں فکر مند تھیں۔ آپ نہیں چاہتی تھیں کہ آپ رضی اللہ عنہا کے کفن مبارک پر بھی کسی کی نظر پڑے لہذا آپ نے اس کے انتظام کے متعلق حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے مشورہ کیا، امام حاکم نقل کرتے ہیں:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَدْ مَرِضَتْ فَاطِمَةُ مَرَضًا شَدِيدًا فَقَالَتْ لِأَسْمَاءَ بِنْتِ عُمَيْسٍ: أَلَا تَرَيْنَ إِلَى مَا بَلَغْتُ أُحْمَلُ عَلَى السَّرِيرِ ظَاهِرًا؟ فَقَالَتْ أَسْمَاءُ: أَلَا لَعَمْرِي، وَلَكِنْ أَصْنَعُ لَكِ نَعْشًا كَمَا رَأَيْتُ يُصْنَعُ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ، قَالَتْ: فَأَرِنِيهِ، قَالَ: فَأَرْسَلَتْ أَسْمَاءُ إِلَى جَرَائِدَ رَطْبَةٍ، فَقُطِّعَتْ مِنَ الْأَسْوَافِ وَجُعِلَتْ عَلَى السَّرِيرِ نَعْشًا وَهُوَ أَوَّلُ مَا كَانَ النَّعْشُ، فَتَبَسَّمَتْ فَاطِمَةُ، وَمَا رَأَيْتُهَا مُتَبَسِّمَةً بَعْدَ أَبِيهَا إِلَّا يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ حَمَلْنَاهَا وَدَفَنَّاهَا لَيْلًا.[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا شدید بیمار ہو گئیں تو انہوں نے حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا سے کہا میری حالت کو تم دیکھ نہیں رہی ہو کیا میں (وفات کے بعد یونہی) عیاں طور پر چارپائی پر اٹھائی جاؤں گی؟ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے کہا خدا کی قسم میں آپ کی میت کے لیے وہ طریقہ اختیار کروں گی جو حبشہ میں رائج ہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: مجھے اس طرح کر کے دکھاؤ۔ چنانچہ حضرت اسماء نے کھجور کی چند تازہ ٹہنیاں منگوائیں اور چارپائی پر اس طور پر رکھ دیں کہ درمیان سے ابھری ہوئی تھیں، یہ طریقہ عرب میں سب سے پہلے اس موقع پر اختیار کیا گیا یہ دیکھ کر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا مسکرا دیں۔ نبی اکرم کے وصال کے بعد پہلی مرتبہ اس موقع پر آپ کو میں نے متبسم دیکھا (پھر انکا انتقال ہو گیا تو) ہم نے اسی طریقہ سے (وہ بھی رات کے اندھیرے میں) ان کا جنازہ اٹھایا اور (جنت البقیع میں) ان کی تدفین کی۔

اس بتول جگر پارۂ مصطفیٰ	حجلہ آرائے عفت پہ لاکھوں سلام
جس کا آنچل نہ دیکھا مہ و مہر نے	اس ردائے نزاہت پہ لاکھوں سلام
آب تطہیر سے جس میں پودے جمے	اس ریاض نجابت پہ لاکھوں سلام
خون خیر الرسل ہے جن کا خمیر	ان کی بے لوث طینت پہ لاکھوں سلام

[1] المستدرک علی الصحیحین: ج 3/ص 177 ح 4763

باب دوم

قضیہ فدک

شرعی و فقہی حیثیت کے تعین میں اہل سنت اور اہل تشیع کا باہم نزاع

رسول اللہ ﷺ کے تصرف میں فدک کے نام سے موسوم زمین تھی جس کی آمدن سے آپ ﷺ اپنے خاندان، اور ضرورت مندوں پر خرچ کرتے تھے، آپ کے پردہ فرمانے کے بعد یہ سوال پیدا ہوا کہ آیا یہ زمین آپ کے ورثاء میں تقسیم ہوگی یا نہیں؟

اہلسنت اور اہل تشیع کے درمیان اختلاف

اہل تشیع قضیہ فدک میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی عدالت پر اعتراض کرتے ہیں۔ حالانکہ آپ کا فیصلہ حدیث رسول کی روشنی میں تھا اور علماء اہل سنت نے ہر اعتراض کا تفصیلی جواب دیا ہے۔ اس حوالے سے اہل سنت کا موقف یہی ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حدیث رسول بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے ''إِنَّا مَعْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ''[1] لہذا انبیاء علیہم السلام کے مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور یہ مال صدقہ ہوتا ہے۔ اور یہ حدیث پاک آیت میراث کی مخصص ہے۔

پہلا اعتراض:

اگر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ احناف کے نزدیک خبر واحد سے قرآن کے عام غیر مخصوص البعض کی تخصیص جائز نہیں ہوتی لہذا یہ حدیث مخصص نہیں بن سکتی۔

اس کا جواب:

یہ تب درست ہے کہ جب قرآن کی تخصیص خبر واحد سے ہو اگر مخصص بھی قرآن ہو تو تخصیص درست ہوتی ہے اور اس کے بعد باقی افراد کی تخصیص خبر واحد سے بھی ہو سکتی ہے۔ یعنی اگر ایک مرتبہ قرآن

---

[1] مسند الإمام أحمد بن حنبل 11073

سے تخصیص ہو چکی ہو، تو باقی افراد کی مزید تخصیص نہ صرف خبر واحد سے درست ہے بلکہ قیاس سے بھی درست ہے۔[1]

لہذا اس آیت میراث کی تخصیص پہلے سے ہی "کافر کی مسلمان سے عدم وراثت" سے ہو چکی تھی۔ تو اس پر سوال ہوتا ہے کہ اس کی عدم وراثت کی روایت بھی تو خبر واحد ہے، لہذا یہ بھی مخصص نہیں بن سکتی۔

تو اس کا جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ یہ دیتے ہیں کہ:

والجواب: أن حرمان الكافر من الميراث خص بقوله تعالى ﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النساء 141) على أنه يمكن أن النبي صلى الله عليه وسلم خص آية الميراث وقت النزول بإذن ربه لا برأيه.[2]

جواب یہ ہے کہ میراث سے کافر کے محروم ہونے کی تخصیص اس آیت مبارکہ "وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا" (اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا) سے ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث کی آیت کی تخصیص اللہ تعالی کے اذن سے نزول کے وقت کی ہو نہ کہ اپنی رائے سے۔

جب اس کی تخصیص قرآن پاک سے ہو چکی ہے تو مزید تخصیص خبر واحد سے بھی جائز ہے۔ اور یہ حدیث پاک ایک سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے روایت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی "لَا نُوْرَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ" حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے لئے قطعی و یقینی تھا، ظنی نہیں تھا، اس کے مطابق ان پر عمل کرنا واجب تھا۔ جو پیارا صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قول مبارک اپنے کانوں سے سنے یا فعل مبارک کا خود مشاہدہ کرے، اس کے لئے وہ قطعی ہے، چاہے احکامِ شریعت کے کسی بھی درجے کا عمل ہو۔

---

[1] وَأما الْعَام الَّذِي خص عِنْد الْبَعْض فَحكمه أَنه يجب الْعَمَل بِهِ فِي الْبَاقِي مَعَ الِاحْتِمَال فَإِذا أَقَامَ الدَّلِيل على تَخْصِيص الْبَاقِي يجوز تَخْصِيصه بِخَبَر الْوَاحِد أَو الْقيَاس إِلَى أَن يبْقى الثُّلُث بعد ذَلِك لَا يجوز فَيجب الْعَمَل بِهِ (اصول الشاشی بحث العام المخصوص منه البعض دار لکتاب العربی بیروت ص 26)

[2] توضیح المبانی و تنقیح المعاني شرح مختصر المنار المولف: ملا علی القاری علی بن سلطان محمد الھروی الحنفی (المتوفی: 1014ھ) دار صادر الطبعة (الاولی 1427ھ)، ص 162

تحویل قبلہ کے وقت جو صحابہ کرام علیہم الرضوان مسجد (قبلتین) میں تھے اور قبلہ اوّل مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کر رہے تھے اور اس پر کئی سالوں سے عمل جاری تھا، جونہی نبی کریم ﷺ کو حالت نماز میں مسجدِ اقصیٰ کے بجائے مسجدِ حرام بیت اللہ شریف کی طرف منہ کرتے ہوئے مشاہدہ کیا تو سب نے اس کی پیروی کی۔ اللہ اللہ کتنا حسین وہ منظر ہو گا، جب شانِ محبوبیت کی اور رضائے مصطفیٰ کی جلوہ گری ہوئی، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ اتنے پیارے انداز سے ذکر فرماتا ہے۔

قَدۡ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجۡهِكَ فِی السَّمَآءِ. فَلَنُوَلِّیَنَّكَ قِبۡلَةً تَرۡضٰهَا فَوَلِّ وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف [1]

مفسرین کرام نے اپنے اپنے انداز سے اس کو ذکر کیا ہے، جن میں سے امام فخر الدین رازی علیہ الرحمہ کا قول ہے:

قال الله تبارك و تعالى: قبلة ترضاها ولم يقل قبلة أرضاها كأنه قال: كل أحد يطلب رضاى و أنا أطلب رضاك يا محمد.

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس قبلہ کی طرف جس میں تمہاری خوشی ہے اور اس طرح نہیں فرمایا کہ ہم تمہیں اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس میں میری رضا ہے۔ تو گویا کہ ارشاد فرمایا: "اے حبیب ﷺ!، ہر کوئی میری رضا کا طلبگار ہے اور میں (دونوں جہاں میں) تیری رضا چاہتا ہوں۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم　خدا چاہتا ہے رضائے محمد

محدثین اور فقہاء کرام میں یہی مشہور ہے کہ خبر واحد ظنی ہے اور اسی پر عمل ہو رہا ہے۔ لیکن ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ حالات اور قرائن کی وجہ سے صحابی کی خبر واحد پر عمل کرتے ہوئے حکم ثابت یقینی کو تبدیل کیا گیا ہے۔ (چھوڑا جا سکتا ہے) جیسا کہ تحویل قبلہ کے بعد مدینہ منورہ کے ایک محلہ کی مسجد اور اہل قباء کے نمازیوں کو ایک ایک صحابی نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے تحویل قبلہ فرماتے ہوئے مسجد حرام کی طرف نماز ادا فرمائی ہے۔ تو انہوں نے عین حالت نماز میں اس پر یقین کرتے ہوئے عین حالت صلوٰۃ میں مسجد اقصیٰ کے بجائے مسجد حرام کی طرف نماز ادا کی۔

[1] تحویل قبلہ کا واقعہ ہجرت کے ایک سال کچھ ماہ بعد پندرھویں رجب المرجب پیر کے دن مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز کے دوران پیش آیا۔

اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت تو یہ بیان کرتی ہے کہ سیدہ زہراء نے مخصص تسلیم نہیں کیا کیونکہ آپ حضرت ابو بکر کے انکار پر ان سے ناراض ہو گئی تھیں۔ اس کے جواب کو سمجھنے کے لیے بخاری کی روایت کو دیکھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔

روایات احادیث

روافض پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ فدک نہ دینے پر سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں اور بطورِ دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی درج ذیل روایت کو پیش کیا جاتا ہے:

فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى فَاطِمَةَ مِنْهَا شَيْئًا، فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فِي ذَلِكَ فَهَجَرَتْهُ، فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى تُوُفِّيَتْ (بخاری4240)

اس شبہ و پروپیگنڈہ کے کئی جواب ہیں:

اول: سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے وراثت طلب کئے جانے کی جتنی احادیث صحیحین میں ہیں وہ سب ابن شہاب زہری سے ہی مروی ہیں، اور تحقیق یہ ہے کہ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے (فَأَبَى أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى فَاطِمَةَ مِنْهَا شَيْئًا، فَوَجَدَتْ فَاطِمَةُ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فِي ذَلِكَ فَهَجَرَتْهُ، فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى تُوُفِّيَتْ) کے الفاظ منسوب ہیں: کہ آپ نے یہ فرمایا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آپ رضی اللہ عنہا کے الفاظ نہیں، بلکہ ابن شہاب زہری کے ہیں۔

اس واقعہ کو امام بخاری نے پانچ جگہ مختلف اسانید کے ساتھ ذکر کیا ہے مگر حجر ان کا ذکر تین اسانید میں ہے۔ ایک جگہ (حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ) (بخاری4241) سے ہے۔

اور ایک اور حدیث میں اسی معنی کا متن ہے لیکن اس کی سند مختلف ہے (حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ عَنْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ أَنَّ عَائِشَةَ) (بخاری3093) اور اس سند کے متن کے الفاظ ہیں "قَالَ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ فَغَضِبَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهَجَرَتْ أَبَا بَكْرٍ، فَلَمْ تَزَلْ مُهَاجِرَتَهُ حَتَّى تُوُفِّيَتْ وَعَاشَتْ بَعْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتَّةَ أَشْهُرٍ".

اسی طرح ایک اور سند (حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ) (بخاری 6726) سے بھی ہے جس کے متن کے الفاظ ہیں "قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لَا أَدَعُ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ فِيهِ إِلَّا صَنَعْتُهُ، قَالَ: فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى مَاتَتْ".

جن سندوں میں **"هجران وغضب"** کے حوالے سے اسی طرح کے اور الفاظ بھی آئے ہیں ان سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ ھجران وغضب کی روایت ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کر رہی ہیں، یعنی وہ یہ بیان کر رہی ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس فیصلے کے بعد ناراض ہو گئی تھیں۔ ان تمام روایات کو غور سے دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ اس میں کسی راوی سے نقل کرتے ہوئے حضرت عائشہ کے ساتھ اس بات کو منسوب کرنے میں تسامح یا سہو ہو گیا ہے۔

پہلی بات: کہ ان روایات میں یہ صراحت نہیں کہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کی ہے۔

دوسری بات: کہ معمر عن الزہری (حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ) کی روایت میں تصریح ہے کہ اس کا قائل مرد ہے عورت نہیں کیونکہ متن کے الفاظ ہیں: (**قَالَ:** فَهَجَرَتْهُ فَاطِمَةُ فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتَّى مَاتَتْ) "قال" کی "ضمیر" کا مرجع **"مذکر"** ہو سکتا ہے مونث نہیں۔ یعنی یہ کلام ام المؤمنین کا نہیں ہے کسی مرد، راوی کا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ ابن شہاب زہری کا ادراج ہے کیونکہ صحیحین میں ابن شہاب زہری کے درجہ میں یہ خبر واحد ہے سیدہ پاک کی ناراضگی کی بات نقل کرنے میں "معمر بن راشد" کے علاوہ باقی راویوں سے یہ وضاحت رہ گئی ہے کہ یہ ابن شہاب کا کلام ہے، سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا نہیں ہے۔ لہٰذا معمر کی روایت اس مسئلہ میں باقی روایتوں کی وضاحت و تفسیر ہو گی کہ یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ ابن شہاب زہری کے ہیں۔[1] اور ھجران کے حوالے سے ابن شہاب زہری کی روایت منقطع ہے کہ انہوں نے کس سے ھجران کی بات سنی؟ اس لئے کہ جس دور کا یہ قصہ ہے اس دور میں تو وہ پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کی ولادت

---

[1] یحیی بن معین معمر بن راشد کے حوالے سے لکھتے ہیں: ثقة وهو من أثبتهم فی الزهری (میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۵۴) بلکہ یحی بن معین کے سامنے زہری کے مختلف تلامذہ کو معمر کے ساتھ ملا کر سوال کیا گیا کہ آپ کے نزدیک زہری سے روایت کرنے میں کون سا راوی محبوب ہے تو آپ نے معمر کا ہی نام لیا ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب: وقال عثمان الدارمی قلت لابن معین معمر أحب اليك فی الزهری أو ابن عيينة أو صالح بن كيسان أو يونس فقال فی كل ذلك معمر (تهذيب التهذيب ج ۱۰ ص ۲۱۹) روایت میں ثقہ کا اضافہ مقبول ہوتا ہے، حافظ عراقی اپنی کتاب شرح التبصرة والتذكرة میں فرماتے ہیں: فذهبَ الجمهورُ منَ الفقهاءِ وأصحابِ الحديثِ، كما حكاهُ الخطيبُ عنهم، إلى قبولها سواءٌ تعلقَ بها حكمٌ شرعيٌّ أمْ لا. وسواءٌ غَيَّرَتِ الحكمَ الثابتَ، أمْ لاَ، وسواءٌ أوْجبتْ نقصاً منَ أحكامٍ ثبتتْ بخبرٍ ليستْ فِيْهِ تلكَ الزيادةُ أمْ لا. وسواءٌ كانَ ذلكَ من شخصٍ واحدٍ بأنْ رواهُ مرّةً ناقصاً، ومرةً بتلكَ الزيادةِ، أو كانتْ الزيادةُ منْ غيرِ مَنْ رواهُ ناقصاً (شرح التبصرة والتذكرة للحافظ عراقی ج ۱ ص ۸۲)

کے حوالے سے تہذیب الکمال میں مختلف اقوال منقول ہیں: مولدہ سنة خمسين، ولد سنة إحدى وخمسين، مولده سنة ست وخمسين، مولده سنة ثمان وخمسين في أخر خلافة معاوية، وهي السنة الَّتِي ماتت فِيهَا عَائِشَةَ زوج النَّبِيّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم.[1] ذكره محمد بن سعد في الطبقة الرابعة من أهل المدينة،[2] ابن شہاب زہری کی پیدائش پچاس ہجری یا اکاون یا چھپن ہجری میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ اٹھاون ہجری میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں ہوئی جس سال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال ہوا ہے۔ ابن سعد نے زہری کو اہل مدینہ کے چوتھے طبقے میں شمار کیا ہے۔

یعنی زہری قضیۂ فدک کے 38 سے 46 سال بعد پیدا ہوئے ہیں، اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان کا سماع ہی ثابت نہیں ہے۔ لہٰذا ناراضگیٔ سیدہ فاطمہ کی بات سنداً مقطوع ہے اس لیے قابل استدلال نہیں ہے۔

دوم: بالفرض اگر یہ سنداً مرفوع ہو اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ان الفاظ کی سند درست ہو تو "هجرته" کا معنی ہو گا کہ آپ نے انہیں چھوڑ دیا یعنی فدک کے بارے میں سوال کرنا چھوڑ دیا۔ اور "فلم تكلمه" یعنی اس مسئلہ میں پھر آپ سے کبھی کلام نہ کیا جیسا کہ امام ترمذی نے ایک روایت کی وضاحت میں لکھا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ فَاطِمَةَ جَاءَتْ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا تَسْأَلُ مِيرَاثَهَا مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَا سَمِعْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ إِنِّي لَا أُورَثُ قَالَتْ وَاللهِ لَا أُكَلِّمُكُمَا أَبَدًا فَمَاتَتْ وَلَا تُكَلِّمُهُمَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ عِيسَى مَعْنَى لَا أُكَلِّمُكُمَا تَعْنِي فِي هَذَا الْمِيرَاثِ أَبَدًا أَنْتُمَا صَادِقَانِ.[3]

حضرت ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی جو میراث تھی اس کے بارے میں سوال کرنے آئیں۔ ان دونوں نے کہا ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے میرا کوئی وارث نہیں ہو گا۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا بولیں اللہ کی قسم میں تم دونوں سے کبھی بات نہیں کروں گی تو آپ کا وصال ہو گیا مگر ان دونوں سے بات نہ کی۔ راوی علی بن عیسیٰ کہتا ہے لَا أُكَلِّمُكُمَا کا مفہوم یہ ہے کہ میں اس میراث کے سلسلے میں کبھی بھی آپ دونوں سے بات نہیں کروں گی آپ دونوں سچے ہیں۔

---

1 تهذيب الكمال في أسماء الرجال المؤلف: يوسف بن عبد الرحمن بن يوسف، أبو الحجاج، جمال الدين ابن الزكي أبي محمد القضاعي الكلبي المزي (المتوفى: 742ھ) الناشر: مؤسسة الرسالة - بيروت (الطبعة: الأولى، 1400ھ) ج 26ص 441

2 تهذيب الكمال في أسماء الرجال ج26ص431

3 ترمذی 1609

اس روایت میں بھی ایک اضطراب ہے کہ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی سوال کرنے کی بات ہے حالانکہ خلیفہ ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے عمر رضی اللہ عنہ نہیں تھے ان سے کیوں سوال کیا؟ اور بالاتفاق سیدہ زہراء کا حضرت عمر کے دور خلافت سے پہلے وصال ہو گیا تھا اور ان سے فدک کے انتظام کے بارے میں بات کرنے والے علی و عباس تھے نہ کہ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہم۔

تیسری بات: شارحین حدیث نے بھی ھجر ان کی بات کو راوی کی طرف منسوب کیا ہے نہ کہ حضرت عائشہ کی طرف۔

الشیخ الفقیہ الإمام، المحدث الحافظ، بقیۃ السلف، ابو العباس احمد بن عمر بن ابراھیم القرطبی (م:656ھ) وقولہ: ”فأبی أبو بکر أن یدفع إلی فاطمة شیئًا، فوجدت فاطمة علی أبی بکر فی ذلك، فھجرته، فلم تکلمه“ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> لا یظن بفاطمة رضی الله عنها أنها اتهمت أبا بکر فیما ذکره عن رسول الله۔صلی الله علیه وسلم، لکنها عظم علیها ترك العمل بالقاعدة الکلیة، المقررة بالمیراث، المنصوصة فی القرآن، وجوّزت السهو والغلط علی أبی بکر، ثم إنها لم تلتق بأبی بکر لشغلها بمصیبتها برسول الله صلی الله علیه وسلم، ولملازمتها بیتها، فعبَّر الراوی عن ذلك بالهجران، وإلا فقد قال رسول الله۔ صلی الله علیه وسلم: ”لا یحل لمسلم أن یهجر أخاه فوق ثلاث“، وهی أعلم الناس بما یحل من ذلك ویحرم، وأبعد الناس عن مخالفة رسول الله صلی الله علیه وسلم، کیف لا یکون کذلك وهی بضعة من رسول الله۔صلی الله علیه وسلم۔، وسیدة نساء أهل الجنة؟[1]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اس روایت میں جو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کر رہے تھے تہمت لگا رہی تھیں، لیکن سیدہ پاک کو میراث کے بارے میں منصوص قاعدہ کلیہ پر ترک عمل ایک بڑی بات لگی اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر سہو و غلط کو جائز سمجھا۔ پھر وہ رسول اللہ کی جدائی کے غم میں گھر میں گوشہ نشین ہونے کی وجہ سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے نہ مل سکیں۔ جب راوی نے آپ رضی اللہ عنہا کو دیکھا کہ اس کے بعد گھر سے نہ نکلیں تو

---

1 المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم المؤلف: أبو العبَّاس أحمَدُ بنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَ بنِ إبراهيمَ الحافظ، الأنصاريُّ القرطبيُّ، (م:656ھ) دار ابن كثير (الطبعة الأولی 1417ھ) ج 3 ص 569

اسے ''ھجران'' سے تعبیر کیا۔[1] حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کسی مسلمان کے لیے حلال نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ ناراض رہے'' اور آپ رضی اللہ عنہا ھجران (ناراضگی) کے حلال و حرام کو سب لوگوں سے زیادہ جاننے والی تھیں۔ اور رسول اللہ کے فرمان کے خلاف عمل کرنے سے سب لوگوں سے زیادہ بعید تھیں، ایسا کیسے نہ ہو آپ رضی اللہ عنہا تو رسول اللہ ﷺ کے بدن کا حصہ اور سیدۃ نساء اھل الجنۃ ہیں۔

صاحب فواتح الرحموت سے تسامح

صاحب فواتح الرحموت علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاری، الھندی (م 1225ھ) کو بھی یہی تسامح ہوا، اور انہوں نے عدم رابطہ کو ''ھجران'' سمجھا، اور اسے ''زلہ'' سے تعبیر کر دیا۔ حالانکہ اس واقعہ کی تعبیر

---

[1] امام ابن صلاح فرماتے ہیں: ''ومتی قالوا: ھذا حدیث صحیح فمعناہ أنہ اتصل سندہ، مع سائر الأوصاف المذکورۃ. ولیس من شرطہ أن یکون مقطوعا بہ فی نفس الأمر''. جب محدثین یہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے تو اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اس کی سند متصل ہے اور اس میں صحیح حدیث کی تمام شرائط مذکور ہیں۔ اس کی شرط میں یہ نہیں کہ نفس الامر میں قطعی ہو (یعنی متن کی صحت قطعی ہو)۔ (مقدمۃ ابن الصلاح ص20)
بخاری شریف کی اسناد کی صحت پر تو محدثین کرام کا اتفاق ہے۔ رہی بات کسی راوی کو کسی واقعہ کے بیان کرنے میں وہم لگنے کی تو اس کی کئی مثالیں بخاری شریف کے اندر موجود ہیں کہ راوی کو بیان واقعہ میں وھم ہو گیا۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں احد کے دن ''نزول جبریل'' کا ذکر ہے۔ اس کی سند کی صحت پر تو کوئی کلام نہیں، مگر کسی راوی کے وہم کو ظاہر کرتی ہے جیسا کہ روایت ہے: أَنَّ النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم ''قال یومَ أحُدٍ: ھذا جبریلُ آخِذٌ برأسِ فرَسِہ، علیہ أداۃُ الحَربِ'' (یہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں اپنے گھوڑے کا سر تھامے ہوئے اور ہتھیار لگائے ہوئے)۔ اب نزول ملائکہ تو بدر کے دن اہل علم کے ہاں معروف ہے۔ لہذا اس دن حضرت جبریل کے ذکر کے حوالے سے علامہ ابن حجر لکھتے ہیں: وَھُوَ وَھَمٌ مِنْ وَجْھَیْنِ أَحَدُھُمَا أَنَّ ھَذَا الْحَدِیثَ تَقَدَّمَ بِسَنَدِہِ وَمَتْنِہِ فِي بَابِ شُھُودِ الْمَلَائِکَۃِ بَدْرًا وَلِھَذَا لَمْ یَذْکُرْہُ ھُنَا أَبُو ذَرٍّ وَلَا غَیْرُہُ مِنْ مُتْقِنِي رُوَاۃِ الْبُخَارِيِّ وَلَا اسْتَخْرَجَہُ الْإِسْمَاعِیلِيُّ وَلَا أَبُو نُعَیْمٍ ثَانِیھِمَا أَنَّ الْمَعْرُوفَ فِي ھَذَا الْمَتْنِ یَوْمَ بَدْرٍ کَمَا تَقَدَّمَ لَا یَوْمَ أُحُدٍ وَاللہُ الْمُسْتَعَانُ. (فتح الباری) ایسے ہی واقعہ معراج کے بیان میں کسی راوی کے وہم کا تذکرہ کیا کہ اس واقعہ کو ''قبل أن یُوحیٰ إلیہ'' کے الفاظ سے ذکر کیا گیا کہ یہ اعلان نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اب اس کی سند پر بھی کوئی کلام نہیں۔ مگر حقیقت کے خلاف ہونے کی وجہ سے علامہ ابن حجر نے اسے بھی راوی کا وہم قرار دیا: قَبْلَ أَنْ یُوحَی إِلَیْہِ لَا یَقْتَضِي طَرْحَ حَدِیثِہِ فَوَھْمُ الثِّقَۃِ فِي مَوْضِعٍ مِنَ الْحَدِیثِ لَا یُسْقِطُ جَمِیعَ الْحَدِیثِ وَلَا سِیَّمَا إِذَا کَانَ الْوَھْمُ لَا یَسْتَلْزِمُ ارْتِکَابَ مَحْذُورٍ وَلَوْ تُرِکَ حَدِیثُ مَنْ وَھَمَ فِي تَارِیخٍ لَتُرِکَ حَدِیثُ جَمَاعَۃٍ مِنْ أَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِینَ وَلَعَلَّہُ أَرَادَ أَنْ یَقُولَ بَعْدَ أَنْ أُوحِيَ إِلَیْہِ فَقَالَ قَبْلَ أَنْ یُوحَی إِلَیْہِ انْتَھَی (فتح الباری)
لہذا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی گوشہ نشینی کو ھجران سے تعبیر کرنے میں تسامح کا ہونا محال نہیں۔ اور جب کسی راوی نے اسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے کلام کے ساتھ بیان کیا تو اسے کلامِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سمجھنے کا وہم ہونا بھی محال نہیں۔ روایت کے کسی ایک حصے میں وہم تسلیم کرنے سے ساری روایت ضعیف نہیں ہوتی، لیکن صحیح روایت کا یہ مطلب بھی نہیں کہ روایت کا ایک ایک لفظ نفس الامر کے مطابق بھی ہے۔ اس پر تفصلی گفتگو حسن اختلاف کے مسودہ میں لکھی جا چکی ہے۔ رہی بات سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے ''ھجران'' یا ''غضب'' کی تو اس پر سیدہ پاک کا کوئی کلام استدلال کے لئے نہیں ہے۔ اور جس چیز کو دلیل بنایا جاتا ہے وہ صرف اتنی ہے کہ ''فَھَجَرَتْہُ فَاطِمَۃُ فَلَمْ تُکَلِّمْہُ حَتَّی مَاتَتْ''. کہ اپنے وصال تک کبھی ان سے گفتگو نہیں کی۔ تو کیا کسی کے پاس اس پر دلیل ہے کہ فدک سے پہلے تو عام گفتگو ہوتی تھی، یا قضیۂ فدک سے پہلے کتنی بار گفتگو موجود ہے کہ اس کے بعد اتنا عرصہ عدم گفتگو کو ناراضگی پر محمول کیا جائے۔ میری نظر میں تو کوئی ایک روایت بھی نہیں گزری جس میں فدک سے پہلے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی ہو۔ ہاں اگر کوئی صحیح روایت ہوئی بھی تو کوئی ایک ادھا بار کی ہی ہو گی۔ کیونکہ پردے کے احکامات کے نزول کے بعد تو عام صحابیات بھی نامحرم سے ضرورت کے علاوہ گفتگو میں احتیاط کرتی تھیں۔ چہ جائیکہ جن کی پردہ داری استعارہ ہو، وہ عام گفتگو کریں۔ لہذا عدم کلام کو ناراضگی قرار دینا تسامح فی التعبیر ہے۔

میں یہ صاحب فواتح الرحموت سے زلہ ہے۔ اور جو ڈاکٹر صاحب سمجھے کہ صاحب فواتح الرحموت نے اسے خطاء اجتہادی سمجھا ہے، اور اپنے خطاء اجتہادی کے دعویٰ کی دلیل بنالیا یہ ڈاکٹر صاحب کی صریح غلطی ہے۔

اگر فدک کا مطالبہ یا آیت میراث سے استدلال آپ کی خطاء اجتہادی بن سکتا ہوتا، تو صاحب فواتح الرحموت ضرور یہاں بیان کرتے کہ یہ خطاء اجتہادی تھی کیونکہ آپ اس مسئلہ کو "یجوز علیهم الخطأ فی اجتهادهم وهم یصیبون ویخطؤن وکذا یجوز علیهم الزلة"[1] خطاء اجتہادی اور زلہ کے جواز (ممکن ہونے) کے ضمن میں لائے ہیں، مگر سیدہ زہراء کی کوئی خطاء اجتہادی سارے ذخیرہ احادیث میں نہ ملی تو خطاء اجتہادی کی مثال ہی نہ دی۔ لیکن سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی گوشہ نشینی کی وجہ سے کسی راوی سے تعبیر میں جو غلطی ہوئی (جس پر روافض کی پوری عمارت کھڑی ہے کہ سیدہ رضی اللہ عنہا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ناراض ہو گئی تھیں) کہ اسے ناراضگی سمجھا، انہوں نے بھی اسے "ھجران" سمجھ لیا، لیکن اہل سنت کا مختار یہی ہے کہ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا اس نقص سے پاک ہیں۔ اسی لیے مامور من الرسول حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صراحت فرمائی ہے:

> جناب سیدۃ النساء بھی بوجہ بضعۃ الرسول ہونے کے عبدیت محضہ کی وارث ہیں اور اپنے والد ماجد علیہ الصلوۃ والسلام کی طرح ان کی عالی اور پاک شان بھی ملکیت کے دھبہ اور **خدائی فیصلہ پر ناراضگی کے نقص سے منزہ اور پاک ہے۔**[2]

اب اگر کوئی علم ہونے کے بعد بھی اس "زَلہ" (ھجران بمعنی ناراضگی) کا اصرار کرتا ہے تو وہ نقص کے ثبوت کا اصرار کرنے والا ہے، جو کہ نہ صرف سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی صریح توہین ہے، بلکہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے عدم تسلیم کو بھی ثابت کرنا ہے، اس سے جو خرابیاں لازم آتی ہیں وہ اہل علم سے مخفی نہیں۔

اس مسئلہ میں ابن شہاب زہری سے جو روایات ہیں وہ بخاری و مسلم کی مشکل ترین روایات میں سے ہیں ان کے متن پر وارد ہونے والے اشکال کیونکہ عوام کے لیے سمجھنا مشکل ہیں لہذا اس پر مزید گفتگو مناسب نہیں اہل علم سے وہ مخفی نہیں اسی وجہ سے علامہ بدر الدین عینی جیسا عظیم محدث بھی کتاب سے نکال دینے کی تجویز

---

[1] وأهل البيت كسائر المجتهدين يجوز عليهم الخطأ في اجتهادهم وهم يصيبون ويخطؤن وكذا يجوز عليهم الزلة وهي وقوعهم في أمر غير مناسب لمرتبتهم من غير تعمد كما وقع من سيدة النساء رضي الله تعالى عنها من هجرانها خليفة رسول الله صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه وسلم حين منعها فدك من جهة الميراث ولا ذنب فيه (فواتح الرحموت)

[2] (تصفیہ مابین السنی و الشیعہ، ص: 47)

پیش کرتا ہے آپ لکھتے ہیں: قلت: كل هَذَا لَا يُفِيد شَيْئًا، بل يجب إِزَالَة هَذِه اللَّفْظَة عَن الْكتاب[1] اور علامہ مازری کا یہ قول نقل کرتے ہیں: وَقَالَ الْمَازِرِيُّ هَذَا اللَّفْظُ لَا يَلِيقُ بِالْعَبَّاسِ وَحَاشَا عَلِيًّا مِنْ ذَلِكَ **فَهُوَ سَهْوٌ مِنَ الرُّوَاةِ.**[2]

خلاصہ کلام

المختصر اس میں صائب ترین رائے یہی ہے کہ آپ نے فدک کے بارے میں سوال پوچھا تھا کہ آپ کو نہ ملنے کی وجہ کیا ہے؟ اور حضرت ابو بکر سے پوچھنا۔ فاسئلوا اھل الذکر پر عمل کرنا ہے تو کیا یہ خطا ہوتا ہے؟ یہ تو صواب ہے، مستحب ہے، بلکہ بعض صورتوں میں تو پوچھنا واجب ہوتا ہے شرعی نصوص سے آگاہی کے لیے سوال کرنا ہرگز خطا نہیں جیسا کہ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے سوال پوچھا تھا:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ مَنْ يَرِثُكَ قَالَ أَهْلِي وَوَلَدِي قَالَتْ فَمَا لِي لَا أَرِثُ أَبِي؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا نُورَثُ وَلَكِنِّي أَعُولُ مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهُ وَأُنْفِقُ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ.[3]

حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہ حضرت ابو بکر کے پاس آئیں تو ان سے دریافت کیا کہ آپ کا وارث کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا میرے گھر والے اور میری اولاد۔ آپ نے پوچھا پھر کیا وجہ ہے کہ میں اپنے والد گرامی کی وارث نہیں ہوں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی کفالت کرتے تھے ہم بھی اس کی کفالت کریں گے اور جس پر آپ خرچ کرتے تھے ہم بھی اس پر خرچ کریں گے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب مخصص بیان کیا تو سن کر سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کے مخصص ہونے پر اتفاق کر لیا، جسے فقہاء نے اجماع صحابہ لکھا۔ اجماع تب ہی ہوگا کہ سیدہ اسے تسلیم

---

1. عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ)الناشر: دار إحياء التراث العربي = بيروت ج 15ص 24
2. عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ)الناشر: دار إحياء التراث العربي = بيروت ج 25ص 42، فتح الباري ج13 ص280
3. ترمذی (1608)

کریں۔ اگر اس پر ناراض ہوں تو اجماع ہی نہیں ہوتا۔ لہذا سیدہ زہراء کے اتفاق والے موقف میں احتیاط و ادب اور ایمان کی سلامتی ہے اگر کوئی روایتوں کی عبارات کی الجھنوں میں الجھے گا تو ہر دو طرف مرضیہ کلام سے دور ہو جائے گا۔

فقہاء کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ روایت قرآن کے غیر مخصوص البعض کی تخصیص تھی یا مخصوص البعض کی تخصیص تھی۔

اہل سنت کا موقف

قضیۂ فدک میں روافض سیدہ طیبہ رضی اللہ عنہا کے مطالبہ کی روایت کو آڑ بنا کر ہمیشہ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی عدالت پر اعتراض کرتے رہے اور اہل سنت اس کا دفاع کرتے رہے کہ فدک کا فیصلہ کرتے ہوئے نہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خطا پر تھے، اور نہ ہی سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا خطا پر تھیں۔ اور نہ ہی اس کا فیصلہ کرتے ہوئے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے "خطاء اجتہادی" ہوئی، اور نہ ہی جب مانگ رہی تھیں تو سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا سے "خطاء اجتہادی" ہوئی۔ اس مسئلہ میں جب دونوں صواب پر تھے تو اس مسئلہ میں ان کے لیے خطاء اجتہادی کا قول کرنا ان کے مقام و مرتبہ کے منافی ہی نہیں بلکہ شان ارفع میں تقصیر و تنقیص ہے۔ قائل خطا کی گمراہی و ضلالت ہے جس پر آگے دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ ہر دو کے استدلال کے صواب ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع سکوتی ہے۔ اجماع صحابہ کے بعد ان کے لیے خطاء اجتہادی کا قول کرنا گمراہی ہی ہے۔

سیدہ زہراء کے متعلق دل آزار الفاظ

کرونا وبا کے ایام میں ڈاکٹر صاحب کی ویڈیو کا ایک کلپ وائرل ہوا جس میں وہ روافض کو جواب دیتے ہوئے سیدہ زہراء کے بارے میں کہہ رہے تھے:

> "روافض تم دلیل نہ بناؤ کہ معصوم تھیں تو مانگنا ہی حق کی دلیل ہے **نہیں خطا کا امکان تھا، اور خطا پر تھیں، جب مانگ رہیں تھیں خطا پر تھیں،** لیکن جب آگے سے حدیث آئی تو ان کی یہ شان ہے کہ جن کے جگر کا ٹکڑا ہیں ان کی حدیث سن کے سر تسلیم خم کر لیا"۔

جب اس گفتگو پر ہر طرف سے اہل محبت نے رنج و غم کا اظہار کرنا شروع کیا تو ان ہی دنوں ایک اور ویڈیو فروری یا مارچ 2020ء کی سامنے آئی جس میں غالبا کڑیانوالہ گجرات میں "شان مولیٰ علی سیمینار (عہد

صدیقی عہد مرتضوی کے اہم فیصلے) کے عنوان سے پروگرام رکھا اور اس میں باغ فدک کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے حضور اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان باندھتے ہوئے کہا:

> پیر مہر علی شاہ صاحب نے کہا کہ قرآن جس بارے میں ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔ لہذا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اگر یہ دلیل پیش کی تھی تو پھر بھی **معصوم نہیں تھیں غلطی ہو گئی۔ یہ انہوں نے لفظ لکھا کل میرا قول نہ بنانا کہ غلطی ہو گئی۔**

یہاں موصوف کو گفتگو کرتے ہوئے فوراً اندازہ ہو گیا تھا کہ جو لفظ میں سیدہ زہراء کے حوالے سے استعمال کر رہا ہوں یہ فکر رضا کی ترجمانی نہیں، بضعۂ رسول کے بارے میں ایسے الفاظ اس مسلک کے لوگوں کے لیے جن کا طرہء امتیاز ہی ادب ہے نامانوس ہوں گے اور میری گفتگو پر اعتراض کریں گے لہذا فوراً ان الفاظ کو حضور اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیا "**یہ انہوں نے لفظ لکھا کل میرا قول نہ بنانا کہ غلطی ہو گئی**" اس کلام کا الزام ان پر لگا دیا تا کہ اعتراض کے زد میں ان کی ذات آئے۔ لیکن اہل حق نے اس تحریف کا پردہ چاک کر دیا کہ حضور اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں "**غلطی ہو گئی**" کے الفاظ یا "خطا پر تھیں" کے الفاظ ہیں ہی نہیں، یہ قائل کی بدترین تحریف اور لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش ہے۔

دوسرا ادھو کہ یہ دیکھیں کہ سیمینار کا موضوع ہے "شان مولیٰ علی" اور اس میں اہلبیت کے فضائل کے بجائے ان کی زوجہ بضعۂ رسول کی غلطیاں بیان کی جارہی تھیں۔ یہ وطیرہ بنتا جارہا ہے کہ اہل بیت سے محبت کرنے والوں کو شان و محبت اہل بیت کے نام سے جمع کر کے ان کی فضیلت کے بجائے ان کی تقصیر و تنقیص شروع کر دی جاتی ہے۔ العیاذ باللہ

عذر گناہ بدتر از گناہ

ڈاکٹر صاحب نے اپنی گفتگو میں لغزش اور اس کے دفاع میں مزید خطائیں کیں۔ تصفیہ کی عبارت سمجھنے میں ٹھوکر لگی تو سنبھلنے کے بجائے مسلسل ٹھوکریں ہی کھاتے رہے، پہلے نعوذ باللہ بضعۂ رسول کو چیختے ہوئے تکرار کے ساتھ "خطا پر تھیں" کہا اور ان کے لیے کہا کہ ان سے "غلطی ہو گئی"۔

امکان کو وقوع سمجھا، اور قضیہ فرضیہ کو حقیقیہ سمجھا، پھر ماضی میں ان کے لیے جو امکان تھا اس کا وقوع ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا۔

پھر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا کلام "ھذا ربی" کو سمجھنے میں ٹھوکر کھائی۔

پھر نور مجسم، سرکار دوعالم کے کلام "اجرمنا" کو سمجھنے میں مزید ٹھوکر کھائی۔

پھر اپنے کلام کے دفاع میں انبیاء علیہم السلام کی طرف منسوب اجتہادی خطائیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عوام کو بتائیں۔

پھر سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کی طرف ذنب کی نسبت کرنا بھی اپنے لیے جائز سمجھا۔

بلکہ آخرکار آپ رضی اللہ عنہا کے لیے مطلق خطا کی نسبت کو بھی درست سمجھا۔

کلُّ بنی آدم خَطَّاءٌ سے استدلال میں بھی ٹھوکر کھائی، کہ بنی آدم کے ہر فرد کو من مانی کرتے ہوئے کسی بھی معاملے میں خطا پر کہا جاسکتا ہے۔

اور جو ٹھوکریں موصوف کے وکلاء نے ان کے دفاع میں کھائی ہیں، اس پر ایک الگ مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ مثلاً اپنے ساتھ بٹھا کر ایک شخص سے دفاع کروایا اور اس نے یہاں تک کہہ دیا کہ سیدہ پاک کے لیے موصوف کا کلام ضروری تھا کیونکہ روافض کے عقیدہ کے رد کے لیے سخت لفظ بولنے ضروری تھے جیسا کہ بنی اسرائیل نے گائے کو معبود بنایا تو اسے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ان کے عقیدہ کے رد کے لیے گائے کا ذبح کرنا ضروری تھا۔ ملخص۔ اور ہندوستاں میں گائے کے ذبح کرنے کی پابندی کے حوالے سے اعلیٰ حضرت نے لکھا کہ گائے کی قربانی کرنا شعائر اسلام ہے۔ لہٰذا ضرور کی جائے گی، تو روافض کے رد کے لیے سیدہ پاک کے لیے بھی سخت لفظ بولنے ضروری تھے۔ (العیاذ باللہ)

اس کے علاوہ بھی بہت سی ٹھوکریں کھائیں اگر ان سب کا ذکر اور اس پر کلام کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی کہ غلطی پر تنبیہ کرنے والے اپنے ہی اساتذہ اپنے پیر زادوں، علماء، مشائخ اور سادات کے لیے جس قسم کی زبان اور القابات کی یلغار کی اور اس سے جو خرابیاں لازم آرہی ہیں اور سادات کو گالم گلوچ کا جو سلسلہ شروع کیا اس سے کیا لازم آتا ہے؟ اور اس میں فکر رضا اور فتویٰ رضا کیا ہے؟ اگر ان سب پر گفتگو کی جائے تو تحریر اصل موضوع سے ہٹ جائے گی۔

ڈاکٹر صاحب کی گفتگو پر بہت سے علماء کی تقاریر و تحاریر اور اس پر فتاویٰ بھی موجود ہیں۔ آغاز میں فقیر نے بھی اصلاح اور رجوع کا ایک ویڈیو پیغام دیا تھا وہ بھی موجود ہے۔ ان پر تفصیلی گفتگو کے بجائے اجمالی ذکر کر کے موصوف نے جو مطلق خطا و غلطی کی نسبت کر کے خطاء اجتہادی کی آڑ لی ہے، اور اس کی تبلیغ شروع کر رکھی ہے، اور بہت سے لوگ فدک کے بارے میں زہراء پاک کے سوال کرنے پر ان کے لیے خطاء اجتہادی کے قول

کو درست سمجھ رہے ہیں، اس کو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ سیدہ پاک کے عموم قرآن سے استدلال کو خطاء اجتہادی سمجھنے میں بھی ڈاکٹر صاحب نے ٹھوکر ہی کھائی ہے۔

بر سر ممبر درشت لہجے میں بالتکرار، زور دے کر خطا اور غلطی کی نسبت

ڈاکٹر صاحب نے جن الفاظ اور لب و لہجہ میں زور دے دے کر گفتگو کی ہے یہ کسی عام شخص کی بہن بیٹی کے متعلق بھی ہو تو اس کے لیے اذیت و تکلیف کا باعث ہوتی ہے، اور وہ اسے اپنی اور اپنے خاندان کی توہین و بے ادبی ہی سمجھتا ہے۔ کہاں بضعۂ رسول جیسی کائنات کی افضل ترین خاتون کے بارے میں یہ کلام کرنا۔

توہین میں صرف الفاظ کا ہی اعتبار نہیں ہوتا بلکہ لب و لہجہ اور انداز بیان کی تلخی بھی توہین پر دلالت کرتی ہے [1]۔ بلکہ نگاہوں سے گھورنا بھی توہین و بے ادبی کے زمرے میں آتا ہے۔ لہجہ اور الفاظ کے استعمال میں مراتب کا لحاظ کرنا بھی ضروری ہے ہر وہ لفظ و لہجہ جو اپنے بچوں کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، وہ والدین کے لیے استعمال کرنے کی اجازت نہیں۔ جو شاگردوں کے لیے استعمال کر سکتے ہیں، وہ اساتذہ کے لیے نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو لہجہ والفاظ عام لوگوں کے لیے استعمال کرنا درست ہے، وہ مقدس ہستیوں کے لیے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں۔ یہ ان کی نہ صرف توہین شمار ہوتی ہے بلکہ بعض کے لئے یہ عمل صریح کفر تک پہنچا دیتا ہے۔

مثلا: استاد اپنے شاگرد، والدین اپنی اولاد کو زجر و تادیب کر سکتے ہیں لیکن عکس میں یہ توہین شمار ہوتی ہے۔ خاص طور پر اولاد کو تو کسی صورت بھی اپنے والدین کو زجر و تادیب کرنے کی اجازت نہیں چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے: "إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِندَكَ الْكِبَرَ أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُل لَّهُمَا أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُل لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا" [2] اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے ہُوں (اف)، نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا۔

یعنی بڑھاپے میں ماں باپ کے مزاج میں تلخی پیدا ہو جائے اور وہ جھڑک بھی دیں تو ان کی بات پر اف تک نہ کہنا۔ نہ ان کے سامنے چیخ کر بات کرنا، انہیں جھڑکنا نہیں ان کے لیے وہ الفاظ استعمال کرنا اور ایسے انداز سے کرنا جس میں ان کی تعظیم ہو۔ اس کے خلاف کرنے سے اللہ تعالیٰ نے منع فرما دیا۔

---

[1] أن للحالة من الدلالة كما للمقالة (اصول بزدوی 1 ص 268)

[2] 23 بنی اسرائیل

مفسرین اور ائمہ کرام نے اس آیت کریمہ سے جو استنباط کیا اور مسائل بیان کئے چند ایک درج ذیل ہیں۔

علامہ ابو اسحاق احمد بن محمد بن ابراھیم الثعلبی (المتوفی:427ھ) لکھتے ہیں:

وقال عطاء: لا تُسَمِّهِما ولا تُكَنِّهِما وقل لهما: يا أبتاه ويا أماه.[1]

اور عطاء نے فرمایا ہے کہ ان کے نام لے کر اور کنیت سے خطاب نہ کرو، بلکہ انھیں اے ابا جان اور اے امی جان کہہ کر بات کرو، یعنی ان کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ ان کے نام لے کر انہیں بلایا بھی نہ جائے۔

علامہ شہاب الدین، احمد بن یوسف بن عبد الدائم المعروف بالسمین الحلبی (المتوفی:756ھ) لکھتے ہیں:

{وَلاَ تَنْهَرْهُمَا}، أي: لا تَزْجُرْهما، والنَّهْرُ: الزَّجْرُ بِصياحٍ وغِلْظة/ وأصلُه الظهورُ، ومنه "النَّهْر" لظهوره. وقال الزمخشري: "النَّهْيُ والنَّهْرُ والنَّهْمُ أخَواتٌ".[2]

{وَلاَ تَنْهَرْهُمَا} یعنی تم انہیں مت جھڑکو (ڈانٹو) اور "النَّهْرُ" جھڑکنا ہے اونچی آواز اور سخت الفاظ سے اور اصل اس کا ظہور ہے ان میں سے نہر (جھڑکنا) اس کے ظہور کے لیے ہے اور زمخشری نے کہا ہے النَّهْيُ (منع کرنا) اور النَّهْرُ (جھڑکنا) اور النَّهْمُ (ڈانٹنا) اخوات ہیں۔

علامہ ابو الحسن برھان الدین البقاعی (المتوفی:885ھ) لکھتے ہیں:

{وقل لهما} أي بدل النهر وغيره {قولاً كريماً} أي حسناً جميلاً يرضاه الله ورسوله مع ما يظهر فيه من اللين والرقة والشفقة وجبر الخاطر وبسط النفس، كما يَقْتَضِيهِ حُسْنُ الأَدَب وجميل المرؤة، ومن ذلك أنك لا تدعوهما بأسمائهما، بل بيا أبتاه ويا أمتاه وَحَقِيقَته أَنه كلمة تقال عِنْد الضجر من الشَّيْء واستثقاله.[3]

جھڑکنے وغیرہ کے بجائے ان کے لیے {قولاً كريماً} کرو، یعنی حسین و جمیل بات جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہو جس میں نرمی اور رقت اور شفقت اور طیب خاطر اور خوشدلی ظاہر ہو۔

---

[1] الكشف والبيان عن تفسير القرآن المؤلف: أحمد بن محمد بن إبراهيم الثعلبي، أبو إسحاق (المتوفى: 427هـ)

[2] الدر المصون في علوم الكتاب المكنون المؤلف: أبو العباس، شهاب الدين، أحمد بن يوسف بن عبد الدائم المعروف بالسمين الحلبي (المتوفى: 756هـ)، ج 7 ص 342

[3] نظم الدرر في تناسب الآيات والسور المؤلف: الإمام برهان الدين أبو الحسن إبراهيم بن عمر البقاعي دار النشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: الثانية 1424هـ ج 4 ص 589

جیسا کہ حسن ادب اور مروت کا تقاضا ہے اس وجہ سے تم انہیں ان کے ناموں سے پکارنے کے بجائے اے ابا جان اور اے امی جان کہہ کر پکارو۔ اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ وہ کلمہ ہے جو تنگی (قلق) و بوجھ کے وقت بولا جاتا ہے۔

علامہ ابو جعفر محمد بن جریر الآملی، الطبری (المتوفی:310ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"أُفٍّ"، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: مَعْنَاهُ: كُلُّ مَا غَلُظَ مِنَ الْكَلَامِ وَقَبُحَ[1]

"اف" کے بارے میں بعض علماء نے فرمایا ہے اس سے مراد ہر وہ لفظ ہے جو کلام میں سخت ہو اور قبیح ہو۔

امام فخر الدین الرازی خطیب الری (المتوفی:606ھ) لکھتے ہیں:

قُلْنَا: الْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهِ: فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ الْمَنْعُ مِنْ إِظْهَارِ الضَّجَرِ بِالْقَلِيلِ أَوِ الْكَثِيرِ، وَالْمُرَادُ مِنْ قَوْلِهِ :وَلَا تَنْهَرْهُمَا الْمَنْعُ مِنْ إِظْهَارِ الْمُخَالَفَةِ فِي الْقَوْلِ عَلَى سَبِيلِ الرَّدِّ عَلَيْهِ وَالتَّكْذِيبِ لَهُ.[2]

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ" سے قلیل یا کثیر ناراضگی کا اظہار مراد ہے اور "وَلَا تَنْهَرْهُمَا" سے مراد ان کی بات کی مخالفت کا اظہار کرنا منع ہے ان کا رد اور ان کی تکذیب کرتے ہوئے۔

یعنی ماں باپ کی کسی بات کا رد کرنے اور ان کی تکذیب کرنے کے لیے **"ان کی مخالفت کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے"**۔

محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد اللہ الحسنی الحسینی الإیجی الشافعی (المتوفی:905ھ) لکھتے ہیں:

﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾: لا تزجرهما، ﴿وَقُلْ لَهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا﴾، جميلاً بتأدب وتوقير،[3]

ان دونوں کو زجر نہ کرو اور ان سے قول کریم یعنی اچھی بات ادب و توقیر کے ساتھ کرو۔

---

1 تفسير الطبري ـ جامع البيان عن تأويل آي القرآن المؤلف: محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310هـ) الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان الطبعة: (الأولى، 1422هـ) ج 15 ص 545

2 مفاتيح الغيب ـ التفسير الكبير المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة: (الثالثة = 1420هـ) ج 20 ص 326

3 تفسير الإيجي جامع البيان في تفسير القرآن المؤلف: محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله الحسني الحسيني الإِيجي الشافعيّ (المتوفى: 905هـ) دار النشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: (الأولى، 1424هـ) ج 2 ص 384

ابو السُّعود العمادی محمد بن محمد بن مصطفیٰ (المتوفی:982ھ) لکھتے ہیں:

أن لا ترفعَ صوتَك عليهما ولا تنظُرَإليهما شَزْراً ولا يَرَيا منك مخالفةً في ظاهرٍ ولا باطن.[1]
کہ تو ان دونوں سے اونچی آواز میں بات نہ کر اور تو ان کی طرف غضب ناک نگاہوں سے نہ دیکھ اور تجھ سے ظاہر و باطن میں وہ مخالفت نہ دیکھیں۔

ان کی بارگاہ میں اونچی آواز میں بات کرنا اور ان کی طرف غصے سے دیکھنا بھی ان کی بے ادبی شمار ہوگی۔

امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراھیم السمرقندی (المتوفی:373ھ) لکھتے ہیں:

وَلا تَنْهَرْهُما يقول: لا تغلظ عليهما بالقول وَقُلْ لَهُما قَوْلًا كَرِيماً أي ليناً حسناً.[2]
ان سے سخت قول نہ کرو اور ان سے قول کریم کرو یعنی نرم اچھا۔ یعنی ان سے سخت بات کرنا بھی بے ادبی ہے۔

علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی نیشاپوری (المتوفی:850ھ) لکھتے ہیں:

وَلا تَنْهَرْهُما والنهر والنهي أخوان يقال: نهره وانتهره وإذا استقبله بكلام يزجره. وَقُلْ لَهُما بدل التأفيف والنهر قَوْلًا كَرِيماً جميلا مشتملا على حسن الأدب ورعاية دقائق المروة والحياء والاحتشام. وقال عمر بن الخطاب القول الكريم أن يقول له: "يا أبتاه" "يا أماه" دون أن يسميهما باسمهما.[3]
انہیں نہ جھڑکو اور "النھر" جھڑکنا اور "النھی" روکنا اخوان ہیں۔ کہا جاتا ہے "نھرہ وانتھرہ" جب کسی کے ساتھ جھڑک کر کلام کیا جائے۔ اور ان سے تافیف اور جھڑکنے کے بجائے نرم اور جمیل کلام کرو جو حسن ادب پر مشتمل ہو اور ان کے بارے مروت و حیاء اور شان و شوکت کی باریکیوں کی رعایت ہو۔ اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ "قول کریم" ان کے نام سے بلانے کے بجائے اے ابا جان اور اے اماں جان کہہ کر بلانا ہے۔

---

1 تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم المؤلف: أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفى: 982ھ) دار إحياء التراث العربي – بيروت ج 5 ص 166

2 بحر العلوم المؤلف: أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى: 373ھ) دار النشر: دار الفكر – بيروت ج 2 ص 307

3 غرائب القرآن ورغائب الفرقان المؤلف: نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمي النيسابوري (المتوفى: 850ھ) الناشر: دار الكتب العلميه – بيروت الطبعة: الأولى = 1416ھ ج 4 ص 341

ڈاکٹر وھبۃ بن مصطفی الزحیلی لکھتے ہیں:

والفرق بين النهي عن التأفف والنهي عن الانتهار: أن الأول للمنع من إظهار الضجر بالقليل أو الكثير، وأن الثاني للمنع من إظهار المخالفة في القول، بالرد أو التكذيب.[1]

اف سے ممانعت اور جھڑکنے سے ممانعت میں فرق ہے۔ پہلی سے مراد یہ ہے کہ ناپسندیدگی (بے چینی) کا اظہار کرنا منع ہے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور دوسری سے مراد یہ ہے کہ قول میں ان کی بات کو رد کرنے کے لیے یا ان کی تکذیب کے لیے ان کی مخالفت کا اظہار کرنا منع ہے۔

امام سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ "التأفف" کی ممانعت اور "الانتهار" کی ممانعت میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

المراد من قوله تعالى فلا تقل لهما أف المنع من إظهار الضجر القليل والكثير والمراد من قوله سبحانه ولا تنهرهما المنع من إظهار المخالفة في القول على سبيل الرد عليهما والتكذيب لهما.[2]

اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولا تقل لهما أف" سے مراد یہ ہے کہ ناپسندیدگی (بے چینی) کا اظہار کرنا منع ہے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ۔ اور اللہ تعالی کے فرمان "ولا تنهرهما" سے مراد یہ ہے کہ قول میں ان کی بات کو رد کرنے کے لیے یا ان کی تکذیب کے لیے ان کی مخالفت کا اظہار کرنا منع ہے۔

امام ابو منصور محمد بن محمد بن محمود، الماتریدی (المتوفی: 333ھ) اس کے تفسیر میں لکھتے ہیں:

قَالَ بَعْضُهُمْ: قوله: ﴿فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ﴾: هو كناية عن إظهار الكراهة لهما في الوجه، ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾، أي: لا تُعنفهما في القول والكلام على ما لم يفعلا هما بك. وقَالَ بَعْضُهُمْ: ﴿أُفٍّ﴾ المراد به: هو ﴿أُفٍّ﴾ لا غير، ﴿وَلَا تَنْهَرْهُمَا﴾، أي: لا تعنفهما،[3]

---

1 التفسير المنير في العقيدة والشر يعة والمنهج المؤلف: دٌ وهبة بن مصطفى الزحيلي الناشر : دار الفكر المعاصر – دمشق الطبعة : (الثانية، 1418ھ) ج 15 ص 55

2 روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270ھ) المحقق: علي عبد الباري عطية الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: (الأولى، 1415ھ) ج 8 ص 55

3 تفسير الماتريدي (تأويلات أهل السنة) المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (المتوفى: 333ھ) الناشر: دار الكتب العلمية = بيروت، لبنان الطبعة: الأولى، 1426ھ ج 7 ص 28

بعض علماء نے فرمایاہے کہ "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ": یہ ان کے سامنے ناپسندیدگی کا اظہار کرنے کے لیے بطور کنایہ ہے۔ اور (وَلَا تَنْهَرْهُمَا)، یعنی انہیں قول اور کلام میں سرزنش نہ کرو اس پر جو انہوں نے تیرے ساتھ نہیں کیا۔ اور بعض نے فرمایا کہ "أُفٍّ" سے مراد بھی یہی لفظ "أُفٍّ" ہے اس کے علاہ کچھ نہیں اور، "وَلَا تَنْهَرْهُمَا" یعنی اس پر شدت و سختی نہ کرو (ملامت و سرزنش نہ کرو)۔

آپ اس کی تفسیر میں امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ایک دلیل کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں:

فإن كان تأويل قوله: (أُفٍّ) (أُفٍّ) لا غير، ففيه حجة لأبي حنيفة رحمه الله في قوله: إذا نفخ المصلي في موضع سجوده، فهو كلام يَقطَعُ صلاتَه؛ حيث قال (فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ)، أي: لا تتكلم به، والله أعلم[1]

اگر (أُفٍّ) سے مراد (أُفٍّ) ہی ہو اس کے علاوہ کچھ نہ ہو تو اس میں امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول کی دلیل ہے: جب نمازی سجدے کے مقام پر پھونک مارے تو یہ کلام کرنا ہے جو اس کی نماز کو توڑ دے گا۔

اس سے پتہ چلا کہ لہجے کی سختی کی ہی ممانعت نہیں، بلکہ جوابا پھونکارنے کی بھی ممانعت ہے۔

خلاصہ کلام: علماء کی تصریحات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ماں باپ کے ساتھ سخت کلامی، لہجے کی سختی، ان کی بات کا رد، چہرے پر ناگواری اور ہر وہ بات جو والدین کی ادنیٰ سی اذیت ودل آزاری کا باعث بنتی ہو اس انداز و کلام سے منع کیا گیا ہے، اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس سے رب تعالیٰ کے فرمان "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا" کی ممانعت کے خلاف عمل کرنا لازم آتا ہے جو کہ ناجائز ہے۔

والدین کا ادب واحترام کرنے اور توہین وایذا سے بچنے کا حکم صرف مومن والدین کے لیے ہی نہیں بلکہ غیر مسلم والدین کو بھی شامل ہے۔ اس کے حوالے سے صریح حکم موجود ہے رب تعالیٰ نے سورۃ لقمان میں فرمایا:

وَإِنْ جَاهَدَاكَ عَلَى أَنْ تُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا[2]

---

1 تفسير الماتريدي (تأويلات أهل السنة) المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (المتوفى: 333هـ) الناشر: دار الكتب العلمية = بيروت، لبنان الطبعة: (الأولى، 1426هـ) ج 7 ص 29

2 سورة لقمان 15

اور اگر وہ دونوں تجھ سے کوشش کریں کہ میرا شریک ٹھہرائے ایسی چیز کو جس کا تجھے علم نہیں تو ان کا کہنا نہ مان اور دنیا میں اچھی طرح ان کا ساتھ دے۔

سورۃ العنکبوت میں فرمایا:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حُسْنًا وَإِن جَاهَدَاكَ لِتُشْرِكَ بِي مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا[1]

اور ہم نے آدمی کو تاکید کی اپنے ماں باپ کے ساتھ بھلائی کی اور اگر تو وہ تجھ سے کوشش کریں کہ تو میرا شریک ٹھہرائے جس کا تجھے علم نہیں تو تو ان کا کہنا نہ مان۔

یعنی ایسے والدین جو صرف خود ہی کافر نہ ہوں، بلکہ اولاد کو بھی کفر کا ارتکاب کرنے کا کہیں تو اس کفر میں تو ان کی اطاعت نہیں کرنی لیکن ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا پھر بھی ترک نہیں کرنا، اور بطور والدین ان کے جو تم پر حقوق ہیں ان کو ضرور ادا کرتے رہنا ہے۔

امام فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

اتَّفَقَ أَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ عَلَى أَنَّهُ يَجِبُ تَعْظِيمُ الْوَالِدَيْنِ وَإِنْ كَانَا كَافِرَيْنِ،[2]

اکثر علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اگر والدین کافر بھی ہوں تو پھر بھی ان کی تعظیم واجب ہے۔

علامہ القاضی محمد ثناء اللہ الھندی المظھری (م: 1225ھ) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الأف معناه القلة يعنى لا تقل لهما كلمة تدل على ادنى كراهة فيحرم بذلك سائر انواع الإيذاء بدلالة النص بالطريق الاولى[3]

اف کا معنی کمی ہے یعنی ان سے ایسا کلمہ نہ کہو جس میں ادنیٰ درجہ کی بھی ناپسندیدگی ہو، دلالۃ النص سے بطریق اولیٰ اس سے تمام انواع کی ایذاء حرام ہو جاتی ہیں۔

---

1 سورة العنكبوت 8

2 مفاتيح الغيب ـ التفسير الكبير المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606ه) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة: (الثالثة = 1420ه)ج 3ص 586

3 التفسير المظهري المؤلف: القاضي مولوي محمد ثناء الله الهندي الفاني فتي النقشبندى الحنفي العثماني المظهري(م: 1225ه) الناشر: مكتبة الرشدية – الباكستان الطبعة: 1412ه)ج 5ص 431

تو واضح ہو گیا جو الفاظ و لہجہ عام لوگوں اور والدین کا اولاد کے لئے جائز ہے، لیکن وہی الفاظ و لہجہ اولاد کا والدین کے لئے سخت بے ادبی و توہین کے زمرے میں آتا ہے۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والے کے لئے شارع کی طرف سے سخت سزا کی وعید ہے۔

اسی طرح خود سرکار دو عالم ﷺ کی بارگاہ میں بعض وہ الفاظ جو ایک دوسرے کے لیے بولنا تو جائز ہیں آپ ﷺ کے لیے استعمال کرنا ایمان کی بربادی ہے اور اسی طرح لہجہ کا غلط چناؤ بھی ایمان کو برباد کر دیتا ہے۔ قرآن پاک میں رسول اللہ ﷺ کی آواز پر کسی کا اپنی آواز کو بلند کرنا بھی آپ ﷺ کی توہین شمار کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی آواز پر اپنی آواز بلند کرنا

رسول اللہ ﷺ کی آواز پر کسی دوسرے کا اپنی آواز کو بلند کرنا بھی جرم ہے چہ جائیکہ لہجے میں تلخی بھی ہو، دیکھنے میں تو شاید یہ معمولی نظر آتا ہو مگر عند اللہ اتنا بڑا اور سنگین جرم ہے کہ رب تعالیٰ تنبیہ فرما رہا ہے کہ ایسا کرنے والے کے اعمال برباد ہو جائیں گے اور اس کو احساس تک نہ ہو گا اور یہ جرم ساری زندگی کے اعمالِ صالحہ اکارت کر دے گا۔ اللہ عَزَّوَجَلَّ کا ارشاد ہے:

> یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ[1]
>
> اے ایمان والو اپنی آوازیں اونچی نہ کرو اس غیب بتانے والے (نبی) کی آواز سے اور ان کے حضور بات چلّا کر نہ کہو جیسے آپس میں ایک دوسرے کے سامنے چلّاتے ہو کہ کہیں تمہارے عمل اکارت نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو۔

اس آیت مبارکہ میں جہاں مسلمانوں کو صراحت کے ساتھ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں بے ادبی کے ساتھ آواز اونچی کرنے کو اعمال حسنہ کے اکارت ہونے (یعنی کفر) کا موجب قرار دیا وہیں اس انداز سے بھی منع فرما دیا جو عام انسان کے ساتھ بات چیت میں اختیار کیا جاتا ہے کیونکہ اس سے سب کیے دھرے پر پانی پھر جائے گا اور اپنی نیکیوں سے بھی محروم ہو جائیں گے۔

1 الحجرات آیت 2

اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بارگاہ رسالت کے ادب کا یہ حال تھا کہ ترمذی شریف میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: فنزلت هذه الآية {يا أيها الذين آمنوا لا ترفعوا أصواتكم فوق صوت النبي} فكان عمر بن الخطاب بعد ذلك إذا تكلم عند النبي صلى الله عليه و سلم لم يسمع كلامه حتى يستفهمه[1] یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اتنی دھیمی آواز میں بات کرتے کہ سنائی نہ دیتی سامع کو ان سے پوچھنا پڑتا۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد آپ کے مزار پُر انوار کے پاس بھی کسی کو اونچی آواز میں بولنے کی اجازت نہیں دیتے تھے مسلم شریف میں حدیث پاک ہے:

حَدَّثَنِى النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ رَجُلٌ مَا أُبَالِى أَنْ لاَ أَعْمَلَ عَمَلاً بَعْدَ الإِسْلاَمِ إِلاَّ أَنْ أُسْقِىَ الْحَاجَّ. وَقَالَ آخَرُ مَا أُبَالِى أَنْ لاَ أَعْمَلَ عَمَلاً بَعْدَ الإِسْلاَمِ إِلاَّ أَنْ أَعْمُرَ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ. وَقَالَ آخَرُ الْجِهَادُ فِى سَبِيلِ اللهِ أَفْضَلُ مِمَّا قُلْتُمْ. فَزَجَرَهُمْ عُمَرُ وَقَالَ لاَ تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ عِنْدَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم.[2]

حضرت نعمان بن بشیر فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس تھا کہ ایک شخص نے کہا کہ میں اسلام لانے کے بعد صرف حاجیوں کو پانی پلاؤں اور کوئی دوسرا عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، دوسرے نے کہا میں اسلام لانے کے بعد صرف مسجد حرام کو آباد کروں اس کے علاوہ کوئی دوسرا عمل نہ کروں تو مجھے کوئی پرواہ نہیں، تیسرے نے کہا جو تم نے کہا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا اس سے افضل ہے، اس پر حضرت عمر نے انھیں زجر فرمایا کہ منبر رسول کے پاس اپنی آواز اونچی نہ کرو۔

یعنی صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہونے پر ہی یہ احتیاط ضروری نہیں، بلکہ احتیاط کا عالم یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آپس میں بھی اونچی بات کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔

عبادات و معاملات کی کوتاہی جرم تو ہے مگر یہ جرم نیک عملوں کو نقصان نہیں پہنچاتا وہ اپنی جگہ باقی رہتے ہیں، مگر وہ جرم جس کے ذریعے شانِ مصطفیٰ صلی اللہ علی حبیبہ وسلم میں کمی آتی ہو وہ تمام اعمال کو اکارت کر

---

1 الجامع الصحيح سنن الترمذي المؤلف: محمد بن عيسى أبو عيسى الترمذي السلمي الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت

2 الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري النيسابوري الناشر: دار الجيل بيروت + دار الأفاق الجديدة – بيروت

دیتا ہے اور عمل تب ہی اکارت ہوتے ہیں جب جرم شدید نوعیت کا ہو جس کی وجہ سے ایمان ختم ہو جاتا ہے اور انسان کافر ہو جاتا ہو۔ جیسا کہ رب کریم کا ارشاد ہے:

وَ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ [1]

اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا (عمل) اکارت گیا دنیا میں اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا۔

یعنی جو مرتد و کافر ہوتا ہے اس کے نیک اعمال اکارت ہو جاتے ہیں اور ایسا شخص ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ صرف صراحتاً دین سے پھرنے سے ہی انسان کافر نہیں ہوتا بلکہ کوئی بھی کلمہ کفر ادا کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کو آپس میں ایک دوسرے کو پکارنے جیسا پکارنے کی ممانعت

رب کریم کا ارشاد پاک ہے:

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ یَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ [2]

رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے بیشک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے (سے) نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر تو ڈریں، وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے یا اُن پر دردناک عذاب پڑے۔

جامع البیان میں علامہ طبری نقل کرتے ہیں:

وقال مجاهد والقتادة معنى الاية لا تجعلوا دعاءكم الرسول كدعاء بعضكم بعضا يعنى لا تدعوه باسمه كما يدعو بعضكم بعضا ولكن فخموه وشرفوه [3]

---

1 البقرۃ آیت 217

2 النور آیت 63

3 جامع البيان في تأويل القرآن المؤلف: محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310ھ) المحقق: أحمد محمد شاكر الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، 1420ھ 2000م

حضرت مجاہد اور قتادہ نے فرمایا کہ آیت کا معنی ہے تم رسول کو پکارنا آپس میں ایک دوسرے کے پکارنے جیسا نہ ٹھہراؤ یعنی انہیں ان کے اسم مبارک سے نہ پکارو جیسا تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو بلکہ ان کی عظمت و شرف کے ساتھ پکارو۔

بحر العلوم میں امام ابو اللیث نصر بن محمد بن احمد بن ابراھیم السمرقندی (المتوفی: 373ھ) نقل کرتے ہیں:

ثم قال عزوجل: لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ يعني: لا تدعوا محمدا باسمه صلّى الله عليه وسلّم كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضاً ولكن وقّروه وعظموه، وقولوا: يا رسول الله، ويا نبي الله، ويا أبا القاسم[1]

پھر اللہ جل جلالہ نے فرمایا رسول اللہ کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو، یعنی تم نہ بلاؤ محمد ﷺ کو ان کے نام سے جیسا کہ تم ایک دوسرے کو ناموں سے بلاتے ہو۔ بلکہ تعظیم و توقیر کے ساتھ بلاؤ اور کہو یا رسول اللہ، ویا نبی اللہ، ویا أبا القاسم[2]

تاجدارِ عرب و عجم ﷺ سے جب گفتگو کی جائے تو مخاطب کرتے ہوئے وہ انداز اپنانے کی بھی ممانعت ہے جو آپ کی شان کے خلاف ہو بلکہ ادب و تکریم اور توقیر و تعظیم کے ساتھ آپ کے معظم القاب سے، نرم آواز کے ساتھ، متواضعانہ و منکسرانہ لہجہ میں یا حبیب اللہ، یا نبی اللہ، یارسول اللہ کہنا چاہیے۔

بلکہ بعض علماء نے تو وہ دعا جس میں خود آپ نے اپنے نام سے پکارنے کی تعلیم ارشاد فرمائی ہے وہ اس میں بھی یا محمد کہنے کے بجائے یارسول اللہ کہنے کی تعلیم دیتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت لکھتے ہیں:

جسے اس کا مالک و مولیٰ تبارک و تعالیٰ نام لے کر نہ پکارے (تو) غلام کی کیا مجال کہ (وہ) راہ ادب سے تجاوز کرے، بلکہ امام زین الدین مراغی وغیرہ محققین نے فرمایا: اگر یہ لفظ کسی دعا میں وارد ہو جو خود نبی ﷺ

---

1 بحر العلوم المؤلف: أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندي (المتوفى: 373ھ)

2 اس میں مفسرین نے تین تراکیب کی ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد دعاء رسول ہو۔ کہ نبی کی دعا مراد ہو گی ان کی دعا کو تم آپس میں ایک دوسرے کی دعا جیسا نہ ٹھراؤ کیونکہ نبی کی دعائیں مستجاب ہیں۔ دوسری جب دعا کی اضافت فاعل کی طرف ہو کہ جب نبی تمھیں بلائیں تو ان کے بلانے کو آپس میں ایک دوسرے کے بلانے جیسا نہ ٹھرالو۔ فوراً جواب دو، تیسری اضافت مفعول کی طرف ہو۔ وقال بعضهم المصدر مضاف الى المفعول والمعنى لا تجعلوا نداءكم إياه وتسميتكم له كنداء بعضكم بعضا باسمه مثل يا محمد ويا ابن عبد الله ورفع الصوت به والنداء وراء الحجرة ولكن بلقبه المعظم مثل يا نبي الله ويا رسول الله كما قال تعالى ﴿يا أَيُّهَا النَّبِيُّ يا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾
بعض نے کہا کہ مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہو تو اس کا معنی ہو گا تم ان کو پکارنے میں اور ان کا نام لینے میں آپس میں ایک دوسرے کا نام لینے جیسا نہ ٹھراؤ جیسا کہ اے محمد یا اے عبد اللہ کے بیٹے اور ان پر آواز کے بلند کرنے میں اور حجروں کے باہر سے آواز دینے میں۔ بلکہ اعلیٰ القابات سے بلاؤ جیسا کہ یا نبی اللہ و یا رسول اللہ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿یا أَيُّهَا النَّبِيُّ يا أَيُّهَا الرَّسُولُ﴾

نے تعلیم فرمائی (ہو) جیسے دعا ''یا مُحَمَّدُ اِنِّی تَوَجَّھْتُ بِكَ اِلٰی رَبِّیْ'' تاہم اس کی جگہ ''یَا رَسُوْلَ اللهُ، یَا نَبِیَّ اللهُ'' کہنا چاہیے، حالانکہ الفاظِ دعا میں حتی الوسع تغییر نہیں کی جاتی۔ یہ مسئلہ مہمہ (یعنی اہم ترین مسئلہ) جس سے اکثر اہل زمانہ غافل ہیں نہایت واجب الحفظ ہے۔[1]

رسول اللہ ﷺ کے لیے ذو معنیٰ لفظ (راعنا) بولنے کی ممانعت

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ[2]

اے ایمان والو "راعنا" نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔

علامہ شہاب الدین سیّد محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی میں اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

"أَنَّ الیَهُوْدَ كَانُوا يَقُوْلُوْنَ ذٰلِكَ سِرّاً لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَبٌّ قَبِيْحٌ بِلِسَانِهِمْ، فَلَمَّا سَمِعُوْا أَصْحَابُهُ رَضِى اللهُ عَنهُم يَقُولُونَ أَعْلَنُوا بهَا فَكَانُوا يَقُولُونَ ذٰلِكَ وَيضْحَكُونَ فِيمَا بَينَهُم، فأَنزَلَ اللهُ تَعَالٰى هٰذِهِ الآيَةَ".[3]

بیشک یہودی چھپ کر رسول اللہ ﷺ کے لیے یہ لفظ بولا کرتے تھے اور ان کی زبان میں یہ قبیح گالی تھی اور جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ لفظ سن کر اعلانیہ استعمال کرنا شروع کر دیا۔ تو (یہودی) آپس میں ہنستے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ایک اور روایت میں آتا ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے کہ:

"رُوِیَ أَنَّ سَعْدَ بْنَ عَبَادَةَ سَمِعَهَا مِنْهُمْ فَقَالَ: يَا أَعْدَاءَ اللهِ عَلَيْكُمْ لَعْنَةُ اللهِ وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ لَئِنْ سَمِعْتُهَا مِنْ رَجُلٍ مِنْكُمْ يَقُولُهَا لِرَسُولِ اللهِ لَأَضْرِبَنَّ عُنُقَهُ".[4]

---

1 فتاوی رضویہ، ج 30 ص 157 تا 158، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

2 البقرۃ آیت 104

3 روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270ھ) مکتبہ حقانیہ ملتان، ج 1 ص 348،

4 روح المعاني /تفسیر آلوسی، مکتبہ حقانیہ ملتان، ج 1 ص 348،

روایت کیا گیا ہے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ[1] نے جب ان سے سنا تو کہا اے اللہ کے دشمنو! تم پر اللہ کی لعنت ہو اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر میں نے تم میں سے کسی شخص کو رسول اللہ کے لیے یہ لفظ بولتے ہوئے سنا تو اس کی گردن مار دوں گا (قتل کر دوں گا)۔

راعنا کا لفظ اہل ایمان جس معنی میں لیتے تھے اس میں کوئی برا معنی نہ تھا، لیکن یہودی اپنی زبانوں کو پھیر کر جس طرح اس کا تلفظ ادا کرتے اس سے ان کی لغت میں اس کا جو معنی تھا، وہ توہین و تنقیص پر دلالت کرتا تھا۔ مفسرین کرام نے اس لفظ کے کئی معنی بیان کئے ہیں، علامہ ابو جعفر الطبری (المتوفی: 310ھ) اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قَالَ ابْنُ زَيْدٍ: ”فِي قَوْلِهِ: {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا} [البقرة: 104] قَالَ: رَاعِنَا الْقَوْلُ الَّذِي قَالَهُ الْقَوْمُ قَالُوا {سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ} [النساء: 46] قَالَ: قَالَ هَذَا الرَّاعِنُ، وَالرَّاعِنُ: الْخَطَّاءُ قَالَ: فَقَالَ لِلْمُؤْمِنِينَ: لَا تَقُولُوا خَطَّاءً كَمَا قَالَ الْقَوْمُ وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا۔[2]

حضرت ابن زید نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان {يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا} میں آپ نے فرمایا کہ اہل ایمان راعنا کا قول کرتے تھے اور یہودی کہتے {سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَرَاعِنَا لَيًّا بِأَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّينِ} آپ نے فرمایا کہ وہ راعنا کی جگہ راعن کہتے تھے اور ”راعن“ کا معنی ”بہت خطائیں کرنے والا“ کے ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو منع فرمادیا کہ تم اس قوم کی طرح بہت خطائیں کرنے والا نہ کہو، بلکہ اس کی جگہ کہو حضور ہم پر نظر رکھیں اور پہلے ہی سے بغور سنو۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے لفظ سے ہی منع فرما دیا جس سے نبی اکرم ﷺ کی طرف خطا کی نسبت کی جا سکتی تھی۔ لہذا نبی اکرم ﷺ کے لیے اس کا اس صحیح معنی میں بھی استعمال ممنوع و حرام قرار پایا جس میں صحابہ رضی اللہ عنہم استعمال کرتے تھے کیونکہ اس سے نبی اکرم ﷺ کی طرف خطا کی نسبت کرنے کا راستہ کھلتا ہے۔ اب اس کا استعمال جائز سمجھنا کفر بھی ہے۔

---

1 (بعض مفسرین نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے نقل کیا ہے)

2 تفسير الطبري ـ جامع البيان عن تأويل آي القرآن المؤلف: محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310هـ)

علامہ قرطبی لکھتے ہیں کہ اس آیت سے دو مسئلے ثابت ہوتے ہیں:

فِي هَذِهِ الْآيَةِ دَلِيلَانِ: أَحَدُهُمَا- عَلَى تَجَنُّبِ الْأَلْفَاظِ الْمُحْتَمَلَةِ الَّتِي فِيهَا التَّعْرِيضُ لِلتَّنْقِيصِ وَالْغَضِّ، وَيَخْرُجُ مِنْ هَذَا فَهْمُ الْقَذْفِ بِالتَّعْرِيضِ، وَذَلِكَ يُوجِبُ الْحَدَّ عِنْدَنَا خِلَافًا لِأَبِي حَنِيفَةَ وَالشَّافِعِيِّ وَأَصْحَابِهِمَا حِينَ قَالُوا: التَّعْرِيضُ مُحْتَمِلٌ لِلْقَذْفِ وَغَيْرِهِ، وَالْحَدُّ مِمَّا يَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ. وَسَيَأْتِي فِي "النُّورِ" بَيَانُ هَذَا، إِنْ شَاءَ اللهُ تَعَالَى. الدَّلِيلُ الثَّانِي- التَّمَسُّكُ بِسَدِّ الذَّرَائِعِ وَحِمَايَتِهَا وَهُوَ مذهب مالك وأصحابه وأحمد ابن حَنْبَلٍ فِي رِوَايَةٍ عَنْهُ، وَقَدْ دَلَّ عَلَى هَذَا الْأَصْلِ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ. وَالذَّرِيعَةُ عِبَارَةٌ عَنْ أمرٍ غَيْرِ مَمْنُوعٍ لِنَفْسِهِ يُخَافُ مِنَ ارْتِكَابِهِ الْوُقُوعُ فِي مَمْنُوعٍ[1]

ااس آیت میں دو دلیلیں ہیں: ان میں سے ایک ایسے الفاظ استعمال کرنا منع ہیں جن میں تنقیص شان اور عظمت میں کمی کا اشارہ ہو۔ اور اس سے تعریضاً قذف کا سمجھنا نکلتا ہے۔ ہمارے نزدیک یہ حد کا موجب ہے بر خلاف امام ابو حنیفہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب کے انہوں نے فرمایا تعریض (اشارۃً کلام کرنا) قذف اور غیر قذف کا احتمال رکھتی ہے اور حد شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے۔ تفصیلی بیان ان شاء اللہ سورۃ النور میں آئے گا۔ دوسری دلیل: سد ذرائع کو مضبوطی سے پکڑنا اور اور آپ کی حمایت کرنا۔ یہ امام مالک اور ان کے اصحاب کا مذہب ہے اور ایک روایت امام احمد بن حنبل سے بھی یہی ہے، اس اصل پر کتاب و سنت دلالت کرتی ہے ذریعہ اس امر کو کہتے ہیں جو اپنی ذات کے اعتبار سے ممنوع نہیں ہوتا لیکن اس کے کرنے سے ممنوع کام میں وقوع کا خطرہ ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے کو خطا سمجھنے والے کا انجام

اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے:

فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا.[2]

تو اے محبوب! تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

---

1 تفسير القرطبي

2 النساء آیت 65

اللہ رب العزت قسم بیان فرمارہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے فیصلے کو جو شخص دل سے درست تسلیم نہ کرے اور آپ کے فیصلے پر دل میں میل لائے تو وہ بھی ایمان والوں میں سے نہیں رہتا چہ جائیکہ توہین کا مرتکب ہو۔ بطور قاضی جب فیصلہ کیا جاتا ہے تو فیصلے میں اجتہاد بھی ہوتا ہے۔ آیت مبارکہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ چاہے اجتہاد سے ہی فیصلہ فرمائیں اس کے درست ہونے میں شک کرنا اور دل میں میل لانا ایمان کو ضائع کر دیتا ہے۔

تفسیر ابن کثیر، (تفسیر جلالین، تفسیر الدرالمنثور) اور دیگر معتبر تفاسیر میں اس آیت کا شانِ نزول کچھ یوں بیان کیا گیا ہے:

" رَوَى عُتْبَةُ بْنُ ضَمْرَةَ، حَدَّثَنِي أَبِي: أَنَّ رَجُلَيْنِ اخْتَصَمَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِلْمُحِقِّ عَلَى الْمُبْطِلِ، فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ: لَا أَرْضَى. فَقَالَ صَاحِبُهُ: فَمَا تُرِيدُ؟ قَالَ: أَنْ نَذْهَبَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، فَذَهَبَا إِلَيْهِ، فَقَالَ الَّذِي قُضِيَ لَهُ: قَدِ اخْتَصَمْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضَى لِي فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: فَأَنْتُمَا عَلَى مَا قَضَى بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَبَى صَاحِبُهُ أَنْ يَرْضَى، قَالَ: نَأْتِي عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ، فَأَتَيَاهُ، فَقَالَ الْمَقْضِيُّ لَهُ: قَدِ اخْتَصَمْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَضَى لِي عَلَيْهِ، فَأَبَى أَنْ يَرْضَى، ثُمَّ أَتَيْنَا أَبَا بَكْرٍ، فَقَالَ: أَنْتُمَا عَلَى مَا قَضَى بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَبَى أَنْ يَرْضَى فَسَأَلَهُ عُمَرُ، فَقَالَ: كَذَلِكَ، فَدَخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهُ وَخَرَجَ وَالسَّيْفُ فِي يَدِهِ قَدْ سَلَّهُ، فَضَرَبَ بِهِ رَأْسَ الَّذِي أَبَى أَنْ يَرْضَى، فَقَتَلَهُ، فَأَنْزَلَ اللهُ: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (إلى آخر الآية)".[1]

حضرت عتبہ بن ضمرہ کہتے ہیں کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ دو بندوں نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں اپنا مقدمہ پیش کیا تو حضور ﷺ نے حقدار کے حق میں فیصلہ فرمایا جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا تھا کہنے لگا میں اس پر راضی نہیں ہوں۔ اس کے ساتھی نے کہا تو کیا چاہتا ہے؟ کہنے لگا میں چاہتا ہوں کہ ابو بکر کے پاس جائیں دونوں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا صدیق اکبر سے کہنے لگا کہ ہم نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں مقدمہ پیش کیا تھا حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ فرما دیا تھا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہنے لگے بس تمہارا فیصلہ وہی

[1] تفسير القرآن العظيم المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774هـ) الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية 1420هـ ج2ص351، ...الدر المنثور المؤلف: عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911هـ) الناشر: دار الفكر، بيروت ج2ص 585

ہے جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے۔ جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا پھر انکار کرنے لگا اور کہنے لگا ہم عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے پاس جاتے ہیں فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس آکر اس شخص نے کہا جس کے حق میں فیصلہ ہوا تھا کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں اپنا مقدمہ پیش کیا، حضور ﷺ نے میرے حق میں فیصلہ فرمایا یہ راضی نہیں تھا پھر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے انہوں نے کہا تمہارا وہی فیصلہ ہے جو حضور ﷺ نے فرمایا ہے یہ پھر بھی راضی نہ ہوا (اور آپ کے پاس آگیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (جس کے خلاف فیصلہ ہوا تھا اس سے) پوچھا کیا معاملہ اِسی طرح ہے؟ کہنے لگا ہاں! اسی طرح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے اور واپس نکلے تو تلوار ہاتھ میں سونتی ہوئی تھی انہوں نے اس کے سر کو تن سے جدا کر دیا جو (نبی اکرم ﷺ کے) فیصلے پر راضی نہیں تھا۔ اس پر اللہ نے مذکورہ آیت نازل فرمادی۔

اگر کوئی رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر صرف راضی نہ ہو تو وہ حلال الدم ہو جاتا ہے، تو آپ کی شان میں نامناسب لب ولہجہ اور الفاظ بولنا تو بطریق اولیٰ اسے حلال الدم کر دے گا۔

یہ ساری بحث اس لئے تھی کہ واضح ہو جائے کہ مقدس شخصیات کے لیے الفاظ کے چناؤ میں ان کے مراتب و مقام کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، اور عام لوگوں کے لیے جس قسم کے الفاظ کا استعمال جائز بھی ہوا گر وہ مقدس شخصیات کے شایان شان نہ ہوں تو ان کا استعمال ممنوع ہوتا ہے۔ اور ان شخصیات کے لئے ایسا لہجہ بھی اختیار کرنا منع ہے جس میں درشتی و تلخی ہو۔

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی بارگاہ انتہائی حساس بارگاہ ہے جو کہ نہ صرف جزء رسول ہیں، اور جزء کی توہین و تنقیص کل کی توہین و تنقیص ہوتی ہے، بلکہ ان کی دل آزاری و ناراضگی کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی دل آزاری و ناراضگی فرمایا ہے۔ اس لحاظ سے بھی ان کی دل آزاری و ناراضگی رسول کی دل آزاری و ناراضگی ہے۔ "يرِيبُنِي ماأَربَهَا وَ يُؤْذِينِي مَا آذَاهَا" [1] جو اسے برا لگے وہ مجھے برا لگتا ہے اور جس سے اسے تکلیف پہنچے اس سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔ "فَمَن أَغْضَبَهاأَغْضَبَنِي "[2] جس نے اسے ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

---

1 (بخاری: 5230)

2 (بخاری: 3714)

اب جو درشت لہجے میں تکرار کے ساتھ بر سر منبر عوام میں انہیں خطا پر کہے تو کیا سیدہ زہراء اس سے خوش ہوں گی؟ جن کی رضا کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جائز کام بھی چھوڑ دیا کہ یہ ناراض نہ ہوں کیونکہ ان کی ناراضگی رسول اللہ کی ناراضگی ہے۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی کو سوکن نہ بننے دیا کہ اگر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی ناراض ہوئیں تو فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہو جائیں گی، اور ان کی ناراضگی رسول اللہ کی ناراضگی ہے۔

سیدۃ النساء بضعۃ الرسول کو بھی بعض علماء نے حقیقی جزء کے طور پر ہی لیا ہے، خاص طور پر ان کی توہین و تنقیص آپ کے حقیقی جزء کی توہین و تنقیص کی طرح ہے۔ جیسا کہ علامہ ابو حفص سراج الدین ابن ملقن شافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: 804ھ) بخاری شریف کی شرح میں "باب مَنَاقِبُ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلاَمُ . وَقَالَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم: ''فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الجَنَّةِ'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان ''فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي''، کی شرح کرتے ہوئے حضرت ابو لبابہ کی قسم کا واقعہ لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان **''فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي دال كما قال السهيلي'' فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے جیسا کہ امام سہیلی نے فرمایا تھا۔** ''من سبها فقد كفر، ومن صلى عليها فقد صلى على أبيها'' جس نے آپ رضی اللہ عنہا کو سب (توہین کی) کیا پس تحقیق وہ کافر ہو گیا اور جس نے آپ رضی اللہ عنہا پر درود بھیجا پس تحقیق اس نے آپ کے بابا جان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا۔[1]

اس میں امام سہیلی کا مستدل آپ کا جزء ہونا ہے کیونکہ جزء کل کے حکم میں ہوتا ہے، لہذا آپ کے نزدیک کفر کی وجہ جزء رسول کی توہین ہے اور جزء رسول کی توہین کے کفر ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔

---

[1] التوضيح لشرح الجامع الصحيح المؤلف: ابن الملقن سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري (المتوفى: 804ھ) المحقق: دار الفلاح للبحث العلمي وتحقيق التراث الناشر: دار النوادر، دمشق – سوريا الطبعة: الأولى، 1429ھ، 2008 م ج 20ص 368

علیہ السلام وغیرہ غیر نبی پر جو علماء بالتبع کہنے کو درست اور استقلالا، اتصالا سے منع کرتے ہیں، تو امام سہیلی و امام کورانی وغیرہ کے نزدیک حضرت سیدہ پاک کے لئے کہنے پر کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہ جزء رسول ہیں، لہذا ان پر صلوٰۃ یا سلام بھیجنا بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی بھیجنا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ بخاری، سنن لابی داود، مسند لاحمد، السنن الکبری للبیھقی، مستدرک للحاکم، مشکل الآثار للطحاوی، معالم السنن للخطابی، المسند الجامع لأبی المعاطی النوری، مستخرج لابی عوانہ، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد للحافظ الھیثمی، غایۃ المقصد فی زوائد المسند للحافظ الھیثمی، معجم لابن عساکر، المعجم الکبیر للطبرانی، جامع الأحادیث للسیوطی، نیل الأوطار للشوکانی، کشف المشکل للجوزی، شرح صحیح البخاری لابن بطال، الإفصاح عن معاني الصحاح لابن هبيرة، التوضيح لشرح الجامع الصحيح لابن الملقن، عمدۃ القاری للعینی، فتح الباري لابن حجر، فتح الباري لابن رجب، إرشاد الساري للقسطلاني، طرح التثريب للعراقي، سبل السلام للصنعاني، شیخ محقق شاہ عبد الحق اور مامور من الرسول پیر مہر علی شاہ جیسی شخصیات سیدہ زہراء کے لئے خاص طور پر استقلالا اور اتصالا بھی اپنی کتب میں لکھتے رہے۔ علامہ طیبی اور دیگر کئی علماء نے حضرت مریم کے لئے بھی علیھا السلام لکھا ہے۔ ایسے ہی سابقہ امتوں میں خاص کر حضرت حوا، حضرت سارہ، حضرت ہاجرہ کے لئے بھی کئی علماء نے لکھا ہے۔

اس کے علاوہ احمد بن اسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الشافعی ثم الحنفی (م:۸۹۳ھ) بھی حقیقی جزء کے قائل ہیں بلکہ آپ تو لکھتے ہیں:

(فاطمة بضعة منى) بفتح الباء وقد يقال بالكسر. القطعة من اللحم، وللحاكم: "مضغة" بضم الميم وغين معجمة. مقدار ما يمضغ من اللحم، قال السهيلى: من صلى على فاطمة فقد صلى على رسول الله صلى الله عليه وسلم لان فاطمة قطعة من رسول الله، قلت ومن صلى على الحسن والحسين فقد صلى على رسول الله صلى الله عليه وسلم لانها قطعة من تلك البضعة.[1]

فاطمہ میرا "بَضعہ" ہے "باء" کی فتح کے ساتھ اور کہا گیا ہے "با" کی کسرہ کے ساتھ۔ گوشت کا ٹکڑا، اور حاکم کی روایت میں مُضغہ میم کی ضمہ اور غین معجمہ کے ساتھ ہے، وہ مقدار جس کی بوٹی بنائی جاتی ہے، امام سہیلی نے فرمایا: جس نے فاطمہ رضی اللہ عنہا پر درود بھیجا پس تحقیق اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا اس لیے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹکڑا ہے اور میں کہتا ہوں جس نے حسن و حسین پر درود بھیجا پس اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجا کیونکہ یہ اس ٹکڑے کا ٹکڑا ہے۔

نہ صرف فاطمہ جزء رسول ہیں بلکہ حسن و حسین بھی جزء رسول کا جزء ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی جزء ہیں۔ لہذا جس نے حسن و حسین پر بھی درود بھیجا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی درود بھیجنے والا ہے۔

محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسنی، الکحلانی ثم الصنعانی، ابو ابراھیم، عز الدین، المعروف کأسلافہ بالأمیر (المتوفی:1182ھ) حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فاطمة بضعة منى فمن أغضبها أغضبنى" (خ) عن المسور (صح)"

(فاطمة) ابنته صلى الله عليه وسلم. (بضعة) بفتح الباء الموحدة وجاء الضم فيها والكسر والأشهر الفتح وسكون المعجمة. (منى) قطعة لحم من جملة أعضائى وأجزائى، فمن تبعيضية. (فمن أغضبها) بأى شيء. (أغضبنى) **استدل به السهيلى على أن من سبها كفر؛ لأنها بضعته**

---

[1] الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري المؤلف: أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكوراني الشافعي ثم الحنفي (المتوفى ٨٩٣هـ) المحقق: الشيخ أحمد عزو عناية الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، ١٤٢٩هـ. ج 6 ص 499

لأنها أفضل حتى من الشيخين قال ابن حجر وفيه نظر قال السمهودي: معلوم أن أولادها بضعة منها فيكونون بالواسطة بضعة منه، ومن ثم لما رأت أم الفضل في النوم أن بضعة منه صلى الله عليه وسلم وضعت في حجرها أولها صلى الله عليه وسلم أنها تلد فاطمة غلاماً فيوضع في حجرها فولدت الحسن عليه السلام فوضع في حجرها فكل من يشاهد الآن من ذريتها فهو بضعة من تلك البضعة وإن تعددت الوسائط قال ابن حجر فيه تحريم من يتأذى المصطفى بتأذيه فكل من وقع منه في حق فاطمة شيء فتأذت به فالنبي صلى الله عليه وسلم يتأذى به بشهادة هذا الخبر ولا شيء أعظم من إدخال الأذى عليها من قتل أولادها وقد عرف بالاستقراء معاجلة من تعاطى ذلك بالعقوبة في الدنيا والعذاب في الآخرة انتهى.[1]

فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے انہیں غضب ناک کیا اس نے مجھے غضبناک کیا۔ اسے بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(فاطمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی (بضعۃ) با کے فتحہ کے ساتھ، اس میں ضمہ کے ساتھ بھی روایت ہے اور کسرہ کے ساتھ بھی مگر فتح کے ساتھ مشہور ہے، اور ضاد ساکن ہے۔ (منی) میرے اعضا اور اجزاء میں سے گوشت کا ٹکڑا، من تبعیضیہ ہے۔ (جس نے انہیں ناراض کیا) کسی بھی شیء سے۔ (أغضبنی) اس نے مجھے ناراض کیا۔ امام سہیلی نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جس نے انہیں برا کہا وہ کافر ہوا، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگر کا ٹکڑا ہیں، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہا (اس فضیلت میں) شیخین سے بھی افضل ہیں۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ اس میں نظر ہے۔ سمھودی فرماتے ہیں: یہ بات معلوم ہے کہ سیدہ فاطمہ کی اولاد آپ کے بدن کا حصہ ہے تو اولاد بھی بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا حصہ ہوئی۔ اور اس وجہ سے جب ام الفضل نے خواب میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن کا ایک ٹکڑا آپ کی جھولی میں آگرا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاویل یہ بیان کی کہ فاطمہ کا ایک لڑکا ہوگا وہ تیری جھولی میں رکھا جائیگا، تو آپ (سیدہ فاطمہ) کے بیٹے حضرت حسن (حسین)[2] پیدا ہوئے پس آپ (ام الفضل) کی جھولی میں ڈال

1 التنوير شرح الجامع الصغِيرِ المؤلف: محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى: 1182ھ) المحقق: د. محمَّد إسحاق محمَّد إبراهيم الناشر: مكتبة دار السلام، الرياض (الطبعة: الأولى، 1432ھ) ج 7ص 467

2 مستدرک امام حاکم اور مشکوٰۃ شریف میں ایسی ہی روایت حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے سنن ابن ماجہ میں حسن یا حسین کا ذکر ہے لیکن مسند احمد میں امام حسن رضی اللہ عنہ کا ہی ذکر ہے۔

دیئے گیے۔ **آج جو بھی آپ کی ذریت سے نظر آتے ہیں تو وہ اس ٹکڑے میں سے ٹکڑا ہے اگر چہ واسطے متعدد ہوں۔** ابن حجر فرماتے ہیں کہ **ان کو اذیت دینا حرام ہے کہ اس میں مصطفی ﷺ کو اذیت دینا ہے،** ہر وہ بات جس سے سیدہ فاطمہ کے حق میں اذیت واقع ہو تو نبی کریم ﷺ کو اس سے اذیت ہوتی ہے، اس پر یہ خبر شاہد ہے۔ اور آپ کی اولاد کو قتل کرنا آپ رضی اللہ عنہا کو سب سے بڑی اذیت دینا ہے، اور واقعات سے یہ معلوم ہے کہ جو ایسا کرتا ہے اس کا علاج دنیا میں عقوبت اور آخرت میں عذاب کے ساتھ ہے۔

امام ابن حجر نے (فمن أغضبها أغضبني) سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین و تنقیص کرنے والے کے کفر پر استدلال کرنے پر لکھا کہ "فیها نظر" حالانکہ امام سہیلی کا استدلال اس سے نہیں بلکہ "فاطمة قطعة من رسول الله" سے ہے کہ آپ رسول اللہ ﷺ کا جزء ہیں، اور جزء کی توہین کل کی توہین ہوتی ہے۔ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ابو محمد محمود بن احمد بن موسی بن احمد بن حسین الغیتابی الحنفی بدر الدین العینی (المتوفی: 855ھ) امام بیہقی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ نے رسول اللہ کے فرمان "بضعة منی" سے استدلال فرمایا کہ:

قَوْله: (بضعة مني).... وَاسْتدلَّ بِهِ الْبَيْهَقِيّ على أَن: من سبها فَإِنَّهُ يَكْفُرُ.[1]

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ ﷺ کے فرمان "بضعة منی" سے یہ استدلال فرمایا ہے کہ جس نے آپ رضی اللہ عنہا کو گالی (توہین کی) دی پس وہ کافر ہو جائے گا۔

ابو القاسم عبد الرحمن بن عبد اللہ بن احمد السہیلی (المتوفی: 581ھ) لکھتے ہیں:

وَذَكَرَ أَبَا لُبَابَةَ وَاسْمُهُ رِفَاعَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُنْذِرِ بْنِ زَنْبَرٍ وَقِيلَ: اسْمُهُ مُبَشِّرٌ، وَتَوْبَتَهُ وَرَبْطَهُ نَفْسَهُ حَتّى تَابَ اللهُ عَلَيْهِ، وَذَكَرَ فِيهِ أَنّهُ أَقْسَمَ أَلّا يَحُلّهُ إلّا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ،

اور ابو لبابہ کا ذکر کیا اور ان کا نام رِفاعۃ بن عبد المُنذر بن زَنْبَر ہے اور کہا گیا کہ ان کا نام مبشر ہے، اور ان کی توبہ اور ان کا اللہ تعالیٰ کے توبہ قبول تک اپنے آپ کو باندھنے کا ذکر کیا، اور ان کے بارے میں ذکر کیا کہ آپ نے ایک معاملہ میں قسم اٹھالی کہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ انہیں کوئی نہیں کھولے گا۔

---

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ج 16 ص 249

آگے اس کی تفصیل لکھتے ہیں:

وَرَوَى حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ عن علی ابن زَيْدٍ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ أَنّ فَاطِمَةَ أَرَادَتْ حَلّهُ حِينَ نَزَلَتْ تَوْبَتُهُ، فَقَالَ: قَدْ أَقْسَمْت أَلّا يَحُلّنِي إلّا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: **إنّ فَاطِمَةَ مُضْغَةٌ مِنّى، فَصَلّى اللهُ عَلَيْهِ، وَعَلَى فَاطِمَةَ، فَهَذَا حَدِيثٌ يَدُلّ عَلَى أَنّ مَنْ سَبّهَا فَقَدْ كَفَرَ، وَأَنّ مَنْ صَلّى عَلَيْهَا، فَقَدْ صَلّى عَلَى أَبِيهَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ**[1]

علی بن حسین سے روایت ہے کہ جب ان کی توبہ کی قبولیت کے حق میں وحی نازل ہوئی تو سیدہ فاطمہ نے ارادہ فرمایا کہ ان کو کھول دیں تو انہوں نے کہا کہ میں نے قسم اٹھائی ہے کہ رسول اللہ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ کھولے۔ تو رسول اللہ نے فرمایا بے شک فاطمہ میرا ٹکڑا ہے۔(اللہ آپ پر اور سیدہ فاطمہ پر درود نازل فرمائے)، **تو یہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ** جس نے آپ کو گالی دی اس نے کفر کیا اور جس نے آپ پر صلوٰۃ بھیجی تحقیق اس نے آپ کے والد گرامی پر صلوٰۃ بھیجی۔

اس میں امام سہیلی کا مستدل آپ کا (بضعہ) جزء ہونا ہے کیونکہ جزء کل کے حکم میں ہوتا ہے۔ لہذا آپ رضی اللہ عنہا کا کھولنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہی کھولنا تھا، اگر آپ رضی اللہ عنہا کے علاوہ کوئی دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ کھولتے تو حضرت ابولبابہ کی قسم ٹوٹ جاتی اور وہ حانث ہوتے۔ لیکن سیدہ زہراء کے کھولنے پر اس لیے حانث نہ ہوتے کہ بضعۂ رسول ہونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہا کا کھولنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھولنا ہے۔ ایک اور مسئلہ کی طرف بھی اس سے استدلال فرماتے ہیں کہ جو آپ رضی اللہ عنہا پر درود پڑھتا ہے وہ جزء رسول پر درود پڑھنے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی درود پڑھنے والا ہے، لہذا جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی توہین کرتا ہے تو وہ جزء رسول کی توہین کرنے کی وجہ سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرنے والا ہے۔ آپ کا مستدل جیسا کہ بعض علماء نے سمجھا حدیث پاک کا یہ حصہ (فمن أغضبها أغضبنى) ہے، لیکن آپ کا مستدل یہ نہیں ہے بلکہ "**إنّ فَاطِمَةَ مُضْغَةٌ مِنّى**" ہے۔ کیونکہ امام سہیلی نے اس مقام پر (فمن أغضبها أغضبنى) کے الفاظ کا ذکر ہی نہیں کیا۔

---

[1] الروض الأنف في شرح السيرة النبوية المؤلف: أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى: 581ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت الطبعة: الأولى، 1412ھ ج 6 ص 328

ایسے ہی محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دھلوی اشعۃ اللمعات میں "فاطمہ گوشت پارہء من ست بضعہ بفتح با و کسر ضاو معجمہ پارہء از گوشت" کے تحت لکھتے ہیں کہ علامہ سبکی کے نزدیک آپ رضی اللہ عنہا کا جزءِ رسول ہونا ہے، اس لئے سبکی نے جو اس سے استدلال کیا اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وسبکی استدلال کردہ است بایں کہ ہر دشنام کند فاطمہ را کافر شود۔

اور سبکی نے اس سے یہ استدلال کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو گالی دینے والا کافر ہو جائے گا۔[1]

اب جزءِ رسول کی توہین و تخفیف، تنقیص کے حوالے سے تو مسئلہ متفق علیہ ہے کہ یہ کفر ہے۔ جیسا کہ فقہاء کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال مبارک (شعر) کے لیے شعیر تصغیر کا صیغہ بولنے پر توہین رسالت کا حکم بیان کیا ہے۔

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم کے کسی جزء مبارک بلکہ موئے مبارک (بال) کے بارے میں بھی ہلکا لفظ استعمال کرنا کفر ہے جیسا کہ شمس الائمہ الاوزجندی المعروف قاضی خان رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: 593ھ) "فتاوٰی قاضی خان" میں فرماتے ہیں:

اِذَا عَابَ الرَّجُلُ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ فِی شَیءٍ، کَانَ کَافِراً. قَالَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ: لَوْقَالَ: لِشَعْرِ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شُعَیْرٌ، فَقَدْ کَفَرَ وَعَن أَبِی حَفصِ الکَبِیرِ رحِمَہُ اللہُ تعالیٰ: مَن عَابَ النَّبِیَّ عَلَیْہِ السَّلَامُ بِشَعْرَۃٍ مِنْ شَعْرَاتِہِ فَقَدْ کَفَرَ وَ ذَکَرَ فِی الْاَصْلِ اِنَّ شَتْمَ النَّبِیِّ کُفْرٌ.[2]
کسی شے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانے والا کافر ہے اور اسی طرح بعض علماء نے فرمایا، اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کو "شعر" کے بجائے (بصیغہء تصغیر) "شُعَیر" کہہ دے تو وہ کافر ہو جائے گا، اور امام ابو حفص الکبیر (حنفی) رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ اگر کسی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک بال مبارک کی طرف بھی عیب منسوب کیا تو وہ کافر ہو جائے گا اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے "مبسوط" میں فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گالی دینا کفر ہے۔

قاضي ثناء اللہ پانی پتی "مالا بد منہ" میں لکھتے ہیں:
موئے مبارک را مویک گفت کافر شود[3]

---

1 اشعۃ اللمعات مؤلف: عارف باللہ شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی (م: 1052ھ) رحمن گل پبلشرز پشاور ج4ص380

2 فتاوی قاضی خان،ج4 ص 882 مطبع نولکشور

3 مالا بد منہ ص 127

آپ ﷺ کے بال مبارک کو معمولی و گھٹیا بال کہا کافر ہو جائے گا۔

امام سراج الدین ابو محمد علی بن عثمان اوشی (م:569ھ) "فتاوی سراجیہ" میں فرماتے ہیں:

رجل عاب النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فی شیء او قال لشعرہ، شعیر یکفر.[1]

کسی شخص نے نبی اکرم ﷺ کو کسی بھی معاملے میں عیب لگایا، یا آپ ﷺ کے موئے مبارک کو شعیر (تصغیر، تحقیر کے لئے) چھوٹا بال کہا وہ کافر ہو جائے گا۔

ایسی ہی امام جمال الدین یوسف بن ابی سعید سجستانی (م:638ھ) "منیۃ المفتی" میں فرماتے ہیں:

رجل عاب النبی صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فی شیء او قال لشعرہ، شعیر یکفر.[2]

کسی شخص نے نبی اکرم ﷺ کو کسی بھی معاملے میں عیب لگایا، یا آپ ﷺ کے موئے مبارک کو شعیر (تصغیر، تحقیر کے لئے) چھوٹا بال کہا وہ کافر ہو جائے گا۔

ان کے علاوہ شرح الشفاء لملاعلی قاری[3]، طحطاوی علی الدر[4] الجوھر المضیئہ[5] اور دیگر درجنوں کتب میں یہ عبارت موجود ہے کہ:

لو قال لشعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شعیر فقد کفر.

اگر کوئی نبی اکرم ﷺ کے شعر کو شُعیر کہتا ہے تو کافر ہو جائے گا۔

بعض علماء نے تحقیر کی قید لگائی ہے کہ جب کسی نے تحقیر و عیب کی نیت سے کہا ہو تو پھر کفر ہے، اگر کوئی تعظیم کی نیت سے کہتا ہے تو کفر نہیں۔ کیونکہ تصغیر میں صرف تحقیر کا ہی معنی نہیں پایا جاتا، بلکہ کئی معانی کے لیے بولی جاتی ہے جیسا کہ علامہ جرجانی کی "التعریفات" میں ہے۔ التصغیر: تغییر صیغة الاسم لأجل تغییر المعنی، تحقیرًا، أو تقلیلًا، أو تقریبًا، أو تکریمًا، أو تلطیفا.[6] اسم کے صیغہ میں تصغیر اس کے معنی کے تبدیلی

---

1 فتاوی سراجیہ ص 302

2 منیة المفتي ص 105

3 شرح الشفاء لملاعلی قاری ج 2ص،385

4 طحطاوی علی الدرج 6ص 401

5 الجوہر المضیہ فی طبقات الحنفیۃ ج 2ص 397

6 کتاب التعریفات المؤلف: علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (المتوفى: 816ھ) المحقق: ضبطه وصححه جماعة من العلماء بإشراف الناشر الناشر: دار الكتب العلمية بيروت =لبنان الطبعة: (الأولى 1403ھ 1983م) ج 1 ص 60

کے لیے ہوتی ہے: تحقیر یا تقلیل (قلت) یا تقریب یا تکریم یا تلطیف (لطف و مہربانی) کے لئے۔ فتاویٰ تاتارخانیہ میں ہے:

ولو قال لشعر النبی صلی اللہ علیہ وسلم شعیر فقد یکفر عند بعض المشائخ وعند البعض لا یکفر الا اذا قال ذلک بطریق الإهانة وفی الظهیریة ان أراد بالتصغیر التعظیم لا یکفر.[1]

اور اگر نبی اکرم ﷺ کے موئے مبارک کو شعیر (تصغیر)، (تحقیر، یا معمولی بتانے کے لئے) چھوٹا بال کہا تو بعض مشائخ کے نزدیک وہ کافر ہو جائے گا۔ اور بعض کے نزدیک کافر نہ ہو گا جب تک بطور توہین نہ کہے اور ظہیریہ میں ہے کہ اگر تصغیر سے تعظیم مراد ہو تو کافر نہ ہو گا۔

رسول اللہ کی ہر نسبت عظیم ہے کوئی انہیں معمولی سمجھتا ہے یا ارادتاً ان کی تحقیر کرتا ہے تو بلاشبہ علماء کے نزدیک یہ کفر ہے بلکہ آپ کی اولاد سادات کے حوالے سے بھی یہی حکم ہے کہ ان کی توہین بھی کفر ہے۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وَمَنْ قَالَ لِلْعَالِمِ عُوَيْلِمٌ أَوْ لِعَلَوِيٍّ عُلَيْوِيٌّ (بِالتَّصْغِيرِ) قَاصِدًا بِهِ الِاسْتِخْفَافَ كَفَرَ".[2]

جس شخص نے عالم دین کو عُوَیلِم کہا یا علوی کو عُلَیوِی تصغیر کے صیغے کے ساتھ توہین کا ارادہ کرتے ہوئے کہا تو اس نے کفر کیا۔

یونہی مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر میں ہے:

"وَمَنْ قَالَ لِلْعَالِمِ عُوَيْلِمٌ أَوْ لِعَلَوِيٍّ عُلَيْوِيٌّ قَاصِدًا بِهِ الِاسْتِخْفَافَ كَفَرَ".[3]

جس شخص نے عالم دین کی توہین کرتے ہوئے عویلم تصغیر کے صیغے کے ساتھ کہا یا علوی کو علیوی کہا تو اس نے کفر کیا۔

اگر سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استخفاف کے لئے یہ جملے بولے گئے ہوں تو بطریق اولیٰ کفر ہے۔

---

1 فتاوی تاتارخانیہ ج 7 ص 303

2 منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر، لملاعلی قاری طبع کراچی ص 47،

3 مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر لإبراهيم الحلبي(م: 956)، (مجمع الانهر) لشيخي زاده عبد الرحمن بن محمد/داماد أفندي (م: 1078) دار الكتب العلمية ج 2 ص 509

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان تو آج کے سادات جن کے اور سیدہ زہراء پاک کے درمیان درجنوں واسطے ہیں ان کو سب و شتم کرنے والے کے لیے بھی کفر کا حکم بیان کرتے ہیں۔ آپ نہ صرف سادات کو سب و شتم کرنے والے بلکہ ایسے شخص کے کلام کے معاونین اور اسے جائز سمجھنے والوں کے بارے میں فتاویٰ رضویہ میں لکھتے ہیں:

> ایسے شخص کو از سر نو تجدید اسلام چاہئے اور اگر عورت رکھتا ہو تو اس سے بعد توبہ و تجدید اسلام پھر نکاح کرے کہ علمائے کرام نے ایسے شخص پر حکم کفر فرمایا ہے،۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔رہے اس کے معاونین خواہ مولوی کہلاتے ہوں یا سیٹھ اگر خود ان کلمات ملعونہ میں اس کے معاون ہیں یا ان کو جائز رکھتے ہیں یا ہلکا جانتے ہیں تو ان سب کا بھی یہی حکم ہے جو اس کا ہے، اور اگر ایسا نہیں جب بھی ایسے شخص کے ساتھ میل جول کے سبب عاصی و مخالف حکم شرع ہیں۔[1]

اتنے بڑے بڑے ائمہ کے نزدیک صرف سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی ہی توہین نہیں بلکہ آپ کی اولاد کی توہین بھی صریح کفر ہے۔ تکفیر انتہائی حساس معاملہ ہے جس سے حتی الوسع اجتناب ہی کیا جائے گا، جب تک تاویل کی گنجائش ہو، لیکن ان تصریحات و فتاویٰ جات کی طرف اشارہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ معاملہ کی حساسیت کا احساس پیدا ہو کہ توبہ و رجوع کس قدر ضروری ہے، اور وہ لوگ بھی ہوش سے کام لیں جو اپنے تعلقات و مراسم کو استعمال کرتے ہوئے بجائے اس کے کہ توبہ و رجوع کی طرف راہنمائی کریں اس پر داد و تحسین کر رہے ہیں، اور اس باطل و مردود کلام کا دفاع کر کے اپنی آخرت بھی برباد کر رہے ہیں۔

صحابہ کرام کا ناراضگی سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا سے بچنے کے لئے جائز امور کا ترک

جیسا کہ ماں باپ کے حقوق میں بیان ہو چکا ہے کہ وہ اُمور جن کا بجالانا واجب نہ ہو صرف جائز ہو تو اگر ان کے کرنے سے ماں باپ ناراض ہوتے ہوں تو ترک کر دینے کا حکم ہے، جیسا کہ علامہ نعیم الدین مراد آبادی لکھتے ہیں:

> اگر والدین اپنی خدمت کے لئے نوافل چھوڑنے کا حکم دیں تو چھوڑ دے کیونکہ ان کی خدمت نفل سے افضل ہے۔[2]

---

1 فتاوی رضویہ ج 14ص 241

2 تفسیر خزائن العرفان مؤلف: صدرالافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م: 1367ھ) سورہ بقرۃ آیت 83

ایسے ہی حضرت زہراء کی ناراضگی انتہائی حساس معاملہ ہے کیونکہ حضرت سیدہ پاک کی ناراضگی رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی ہے اس لیے صحابہ شرعاً جائز کام بھی بلکہ اپنی آخرت کے لیے نفع سمجھتے ہوئے بھی اس لیے ترک کر دیتے تھے کہ ایک طرف آخرت کی منفعت ہے اور دوسری طرف سیدہ کی ناراضگی کا خدشہ ہے تو وہ ناراضگی کے ڈر سے اس جائز کام کو بھی چھوڑ دیتے تھے۔

عَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّهُ بَعَثَ إِلَيْهِ حَسَنُ بْنَ الْحَسَنِ يَخْطُبُ ابْنَتَهُ فَقَالَ لَهُ: فَلْيَأْتِنِي فِي الْعَتَمَةِ، قال: فَلَقِيَهُ فَحَمِدَ الْمِسْوَرُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ وَأَثْنَى عَلَيْهِ وَقَالَ: أَمَّا بَعْدُ فَمَا مِنْ نَسَبٍ وَلَا سَبَبٍ وَلَا صِهْرٍ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ نَسَبِكُمْ وَصِهْرِكُمْ، وَلَكِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: ’’فَاطِمَةُ بَضْعَةٌ مِنِّي يَقْبِضُنِي مَا قَبَضَهَا وَيَبْسُطُنِي مَا بَسَطَهَا وَإِنَّ الْأَنْسَابَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَنْقَطِعُ غَيْرَ نَسَبِي وَسَبَبِي وَصِهْرِي‘‘. وَعِنْدَكَ ابْنَتُهَا وَلَوْ زَوَّجْتُكَ لَقَبَضَهَا ذَلِكَ، قال فَانْطَلَقَ عَاذِرًا لَه.[1]

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حسن بن حسن رضی اللہ عنہ نے ان سے ان کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا، انہوں نے جواباً یہ پیغام بھیجا کہ حسن بن حسن آج رات خود مجھ سے ملیں۔ جب حسن کی مسور سے ملاقات ہوئی تو مسور رضی اللہ عنہ نے پہلے تو اللہ کی حمد و ثناء کی اور پھر کہا: اللہ کی قسم مجھے تمہاری رشتہ داری اور دامادی سے بڑھ کر دوسری کوئی چیز محبوب نہیں ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فاطمہ رضی اللہ عنہا میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ مجھے بھی وہ بات ناراض کرتی ہے جس سے وہ ناراض ہوتی ہو۔ اور مجھے بھی اس بات سے خوشی ہوتی ہے جس سے وہ خوش ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا میرے تعلق، رشتہ داری اور دامادی کے علاوہ باقی تمام رشتہ داریاں قیامت کے دن منقطع ہو جائیں گی۔ تمہارے نکاح میں ان (سیدہ زہراء کی اولاد میں سے ان) کی ایک بیٹی ہے۔ اگر میں تمہارے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کروں تو اس سے ان کا دل دکھے گا، چنانچہ انہیں اس بارے میں معذور سمجھتے ہوئے واپس چلے گیے۔

اسی طرح حضرت مولیٰ علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی دوسری شادی کا معاملہ تھا جو کہ شرعاً جائز تھی مگر جب پتہ چلا کہ شادی کرنے سے سیدہ پاک ناراض ہوں گی اور ان کی ناراضگی رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی کا باعث ہوگی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کی زندگی میں دوسری شادی ہی نہ کی (جیسا کہ باب اول میں اس پر تفصیلی گفتگو ہو چکی)

[1] مسند احمد (11335)

حرمت فاطمہ کی وجہ سے حور العین کا تذکرہ ترک کر دینا

روح المعانی میں علامہ سید محمود آلوسی سورۃ الدھر میں جہاں حضرت فاطمہ، حضرت علی اور باقی خاندان والوں کے روزہ رکھنے اور اپنا کھانا حاجت مندوں کو دے دینے پر اللہ تعالی کے ان کے عمل پر جنت کی نعمتیں عطا کرنے کا ذکر کیا تو حوروں کا تذکرہ نہ کرنے کی حکمت کیا تھی؟ اس حوالے سے لکھتے ہیں:

ومن اللطائف على القول بنزولها فيهم أنه سبحانه لم يذكر فيها الحور العين وإنما صرح عزو جل بولدان مخلدين رعاية لحرمة البتول وقرة عين الرسول لئلا تثور غيرتها الطبيعة.[1]

اس قول پر جس میں یہ ہے کہ یہ سورہ ان کے بارے میں نازل ہوئی، تو اس کے لطائف میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں حور العین کا ذکر نہیں کیا، بلکہ اللہ عزوجل نے حضرت بتول جو رسول اللہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں کی حرمت کی رعایت کرتے ہوئے "ولدان مخلدون" کی تصریح کی ہے تاکہ انہیں غیرت طبعی نہ ہو۔

ہم جس معاشرے میں رہ رہے ہیں اس میں کسی کی ماں بہن، بیٹی کا منبر پر نام لینا بھی معیوب سمجھا جاتا ہے اور اگر کسی کی ماں، بہن، بیٹی کو منبر پر چلا کر خطا پر کہا جائے۔ چاہے وہ خطا کار بھی ہو تو وہ اسے اپنی بدترین توہین سمجھتے ہیں اور بات قتل و غارت تک پہنچ جاتی ہے۔ بلکہ قبروں کی تختی پر بھی مرحومہ کے نام کے بجائے لوگ عموما اور سادات خصوصا سید زادیوں کو زوجہ فلاں، بنت فلاں، والدہ فلاں لکھتے ہیں، ان کے نام نہیں لکھتے۔

کسی غیر کی طرف سے سادات کی مستورات کے ذکر کے حوالے سے کیا مزاج ہے، یہاں مجھے اپنے نانا جی حضرت سید حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ جو انہوں نے خود سنایا تھا یاد آیا کہ ان کے بڑے بھائی حضرت سید محسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ گم ہو گئے اور طویل عرصہ تک گھر واپس نہ آئے نہ ان کی کوئی خبر کہیں سے ملی تو یہ ان کی تلاش میں کئی شہروں میں تلاش کرتے کرتے انڈیا بانٹوا (باٹوا)، کاٹھیاواڑ پہنچ گئے جہاں ہمارے خاندان کے ایک اور بزرگ حضرت علامہ مفتی سید احمد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دینی خدمت میں مصروف تھے المختصر جب یہ وہاں پہنچے تو

---

[1] روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270هـ) عطية الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت الطبعة: الأولى، 1415هـ ج 15 ص 134

سید احمد شاہ صاحب نے انہیں دیکھ لیا اور آپ کے بڑے بھائی سے فرمایا وہ سامنے تمہارا بھائی جارہا ہے جس پر حضرت سید محسن شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ آپ کے پاس آئے اور آپ سے حال واحوال پوچھنے لگے، حضرت محسن شاہ صاحب کیونکہ آپ کے بچپن میں گم ہوگئے تھے، لہذا بارہ سال کے طویل عرصہ کے بعد آپ انہیں چہرے سے نہ پہچان سکے آپ فرماتے ہیں کہ وہ مجھ سے میرے علاقے، گاؤں وغیرہ کے بارے میں سوال کرنے لگے جن کے میں جواب دیتا رہا مجھ سے میرے ابا جی (والد صاحب) کا نام پوچھا جو میں نے بتایا، بھائی کا نام پوچھا وہ بھی بتایا، اس کے بعد میری والدہ کا نام پوچھا تو میرے ہاتھ میں جو لاٹھی تھی وہ میں نے انہیں مارنے کے لیے اٹھالی، سید احمد شاہ صاحب جو ہمارے پیچھے پیچھے چلتے آرہے تھے انہوں نے جب صورتحال دیکھی تو فورا بولے رک جاؤ حضرت شاہ یہ تمہارے بڑے بھائی محسن شاہ ہیں۔ جب میں نے یہ سنا کہ یہ تو میرے گم شدہ بھائی ہیں تو لاٹھی نیچے پھینک دی اور انہیں گلے لگالیا۔

سادات کے خاندان میں کسی غیر کا محرمات کو نام سے پکارنا تو دور، ان کا نام پوچھنا بھی پسند نہیں کیا جاتا چہ جائیکہ کوئی بی بی پاک رضی اللہ عنہا کو بر سر منبر چیخ چیخ کر خطا پر کہہ رہا ہو تو خود سوچیں ان کے بچوں پر کیا گزری ہو گی کہ ان کی پاک ماں کو کس لب ولہجہ میں کن الفاظ میں مجمع عام میں ذکر کیا جارہا ہے۔ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما پر کیا گزری ہو گی اور خود سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا اور ان کے والد گرامی سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا گزری ہو گی جن کی لخت جگر کے لئے یہ الفاظ اور انداز اختیار کیا گیا۔ اللہ کرے موصوف اور ان کے حواریوں کو یہ بات سمجھ آ جائے۔

محدثین اور مجتہدین کرام میں سے کئی تو سیدہ زہراء کی شخصیت کی وجہ سے اتنے محتاط تھے بعض مسائل میں مسئلہ سمجھانے کے لیے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیث میں بالفرض بھی بی بی پاک رضی اللہ عنہا کا نام لیا تھا تو یہ ادباً ان کے نام کی صراحت نہیں کرتے تھے کہ ایسے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو نام لے سکتے ہیں ہم آپ رضی اللہ عنہا کا نام نہیں لیں گے۔

ادب زہراء پاک کے حوالے سے علماء ربانیین کی احتیاط

سیدہ زہراء علی ابیہا وعلیہا السلام کا ادب سیکھنا ہو تو کشتۂ عشق وادب اہل بیت امام شافعی رضی اللہ عنہ سے سیکھیں۔ آپ اپنی کتاب ''الام''میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث روایت کرنے میں بھی سیدہ پاک کے ادب کی وجہ سے کتنی احتیاط سے کام لیتے ہیں۔

واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ قیام مکہ کے دوران سرکار دو عالم ﷺ کے پاس ایک فاطمہ نامی عورت کا مقدمہ پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جس پر اس کی قوم کے لوگوں نے منت سماجت کر کے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے سفارش کروائی جس پر سرکار دو عالم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا "اے لوگو خبر دار ہو جاؤ پچھلی امتیں اس وجہ سے ہلاک ہو گئیں کہ جب ان کے کسی بڑے آدمی سے چوری ہوتی تو اسے چھوڑ دیتے اور اس پر حد قائم نہ کرتے۔ قسم ہے اس رب العزت کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد کی جان ہے اگر محمد کی فلاں (اپنے خاندان کے ایک فرد کا نام لیا) بھی چوری کرتی تو میں اس کے ہاتھ کاٹتا"۔ پھر اس مخزومی عورت کے ہاتھ کاٹے گئے امام شافعی نقل کرتے ہیں: وَقَطَعَ امْرَأَةً لَهَا شَرَفٌ فَكُلِّمَ فِيهَا فَقَالَ: لَوْ سَرَقَتْ فُلَانَةُ لِامْرَأَةٍ شَرِيفَةٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا .[1] ایک معزز عورت کا ہاتھ کاٹا تو آپ ﷺ سے اس کے ہاتھ نہ کاٹنے کی سفارش کی گئی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر فلاں بھی ایک شرف والی عورت کے بارے میں فرمایا چوری کرتی تو میں اس کا بھی ضرور ہاتھ کاٹتا۔

علامہ حسین بن محمد الدیار بکری امام تاج الدین سبکی کا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط پر تبصرہ لکھتے ہیں:

وذكر القاضى تاج الدين السبكى فى كتابه التَرشِيح قال قال الشافعى رضى الله عنه فى بعض نصوصه وقطع رسول الله صلى الله عليه وسلم امرأة لها شرف فكلم فيها فقال لوسرقت فلانة لامرأة شريفة لقطعت يدها قال ابن السبكى فانظر الى قوله فلانة ولم يبح باسم فاطمة تأدّبا معها ان يذكرها فى هذا المعرض وان كان أبوها صلّى الله عليه وسلم قد ذكرها لانه يحسن منه ما لايحسن منا انتهى كلام السبكى.[2]

امام تاج الدین سبکی نے اپنی کتاب الترشیح میں ذکر کیا ہے آپ نے فرمایا کہ امام شافعی رضی اللہ عنہ نے بعض نصوص میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا جو محترم خاندان کی تھی تو آپ سے اس کی سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا اگر فلاں بھی چوری کرتی ایک محترم عورت کا نام لیا تو اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔ یہاں تاج الدین سبکی کہتے ہیں امام شافعی کے قول فلانہ پر غور کرو حضرت سیدہ فاطمہ کا نام لینا ان کے ادب کی وجہ سے جائز نہیں سمجھا کہ اس جگہ پر

---

1 الكتاب: الأم المؤلف: أبو عبد الله محمد بن إدريس الشافعي (١٥٠، ٢٠٤ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت الطبعة: الثانية ١٤٠٣ھ، ١٩٨٣م) ج 6 ص 190

2 تاريخُ الخَميس في أحوالِ أنفَس نَفيس المؤلف: حسين بن محمد بن الحسن الدِّيار بَكْري (م:٩٦٦ھ) الناشر: دار صادر، بيروت الطبعة:، عدد الأجزاء: ٢ [ترقيم الكتاب موافق للمطبوع] ج1 ص 238

ان کا نام لیا جائے حالانکہ ان کے والد محترم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس کا ذکر کیا ہے کیونکہ جس کا ذکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درست ہے اس کا ذکر کرنا ہم سے درست نہیں سبکی کا کلام مکمل ہوا۔

اہل بیت کے ساتھ عقیدت و محبت اور اس معیار کے ادب کی وجہ سے امام شافعی رضی اللہ عنہ پر رفض کے الزام بھی لگے اسی لیے آپ نے فرمایا تھا:

إِنْ كَانَ رَفْضاً حُبُّ آلِ مُحَمَّدٍ... فَلْيَشْهَدِ الثَّقَلانِ أَنِّي رَافِضِي[1]

اگر آلِ محمد سے محبت کرنا رفض (شیعہ ہونا) ہے.... تو انسان اور جنات گواہ رہیں کہ میں رافضی (شیعہ) ہوں۔

یہاں حدیث پاک میں آپ رضی اللہ عنہا کی طرف جو نسبت کی گئی ہے یہ فرض کیا گیا ہے اس کا وقوع نہیں ہے لیکن اس کے باوجود گویا امام شافعی یہ بتا رہے ہیں کہ ایسی جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مثال میں آپ رضی اللہ عنہا کا نام لے سکتے ہیں۔ مگر میں آپ کا غلام اپنے لئے فرض کرتے ہوئے بھی ایسی جگہ آپ رضی اللہ عنہا کا نام لینا ادب کے خلاف سمجھتا ہوں۔

ایسے ہی شیخ الإسلام ابو العباس شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمی السعدی الأنصار، (المتوفی:974ھ) بھی الفتاوی الفقهية الكبرى میں صحابہ کرام کے ادب پر ایک فتویٰ میں امام شافعی کے ادب کی یہی مثال نقل کرتے ہیں:

فَيَنْبَغِي لِهَذَا الْمُؤَلِّفِ أَنْ يَتَأَمَّلَ ذَلِكَ وَيَرْجِعَ عَنْ هَذَا التَّأْلِيفِ بِمَحْوِهِ وَيَتُوبَ إِلَى اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَمَّا فَرَّطَ مِنْهُ مِنْ إِيذَاءِ الْأَمْوَاتِ وَالْأَحْيَاءِ سِيَّمَا أَكَابِرَ هَذِهِ الْأُمَّةِ وَلِيَتَأَمَّلْ إِنْ وُفِّقَ عَظِيمَ أَدَبِ إِمَامِنَا الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ مَعَ فَاطِمَةَ الزَّهْرَاءِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا حَيْثُ كَنَّى عَنْ اسْمِهَا وَلَمْ يُصَرِّحْ بِهِ مُبَالَغَةً فِي التَّأَدُّبِ مَعَهَا وَنَصُّهُ كَمَا فِي التَّوْشِيحِ عَنْهُ "وَقَطَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً لَهَا شَرَفٌ فَتَكَلَّمَ فِيهَا فَقَالَ لَوْ سَرَقَتْ فُلَانَةُ لِامْرَأَةٍ شَرِيفَةٍ لَقَطَعْتُ يَدَهَا" إِلَى تَعْبِيرِهِ بِفُلَانَةَ دُونَ فَاطِمَةَ تَأَدُّبًا مَعَهَا أَنْ يَذْكُرَهَا فِي هَذَا الْمَعْرِضِ وَإِنْ كَانَ أَبُوهَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ذَكَرَهَا بِاسْمِهَا.

---

1 الانتقافی فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء المؤلف: عبد الله نمری قرطبی (م:463ھ) مطبوعة الكتب العلميه بيروت ج1ص 91، تفسير الرازي = ج 27 –الشوری ایة 23

وَلَوْ تَأَمَّلَ هَذَا الْمُؤَلِّفُ عَظِيمَ الْمُبَالَغَةِ مِنْ أَدَبِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ فِي هَذَا الْمَقَامِ لَعَلِمَ أَنَّ مَا سَلَكَهُ أَمْرٌ لَا يَخْلُصُ مِنْ وَرْطَةِ قُبْحِهِ وَشَنَاعَةِ مَوْقِعِهِ فِي حَقِّ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ وَحَمْلِهِ النَّاسَ عَلَى ذِكْرِهِمْ بِذَلِكَ الْأَمْرِ الشَّنِيعِ عَلَى طُولِ الزَّمَانِ لِأَصْحَابِ نَبِيِّهِمْ إِلَّا بِأَنْ يُخْلِصَ التَّوْبَةَ وَيَرْجِعَ عَنْ هَذَا الْمُؤَلَّفِ رَجَاءً لِعَفْوِ اللهِ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَى عَنْهُ وَلْيَحْذَرْ مِنْ أَنْ يُصِرَّ عَلَى اعْتِقَادِ أَنَّ فِي ذَلِكَ مَوْعِظَةً فَإِنَّهُ لَا مَوْعِظَةَ فِيهِ.[1]

اس مؤلف کو چاہئے کہ اس پر غور کرے اور اس کتاب کو ختم کر کے اس سے رجوع کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرے جو زندوں اور فوت شدہ کو ایذا دینے میں حد سے تجاوز کیا ہے خاص طور پر اکابرین امت کو۔ اور غور کرے اور موافقت کی جائے ہمارے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ عظیم ادب و احترام میں، جب ان کے ادب احترام میں مبالغہ کرتے ہوئے صریح نام کے بجائے کنایۃ ذکر کیا اور جیسا کہ التوشیح میں ان کے حوالے سے ذکر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معزز عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔ اس کی سفارش کی گئی تو آپ نے شرف و مرتبہ والی عورت کے حوالے سے فرمایا کہ فلاں بھی چوری کرتی تو میں اس کے بھی ضرور ہاتھ کاٹتا۔ تو آپ سیدہ زہراء کے ادب کی وجہ سے ایسے مقام پر آپ کے نام کے بجائے فلاں سے تعبیر کیا، حالانکہ آپ کے والد گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا ذکر آپ کے نام سے کیا۔ اگر یہ مؤلف حضرت امام شافعی کے اس مقام پر ادب کے اس عظیم مبالغہ پر غور کرتا تو جان لیتا کہ اس نے جو کچھ کیا وہ ایسا کام ہے جس کی برائی کی وجہ اور صحابہ کرام کے حق میں اس شاعت کی وجہ سے گلو خلاصی نہیں مگر یہ کہ خلوص دل سے توبہ کرے اللہ تعالی سے معافی کی امید کرتے ہوئے اس تالیف سے رجوع کرے اپنے اعتقاد پر مصر ہونے سے بچے کہ اسی میں بھلائی ہے، کیونکہ اس میں کوئی بھلائی نہیں۔

اسی طرح امام عبد الرحمن بن ابی بکر جلال الدین سیوطی (المتوفی: 911ھ) اپنے ایک فتوی میں امام شافعی کے ادب کی یہ مثال دیتے ہیں:

قَالَ ابن السبكي فِي كِتَابِهِ التَّرْشِيحِ: قَالَ الشَّافِعِيُّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي بَعْضِ نُصُوصِهِ: وَقَطَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً لَهَا شَرَفٌ، فَكُلِّمَ فِيهَا فَقَالَ: " لَوْ سَرَقَتْ فُلَانَةُ لِامْرَأَةٍ شَرِيفَةٍ

---

[1] الفتاوى الفقهية الكبرى المؤلف: أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (المتوفى: 974هـ) جمعها: تلميذ ابن حجر الهيتمي، الشيخ عبد القادر بن أحمد بن علي الفاكهي المكي (التوفى 982هـ) الناشر: المكتبة الإسلامية ج 4 ص 83

لَقَطَعْتُ يَدَهَا" قَالَ ابن السبکی: فَانْظُرْ إِلَى قَوْلِهِ "فُلَانَةُ" ، وَلَمْ يُصَرِّحْ بِاسْمِ فاطمة؛ تَأَدُّبًا مَعَهَا رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنْ يَذْكُرَهَا فِي هَذَا الْمَعْرِضِ، وَإِنْ كَانَ أَبُوهَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ ذَكَرَهَا؛ لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنٌ دَالٌّ عَلَى أَنَّ الْخَلْقَ عِنْدَهُ فِي الشَّرْعِ سَوَاءٌ انْتَهَى.

فَهَذَا مِنْ صُنْعِ الشَّافِعِيِّ، ثُمَّ مِنْ تَقْرِيرِ السبکی أَصْلٌ فِي هَذِهِ الْمَسْأَلَةِ وَنَقْلٌ مِنْ حَيْثُ مَذْهَبِنَا، فَقَوْلُهُ: تَأَدُّبًا يَدُلُّ عَلَى أَنَّ ضِدَّهُ خِلَافُ الْأَدَبِ، وَقَوْلُهُ: لِأَنَّ ذَلِكَ مِنْهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنٌ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ مِنْ غَيْرِهِ قَبِيحٌ، هَذَا مَعَ كَوْنِ الشَّافِعِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ إِنَّمَا سَاقَ الْحَدِيثَ مَسَاقَ الِاحْتِجَاجِ عَلَى الْمَسَائِلِ الشَّرْعِيَّةِ، وَمَسَاقَ تَقْرِيرِ الْعِلْمِ فِي التَّصْنِيفِ الَّذِي لَا يَقِفُ عَلَيْهِ إِلَّا أَهْلُهُ، بَلْ لَوْ صَرَّحَ بِالِاسْمِ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَحَلِّ لَمْ يَكُنْ فِيهِ شَيْءٌ، وَأَمْرٌ آخَرُ: أَنَّ النَّقْصَ الْمَذْكُورَ وَاقِعٌ فِي حَيِّزِ "لَوْ" ، مَنْفِيٌّ عَنْهَا لَا مُثْبِتٌ لَهَا، وَإِنَّمَا ذُكِرَ عَلَى سَبِيلِ الْفَرْضِ الَّذِي لَا سَبِيلَ إِلَى وُقُوعِهِ،[1]

علامہ تاج الدین سبکی اپنی کتاب التشریح میں فرماتے ہیں امام شافعی نے اپنی بعض نصوص میں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ایک اعلیٰ خاندان کی عورت کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اس میں آپ سے سفارش کی گئی تو آپ نے فرمایا اگر فلاں بھی چوری کرے ایک انتہائی معزز خاتون کا کہا میں اس کے بھی ہاتھ کاٹوں گا تاج الدین سبکی فرماتے ہیں امام شافعی کے قول فلاں کی طرف توجہ کریں۔ آپ نے اس مقام پر فاطمہ کا نام لینا ان کے ادب کی وجہ سے مباح نہیں سمجھا چہ جائیکہ آپ کے والد گرامی نے ذکر فرمایا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی طرف سے یہ حسن ہے جو دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ شریعت کے معاملات میں آپ ﷺ کے لیے مخلوق برابر ہے۔

یہ امام شافعی کا طریقہ تھا۔ امام سبکی کی تقریر اس مسئلہ میں اصل ہے اور ہمارے مذھب کو نقل کیا ہے۔ آپ کا قول "تأدبا" اس پر دلالت کرتا ہے کہ اس کی ضد خلاف ادب ہے۔ اور آپ کا قول کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حسن ہے اس پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے غیر سے قبیح ہے۔ اگرچہ امام شافعی حدیث کو مسائل شرعیہ پر احتجاج کے لیے لائے ہیں۔ اور تقریر علم کا میدان تصنیف میں ایسا ہے کہ جس پر اہل علم کے علاوہ کوئی مطلع نہیں ہوتا، بلکہ اگر آپ نام کی تصریح اس مقام پر کرتے تو بھی کوئی اعتراض نہ ہوتا۔ دوسری بات کہ مذکورہ

---

[1] الحاوي للفتاوي المؤلف: عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911هـ) الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر، بيروت، لبنان عام النشر: 1424هـ 2004م ج1 ص279

نقص "لو" کی حیز میں واقع ہے جو آپ سے اس عمل کی نفی کرتا ہے اثبات نہیں، بلکہ علی سبیل الفرض ذکر ہے نہ کہ علی سبیل الوقوع۔

جب سیدہ زہراء کے ادب کا معاملہ ہو تو ایسی ہی ایک مثال میں محمد رشید بن علی رضا بن محمد شمس الدین بن محمد بهاء الدين بن منلا علی خلیفة القلموني الحسيني (المتوفى: 1354ھ) تفسیر منار میں امام ابو داؤد سجستانی کی احتیاط نقل حدیث میں لکھتے ہیں:

وَمِنْ هَذَا الْقَبِيلِ: مَا فَعَلَهُ أَبُو دَاوُدَ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى فِي حَدِيثِ تَعْزِيَةِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ فِي مَيِّتٍ وَقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَهَا: "فَلَعَلَّكِ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدَى" أَيِ الْمَقَابِرَ، قَالَتْ: مَعَاذَ اللهِ وَقَدْ سَمِعْتُكَ تَذْكُرُ فِيهَا مَا تَذْكُرُ، فَقَالَ لَهَا كَمَا فِي سُنَنِ النَّسَائِيِّ: "لَوْ بَلَغْتِهَا مَعَهُمْ مَا رَأَيْتِ الْجَنَّةَ حَتَّى يَرَاهَا جَدُّ أَبِيكِ" وَأَمَّا أَبُو دَاوُدَ فَرَوَاهُ هَكَذَا: قَالَ: "لَوْ بَلَغْتِ مَعَهُمُ الْكُدَى" فَذَكَرَ تَشْدِيدًا عَظِيمًا. اهـ. وَقَالُوا: إِنَّهُ تَرَكَ التَّصْرِيحَ بِآخِرِ الْحَدِيثِ مِنْ بَابِ الْأَدَبِ.[1]

اور اسی انداز میں سے ہے جو امام ابو داؤد سجستانی رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایک میت کی تعزیت والی حدیث میں کیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے فرمان "تو شاید ان کے ساتھ کدیٰ بھی گئی ہو گی"، یعنی قبرستان، آپ نے عرض کی اللہ کی پناہ (میں وہاں جاتی) جب کہ میں نے آپ کو اس بارے میں (سخت الفاظ) فرماتے سنا ہے جو آپ فرماتے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا جیسا کہ سنن نسائی میں ہے: اگر تو ان کے ساتھ کدیٰ جاتی تو جنت کو دیکھ بھی نہیں سکتی تھی حتی کہ تیرے والد کے دادا اسے دیکھیں۔[2] اور امام ابو داؤد نے اسے اس طرح روایت کیا ہے آپ نے فرمایا: اگر تو ان کے ساتھ کُدیٰ جاتی تو آپ نے بڑی سخت بات ذکر فرمائی علماء کرام نے فرمایا ہے امام ابو داؤد نے حدیث کے آخر میں صریح الفاظ کو سیدہ پاک کے ادب کی وجہ سے ترک کر دیا۔

یہاں کلام بھی مشروط تھا کہ اگر آپ ایسا کرتیں حالانکہ آپ نے وہ کیا ہی نہیں تھا۔ اور رسول اللہ کا فرمان تعلیم امت کے لیے تھا لیکن امام ابو داؤد آپ رضی اللہ عنہا کے ادب کے وجہ سے وہ الفاظ ہی ذکر نہیں کرتے۔

---

1 تفسير القرآن الحكيم (تفسير المَنار) المؤلف: محمد رشيد بن علي رضا بن محمد شمس الدين بن محمد بهاء الدين بن منلا علي خليفة القلموني الحسيني (المتوفى: 1354هـ) الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب سنة النشر: 1990 م ج 7 ص 549

2 امام نسائی اس حدیث کے راوی ربیعہ بن سیف کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ ضعیف ہے۔

کہاں اہل سنت کے جید ائمہ جو ایسے مواقع پر سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کا روایات میں نام ہونے کے باجود احتیاطاً آپ کا نام قضیہ فرضیہ میں بھی ذکر نہیں کرتے یا وہ کلام ہی ذکر نہیں کرتے اور اسے ذکر کرنا اپنے لیے ادب کے خلاف سمجھتے ہیں کہاں آج کا یہ گروہ جو امکان کو وقوع بناتا ہے اور خطا نہ ہونے کے باجود نہ صرف بضعۂ رسول سیدہ زہراء کو نعوذ باللہ خطا پر کہتا ہے، اور اگر کسی روایت میں تعلیم امت کے لیے ذنب کا لفظ بھی آیا ہو تو اس کی خاص طور پر نشاندہی بھی کرتا ہے بلکہ مزید ظلم یہ کہ اپنی اس بے باکی کو دین کی خدمت بھی قرار دے رہا ہے۔

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ادب و احتیاط کے حوالے سے "مدارج النبوت" میں لکھتے ہیں:

> خدا خیر دہد امام تاج الدین سبکی را کہ از ائمہ مذہب امام شافعی ست در نقل سخن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ صریح نام فاطمہ زہراء ذکر نکرد و ادب در زید دراضی نشد کہ درین مقام اسم شریف او راذکر کند و گفت گفت آنحضرت اگر دزدی کردی فلان و بر دنام یکی از اہل بیت خود راد ستش را قطع کردمی بارک اللہ فی تعظیمہ ورعایتہ مع الزہراء البتول سلام اللہ علیہاو علی سائر بنت النبوۃ اجمعین۔ [1]
>
> اللہ تعالیٰ امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر دے جو مذہب شوافع کے ایک امام ہیں انہوں نے حضور کے اس خطبہ کے نقل کرنے میں جس میں سیدہ فاطمہ کا نام نامی صراحت کے ساتھ ہے ان کا اسم گرامی نقل نہیں کیا اور ادب ملحوظ رکھا اور پسند نہ کیا کہ اس مقام میں ان کے اسم گرامی کا ذکر کیا جائے اور لکھا کہ حضور نے فرمایا کہ اگر فلاں بھی چوری کرے (اور اپنے اہل بیت میں سے ایک کا نام لیا) تو اس کے بھی ہاتھ کاٹے جائیں گے۔ بارك الله في تعظيمه ورعايته ادبه مع الزهراء سلام الله عليها، على سائر بيت النبوة اجعين[2]

کیا خوب ادب و تعظیم کا انداز ہے سرکار دوعالم کے کلام میں نام موجود ہونے کے باوجود آپ نام نہیں لے رہے سرکار دوعالم کا معاملہ اور ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو ایسے مقام پر آپ رضی اللہ عنہا کا نام لے سکتے ہیں۔ لیکن ہمارے لیے ادب کا تقاضایہ ہے کہ ایسے مواقع پر نام نہ لینے کی احتیاط کرنی چاہئے۔

---

1. مدارج النبوت المولف: افضل الفضلاء اعلم العلماء فرید العصر مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی ناشر مرکز اہلسنت برکات رضا پور بندر گجرات ج 2 ص 305
2. مدارج النبوت ترجمہ الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی ناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی ج 2 ص 509

ایسے ہی محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ان کے پوتے نے بتایا کہ جس حدیث پاک میں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا تذکرہ آتا تو آپ اس سے پہلے خاص طور پر اپنے تلامذہ سے (قیامت کے دن کے منظر یا أهل الجمع غضوا أبصاركم لتمر فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم کو سامنے رکھ کر) فرمایا کرتے تھے کہ اپنی نگاہیں جھکا لیں کہ آنے والی حدیث مبارک میں خاتون جنت رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ہے۔ جس جماعت کے مقتدیٰ ایسی شخصیات ہوں اور ان پاک شخصیات کے حوالے سے اس درجہ کے ادب کے ماحول میں پرورش پائی ہو، ان کے لئے سیدہ پاک کے لئے **خطا پر تھیں مانگ رہی تھیں تو خطا پر تھیں**، اور ان سے **غلطی ہوگئی**، جیسے نامانوس الفاظ جو چودہ صدیوں کی کتب اسلاف میں نہ ہوں، برق بن کر ہی گرنے تھے۔ اس دل آزار کلام سے جب توبہ ورجوع کا مطالبہ کیا گیا تو بجائے اس کے کہ اپنے اس باطل کلام سے رجوع کر لیا جاتا۔ اس میں تاویل مردود کی راہ اختیار کی گئی، اور اسے ثابت کرنے کے لئے مزید ٹھوکریں کھائیں۔

اب تو حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ آپ کی طرف ذنب کی نسبت کو بیان کیا جارہا ہے، مطالبہ کو لقمہ حرام کا مطالبہ ثابت کیا جارہا ہے، اور اس کے علاوہ مطلق خطا کو بھی بیان کرنا جائز سمجھا جارہا ہے۔ (الامان والحفیظ) اللہ تعالیٰ ہمیں سیدہ زہراء پاک کے تذکرہ کرتے وقت الفاظ میں جید ائمہ کے نقش قدم پر چلائے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے کلام کی باطل تاویل کرنے کی کوشش کی کہ میں قبلہ پیر صاحب کے کلام کی ہی تشریح کر رہا ہوں اور اسے خطاء اجتہادی بنا دیا۔ نہ ہی یہ قبلہ پیر صاحب کے کلام کی درست تشریح ہے اور نہ ہی خطاء اجتہادی۔

کلام خصم میں خطا کا لفظ مطلق ہونے پر "تصفیہ" کی عبارت کے قرائن

ڈاکٹر صاحب نے مامور من الرسول تاجدار گولڑہ قبلہ پیر صاحب کا حوالہ دیتے ہوئے سیدہ زہراء پاک کے لئے تلخ لہجے میں تکرار کے ساتھ دل سوز الفاظ "**خطا پر تھیں، جب مانگ رہی تھیں تو خطا پر تھیں**" کہے تو اسے قبلہ پیر صاحب کے کلام کی شرح قرار دے دیا اور پھر یوکے کے مشیروں[1] کے کہنے پر اس کی تاویل خطا اجتہادی سے کر دی، جو کہ نہ اس کلام کی شرح کے اعتبار سے درست ہے نہ ہی محل کے اعتبار سے۔

---

[1] جناب مخدوم اہلسنت حضرت علامہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی وبرکاتہ میں۔۔۔۔۔۔ عرض کر رہا ہوں۔ بریڈ فورڈ سے۔ آپ کو میں سب سے پہلے اہلسنت والجماعت کے مسلک کی ترجمانی اور حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ اور **پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ**

حالانکہ پیر صاحب نے آیت تطھیر سے روافض جو عصمت واجبہ اہل بیت پر استدلال کرتے ہیں اس کی نفی کے لئے اس **پاک گروہ** سے امکان خطا کی بات کی اور اتنی احتیاط ملحوظ خاطر رکھی کہ ادباً کسی کے نام کی بھی صراحت نہیں کی۔ اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام بھی مطلق خطا کے متعلق تھا جس سے عصمت کی نفی ہوتی ہے، نہ کہ اجتہادی خطا کے متعلق کیونکہ ''خطاء اجتہادی بدون القرار'' سے عصمت کی نفی ہی نہیں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب کی گفتگو اور اس میں فرق یہ ہے کہ اس میں صرف امکان کی بات تھی وقوع و صدور خطا کی کسی صورت بھی نہیں تھی۔ پیر صاحب کا اس موقع پر کلام کوئی پیچیدہ یا مشکل نہیں تھا کہ جس کا سمجھنا مشکل ہو، بار بار یہ مطالبہ کیا جاتا ہے کہ کوئی ہمیں پیر صاحب کی عبارت کا مفہوم آسان لفظوں میں سمجھا دے کہ کیا ہے؟ تو اس لئے وضاحت کی جا رہی ہے، وگرنہ دل تو اس کی وضاحت کرنے پر بھی مائل نہیں کہ اس پاک گروہ کے لئے ایسی وضاحتیں بھی لکھی جائیں۔

آسان الفاظ میں ''تصفیہ'' کی عبارت کا مفہوم

جب ڈاکٹر صاحب اپنے کلام کو قبلہ پیر صاحب کی عبارت کی تشریح قرار دیتے ہیں تو عبارت میں تو ''مطلق خطا'' کے امکان کی بات ہے اجتہادی کی نہیں۔ اور ڈاکٹر صاحب نے بھی لفظ مطلق ہی بولے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ پیر صاحب نے امکان اور قضیہ فرضیہ بیان کیا اور آپ نے وقوع بنا دیا۔

اور اس کے علاوہ آپ نے قاعدہ بیان کیا کہ جو سوال میں ماخوذ ہو وہ جواب میں بھی ماخوذ ہوتا ہے۔ سوال میں تو روافض کی طرف سے ''ناجائز امر'' کے ممکن ہونے کی نفی ہے ''اجتہادی خطا'' کے ممکن ہونے کی نفی نہیں، تو جواب میں بھی عصمت واجبہ کی نفی کے لیے اس ناجائز امر کا ممکن ہونا بیان کیا گیا ہے (لیکن وقوع نہیں کہا)۔ اور غیر انبیاء علیہم السلام باقی انسانوں سے ہر قسم کی خطائیں ممکن ہیں۔ تو کیا آپ اس پاک گروہ سے جو کچھ ممکن ہے ان تمام قسم کی خطاؤں کے صدور کے قائل ہیں؟

تعالیٰ کی جو عبارت ہے اس پر جو آپ کی گفتگو ہے وہ سو فیصد درست ہے اور بلکہ مزید اس عبارت کو کھولا جائے تو ان ظالموں کو اور آگ لگ جائے۔ تو اب یہ جو انھوں نے شور مچا رکھا ہے اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ! **آپ اپنے بیان میں صرف "خطا" کے ساتھ "اجتہادی" کا اضافہ کر دیں تو یعنی "خطا اجتہادی" "میری مراد تھی** تو بس ان کے لیے پھر کوئی گنجائش نہیں رہ جائے گی کہ وہ اس طرح کی بک بک کریں۔ عین ممکن ہے ہم خود بھی اس حوالے سے کوئی ایک بیان ریکارڈ کروائیں اور صرف باغ فدک کے حوالے سے اور حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا جو مطالبہ ہے اس کے اور خاص کر کے پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پر میں چاہتا ہوں کہ اس پر میں کچھ گفتگو معقولی کر کے ان کے میدان میں چھوڑ دوں اور پھر کہا جائے اس کا آپ اس پر غور کریں تو عین ممکن ہے اگر ریکارڈ ہوا تو وہ بھی پہنچے گا اور عام ہو گا انشاء اللہ تو یہ حق کا کلمہ آپ نے بلند کر رکھا ہے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حفظ و امان میں رکھے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالی وبرکاتہ (آڈیو پیغام)

حضرت قبلہ پیر صاحب کا کلام اتنا واضح اور صاف ہے کہ ایک عام قاری بھی آسانی سے سمجھ لیتا ہے کہ اس میں پیر صاحب کس خطا کی بات کر رہے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ روافض کے آیت تطہیر سے عصمت پر استدلال کے رد میں لکھتے ہیں:

"اس موضوع پر ایک اور دلیل جو فریق مخالف کی طرف سے دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بموجب آیۃ تطہیر اہل بیت علیہم الرضوان کو پاک گردانا ہے۔ لہٰذا سیدۃ النساء رضی اللہ عنہا فدک کا دعویٰ کرتے ہوئے کسی **ناجائز امر** کی مرتکب نہیں ہو سکتیں، اس دلیل کا تفصیلی جواب آگے چل کر آیت تطہیر کی فصل میں دیا جائے گا۔ یہاں اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ آیت کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ یہ "**پاک گروہ**" **معصوم ہیں اور ان سے "کسی قسم کی بھی خطا" کا سرزد ہونا ناممکن ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر بمقتضائے بشریت ان سے "کوئی خطا" سرزد بھی ہو تو وہ "عفو و تطہیر" الٰہی میں داخل ہو گی۔**[1]

قبلہ پیر صاحب نے روافض کو جواب دیتے ہوئے اہل بیت کے ادب و احترام کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے آیت تطہیر کا مطلب بتاتے ہوئے ایک قضیہ فرضیہ بیان فرمایا جو کہ مشروط ہے۔ سوال تو سیدہ پاک کے بارے میں تھا، مگر جواب میں آپ ادباً ان کی صراحت کرنے کے بجائے گروہ کے الفاظ استعمال کرتے ہیں "کہ آیت کا مطلب ہر گز یہ نہیں کہ **یہ "پاک گروہ" معصوم ہیں اور ان سے "کسی قسم کی بھی خطا" کا سرزد ہونا ناممکن ہے**" جو کہ عصمت کی نفی کے لئے ہے۔ اور آگے لکھتے ہیں کہ "**اگر بمقتضائے بشریت ان سے "کوئی خطا" سرزد بھی ہو تو وہ عفو و تطہیر الٰہی میں داخل ہو گی**" اور آپ نے انتہائی حساس ہستی کے بارے میں انتہائی بے باک انداز میں ٹارگٹ کرتے ہوئے کہہ دیا کہ "**خطا پر تھیں، جب مانگ رہی تھیں تو خطا پر تھیں**"۔

پیر صاحب تو عصمت کی نفی بیان کر رہے ہیں۔ یعنی فرض کریں کہ اس پاک گروہ سے اگر بمقتضائے بشریت "کوئی خطا" ("کوئی" کا لفظ عام ہے صرف اجتہادی نہیں کہا "کوئی" کا لفظ تمام اقسام کو شامل ہے) یعنی "کسی قسم" کی سرزد بھی ہو تو وہ عفو و تطہیر الٰہی میں داخل ہو گی۔ مگر یہاں اور اس کے علاوہ بھی اس کتاب میں جتنی دفعہ خطا کے متعلق گفتگو کی ہے ایک مرتبہ بھی یہ نہیں لکھا کہ خطا کا صدور ہوا ہے اور نہ ہی بی بی پاک رضی اللہ عنہا کی صراحت ہے۔ جتنی دفعہ بھی ذکر کیا قضیہ فرضیہ یا امکان ذکر کیا ہے اور اس امکان میں بھی کسی کے نام کی صراحت نہیں کی "گروہ" کا ذکر کیا ہے۔ جن میں صرف سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا نہیں بلکہ مولیٰ علی اور امام حسن و

---

[1] (تصفیہ ص47)

حسین رضی اللہ عنہم بھی ہیں [1] (ملفوظات میں ایسا ہی امکان و قضیہ فرضیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں بھی ذکر کیا) [2] آپ رحمۃ اللہ علیہ تو انبیاء علیہم السلام اور امتیوں کے درمیان فرق بیان فرمارہے ہیں یعنی کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا معنی یہ ہے کہ ان سے تو کسی قسم کی خطا، (گناہ، معصیت، ذنب، جھوٹ) کا امکان ہی نہیں ہوتا، ان سے حفظ الٰہی کا وعدہ ہے جس کے سبب ان سے صدور خطا (بمعنی گناہ) شرعاً محال ہے [3] بخلاف ائمہ و اکابر اولیاء کے اللہ عزوجل جنھیں چاہے محفوظ رکھتا ہے، ان سے خطا (گناہ) ہوتی نہیں، مگر بعض سے ہو تو شرعاً محال بھی نہیں۔ [4] اب پیر صاحب جس خطا کے امکان کی بات کر رہے ہیں وہ اجتہادی نہیں ہو سکتی، کیونکہ اجتہادی پر تو اجر و ثواب ہوتا ہے، لیکن یہاں جس امکان کا پیر صاحب ذکر کر رہے ہیں اس کے بارے میں لکھتے ہیں 'اگر بمقتضائے بشریت ان سے "کوئی خطا" سرزد بھی ہو تو وہ "عفوو" تطہیر الٰہی میں داخل ہو گی' یعنی اللہ تعالیٰ اسے معاف فرمادے گا۔ جب کہ اجر و ثواب کا وعدہ صرف "خطاء اجتہادی" پر ہے، اور جن پر "عفو" (معافی) کی ضرورت ہو وہ اجتہادی نہیں ہو سکتیں۔

---

[1] **آیۃ تطہیر کا مطلب یہ نہیں کہ یہ پاک گروہ معصوم ہیں اور صدور خطا ان سے ناممکن ہے۔**(تصفیہ ص ۵۴)
اس حدیث شریف میں چارتن پاک کو ھؤلاء کے ساتھ اس لیے تعبیر کیا گیا ہے کہ آل عبا رضی اللہ عنہم حکم اہل بیت و خواص ہونے میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں۔ اور اذہاب الرجس و تطہیر بدیں معنی یعنی سب عیوب سے پاک کر دیا انھی کا حصہ ہے۔ **اگر بمقتضائے بشریت ان سے کوئی خطا سرزد بھی ہو تو زیر عفو و تطہیر داخل ہو گی۔** (تصفیہ ص۵۶)
یہ ساری تحقیق اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ آیہ تطہیر کا مورد خواہ امہات المؤمنین ہوں، یا مع آل کساء، یا صرف آل کساء علیہم السلام، تطہیر اور اذہاب الرجس بصورت تنزیل احکام و ہدایت شرعیہ نہیں (جو سب اہل ایمان کو شامل ہے) **"بلکہ یہ معنی عفو و مغفرت در آخرت ہے۔ خطا کا صدور بہر کیف مطہرین سے ممکن ہے۔ البتہ حشر ان کا آخرت میں مغفرت کاملہ کی صورت میں ہو گا"۔**(تصفیہ ص۵۸)

[2] فدک کے حوالے سے ہی گفتگو کرتے ہوئے پیر صاحب فرماتے ہیں: **"ہو سکتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی اجتہادی قصور یا خطا ظاہر ہوئی ہو"** (ملفوظات مہریہ مطبوعہ گولڑہ شریف: ۱۳۹۴ھ۔ ص 111) یہاں آپ نے اجتہادی خطا اور مطلق خطا دونوں کے ممکن ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ تو کیا دونوں کے حوالے سے کہیں گے کہ امکان تھا تو یہاں اجتہادی قصور ہو گیا یا خطا ہو گئی۔

[3] ائمہ اہلبیت رضی اللہ عنہم کو انبیاء علیہم السلام کی طرح معصوم سمجھنا گمراہی و بددینی ہے۔ عصمت انبیاء کے یہ معنی ہیں کہ ان کے لیے حفظ الٰہی کا وعدہ ہو لیا، جس کے سبب ان سے صدور گناہ شرعاً محال ہے۔ (بہار شریعت ج 1 ص 38)

[4] واحتج أصحابنا على عدم وجوب العصمة بالإجماع على إمامة أبي بكر وعمر وعثمان رضى الله عنهم مع الإجماع على أنّهم لم تجب عصمتهم، وإن كانوا معصومين بمعنى أنّهم منذ آمنوا كان لهم ملكة اجتناب المعاصى مع التمكن منها، وحاصل هذا دعوى الإجماع على عدم اشتراط العصمة فى الإمام (شرح المقاصد، المقصد السادس، المبحث الثاني، الشروط التي تجب في الإمام، ج 3 ص 484)
اعلم أَنَّهُ لَا تَجِبُ عِصْمَةُ الْوَلِيِّ كَمَا تَجِبُ عِصْمَةُ النَّبِيِّ لَكِنَّ عِصْمَتَهُ بِمَعْنَى أَنْ يَكُونَ مَحْفُوظًا لَا تَصْدُرُ عَنْهُ زَلَّةٌ أَصْلًا وَلَا امْتِنَاعَ مِنْ صُدُورِهَا، وقيل للجنيد: هل يزنى العارف؟ فأطرق ملياً ثم رفع رأسه وقال: {وَكَانَ اَمْرُ اللهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا} [الأحزاب38] (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية المؤلف: محمد بن محمد بن مصطفى بن عثمان، أبو سعيد الخادمى الحنفي (م:۱۱۵۶ھ) الناشر: مطبعة الحلبي الطبعة: بدون طبعة، ۱۳۴۸ھ) ج 1 ص 207)
فإن قيل: هل يكون الولى معصوماً؟ قيل: أمّا وجوباً كما يقال فى الأنبياء فلا، وأمّا أن يكون محفوظاً حتى لا يصر على الذنوب إن حصلت هنات أو آفات أو زلات فلا يمتنع ذلك فى وصفهم، ولقد قيل للجنيد: العارف يزنى يا أبا القاسم؟ فأطرق ملياً، ثم رفع رأسه وقال: وكان أمر الله قدراً مقدوراً. (الرسالة القشيرية المؤلف: عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك القشيري (م:465ھ) تحقيق: الإمام الدكتور عبد الحليم محمود، الدكتور محمود بن الشريف الناشر: دار المعارف، القاهرة باب الولاية، ج 2 ص 524)

ڈاکٹر صاحب نے اہل بیت کے بارے میں اس قضیہ فرضیہ کو کج فہمی کی وجہ سے واقعیہ یا حقیقیہ اور امکان کو وقوع سمجھ لیا۔ حالانکہ دار الافتاء میں اس قسم کے مسائل روزانہ کی بنیاد پر آتے ہیں کہ: عمرو نے اپنی بیوی ہندہ پر ان الفاظ کے ساتھ طلاق معلق کر دی تھی کہ اگر وہ زید کے گھر گئی ہوئی تو اسے طلاق ہے۔ اب یہاں ممکن تو ہوتا ہے کہ ہندہ زید کے گھر گئی ہو اور یہ بھی ممکن ہوتا ہے نہ گئی ہو۔ اب یہ امکان ماضی کے ایک معین واقعہ کے بارے میں ہوتا ہے، اب جانا یا نہ جانا دونوں طرفیں ممکن ہیں۔ اب صرف اس امکان پر طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک کہ ہندہ کا زید کے گھر جانا بالفعل واقع نہ ہوا ہو، یعنی ہندہ کا زید کے گھر جانے کا وقوع وصدور نہ ہوا ہو۔ اگر بالفعل گئی ہوئی ہو تو طلاق واقع ہے، اور اگر نہ گئی ہوئی تو طلاق نہیں ہے، صرف امکان پر طلاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ جانے کا امکان تھا لہذا جانے کا وقوع ہو گیا، لہذا ہندہ کو طلاق ہو گئی ہے۔ اسی طرح اگر مستقبل کے ساتھ معلق کر دے کہ اگر زید کے گھر جائے گی تو اسے طلاق ہے۔ تو یہ بھی وقوع کے ساتھ مشروط ہے، صرف جانے کے امکان پر طلاق کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

اب جس قسم کی خطا کا امکان پیر صاحب نے غیر معصومین سے عصمت واجبہ کی نفی کے لیے ذکر کیا ہے اسے زبردستی وقوع وصدور بنایا جائے تو اس سے کیا خرابی لازم آتی ہے؟ غور فرمائیں:

ماضی میں جو شخصیات گزر چکی ہیں ان سے ہزاروں قسم کی غلطیوں کا امکان تھا بعض سے ہزاروں خطاؤں کا وقوع بھی ہوا۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جن خطاؤں کا غیر انبیاء سے امکان تھا ان کا وقوع وصدور بھی ہر ایک سے ہوا ہو۔ کیونکہ امکان تو جھوٹ، ظلم، شرک، کفر، ارتداد بے شمار اقسام کے گناہوں کا تھا۔ اگر ماضی کی تمام مقدس شخصیات کے لیے ان خطاؤں کے امکان پر ان پر وقوع کا حکم لگایا جائے، تو ان پر کفر و شرک ارتداد کا حکم لگ جائے گا۔ یعنی ان شخصیات سے کفر کا امکان تھا تو کیا وہ کفر پر تھیں؟ جیسے یہاں قائل مذکور نے امکان خطا کو وقوع خطا کے لیے مستلزم کیا اور نتیجہ یہ نکالا کہ جب امکان خطا تھا تو خطا پر تھیں، یا غلطی ہو گئی (نعوذ باللہ من ھذا القول الشنیع) تو کیا جن شخصیات سے کفر کا امکان تھا ان کے لیے یہ کہنے کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ اس امکان کی آڑ میں ان کے لیے کوئی کہے کہ وہ کفر پر تھیں؟۔ (نعوذ باللہ من ھذا القول الشنیع) ہرگز اس امکان کی آڑ میں اولیاء اصحاب و آل رضی اللہ عنہم کے لیے ایسے قاعدے کی تحت ایسا قول کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی اگر کوئی ایسی بدبختی کا اظہار کرتا ہے تو اپنا ایمان برباد کرتا ہے۔

اگر کوئی ان کے امکان کفر پر یہ کہتا ہے کہ ماضی میں جن غیر معصومین سے امکان کفر تھا تو وہ سب کفر پر تھے یا ان سے کفر ہو گیا۔ تو قائل پر خود کفر لازم آجائے گا۔ کیونکہ اس قاعدہ سے وہ سب کی تکفیر کر رہا ہے۔ بلکہ خود پیر صاحب نے ہی فدک کے بیان میں صحابہ سے بھی اجتہادی قصور یا خطا کے امکان کی بات کی ہے، جیسا کہ شیعہ عقیدہ کے دو افراد نے مامور من الرسول حضور پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے مختلف استفسار کیے آپ کے ملفوظ نمبر ۱۵۰ میں ہے کہ:

پھر ان ہر دو نے قضیۂ فدک کا ذکر عرض کیا۔ حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ فدک پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تصرف بظاہر مالکانہ ہیئت سے معلوم ہوتا ہے لیکن حیات طیبہ میں ہرگز دعویٰ ملکیت نہیں فرمایا۔ اور نہ ہی فوائد فدک کو محض اپنے گھر تک محدود رکھا جس سے ملکیت ظاہر ہو۔ بلکہ مساکین و اہل بیت و قرابت اور مہمانوں پر فدک ہی سے خرچ فرماتے تھے۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر یہ امر ظاہر نہیں ہوا تھا کہ یہ تصرف ملکیت کا تھا یا مثل تصرف واقف کے وقف پر تصرف حاکم کا بیت المال پر۔ لہذا بمقتضائے مصلحت **اسی امر کو انسب خیال فرمایا** کہ فدک کی صورت اسی طرح رہے جیسا کہ عہد نبوی میں تھی یعنی اس کی آمدنی انہیں مصارف پر صرف کی جائے جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف فرماتے تھے۔ اور اسے کسی کے قبضہ میں نہ دیا جائے تاکہ وضع خلل پذیر نہ ہو۔ شیخین فدک کو ہرگز اپنے تصرف و قبضہ ملک میں نہیں لائے۔ نہ وہ اپنے زمانہ حیات میں یا بعد وفات اس سے منتفع ہوئے۔ اس پر ان دونوں نے عرض کیا کہ اگر اہل بیت ہی کو اسی طرح صرف کرنے کی اجازت دی جاتی تو کیا حرج تھا۔ فرمایا اس کا جواب میں بیان کر چکا ہوں۔ اس کے علاوہ یہ کہ ایسے امور کا انتساب اپنی طرف کرنا خلافت کا مقتضیٰ ہے تاکہ انتظام وانصرام میں خلل پیدا نہ ہو۔ اس بیان کے بعد حضرت قبلہ عالم قدس سرہ نے فرمایا۔ **ہو سکتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی اجتہادی قصور یا خطا ظاہر ہوئی ہو** یا باہمی منازعت نے ان کے درمیان صورت کشیدگی پیدا کی ہو **لیکن واجب العصمت تو صرف ملائکہ اور انبیاء ہیں نہ صحابہ کرام**۔ ان کے اس باہمی اختلاف کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہمیں تو نہیں دیا گیا۔ اور نہ ہی ہم سے سوال ہوگا کہ تم نے فیصلہ کیوں نہیں کیا۔ اور نہ ہم اُس وقت اور موقع پر حاضر تھے۔ اور نہ ان کے تنازعہ کے درمیان بولنا ہمیں زیب دیتا ہے۔[1]

[1] ملفوظات مہریہ (مطبوعہ گولڑہ شریف:1394ھ)ص111

حضور اعلیٰ گولڑوی کا فرمان: "ہو سکتا ہے صحابہ کرام سے کوئی اجتہادی قصور یا خطا ظاہر ہوئی ہو"

قضیۂ فدک ہی بیان کرنے کے بعد حضور اعلیٰ گولڑوی ہی فرمارہے ہیں کہ **"ہو سکتا ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کوئی اجتہادی قصور یا خطا ظاہر ہوئی ہو یا باہمی منازعت نے ان کے درمیان صورت کشیدگی پیدا کی ہو۔ لیکن واجب العصمت تو صرف ملائکہ علیہم السلام اور انبیاء علیہم السلام ہیں نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم"۔**

تصفیہ میں تو **فدک کے مطالبہ میں امکانِ خطا کے حوالے سے یہ گفتگو ہی نہیں کی، بلکہ آیت تطہیر سے جو غلط مطلب لیا جارہا تھا اس کی تصحیح کی ہے،** مگر یہاں قضیۂ فدک کے بیان میں صحابہ کی رائے وخیال بیان کرنے کے بعد اس کے بارے میں لکھ رہے ہیں۔ اور اس میں **صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے عصمت کی نفی بھی بیان فرمارہے ہیں اور "اجتہادی قصور یا خطا کا امکان" بھی بیان فرمارہے ہیں،** ، بلکہ باہمی منازعت اور کشیدگی کا امکان بھی بیان فرمایا۔ اب جو صاحب یہ ضد لے کر بیٹھ گئے ہیں کہ ماضی میں جس خطا کا امکان بیان کیا گیا ہو وہ وقوع کو مستلزم ہے جس کا نتیجہ یہ نکالا کہ کہیں گے کہ وہ خطا پر تھیں یا ان سے غلطی ہو گئی۔ ایسا خود ساختہ قاعدہ صرف بضعۂ رسول کو خطا پر کہنے یا انکی غلطیاں ثابت کرنے کے لیے ہے؟ یا یہاں بھی آپ اس قاعدے کو جاری کریں گے کہ فدک میں صحابہ سے اجتہادی قصور یا خطا کا جو امکان بیان ہوا ہے تو وہ وقوع کو مستلزم ہے، لہذا یہ کہیں گے کہ فدک میں صحابہ سے اجتہادی قصور یا خطا ہو گئی؟[1] بلکہ باہمی منازعت اور کشیدگی کا امکان بھی بیان فرمایا ہے تو اس کا بھی وقوع اور صدور ہو گیا۔ اگر نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر یہ قاعدہ صرف بضعۂ رسول کی ایذاء رسانی کے لیے وضع کرنا اور مؤیدین کا قبول کرنا صراحتاً زیادتی و ناانصافی نہیں ہے؟ حالانکہ اس طرح سے نتیجہ کے باطل و مردود ہونے میں شک ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ عطا فرمائے اور فہم میں جو قصور پیدا ہو گیا ہے اسے درست کرنے کی توفیق دے۔

نوٹ: تصفیہ کی مبحوث عنہ عبارت میں قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جس امکانِ خطا کا ذکر فرمارہے ہیں وہ خطاء اجتہادی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی وضاحت آپ کے کلام میں ہی موجود ہے۔ دوسرا یہ سمجھ لیں بعض علماء کے نزدیک [2] خطاء اجتہادی بدون القرار انبیاء سے بھی ممکن ہے۔ اور یہاں فدک میں اگر آپ رضی اللہ عنہا کی رائے کو اجتہادی کہا جائے تو اہل سنت کے نزدیک وہ بدون القرار ہی ہے۔[3] لہذا یہ عدم عصمت کی دلیل ہی نہیں بن

---

[1] موصوف سے خطا نہیں ہوئی باقی جس سے چاہے خطا ہو گئی کہتے رہیں۔

[2] انبیاء علیہم السلام سے خطا اجتہادی کا قول بھی مجہور ہے، مقبول رائے نہیں ہے اس پر تفصیل آگے بیان ہو گی۔ انبیاء کرام علیہم السلام خطا اجتہادی سے بھی معصوم ہیں۔

[3] کیونکہ صحابہ میں سے کسی نے آپ رضی اللہ عنہا کے آیت میراث کو عموم پر محمول کرنے پر انکار نہیں کیا۔ آپ کے استدلال کے صواب ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے، جس کے حوالے آگے آرہے ہیں۔

سکتی۔ نہ روافض کے لیے بطور الزامی جواب کیونکہ ان کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اور اہل بیت دونوں معصوم ہیں لہذا دونوں سے کسی قسم کی خطا (اجتہادی کا بھی) کا امکان ہی نہیں ہے اور ہمارے نزدیک بھی نہیں بن سکتی کیونکہ جن بعض علماء نے معصومین علیہم السلام کے لیے خطاء اجتہادی بدون القرار کے جواز کا قول کیا ہے تو یہاں اگر سیدہ پاک کی طلب کو زبردستی خطاء اجتہادی بنایا جائے تو یہ بھی بدون القرار ہے۔ مگر جس خطا کا امکان پیر صاحب بیان فرمارہے ہیں وہ اجتہادی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ یہاں بدون القرار ہونے کی وجہ سے عصمت کی نفی کے لیے فائدہ مند ہی نہیں ہے۔

جس کے وقوع سے انبیاء علیہم السلام سے عصمت کی نفی نہیں ہوتی، تو اس کے وقوع سے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا سے عصمت کی نفی کیسے ہوگی؟ عصمت کی نفی تب ہوتی ہے کہ جب یہ کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام سے خطا (ذنب، گناہ، معصیت یا اجتہادی بالقرار) کا امکان نہیں اور اس گروہ رضی اللہ عنہم سے خطا کا امکان ہے۔ مگر بغیر دلیل شرعی کے ان کی طرف اس کے وقوع کی نسبت کرنا صرف ان کے لیے ہی کیا کسی عام شخص کی طرف کرنا بھی جائز نہیں۔ لہذا ایسا قول اہل بیت وصحابہ کی شان میں تقصیر ہے۔ اور ان کے جائز فعل کو ناجائز قرار دینا ہے۔

خطاء اجتہادی کی نسبت سے سوفسطائی استدلال

سوال کیا جاتا ہے کہ بعض نے تو انبیاء علیہم السلام کی طرف خطا اجتہادی کی نسبت کی ہے تو ہم نے غیر انبیاء کی طرف کردی تو کیا حرج ہے؟ ایک تو آپ نے مطلق خطا کی نسبت کی ہے جس پر دلائل گزر چکے اگر اجتہادی کی بھی کرتے تو۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ یہ نسبت کس موقع پر کی جارہی ہے جہاں خطا ہی نہ ہو تو خطا کی نسبت کی کیسے اجازت دی جائے؟ **تو کیا آپ کسی کو اجازت دیں گے کہ وہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو فدک نہ دینے پر کہہ دے کہ افضل البشر بعد از انبیاء بالتحقیق ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے اس مسئلہ میں خطا (خطاء اجتہادی) ہوگئی؟ اور دلیل یہ دیتا پھرے کہ میں انہیں خطاء پر کہتا ہوں تو کیا برائی ہے، خطاء کی نسبت تو انبیاء علیہم السلام کی طرف بھی بعض نے کی ہے لہذا مجھ پر فتویٰ لگانے سے پہلے ان پر فتویٰ لگائیں جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی طرف خطا کی نسبت کی ہے۔**

یقیناً ایسے کج فہم کو یہی جواب دیا جائے گا کہ ارے ناداں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آیت میراث کا مخصص حدیث بیان کی ہے تو یہ آپ کی خطا ہے ہی نہیں۔ کیونکہ حدیث پاک تخصیص کے لئے ہی ہے، اور اس سے مخصص کے استدلال کے صواب ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے، اور جس کے درست ہونے پر اجماع ہو گیا ہو اسے خطا کہہ ہی نہیں سکتے، نہیں تو تمام "اجماع صحابہ" کے انکار کرنے اور انہیں خطا کہنے کا دروازہ کھل جائے گا،

کہ جس نے بھی اجماع کارد کرنا ہے تو ساتھ اجتہادی کی قید لگادے یا بعد میں اجتہادی کی تاویل کردیں۔ یہ ان کے صواب فعل کو خطا کہنا ان کی صواب رائے کی تقصیر بیان کرنا ہے۔ لہٰذا اس سے بھی رجوع لازم ہے۔ ایسے ہی سیدہ زہراءپاک رضی اللہ عنہا نے مخصص نہیں سنا تھا، اور آپ آیت میراث کے ظاہر سے عموم کا معنی لے رہی تھیں اور ''اولادکم'' میں عموم کا معنی پائے جانے اور آپ کو بھی شامل ہونے کا، جو آپ کا استدلال تھا یہ درست (صواب) تھا، اور اس کے درست (صواب) ہونے پر بھی صحابہ کا اجماع ہے، جو درجنوں فقہاء کی تصانیف میں موجود ہے۔ اب جو استدلال صواب بھی ہو اور اس کے صواب ہونے پر صحابہ کا اجماع بھی ہو تو اسے خطا کہنے کی اجازت کیسے دی جاسکتی ہے؟ لہٰذا یہاں بھی اس مطالبہ کو خطا یا خطاء اجتہادی کہنا آپ کے درست استدلال کو خطا کہنا ہے جس سے نہ صرف عموم کا استدلال باطل ہو جاتا ہے، بلکہ تمام صحابہ کے درست استدلال جس پر ان کا اجماع ہو چکا ہے اس کو خطا کہنا ہے، جو کہ نہ صرف گمراہی ہے بلکہ ان کی تنقیص و تقصیر بھی ہے۔ لہٰذا مطلق خطا کے قول سے توبہ کے ساتھ خطاء اجتہادی کی تاویل کے قول سے بھی رجوع ضروری ہے۔ (سیدہ پاک کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ کی دلائل آگے بیان ہوں گے) ہاں جب کوئی مجتہد اپنی رائے سے کوئی معنی لے اور اس کا وہ معنی وہاں نہ ہو تب تو اسے خطاء اجتہادی کہہ سکتے ہیں، جیسا کہ قرآن پاک میں ''قروء'' کا لفظ ہے اس سے بعض نے ''طہر'' اور بعض نے ''حیض'' کی مدت مراد لی۔ یہاں تو ''قروء'' سے ''طہر'' پر استدلال کرنے والے مجتہدین کے لئے اس استدلال پر خطاء اجتہادی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ مگر جہاں معنی سے استدلال کے درست ہونے پر اتفاق ہو اور صحابہ کا اجماع ہو۔ مثلا: ''خاتم النبیین'' کے ''آخری نبی'' ہونے کے معنی پر اتفاق ہے تو یہاں اسے خطاء اجتہادی کہنا صریح کفر ہے۔ تو دونوں صورتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اختلاف کی صورت میں کسی کی رائے کو خطاء اجتہادی کہنے کا حکم اور ہے اور اتفاق کی صورت میں کہنے کا حکم اور ہے۔ مثلاً کسی نبی کی نبوت کا انکار اور غیر نبی کی نبوت کا اقرار کفر ہے۔ لیکن جس کے نبی ہونے اور نہ ہونے میں اختلاف ہو، جیسا کہ حضرت خضر علیہ السلام کے نبی ہونے میں اختلاف ہے اور دونوں طرف کے علماء کے پاس نبی ہونے یا نہ ہونے پر دلائل ہیں، اب یہاں تو کسی کے نبی ہونے یا نہ ہونے کے استدلال کو خطاء اجتہادی کہہ سکتے ہیں، لیکن جن انبیاء علیہم السلام کے نبی ہونے پر اجماع و اتفاق ہے ان میں سے کسی نبی کے بارے میں، کسی عالم کے قول کو خطاء اجتہادی کہنا ایمان کی بربادی ہے۔ اور دوسرا مؤیدین نے یہ کہاں پڑھ لیا کہ جہاں خطاء اجتہادی نہ بھی ہو تو اسے خطاء اجتہادی کہنے میں کوئی عیب نہیں۔ اس کے عیب ہونے پر تو سینکڑوں مثالیں دی جاسکتی ہیں اور اس پر مستقل کتاب لکھی جاسکتی ہے۔ **ایسے ہی انبیاء علیہم السلام کے ثابت شدہ فیصلے جن کے درست وصواب ہونے**

پر امت کا اجماع ہے ان کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کرنے پر کسی مستند عالم دین سے فتویٰ لے لیں جواب مل جائے گا کہ کتنا قبیح عیب ہے۔ **اگر اس کا صواب ہونا قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوا، تو اسے خطاء اجتہادی کہنا کفر قرار پائے گا۔** ایسے ہی امام اعظم کے ہزاروں اجتہاد ہیں، ان میں سے جن کا صواب ہونا، احناف کے نزدیک متفق علیہ ہے، انہیں خطاء اجتہادی کہنے والے کو حنفیت کا باغی کہا جاتا ہے۔

سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کے معاملہ میں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کو ہر قسم کی خطا سے محفوظ رکھا ہے۔ امکان و قوعی ہونے کے باوجود، باشمول خطاء اجتہادی کے ہر قسم کی خطاؤں سے محفوظ رکھا ہے، کوئی خطا بھی ثابت نہیں، اور نہ ہی کوئی ایسی صحیح روایت موجود ہے۔ اور بغیر ثبوت کے خطاء اجتہادی کا حکم لگانا بھی غلط ہے اور ان کی شان میں تقصیر ہے۔ اور آپ معصومہ (بمعنی عصمت واجبہ جو انبیاء کی ہے) تو نہیں لیکن محفوظہ ہیں اور آپ سے وقوع و صدورِ خطا کا نہ ہونا مسلک اہل سنت ہی ہے نہ کہ رافضیت، بلکہ حضرت داتا علی ھجویری تو امام اعظم ابو حنیفہ کی خطاء اجتہادی کے بھی قائل نہیں "کشف المحجوب" کے حوالے سے ان شاء اللہ آگے بیان ہو گا۔ اگر حضرت داتا علی ہجویری امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے خطاء اجتہادی نہ ہونے کا عقیدہ رکھنے اور لکھنے کے باوجود رافضی نہیں ہوتے،[1] تو وہ جزءِ رسول جن کی نہ صرف پرورش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کی ہو، بلکہ بچپن سے تعلیم و تربیت مکتب رسالت میں ہوئی ہو، جنہیں بضعۂ رسول قرار دیا ہو، نہ ان سے کسی مسئلہ میں خطا سرزد ہونے کی کوئی روایت ہو، اور نہ خطاء اجتہادی کا ثبوت ہو۔ تو ان کے بارے میں یہ نظریہ رکھنا کہ آپ ہمارے علم میں محفوظہ عن الخطاء ہیں بالکل سنیت ہے، بلکہ یہی سنیت ہے۔ اور بغیر ثبوت کے آپ کی طرف خطاء کی نسبت کرنا بہت بڑی جرات و بے ادبی ہے۔[2]

اور حضرت داتا علی ہجویری ہی امام حسن بصری کے امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو لکھے مکتوب کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ **ان کے عقیدہ میں اہل بیت رسول کا علم تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہو سکتا،** اب جن کے علم کے بارے میں یہ لکھا گیا ہو کہ "تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہو سکتا" اور ان سے خطا کا ثبوت بھی نہ ہو تو ان کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ خطا نہیں ہوئی، تو کیا اسے رافضیت کہا جائے گا؟

---

1 حالانکہ کتب فقہ میں بیسیوں مسائل ہیں جن میں ہمارا مختار امام صاحب کی رائے کے بجائے قاضی ابو یوسف یا امام محمد کا قول ہے۔

2 انبیاء کے علاوہ تمام انسانوں (باشمول صحابہ و اہل بیت) سے خطاؤں کا امکان وقوعی ہے۔ لیکن جب تک کسی سے وقوع کا یقینی ثبوت نہیں ہو گا تو اس کی طرف خطا کی نسبت کرنا جائز نہیں۔

اہل بیت رسول کے علم کا تعلیم الٰہی سے عدم انقطاع

اہل بیت نبوت کا علم اور حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کا مشرب و مختار:

وهمی آرند قدریاں چوں غلبه گرفتند ومذهب اعتزال اندر جهان پراگنده شد حسن بصری رضی الله تعالی عنه بحسن بن علی کرم الله وجهه نامه نوشت وگفت: بسم الله الرحمن الرحیم السلام علیك یابن رسول الله وقرة عینیه ورحمة الله وبرکاته امابعد: فانکم معاشر بنی هاشم کالفلك الجاریة فی بحر لجی ومصابیح الدجی واعلام الهدی و ائمة القادة الذین من تبعهم نجا کسفینة نوح مشحونة التی یؤل الیها المؤمنون وینجوا فیها المتمسکون فما قولك یابن رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عند حیرتنا فی القدر واختلافنا فی الاستطاعة لتعلمنا بما تاکد علیه رایك فانکم ذریة وبعضها من بعض بعلم الله علمتم وهو الشاهد علیکم وانتم شهداء الله علی الناس والسلام۔ معنی ایں آں بود که: سلام خدائی برتوباد ای پسر پیغامبر خدائی و روشنائی چشم او و رحمت خدائی و برکاتِ اُو برشما باد که شما بنی هاشم چوں کشتی های روانید اندر دریای ژرف و ستارگان تابنده وعلامت هدایت و امامانِ دین هرکه محتاج شما بود نجات یابد چون متابعان کشتی نوح که بدان یافتند مومنان وتو چه گوئی ای پسر پیغمبر خدائی اندر حیرتِ ما اندر قدر و اختلاف ما اندر استطاعت تا ما بدانیم که روش تو اندران چیست و شما ''ذریت پیغمبر بدو هرگز منقطع نخواهید گشت علمتان بتعلیم خدایست عزوجل'' و او نگاه دارنده وحافظ شماست وشما ازانِ خلق۔[1]

کہتے ہیں کہ جب قدریوں نے غلبہ پایا اور مذہب معتزلہ جہاں میں پھیلا تو خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے حضرت مولائے کائنات شیر خدا علی کرم اللہ وجہہ کے صاحبزادہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عریضہ بھیجا جس میں یہ مرقوم تھا کہ: سلام ہو آپ پر اے فرزند سرور عالم اور نور چشم رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں آپ پر ہمیشہ رہیں،

[1] کشف المحجوب (فارسی)، ناشر مکتبہ نوریہ رضویہ (طباعت اول: 1435ھ) ص 74=75

آپ لوگ بنی ہاشم ہمارے لیے مثل ایسی کشتی کے ہیں جو دریا متلاطم میں موجزن چل رہی ہو اورآپ وہ ستارے ہیں جو ان کی پیروی میں ان کی رہنمائی کے مطابق چلا اس کو اس میں امن مل گیا اور جو آپ لوگوں کی پیروی کریگا نجات پائے گا، جس طرح کشتی نوح علیہ السلام کے پیرو نجات پا گئے اور مومن ہوگئے فرمایئے آپ کا کیا ارشاد ہے اے ابن رسول اللہ ﷺ ہمارے اس تحیر میں جو قدریوں کی وجہ سے پیدا ہوا اور وہ اختلاف جو اپنی اپنی معلومات کے تحت پیدا ہو گیا ہے تا کہ ہم سمجھ سکیں کہ اس وقت آپ کا کیا مسلک ہے؟ اس لیے کہ آپ اہل بیت نبی اکرم ﷺ ہیں اور "**ہمارا عقیدہ ہے" کہ "آپ کا علم تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہو سکتا"** بلکہ وہ ذات پاک آپ کی نگہداشت و محافظت میں ہے اور آپ لوگوں کے محافظ ہیں اور ان کے گواہ والسلام۔[1]

حضرت داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جیسی جلیل القدر شخصیات سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے لخت جگر امام حسن رضی اللہ عنہ کے علم کو علم الٰہی سے منقطع نہیں سمجھتے، اور جب امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اسے امام حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں اپنا عقیدہ بیان کرتے ہیں، تو حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی والدہ ماجدہ بضعۂ رسول سیدہ خاتون جنت رضی اللہ عنہا کے حوالے سے تو بطریق اولیٰ آپ کا یہ عقیدہ ہو گا کہ ان کا علم تعلیم الٰہی سے منقطع نہیں ہے۔ اب اگر کوئی سیدہ خاتون جنت کے حوالے سے امکان تسلیم کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان سے مطالبہ فدک میں خطاء اجتہادی بھی نہیں ہوئی تو کیا یہ رافضیت ہے؟ اسے رافضیت قرار دینے سے تو نہ داتا علی ہجویری بچیں گے، جنہوں نے اہل بیت کی شان میں اسے بیان کیا۔ اور نہ امام حسن بصری بچیں گے جنہوں نے اسے اپنا عقیدہ بیان کیا۔ بلکہ داتا صاحب تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جن کے اجتہادی فیصلوں کی تعداد ہزاروں میں ہے ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان سے اجتہاد میں بھی خطا نہیں ہو سکتی۔ اور آپ زبردستی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے لئے ایک مسئلہ کو اجتہادی بنا رہے ہیں اور اسے بھی خطا (العیاذ باللہ)۔

---

[1] ترجمہ کشف المحجوب المولف: علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری ناشر ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور (سن اشاعت ۲۰۲۱) ص 186

”عصمت انبیاء“ اور ”حفاظت اولیاء“ میں فرق

محدثین کرام علامہ بدر الدین عینی، و علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہما وغیر ھمانے رب تعالیٰ کے مقدس بندوں جن کو رب تعالیٰ نے خطاؤں اور گناہوں سے بچائے رکھا، ان کی دو قسمیں بیان کی ہیں:

ایک قسم کے افراد کے لئے عصمت (گناہوں سے حفاظت) واجب ہے اور دوسروں کی عصمت (گناہوں سے حفاظت) جائز ہے آپ لکھتے ہیں:

وَالْفرق بَين عصمَة الْمُؤمنِينَ وعصمة الْأَنْبِيَاء عَلَيْهِم السَّلَام، أَن عصمَةَ الْأَنْبِيَاء بطرِيق الْوُجُوبِ، وَفِي حق غَيرهم بطرِيق الْجَوَازِ۔ [1]

مؤمنین کی عصمت اور انبیاء علیہم السلام کی عصمت میں فرق ہے، انبیاء علیہم السلام کی عصمت بطریق الوجوب ہے اور ان کے غیر کے حق میں بطریق الجواز ہے۔

یعنی جن کے لئے خطاؤں اور گناہوں سے عصمت و حفاظت واجب ہے تو اس کی جانب مخالف محال ہے۔ لہذا ان سے خطا، گناہ کا ہونا ناممکن ہے۔ اور دوسری قسم کے افراد وہ ہیں جن کی عصمت جائز ہے یعنی ان کی خطاؤں اور گناہوں سے عصمت و حفاظت جائز ہے اور اس کی جانب مخالف عدم عصمت بھی جائز ہے، یعنی اگر گناہ ہو تو محال لازم نہیں آتا۔

پہلے فقہاء انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں سے عصمت واجب اور اولیاء کی خطاؤں سے عصمت جائز کی اصطلاح استعمال کرتے تھے، بعد کے علماء نے آسانی کے لئے اس کی تقسیم عصمت و حفاظت سے کر دی، لغوی طور پر تو دونوں تقریبا ایک ہی معنی میں ہیں لیکن جن کے لئے خطاؤں سے عصمت واجب تھی ان کے لئے ”معصوم“ اور جن کے لئے عصمت جائز تھی ان کے لئے ”محفوظ“ کی اصطلاح استعمال کرنے لگے تاکہ عام لوگوں کو مغالطہ نہ لگے، اور نبی اور غیر نبی کا فرق سمجھنا آسان رہے۔ اس کی روشنی میں غیر نبی جن کامل ہستیوں سے کبھی کوئی خطا و گناہ سرزد نہیں ہوئی ان کے لئے محفوظ عن الخطا، یا محفوظہ عن الخطا استعمال ہونے لگا۔

---

[1] عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت ج 23 ص 155، فتح الباري شرح صحيح البخاري. المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علي بن حَجَر العسقلاني الشافعي (المتوفى: 852ھ) المحقق: محب الدين الخطيب. الناشر: دار المعرفة – بيروت. ج 11 ص 502

کسی ولی کے بارے میں زَلات، خطاء اجتہادی یا غلطیوں سے حفاظت کی رائے بھی رفض نہیں، مشرب اہل سنت ہی ہے۔ ایک ہے اِن افعال کے وقوع کا ہو سکنا (امکان وقوعی)، دوسرا ہے کہ وقوع کا ہو جانا (فعل کا صدور ہونا)۔ اہلسنت کا موقف یہی ہے کہ عصمتِ انبیاء علیہم السلام کے معنی یہ ہیں کہ ان کی عصمت بطریق وجوب ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے جس کی وجہ سے ان سے صدورِ گناہ شرعاً محال ہے، غیر انبیاء، محفوظین، جنہیں اللہ عَزَّوَجَلَّ گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، وہ گناہ کرتے ہی نہیں، اگر ہو جائے تو شرعاً محال بھی نہیں۔

اولیاء کی خطاؤں سے حفاظت ممکن

اولیاء کے گناہوں سے حفاظت کے بارے میں امام شمس الدین محمد بن یوسف الصالحی الشامی (م:942ھ) "سبل الهدی والرشاد" میں لکھتے ہیں:

فهل يكون الولي معصوما؟ قيل: أما وجوبا كما في الأنبياء فلا، وأما أن يكون محفوظا فممكن.[1]
کیا ولی معصوم ہوتا ہے؟ کہا جائے گا کہ اس کی عصمت واجب ہو جیسا کہ انبیاء کے لئے واجب ہے تو ایسا نہیں ہے، اور کہا جائے کہ (ولی خطاؤں سے) محفوظ ہوتا ہے تو ممکن ہے۔

ایسے ہی زین الاِسلام امام عبد الکریم بن ہوازن بن عبد الملک القشیری (م: 465ھ) اپنی تصنیف "الرسالة القشيرية" میں نقل فرماتے ہیں:

فإن قيل: فهل يكون الولي معصوما؟ قيل: أما وجوبا، كما يقال في الأنبياء فلا، وأما أن يكون محفوظا حتى لا يصر على الذنوب إن حصلت هنات أو آفات أو زلات، فلا يمتنع ذلك في وصفهم، ولقد قيل للجنيد: العارف يزني يا أبا القاسم؟ فأطرق مليا، ثم رفع رأسه وقال: {وكان أمر الله قدرا مقدورا} [الأحزاب: ٣٨].[2]

---

1 سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد المؤلف: محمد بن يوسف الصالحي الشامي (م: 942ھ) تحقيق وتعليق: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، الشيخ علي محمد معوض الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان (الطبعة: الأولى، ۱۴۱۴ھ) ج 10 = ص 237

2 الرسالة القشيرية المؤلف: عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملک القشيري (م: 465ھ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت، (مطبوعة: 1422ھ) باب کرامات الاولیاء، ص 381

اگر یہ کہا جائے کہ کیا ولی معصوم ہوتا ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: اگر وجوبا ہو تو ایسا نہیں جیسے انبیاء کی عصمت ہوتی ہے۔ اور یہ کہ محفوظ ہوں کہ گناہ پر اصرار نہیں کرتے، اگر ان سے کوئی غیر مناسب، یا آفات یا زلات ہوں، تو یہ ان کے وصف میں ممتنع نہیں۔ حضرت جنید (بغدادی) سے پوچھا گیا: اے ابو القاسم کیا عارف سے زنا ہو سکتا ہے؟ تو آپ نے کافی دیر سر جھکائے رکھا، پھر سر اٹھا کر کہا{وکان أمر الله قدرا مقدورا} اور اللہ جل جلالہ کا ہر کام مقرر کی ہوئی تقدیر ہے۔

ان کے علاوہ اس قسم کی صراحت ابو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (م:676ھ) اپنی کتاب "بستان العارفین"[1] اور ابو النجیب عبد القاہر السہروردی البکری (م: 563ھ) اپنی کتاب "آداب المریدین ویلیه داعی الفلاح إلی سبل النجاح"[2] میں کرتے ہیں۔

یہاں حضرت جنید بغدادی نے پوچھے گئے فعل کو عارفین کے لئے ممکن مانا ہے۔ تو ڈاکٹر صاحب نے جو خود ساختہ قاعدہ بیان کر کے وقوع کا نتیجہ بیان کیا ہے اسے تسلیم کر لیں تو پھر عرفاء پر کیا حکم لگے اسے لکھنا بھی بے ادبی ہے۔

صدر الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی (م:1367ھ) اکابر اولیاء کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> اکابر اولیاء کہ اللہ عزوجل انہیں محفوظ رکھتا ہے، ان سے گناہ ہوتا نہیں، مگر ہو تو شرعا محال بھی نہیں۔[3]

اگر کوئی کسی کامل کے بارے میں (امکان مانتے ہوئے) یہ بھی عقیدہ رکھتا ہے کہ میرے علم میں ان سے زَلہ کا بھی صدور نہیں ہوا تو یہ بھی مشرب اہل سنت ہی ہے۔

---

1 بستان العارفين المؤلف: أبو زكر يا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (م:٦٧٦هـ) الناشر: دار الر يان للتراث ص 66 (قال الإمام القشيرى فإن قيل هل يكون الولى معصوما أم لا قلنا اما وجوبا كما يقال فى حق الأنبياء وإما يكون محفوظا فلا يصر على الذنوب وإن حصلت هفوات فى أوقات أو زلات فلا يمتنع ذلك فى وصفهم. وقد قيل للجنيد العارف يزنى فأطرق مليا ثم رفع رأسه وقال وكان أمر الله قدرا مقدورا)

2 آداب المر يدين و يليه داعى الفلاح إلى سبل النجاح المولف: أبى النجيب عبد القاهر /السهروردى البكرى (م: 563هـ) دار اكتب العلمية ص 143 (فإن قيل هل يكون الولى معصوما؟ قيل: اما وجوبا كما يقال فى حق الأنبياء فلا، وإما يكون محفوظا فلا يصر على الذنوب وإن حصلت هنيهات أوقات أو زلات فلا يمتنع ذلك فى وصفهم)

3 بہار شریعت،امجدعلی اعظمی (م: 1300ھ) ناشر: مجلس مدینة العلمیة(دعوت اسلامی) (طباعت اول: 1429ھ) ج1 ص145

اولیاء کرام کا زَلّہ سے محفوظ ہونا

علامہ محمد بن محمد بن مصطفیٰ بن عثمان، اَبو سعید الخادمی الحنفی (م: 1156ھ) اپنی کتاب ''بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية'' میں لکھتے ہیں:

اعلم أَنَّهُ لَا تَجِبُ عِصْمَةُ الْوَلِيِّ كَمَا تَجِبُ عِصْمَةُ النَّبِيِّ لَكِنَّ عِصْمَتَهُ بِمَعْنَى أَنْ يَكُونَ مَحْفُوظًا ''**لَا تَصْدُرُ عَنْهُ زَلَّةٌ أَصْلًا**'' وَلَا امْتِنَاعَ مِنْ صُدُورِهَا.[1]

جان لو کہ ولی کی عصمت واجب نہیں جیسا کہ نبی کی عصمت واجب ہوتی ہے، لیکن **ولی کی عصمت اس معنی میں ہے کہ وہ محفوظ ہو اور اس سے اصلاً کوئی زلہ صادر نہ ہو** اور اگر صادر ہو تو اس میں کوئی امتناع نہیں۔

اسی طرح سیدی اعلیٰ حضرت غیر انبیاء میں اعاظم صدیقین کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اللہ عزوجل ''سہو او خطأً بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے'' مگر ''امکان وقوعی باقی ہو'' یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے۔[2]

اسی طرح مفتی احمد یار خان نعیمی لکھتے ہیں: ''**بعض اولیاء محفوظ کہ گناہ کرتے نہیں**''۔[3]

اگر کسی کامل کے بارے میں یہ نظریہ رکھا جائے کہ **گناہ کرتے نہیں یا ان سے اصلاً زلہ یا خطاء اجتہادی کا بھی صدور نہیں ہوا، اور سہواً و خطأً بھی اللہ جل جلالہ نے انہیں صدور سے محفوظ رکھا** تو یہ بھی اہل سنت کا ہی موقف ہے۔

کسی ولی کی خطاء اجتہادی سے حفاظت میں مسلک اہل سنت

حضور داتا علی ہجویری ''ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را راہنما'' ''كشف المحجوب'' میں امام اعظم ابو حنیفہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان سے اجتہاد میں بھی خطا نہیں ہو سکتی:

از اوصاف طبع فانی بودند، وبہ احکام شرع باقی، وبدان قایم۔ چنان کہ برندہء پیغمبر بود۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اگر او خود رفتی، باقی الصفۃ بودی۔ وباقی الصفۃ یا مخطی بود یا مصیب۔ چوں برندہء وی پیغمبر

---

[1] بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية المؤلف: محمد بن محمد بن مصطفى بن عثمان، أبو سعيد الخادمي الحنفي (م:١١٥٦ھ) الناشر: مطبعة الحلبي الطبعة: بدون طبعة، ١٣٤٨ھ) ج 1 ص 207

[2] فتاوی رضویہ ج 15 ص 358

[3] مراۃ المناجیح مولف: مفتی احمد یار خان نعیمی مطبوعۃ نعیمی کتب خانہ گجرات، ج 3 ص 417 حدیث نمبر 2341

بود۔ ﷺ۔ فانی الصفۃ باشد بہ بقای صفت پیغبر۔ ﷺ۔ وچون بر پیغمبر۔ ﷺ۔ "خطا صورت نگیرد"، "بر آن کہ بدو قایم بود نیز صورت نگیرد"۔ وایں رمزی لطیف است۔ [1]

حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں پاک ہستیوں میں سے تھے جو اوصاف طبع سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ اس لیے ان کے چلانے والے حضور سید یوم النشور ﷺ ہیں۔ اگر آپ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے (یعنی ارادہ صواب کرے مگر بلا ارادہ خطا ظاہر ہو جائے) یا مصیب ہوتا ہے (یعنی حقیقت معاملہ کو اچھی طرح پہنچنے والا)۔ اور جب ان کے قائد خود حضور ﷺ ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور نبی کی صفت بقاسے قائم ہے یہی وجہ ہے کہ "پیغمبر سے صدور خطا ناممکن ہے"، "جو اس ذات کے ساتھ قائم ہے اس سے بھی خطا نہیں ہو سکتی"۔ یہ در حقیقت ایک نہایت لطیف رمز ہے۔ [2]

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی!

ڈاکٹر صاحب کی عجیب و غریب منطق ہے کہ ان کی گفتگو پر جب اعتراض کیا گیا تو اس کے دفاع میں عجیب و غریب دلائل دیئے اور لوگوں کو الجھانے کی کوشش کی کہ جیسے جو الفاظ """ **خطا پر تھیں، جب مانگ رہی تھیں تو خطا پر تھیں**" یا "**معصوم نہیں تھیں غلطی ہو گئی**" انہوں نے استعمال کیے ہیں وہ تو بہت اچھے ہیں، اور جو ان کے ساتھ منسوب کیے جا رہے ہیں وہ مذموم و ناجائز اور توہین پر مشتمل ہیں آپ کہتے ہیں:

> جو شخص لفظ گناہ، لفظ قصور، لفظ نقص، "**لفظ غلطی**"، لفظ خطاکار یا خاطی بول کر ہمارے بیان کا حوالہ دے رہا ہے **وہ مجرم ہے**، "**غلطی**"، جرم، قصور ان لفظوں میں اور لفظ خطا میں زمین، آسمان کا فرق ہے۔ (ویڈیو بیان)

یعنی لفظ خطا بول سکتے ہیں خاطی نہیں بول سکتے تو کیا جب کوئی خطا کر رہا ہوتا ہے یا خطا پر ہوتا ہے اس وقت وہ "خاطی" (خطا کرنے والا) نہیں ہوتا؟ کیا مصدر اور اسم فاعل میں خطا کا ایک ہی معنی نہیں ہوتا؟ دوسرا

---

1 کشف المحجوب المولف ابو الحسن علی بن عثمان جلابی هجو یری غزنونی (م درمیان481 تا 500) مطبوعه انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ص129

2 کلام المرغوب ترجمه کشف المحجوب مترجم علامه ابو الحسنات سید محمد احمد قادری مطبوعه ضیاء القرآن پبلی کیشنز ص216

مطلق خطا کا لفظ ہمارے عرف میں کس معنی میں متعارف ہے، آپ دوسروں سے تو تقاضا کرتے ہیں کہ اصول کی روشنی میں گفتگو کی وضاحت کریں، تو اصول کی روشنی میں تو "أن المطلق يجرى على إطلاقه"[1] ہے، اور کلام پر حکم عرف کے اعتبار سے ہوتا ہے، جو معنی لوگوں میں معروف ہو[2] اس کے حوالے سے فقہاء کرام "اصول" بیان کرتے ہیں: "فإذا كان المعنى متعارفا بين الناس كان ذلك المعنى المتعارف دليلا على أنه هو المراد به ظاهرا فيترتب عليه الحكم"[3] (پس جب معنی لوگوں کے درمیان متعارف ہو گا تو وہ معنی متعارف اس بات پر دلیل ہو گا کہ بظاہر یہی معنی متعارف اس لفظ سے مراد ہے پس اس معنی پر حکم مرتب ہو گا۔) اب **خطا و غلطی** لوگوں میں کس معنی میں معروف ہے؟ کسی مجمع میں کسی کی **ماں یا بہن کو خطا پر تھی یا اس کی ماں سے خطا ہو گئی** جیسے الفاظ بولیں ایک منٹ میں عرف کا پتہ چل جائے گا۔ آپ کے کلام کے سیاق و سباق میں اجتہاد کے حوالے سے گفتگو بھی نہیں، بلکہ جس گفتگو کے مقابلے میں آپ نے خطا پر کہا اس میں سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو مطلق خطا (ناانصافی) پر کہا گیا۔ جب آپ نے بغیر کسی قید کے "مطلق" خطا و غلطی کہا تو اس سے یہی مراد ہو گا۔ اور "تصفیہ" کی جس عبارت کی تشریح کرتے ہوئے کہا وہ بھی مطلق خطا کے امکان کے بارے میں تھا، کیونکہ اس میں (بطور قضیہ فرضیہ) لکھا کہ اگر بمقتضائے بشریت ان سے "کوئی خطا" سرزد بھی ہو تو وہ "عفو" و تطہیر الٰہی میں داخل ہو گی۔ "تصفیہ" کی عبارت میں اس خطا پر معافی کی بات کی گئی ہے ایک اجر دینے کی بات نہیں کی (خطاء اجتہادی

---

[1] شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني الشافعي (المتوفى: 793ھ) المحقق: زكريا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان (الطبعة الأولى 1416ھ) ج1 ص116

[2] فصل فيما يترك به حقائق الألفاظ وما يترك به حقيقة اللفظ خمسة أنواع: أحدها دلالة العرف وذلك لأن ثبوت الأحكام بالألفاظ إنما كان لدلالة اللفظ على المعنى المراد للمتكلم فإذا كان المعنى متعارفا بين الناس كان ذلك المعنى المتعارف دليلا على أنه هو المراد به ظاهرا فيترتب عليه الحكم مثاله لوحلف لايشترى رأسا فهو على ما تعارفه الناس فلا يحنث برأس العصفور والحمامة (أصول الشاشي)

ان مواضع کا بیان جہاں لفظ کے حقیقی معنی ترک کر دیئے جاتے ہیں: یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں جن کے ذریعہ الفاظ کے حقیقی معنی چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور وہ چیزیں جن کے ذریعہ لفظ کی حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے پانچ قسم ہیں۔ ان میں سے ایک عرف کی دلالت ہے اور یہ اس لیے کہ احکام الفاظ سے اس وجہ سے ثابت ہوتے ہیں کہ لفظ متکلم کے معنی مرادی پر دلالت کرتا ہے پس جب معنی لوگوں کے درمیان متعارف ہوں گے تو وہ معنی متعارف اس بات پر دلیل ہوں گے کہ بظاہر یہی معنی متعارف اس لفظ سے مراد ہیں لہذا اس معنی پر حکم مرتب ہو گا۔ مثال اگر قسم کھائی کہ سر نہیں خریدے گا تو یہ قسم ان سروں پر محمول ہو گی جو لوگوں کے درمیان متعارف ہوں (جیسے: گائے، بھینس، بکری و بھیڑ) لہذا چڑیا اور کبوتر کے سر سے حانث نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ انڈا نہیں کھائے گا تو یہ متعارف (مرغی و بطخ کے) انڈوں پر محمول ہو گا چنانچہ چڑیا اور کبوتر کے انڈے کھانے سے حانث نہیں ہو گا۔

ہر علاقہ کا اپنا عرف ہے اگر کسی دوسرے علاقے سے سر سے مراد چڑیا و کبوتر کے سر مراد لیے جاتے ہوں تو اس علاقے میں اس سے یہی مراد ہوں گے اور اس معنی پر حکم مرتب ہو گا۔ ہمارے عرف میں لفظ "خطا" غلطی، گناہ و معصیت کے معنی میں ہی معروف ہے لہذا مطلق خطا بولنے سے اسی معنی پر حکم مرتب ہو گا جو متعارف ہے الا یہ کہ سیاق و سباق میں اجتہاد کی بحث ہو رہی ہو۔

[3] أصول الشاشي المؤلف: أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي أبو علي (م: 344ھ) الناشر: دار الكتاب العربي – بيروت (الطبعة: عام 1402ھ) ص 85

پر ایک اجر ملتا ہے) کہ اس سے مراد اجتہادی لی جائے، بلکہ معاف فرمانے کی بات کی ہے جس کی مطلق خطا و غلطی کی صورت میں ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرا ''کوئی خطا'' عام ہے جو خطا کے تمام افراد کو شامل ہے۔

آپ نے '''' **خطا پر تھیں، جب مانگ رہی تھیں تو خطا پر تھیں** '' اور '' **غلطی ہو گئی** '' کی تصریح کی۔ جید علماء کرام، آپ کے اساتذہ، اساتذہ کے اساتذہ اور مرشد زادوں تک نے توبہ ورجوع کا کہا مگر آپ نے کسی کی نہیں مانی اپنی ضد پر ڈٹے رہے چلیں کسی اور کی بات نہیں مانتے کسی اور کو بڑا عالم نہیں مانتے تو کم از کم اپنی بات تو مان لیں کہ آپ نے سیدہ پاک کے لیے خطا پر تھیں کے الفاظ کے استعمال کے جواز میں گفتگو کرتے ہوئے خود کہا:

> ''جو شخص لفظ گناہ، لفظ قصور، لفظ نقص، '' **لفظ غلطی** ''، لفظ خطا کار یا خاطی بول کر ہمارے بیان کا حوالہ دے رہا ہے **وہ مجرم ہے**، '' **غلطی** ''، جرم، قصور ان لفظوں میں اور لفظ خطا میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

خطا کا لفظ اگر آپ کے نزدیک جرم نہیں بھی تھا تو جن الفاظ کو بولنا آپ نے خود جرم بیان کیا ان میں '' **غلطی** '' کا لفظ بھی ہے۔ اپنی ہی ایک دوسری ویڈیو میں سیدہ پاک لئے '' **معصوم نہیں تھیں غلطی ہو گئی** '' کا لفظ بھی بولا ہے۔ لیکن انا کا ایسا غلبہ آیا کہ جس لفظ کا بولنا خود جرم کہا اس پر بھی توبہ ورجوع نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ زندگی میں توفیق توبہ عطا فرمائے۔

نوٹ: یہ بحث کرنے اور اس کی تفصیل سے فقیر بچنا چاہتا تھا کیونکہ ان مقدس شخصیات کے فضائل و مناقب پر گفتگو کرنی چاہیے نہ کہ ان معاملات کو زیر بحث لانا چاہیے۔ کیونکہ کوئی ذی شعور اپنی مستورات کے لئے ایسی ابحاث پسند نہیں کرتا۔ لیکن جب یہ دیکھا کہ یہ بیماری متعدی ہو چکی ہے اور مسلسل اس کی تبلیغ سے موصوف اپنے ساتھ اور لوگوں کو بھی سیدہ پاک کو ''خطا پر'' اور ان سے ''غلطی ہو گئی'' کہنے پر جری کر رہے ہیں۔ اور اس کے دفاع کی آڑ میں لقمہ حرام اور ذنب کی نسبت کرنے کی بھی راہ ہموار کی جا رہی ہے، تو حق بتانے اور اس غلطی سے بچانے کے لئے اتمام حجت کے لیے اتنا لکھ دیا ہے اللہ تعالیٰ اسے باعث ہدایت اور فقیر کے لیے باعث مغفرت فرمائے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔

اللہ تعالیٰ موصوف کو اور ان کے پروپیگنڈہ کے شکار لوگوں کو بھی سمجھ عطاء فرمائے اور توبہ ورجوع کی توفیق عطاء فرمائے۔

"امکانِ خطا" کو "وقوعِ خطا" قرار دینا

موصوف اپنی غلطی پر ڈٹ گئے اور اس واضح غلطی جس کو خود جرم تسلیم کیا، اسے درست ثابت کرنے کے لیے دور کی کوڑی لائے کہ "امکان خطا وقوع خطا کو مستلزم ہے" اور اس کے لیے ایک قاعدہ بیان کیا کہ:

ان الإمکان إذا کان متعلقا بالماضی کان مستلزما للوقوع (جو امکان، ماضی کے متعلق ہو تو وہ وقوع کو مسلتزم ہو گا)۔

اور اس قاعدہ سے نتیجہ یہ نکالا کہ نعوذ باللہ "آپ کے لیے جو امکانِ خطا تسلیم کیا گیا ہے، تو اس امکان کو وقوع مستلزم ہو گیا، لہٰذا سیدہ کائنات کے لیے **"جب مانگ رہیں تھی تو خطا پر تھیں کہنا درست ہے"**۔

پہلے تو موصوف کو علم ہونا چاہئے تھا کہ علماء نے کوئی قاعدہ بنایا بھی ہو تو، کیا ہر قاعدہ کا ہر ہر جزئی پر سچا آنا متفق علیہ مذہب ہے؟ حالانکہ قاعدہ کی تعریف میں ہی علماء میں اختلاف ہے۔

ایک طرف جہاں احمد بن محمد بن علی الفیومی الحموی الفیومی (م:770ھ) نے اپنی کتاب "المصباح المنیر" میں لکھا ہے:

القاعدة: هی الأمر الکلی المنطبق علی جمیع جزئیاته.[1]
"وہ امر کلی جو اپنی تمام تر جزئیات پر منطبق ہو"۔

علامہ علی بن محمد بن علی الزین الشریف الجرجانی اور علامہ عبد الرؤوف المناوي (م:1030ھ) اس کی تعریف کرتے ہیں:

القاعدة هی قضیة کلیة منطبقة علی جمیع جزئیاتها.[2]
"وہ قضیہ کلیہ جو اپنی تمام تر جزئیات پر منطبق ہوتا ہو"۔

تو دوسری طرف بعض علماء نے لکھا ہے کہ قاعدہ، کلیہ نہیں بلکہ اکثریہ ہوتا ہے، یہ دیکھتے ہوئے کہ بہت ساری جزئیات اس کے حکم سے خارج ہوتی ہیں، چنانچہ:

---

1 المصباح المنير في غريب الشرح الكبير تأليف أحمد بن محمد بن علي الفيومي المقري (المتوفي: 770هـ)، الناشر: المكتبة العلمية – بيروت، كتاب القاف، ج 2 ص: 510

2 كتاب التعريفات المؤلف: علي بن محمد بن علي الزين الشريف الجرجاني (م:٨١٦هـ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان (الطبعة: الأولى ١٤٠٣هـ، ١٩٨٣م)، ص:172، التوقيف لمهمات التعارف للمناوي، ص:266 التعريفات 219، والتوقيف على مهمات التعاريف 1/ 569. تيسير التحرير لأمير بادشاه، 1/14،

علامہ شہاب الدین الحموی الحنفی (م:1097ھ) علامہ ابن نجیم حنفی کی کتاب "الاشباہ و النظائر" کی شرح میں فقہاء کے نزدیک قاعدہ کی تعریف کے بارے میں لکھتے ہیں:

القاعدة: هی حکم أکثری لا کلی ینطبق علی أکثر جزئیاته لتعرف أحکامها منه.[1]
"القاعدہ: وہ ایسا حکم اکثری ہے نہ کہ کلی، جو اپنی اکثر جزئیات پر منطبق ہو، تاکہ اس کے ذریعہ سے جزئیات کے احکام معلوم ہوں"۔

آپ مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فقہاء کے نزدیک اور نحات و اصولیوں کے نزدیک قاعدہ میں فرق ہے:

یقول الحموی: "القاعدة عند الفقهاء غیرها عند النحاة والأصولیین؛ إذ هی عند الفقهاء حکم أکثری لا کلی ینطبق علی أکثر جزئیاته لتعرف أحکامها منه"
الحموی کہتے ہیں: فقہاء کے نزدیک قاعدہ نحویوں اور اصولیوں کے نزدیک جو قاعدہ ہے اس سے مختلف ہے۔ یہ فقہاء کے نزدیک حکم اکثری ہے نہ کہ کلی جو اکثر جزئیات پر منطبق ہوتا ہے جس سے احکام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ ابو البقاء ایوب بن موسی الحسینی القریمی الکفوی، الحنفی (م:1094ھ) نے "غمز عیون البصائر فی شرح الأشباہ والنظائر" میں مندرجہ ذیل تعریف کی ہے:

القاعدة: هی قضیة کلیة من حیث اشتمالها بالقوة علی أحکام جزئیات موضوعها.[2]
"وہ قضیہ کلیہ جو اپنے موضوع کی جزئیات کے حکم پر بالقوۃ مشتمل ہو"۔

اسی طرح فقہاء میں سے علامہ تاج الدین سبکی نے "الأشباہ والنظائر" میں درج ذیل تعریف کی ہے:

القاعدة: الأمر الکلی (القضیة الکلیة) ینطبق علیه جزئیات کثیرة یفهم منها.[3]

---

1 غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر المؤلف: أحمد بن محمد مكي، أبو العباس، شهاب الدين الحسيني الحموي الحنفي (م: ١٠٩٨ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (الطبعة: الأولى، ١٤٠٥ھ)، ج 1ص51

2 الكليات معجم في المصطلحات والفروق اللغوية المؤلف: أيوب بن موسى الحسيني القريمي الكفوي، أبو البقاء الحنفي (م:١٠٩٤ھ) المحقق: عدنان درويش، محمد المصري الناشر: مؤسسة الرسالة، ص:728 الكليات لأبي البقاء الكفوي، 1156.

3 الأشباه والنظائر المؤلف: تاج الدين عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي السبكي (م:٧٧١ھ) تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، علي محمد معوض الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت (الطبعة: الأولى ١٤١١ھ، ١٩٩١م)، ج1 ص11

"وہ امر کلی یا قضیہ کلیہ جس پر وہ کثیر جزئیات منطبق ہوں، جو اس سے مفہوم ہوتی ہوں"۔

مندرجہ بالا تعریفات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض علماء نے "القواعد" کی تعریف میں "کلیہ" جبکہ بعض نے "کلیہ" کے بجائے اکثریہ کی قید لگائی ہے۔ لیکن یہ اختلاف کوئی جوہری اختلاف نہیں ہے۔ کیوں کہ جن علماء نے اکثریہ کی قید لگائی ہے، ان کی نظر اس حقیقت کی طرف ہے کہ بعض جزئیات ایسی ہیں، جن پر متعلقہ قاعدہ منطبق نہیں ہوتا۔ اور جنہوں نے "الکلیۃ" کی قید لگائی ہے، انھوں نے درج ذیل اصولوں کو پیشِ نظر رکھا ہے:

للأکثرحکم الکل، "کل کا حکم اکثر کے لیے ہوتا ہے" الاستثناءات مؤکدات للکلیات "مستثنیات، کلیات کو موکد کرنے کا کام کرتی ہیں"۔ من القواعدعدم اطراد القواعد "قواعد کا ایک طرز و نہج پر نہ ہونا یعنی تمام تر جزئیات پر حاوی نہ ہونا بھی قواعد میں سے ہے"۔ لہذا بعض جزئیات پر قواعد کا عدم انطباق مضر نہیں۔ لہذا علامہ کفوی کی بیان کردہ تعریف زیادہ مناسب ہے جس کے مطابق قاعدہ کی اصطلاحی تعریف یوں ہے: قضیة کلیة یتعرف منہا علی أحکام جزئیاتہا۔[1]

جب ایک قاعدہ کی تعریف فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ اس کا ہر ہر جزی کو شامل ہونا ضروری نہیں تو پھر ایک فلسفی قاعدہ کے ذریعہ سیدہ پاک کے معاملے کو اس کی جزئیات میں شامل کر کے اپنے قول خطا کو درست ثابت کیا جا رہا ہے۔ العیاذ باللہ حالانکہ اس قاعدہ کی رو سے بھی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کا صواب ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے قول شنیع کو درست ثابت کرنے کے لیے فلاسفہ کے قاعدہ کو مستدل بنانے کی کوشش کی اور اس میں بھی ٹھوکر کھائی ہے۔

حاشیہ کلنبوی کے قاعدہ سے غلط استدلال

حاشیہ کلنبوی میں "ان العالم قابل للفناء الفناء علی ثلاثة معان أی کل عالم او العالم بجمیع أجزائه قابل لفناء". اس مسئلہ پر بحث ہے کہ: عالم فنا کو قبول کرتا ہے کہ نہیں۔ محشی نے قبول کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھا کہ قبول کا یہاں ایک معنی امکان و قوعی ہے۔

---

1 بدر الطالع في حل جمع الجوامع المؤلف: جلال الدين محمد بن احمد المحلي الشافعي مؤسسة الرسالة الناشرون (الطبعة الأولى 1426ھ)، ج 1ص 48، الثمار اليوانع على جمع الجوامع للأزهري، ص:26

الأول: أن القبول هاهنا بمعنى الإمكان الوقوعي المفسر بعدم كون الطرف المخالف للحكم واجبا بالذات، ولا واجبا بالغير بحيث لو فرض وقوع الطرف الموافق، لم يلزم محال أصلا، وقد يسمى ذلك بالإمكان الاستعدادي كما في تعريفات الشريف.

یعنی طرف مخالف حکم کے لیے نہ واجب بالذات ہے نہ واجب بالغیر ہے لہذا اگر طرف موافق کے لئے وقوع فرض کریں تو اس سے محال لازم نہیں آتا۔ اور اسے امکان استعدادی بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ الشریف کی تعریفات میں ہے۔

مزید بحث کرتے ہوئے انہوں نے جو قاعدہ بیان کیا جس سے موصوف کو مغالطہ لگا یا مغالطہ دیا۔ وہ الفاظ یہ تھے:

وأما ما توهمه بعضهم هنا من أن الامكان الوقوعي يستلزم الوقوع بالفعل، فلا يحمل القبول عليه إذ لا إجماع عليه، بل مختلف فيه كما أشار إليه بقوله: (واختلفوا إلخ) فتوهم؛ لانه مبني على الغفول عن شمول الإمكان الوقوعي بهذا المعنى إلى مكان استقبالي الذي هو صرافة الإمكان؛ بحيث لا ضرورة في شيء من الطرفين كما حققه الشيخ ابن سينا، ونقله شارح المطالع من أن ما عدا الأمور الاستقبالية يشتمل على ضرورة ما وأقلها الضرورة بشرط المحمول بخلاف الأمور الاستقبالية؛ إذ لا يتحقق الضرورة فيها الا "**اذا حضر الوقت، وتعين أحد الجانبين من الوجود والعدم فالامكان الوقوعي إنما يستلزم وقوع الطرف الممكن بالفعل بالقياس إلى الزمان الماضي أو الحال لا الاستقبال**".[1]

---

[1] حاشية الكلنبوي على شرح الجلال الدواني على العقائد العضدية ص 167

امکان وقوعی کسے کہتے ہیں:

امکان وقوعی (استعدادی). یہ امکان جس چیز کی صفت ہو اس کا وجود بالفعل نہ ہو بلکہ اس کی محض استعداد ہو اور اس کا جانب مخالف نہ واجب بالذات ہو نہ واجب بالغیر ہو۔ مثلا کسی بچے میں کتابت کی (وقوع) استعداد کا نہ ہونا کہ کتابت کی استعداد کا مفقود ہونا نہ واجب بالذات ہے نہ واجب بالغیر۔ اسے امکان وقوعی یا استعدادی کہتے ہیں۔ مثلا: ہر دانۂ گندم میں خوشۂ گندم کے وجود کا امکان موجود ہے خوشہ گندم بننے کی صلاحیت و استعداد رکھتا ہے کیا ہر دانہ گندم بالفعل خوشہ گندم بن گیا ہے۔ کتنے دانے تو آپ ماضی میں پیس کر کھا گئے اب کیا کہیں گے کہ وہ بالفعل خوشہ گندم بن گئے؟ ہاں بالفعل ان میں خوشہ گندم بننے کی صلاحیت موجود تھی۔

بعض فلاسفہ نے امکان وقوعی کو ہی امکان استعدادی جانا ہے۔[موسوعة مصطلحات الفلسفة عند العرب، ص 114، مكتبة لبنان ناشرون، بيروت، طبع اول، 1998م.] لیکن بعض دوسرے فلاسفہ ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں، کہ امکان استعدادی مادی امور سے متعلق ہے، جبکہ امکان وقوعی عمومیت رکھتا ہے اور غیر مادی امور کو بھی شامل ہوتا ہے۔[بداية الحكمة، ص 50.]

امکانِ عام سے مراد طرفِ مخالف کے ضروری اور لازمی ہونے کو سلب کرنا اور اس کی نفی کرنا ہے۔ چنانچہ امکانِ عام میں اگر عدم کے ضروری ہونے کو سلب کیا جائے تو اس کا مصداق واجب بھی قرار پا سکتا ہے اور ممکن الوجود بھی۔

جب وقت ہو جائے اور وجود و عدم دو جانبوں میں سے کوئی ایک جانب متعین ہو تو زمانہ ماضی یا حال میں قیاس سے بالفعل طرف الممکن کے وقوع کو امکان وقوعی مستلزم ہو گا۔

یعنی طرف الممکن کے وقوع کا بالفعل ممکن ہونا لازم ہو گا۔ اس صورت میں بھی بالفعل ہونے کا امکان ہی لازم رہے گا۔ صدور کا ہونا ضروری نہیں، وقوع کے ہونے یا نہ ہونے کا حکم لگانے کے لیے دلیل کی ضرورت ہو گی۔

جب کوئی ایک جانب متعین ہو جائے تو پھر امکان وقوعی طرف ممکن کو دلیل کے ساتھ بالفعل مستلزم ہو گا،۔

قاعدہ (اصول) سچا ہو تو اس کا عکسِ نقیض بھی سچا ہوتا ہے:

مذکورہ قاعدہ کا عکس نقیض ہو گا:

امکان وقوعی طرف ممکن کو دلیل کے ساتھ بالفعل مستلزم نہ ہو گا جب تک عدم و وجود میں سے کوئی ایک جانب متعین نہ ہو جائے۔

اب ممکن تو دونوں اطراف ہیں جب عموم سے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ ہے[1] تو اجماع کے ہوتے ہوئے قیاس کی ضرورت ہی نہیں لہذا آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی جانب صواب متعین ہے لہذا یہاں اگر وقوع کو کسی طرف مستلزم کرنا ضروری بھی ہوا تو وقوع عدم خطا (جانب صواب) کو مستلزم ہو گا نہ کہ خطا کو۔ اگر کوئی ایک جانب بھی متعین نہ ہوتی یعنی عموم سے استدلال کے "درست ہونے یا درست نہ ہونے" پر احناف کی کوئی دلیل نہ ہوتی تو پھر کسی ایک جانب کو بھی مستلزم نہ ہوتا۔

یہاں اسے بیان کرتے ہوئے لگتا ہے ڈاکٹر صاحب کو ایک اور قاعدہ مستحضر نہیں تھا ورنہ یہ غلطی سرزد نہ ہوتی۔

[1] سیدہ پاک کے عموم سے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ ہے جس کی تفصیل آگے صفحہ نمبر 316 پر موجود ہے۔

امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر سورہ بقرۃ آیۃ نمبر 80 کے تحت لکھتے ہیں:

كُلَّ مَا جَازَ وُجُودُهُ وَعَدَمُهُ عَقْلًا لَمْ يَجُزِ الْمَصِيرُ إِلَى الْإِثْبَاتِ أَوْ إِلَى النَّفْيِ إِلَّا بِدَلِيلٍ سَمْعِيٍّ.[1]

جس شئ کا وجود و عدم عقلا جائز ہو اس کے اثبات یا نفی دلیل سمعی کے بغیر جائز نہیں۔ یعنی کسی ایک جانب کو ثابت کرنے کے لیے دلیل سمعی ضروری ہے۔

اور ایسے ہی سورہ انعام کی آیۃ نمبر 117 کے تحت لکھتے ہیں:

الْمَطَالِبُ عَلَى أَقْسَامٍ ثَلَاثَةٍ: مِنْهَا مَا يَمْتَنِعُ إِثْبَاتُهُ بِالدَّلَائِلِ السَّمْعِيَّةِ فَإِنَّ كُلَّ مَا يَتَوَقَّفُ صِحَّةُ السَّمْعِ عَلَى صِحَّتِهِ امْتَنَعَ إِثْبَاتُهُ بِالسَّمْعِ، وَإِلَّا لَزِمَ الدَّوْرُ. وَمِنْهَا مَا يَمْتَنِعُ إِثْبَاتُهُ بِالْعَقْلِ وَهُوَ كُلُّ شَيْءٍ يَصِحُّ وُجُودُهُ وَيَصِحُّ عَدَمُهُ عَقْلًا، فَلَا امْتِنَاعَ فِي أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ أَصْلًا، فَالْقَطْعُ عَلَى أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ بِعَيْنِهِ لَا يُمْكِنُ إِلَّا بِالدَّلِيلِ السَّمْعِيِّ، وَمِنْهَا مَا يُمْكِنُ إِثْبَاتُهُ بِالْعَقْلِ وَالسَّمْعِ مَعًا، وَهُوَ كُلُّ أَمْرٍ عَقْلِيٍّ لَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْعِلْمِ بِهِ، فَلَا جَرَمَ أَمْكَنَ إِثْبَاتُهُ بِالدَّلَائِلِ السَّمْعِيَّةِ.[2]

مطالب کی تین اقسام ہیں ایک جن کا اثبات دلائل سمعیہ سے ممتنع ہے کیونکہ ہر وہ چیز جس کی صحت پر سمع کی صحت موقوف ہو تو سمع سے اس کا اثبات ممتنع ہے۔ ورنہ دور لازم ہو گا۔ اور بعض وہ ہیں جن کا اثبات عقلا ممتنع ہوتا ہے اور وہ ہر وہ شئ ہے جس کا وجود و عدم عقلا صحیح ہو۔ تو کسی ایک طرف میں امتناع نہیں ہوتا اصلا، تو بعینہ دونوں میں سے ایک طرف پر قطعا حکم کرنا دلیل سمعی کے بغیر ممکن نہیں۔ اور بعض وہ ہیں جن کا اثبات عقلا و سمعا ممکن ہو، اور وہ ہر وہ عقلی امر ہے جو علم کے حصول پر ہی موقوف نہیں، کوئی مضائقہ نہیں کہ اس کے اثبات کا امکان دلائل سمعیہ سے ہو۔

اب دلیل سمعی اجماع صحابہ جب بی بی پاک کے استدلال کے صواب ہونے کا مؤید ہے اس کو چھوڑ کر قول خطا کو اختیار کرنا صریح غلطی نہیں تو کیا ہے۔ یہاں نہ صرف اجماع صحابہ کی مخالفت ہے بلکہ بضعۂ رسول کی

---

1 مفاتيح الغيب ـ التفسير الكبير المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة: (الثالثة = 1420هـ) ج3 ص568

2 مفاتيح الغيب ـ التفسير الكبير المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت الطبعة: (الثالثة = 1420هـ) ج12 ص497

طرف خطا کی نسبت بھی ہے۔ کیا موصوف نے یہ بھی سوچا کہ میرے بیان کئے ہوئے قاعدہ اور اس سے اس استدلال سے کیا کیا خرابیاں لازم آتی ہیں؟

ان الإمکان إذا کان متعلقا بالماضی کان مستلزما للوقوع (جو امکان، ماضی کے متعلق ہو تو وہ وقوع کو مسلتزم ہو گا)

اور اس سے نتیجہ یہ نکالا کہ نعوذ باللہ آپ کے لیے جو امکان خطا تسلیم کیا گیا ہے، **تو خطا پر تھیں کہنا درست ہے یا غلطی ہو گئی کہنا درست ہے جیسا کہ ایک اور جگہ کہا:** حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اگر دلیل پیش کی تھی تو پھر بھی **معصوم نہیں تھیں غلطی ہو گئی** یہ **انہوں (پیر مہر علی شاہ صاحب) نے لفظ لکھا کل میرا قول نہ بنانا کہ غلطی ہو گئی۔**

اس مسئلہ میں اس قانون سے لازم آنے والی خرابیاں

موصوف کے طرز استدلال سے تو ابو جہل، ابو لھب، عتبہ، شیبہ اور ولید وغیرہ کا ایمان و اسلام لانا ممکن تھا، تو کیا وہ ایمان و اسلام پر تھے؟ یا مومن ہو گئے تھے ان کا صحابی کے درجہ پر فائز ہونا بھی ممکن تھا، تو کیا وہ درجہ صحابیت پر بھی فائز تھے؟ حالانکہ یہ ممتنع ہے۔ کیونکہ ان کے خاتمہ ءِ کفر پر نصوص شاہد ہیں۔ [1] اسی طرح ماضی میں صحابہ اور اولیا سے کفر کا امکان تھا تو کیا ان کو کافر قرار دے دیں؟ (العیاذ باللہ) اور کافروں کے ایمان لانے کا امکان تھا تو کیا انہیں مومن قرار دے دیں؟ (العیاذ باللہ) کتنا خطرناک طرز استدلال ہے جس سے ایمان ہی باقی نہیں بچتا۔ اگر اس امکان سے ان پر بھی کلام کرتے ہیں جن کا بنظر نفس ذات امکان ذاتی تو ہے، مگر امکان وقوعی نہیں۔ اب اس ذاتی امکان کو وقوع مستلزم کر کے اسی طرح کا کلام کریں تو پھر کفر میں شک ہی باقی نہیں رہتا۔

---

[1] والممکنُ العادیُّ والممتنِعُ بالغیرِ کالإیمانِ من أمثالِ أبي جهل. فیجوز أن یکونَ الفعلُ الذی عَلِمَ الآمِرُ انتفاءَ شرطِه ممتنعاً بالغیرِ، وهو عِلمُ الآمر، ومُمکِناً عادیًّا فیتَّجِه التکلیفُ، فهؤلاءِ إن أرادَ بقولهم: "کُلُّ ما عُدِمَ شرطُه غیرُ مُمکنٍ" أنه غیرُ مُمکن فی ذاتِه وبِحَسَبِ العادةِ فغیرُ مسلَّم؛ لأنَّ الإیمانَ مِن أمثالِ أبي جهلٍ مُمکنٌ بالإمکانَینِ معَ انتفاءِ شرطِه، وإن أرادَ أنه غیرُ مُمکنٍ بسببِ عدمِ الشرطِ، وهو الامتِناعُ، فمُسلَّمٌ، لکن لا نُسلِّم بطلانَ التَّالِي؛ فإنَّ شرطَ التکلیفِ الإمکانُ العادیُّ ما وهو متحقِّقٌ، فافهَم. [الخیر آبادي، ص: ۲۵۲،۲۵۱] (مسلم الثبوت مع حاشية التعليق المنعوت على مسلّم الثبوت المحشّي للشيخ العلامة بركة الله بن محمد احمد الله الفرنجي محلي قادري (م) ناشر مؤسسة دار الملک ص 178)

صحابہ اور اہل بیت کی تفسیق وتکفیر کا لزوم

کیا موصوف اس قاعدہ کی رو سے جن خطاؤں کا غیر انبیاء (مقدس شخصیات) سے امکان تھا۔ بعض سے وقوع بھی ہوا اور اس پر سرقہ، قذف، شرب خمر، کفر وغیرہ کا حکم بھی لگا اور حدود بھی جاری ہوئیں۔ لیکن جن سے امکان ہونے کے باوجود وقوع وصدور کا ثبوت ودلیل موجود نہیں تو کیا ان سب کے لیے بھی "کان مستلزما للوقوع" کہہ کر مذکورہ خطاؤں پر تھے یا غلطی ہوگئی بیان کرنے کی اجازت دیں گے؟ اگر اس قاعدے کے تحت جائز کرتے ہیں تو اپنا ایمان باقی نہیں رہے گا۔ اگر ان سب کے لیے اس " قاعدہ: ان الإمکان إذا کان متعلقا بالماضی کان مستلزما للوقوع" کے تحت ناجائز سمجھتے ہیں اور صرف سیدہ کے لیے جائز سمجھتے ہیں تو پھر نہ صرف بدترین گستاخی ہے بلکہ آپ ﷞ کے بغض وعناد پر بھی دلالت کرے گا۔ کیونکہ اس سے جو جو جائز بن جاتا ہے وہ ذکر کرنا تو دور کوئی مومن فرض بھی نہیں کر سکتا۔ ایسا فرضیہ بھی ایمان کی بربادی ہے۔ لہذا اس قاعدہ سے استدلال کرتے ہوئے سیدہ پاک کے لیے یہ حکم بیان کرنے پر بھی موصوف پر توبہ ورجوع لازم ہے۔

کیا ڈاکٹر صاحب اور ان کے پروپیگنڈہ کے شکار افراد معصوم ہیں کہ ماضی میں مسئلہ فدک بیان کرتے ہوئے ان سے خطا ممکن نہیں تھی؟ اس مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے ان سے امکان خطا تھا بلکہ امکان تو توہین وتنقیص وبے ادبی وشتم کا بھی تھا تو پھر ان کے بیان کردہ قاعدہ کے روشنی میں ان سے خطاء، توہین وتنقیص وبے ادبی وشتم کا وقوع ہوگیا ہے۔ تو کیا اس قاعدہ کی روشنی میں اپنے لیے سیدہ کا گستاخ وبے ادب، شاتم کہنے کی اجازت دیں گے؟ بلکہ امکان تو گمراہی، ضلالت وکفر کا بھی تھا۔ تو کیا اجازت دیں گے کہ کوئی آپ کو گمراہی وضلالت وکفر پر تھے کہے یا ان افعال کا صدور ہوگیا کہے؟ یقینا اپنے لیے جائز نہیں کہیں گے، **تو جس قاعدہ کے تحت اپنے لیے جائز نہیں سمجھتے تو خود سوچیں کہ کس مقدس ہستی کے بارے میں اس سے استدلال کرتے ہوئے کیا جائز کر رہے ہیں اور یہ جواز کہاں تک کی خرابی کو پہنچتا ہے۔**

اگر کسی عبارت میں ماضی کے امکان کا ذکر ہو تو کیا وہاں وقوع ہو چکا ہوتا ہے؟ تو علامہ مولانا فضل امام الخیر آبادی الحنفی نے کلی کی اقسام بیان کرتے ہوئے عبارت میں امکان ذکر کیا اس کے بارے میں کیا کہیں گے:

> الکلی اقسام احدھا ما یمتنع وجود افرادہ فی الخارج کاللا شیء و اللاممکن واللا موجود وثانیھا ما یمکن افرادہ ولم توجد کالعنقاء وجبل من الیاقوت وثالثھا ما أمکنت افرادہ ولم توجد من افرادہ الا فرد واحد کالشمس والواجب تعالی.[1]

[1] المرقاۃ مع حاشیتھا المرضاۃ المؤلف: الإمام العلامة فضل إمام بن محمد ارشدالخیر آبادي الھندي (م: 1244ھ) دار الملک (م: 1444ھ) ص 77

کلی کی اقسام ہیں: پہلی قسم جس کے افراد کا خارج میں وجود ممتنع ہے، جیسا کہ لاشیء، لا ممکن اور لا موجود۔ دوسری قسم جس کے افراد کا پایا جانا ممکن تو ہے لیکن کوئی ملا نہیں، جیسا کہ العنقاء اور یاقوت کا پہاڑ۔ تیسری قسم جس کے کئی افراد کا پایا جانا ممکن تو تھا لیکن صرف ایک فرد ہی ملا ہے، جیسا کہ سورج اور واجب تعالیٰ۔

اب دوسری قسم میں افراد کا پایا جانا ممکن تو ہے لیکن کوئی آج تک پایا نہیں گیا، اسی طرح تیسری قسم کے ایک سے زائد افراد کا پایا جانا ممکن تو بیان کیا ہے لیکن ملا ایک ایک ہی فرد ہے۔ اب اس قسم میں فضل امام خیر آبادی لکھتے ہیں: "ما أمکنت افرادہ ولم توجد من افرادہ الا فرد واحد" کہ ممکن تو اس کے کئی افراد تھے لیکن ایک سے زیادہ کوئی فرد ملا نہیں اب یہاں بھی موصوف امکان کو وقوع مستلزم کر کے کیا واجب تعالیٰ کے دوسرے افراد کا بالفعل پایا جانا ثابت کریں گے کیونکہ مصنف نے تو "ما امکنت افرادہ" لکھا ہے؟ حالانکہ واجب تعالیٰ کے دوسرے فرد کا پایا جانا ممتنع ہے۔(لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا)

اب آپ کا قاعدہ کہ کسی عبارت میں ماضی میں کسی چیز کا امکان لکھا گیا ہو تو وہاں اس کا بالفعل پایا جانا ہی مراد ہوتا ہے۔ اگر خطا کا امکان کہا گیا ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ وہ خطا پر تھیں۔ تو کیا فتویٰ لگائیں گے علامہ فضل امام پر بھی؟ جو کہ لکھ رہے ہیں: "ما أمکنت افرادہ ولم توجد من افرادہ الا فرد واحد کالشمس والواجب تعالیٰ"؟ آپ کے استدلال سے اکابرین نے جن مسائل میں امکان کی بحث کی شاید ہی کوئی بچے، اور سیدی اعلیٰ حضرت پر بھی اعاظم صدیقین کے حوالے سے کذب کا امکان لکھ رہے ہیں اور انبیاء کے بارے میں بھی بنظر نفس ذات امکان لکھ رہے ہیں؟ (تفصیل آگے بیان ہو گی) تو کیا ایسا بے لگام اور خود ساختہ قاعدہ سے استدلال وہاں بھی کریں گے؟

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے استدلال میں قبیح ترین لغزش

ڈاکٹر صاحب نے بغیر سوچے سمجھے اپنی بات کو درست ثابت کرنے کے لیے سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ کی جو گفتگو اللہ عزوجل کے امکان کذب کے متعلق تھی اس سے بے جا استدلال کیا، اور اسی قسم کی غلطی کی جو امکان کذب کے قائلین نے کی تھی۔ انہوں نے رب تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی طرح سمجھا کہ جس طرح مخلوق کے لئے کسی چیز کا امکان بیان کیا جائے، تو وہ امکان ہی رہتا ہے، وقوع کا حکم نہیں لگتا۔ اسی طرح رب تعالیٰ کے لئے امکان کذب "امکان" ہی رہے گا وقوع نہیں ہو گا۔ لیکن سیدی اعلیٰ حضرت نے ان کا تعاقب

کیا کہ جب تم رب کے لئے کسی چیز کا امکان تسلیم کروگے، تو وہ امکان صرف امکان ہی نہیں رہتا، رب تعالیٰ کے کلام میں بالفعل تسلیم کرنا ہے اور جب بالفعل تسلیم کیا گیا تو وہ دائمی اور ضروری بھی ہو جائے گا؛ کیونکہ رب کی صفات قدیم ازلی ابدی ہیں اور مخلوق کی صفات حادث ہیں رب کی طرح نہیں۔ اور اس کی وجہ بیان کی کہ یہ بالفعل کیسے ہو گا؟ جس کی تفصیل آگے بیان ہو گی۔

موصوف کو بھی یہاں مغالطہ لگا اور رب تعالیٰ کی صفات کو مد نظر رکھتے ہوئے، جو اعلیٰ حضرت کا استدلال رب تعالیٰ کی صفات کو مد نظر رکھ کر تھا، اسے مخلوق کے لئے بھی جائز سمجھ بیٹھے اور اسے سیدہ پاک پر منطبق کرنے کی فحش غلطی کر دی۔ اگر سیدی اعلیٰ حضرت کو ہی اس مسئلہ میں سیاق وسباق کے ساتھ صحیح طرح پڑھ لیا ہوتا یا کسی سے سمجھ لیا ہوتا تو یہ ٹھوکر نہ کھاتے، مگر بضعہ رسول کو خطا پر اور غلطی پر ثابت کرنے کے لیے جلد بازی کی جو مزید شرمندگی کا باعث بنی۔

موصوف کے خطاب کا اقتباس:

> ماضی میں اس پر جب امکان خطا کا لفظ بولا جائے گا تو اصول کی روشنی میں وہ مستلزم وقوع ہو گا۔ اب دیکھئے فتاویٰ رضویہ شریف ۱۵ جلد کے اندر صفحہ نمبر ۳۴۵ پر اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں امکان کذب اس کی، یعنی کس کی، کذب کی، امکان کذب اس کی فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت کو مستلزم ہے۔ یعنی بولنے والے نے صرف امکان کذب کہا **تو لازم کیا آئے گا فعلیت کذب دوام کذب ضرورت کذب** تو اس کے ساتھ اگلے ۳۴۶ صفحے پر کہتے ہیں جب کوئی کہے گا اللہ تعالیٰ کے کذب کا امکان ہے لاجرم امکان کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذب مانتا اور اس کے کلام نفسی کذب موجود بالفعل جانتا ہے۔ ذکر کیا ہے امکان کذب اس امکان کذب کے اندر کیا ہے، کاذب ہونا بالفعل، تو ذکر کیا پیر صاحب نے امکان خطا کا ایک جو ماضی میں ہو چکی معین اس کے جواب میں ذکر کیا ہے اس کا سوائے وقوع خطا کے اصول کے مطابق اور کیا معنی ہو گا؟ (ویڈیو خطاب)

موصوف نے اپنے اس استدلال سے اپنے قول: مانگ رہی تھیں تو **"خطا پر تھیں"** اور **"غلطی ہو گئی"** کو درست ثابت کرنے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی موصوف نے ادھوری عبارت پڑھ کر درمیان کا حصہ دیکھا نہیں، یا سمجھے ہی نہیں ورنہ اسے دلیل ہی نہ بناتے، عبارت کیا تھی؟

اعلیٰ حضرت کی عبارت میں "**امکان کذب اس کی "فعلیت" بلکہ "دوام" بلکہ "ضرورت" کو مستلزم**" کی وضاحت سے پہلے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ممکن (امکان) کہتے کسے ہیں؟

بحثِ امکان میں شیخ الحدیث علامہ محمد یعقوب ہزراوی مدظلہ کی توضیح و تشریح

ہمیں تو ہمارے استاد گرامی القدر رازی دوراں جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث حضرت علامہ محمد یعقوب ہزراوی صاحب مدظلہ نے پڑھایا کہ

"امکان" کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ شئ کا نہ وجود ضروری ہے اور نہ ہی عدم ضروری ہے۔ یعنی شی کا وجود بھی ہو سکتا ہے اور شی کا عدم بھی ہو سکتا ہے۔ دوسرا ہے کسی شئ کا **ممتنع** ہونا یا واجب ہونا، جس شئ کا وجود **ممتنع** ہو اس کا عدم ضروری ہوتا ہے اور وجود محال ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور جس شئ کا وجود واجب ہو تو اس کا عدم محال ہوتا ہے یعنی جو "واجب الوجود" ہو اس میں وجود ضروری ہوتا ہے اور عدم محال ہوتا ہے۔ یعنی وہ ضرور ہو گی۔

"امکان کذب اس کی فعلیت بلکہ دوام **بلکہ** ضرورت[1] کو مستلزم ہے"، اس کا مطلب یہ ہے کہ "امکان بالفعل" بھی امکان ہی رہے گا، جو شئ ممکن ہو گی، وہ بالفعل بھی ممکن ہی رہے گی۔ نہ وہ "واجب" ہو سکتی ہے نہ ہی "**ممتنع**" ہو سکتی ہے، اس نے ہمیشہ کے لیے "بالفعل ممکن" ہی رہنا ہے، اور "دوام" یعنی دائمی طور پر اس نے ممکن ہی رہنا ہے، "ضرورت کو مستلزم" یعنی اس کا ممکن ہونا ضروری ہے، یعنی امکان کا ممکن ہونا، امکان کا بالفعل ممکن ہی رہنا، امکان کا ہمیشہ ممکن رہنا اور ضرور ممکن ہی رہنا ہے۔

---

1 **فعلیت:** وہ ایسی نسبت ہے جس میں محمول کی نسبت جو موضوع کی طرف کی گئی ہے وہ تینوں زمانوں میں سے کسی زمانے میں پائی جائے، جیسے "کل إنسان ضاحك بالفعل" یعنی ہنسنا کسی وقت پایا جاتا ہے، یہ دوام کی ضد ہے اس لیے اس نسبت کی طرف **لادوام** اور **باطلاق العام** سے بھی اشارہ ہوتا ہے۔

دوام: وہ ایسی نسبت ہے جس میں محمول کی نسبت جو موضوع کے ساتھ ہے وہ تمام زمانوں میں اور ہر وقت موجود رہتی ہو یعنی محمول کا ثبوت یا سلب موضوع سے ضروری تو نہ ہو مگر پھر بھی کسی وجہ سے ایسا التزام پایا جاتا ہو کہ موضوع محمول کی صفت سے کبھی خالی نہ ہوتا ہو، جیسے **الحیوان متنفس** (جاندار سانس لینے والا ہے) اس قضیہ میں سانس لینا اگرچہ موضوع کی ذات کا تقاضا نہیں ہے مگر پھر بھی تمام زمانوں میں موضوع، محمول کی صفت کے ساتھ متصف رہتا ہے۔

ضرورت: وہ ایسی نسبت ہے جس میں محمول کی نسبت کا موضوع سے جدا ہونا محال ہو، جیسے **اللہ واحد** میں "احدیت" (ایک ہونے) کی جو نسبت اللہ تعالی کی طرف ہے وہ کبھی بھی اللہ تعالی سے جدا نہیں ہو سکتی۔

اعلیٰ حضرت نے جو لکھا ہے کہ جب رب تعالیٰ کے کلام میں کسی چیز (کذب) کا امکان مانا تو وہ صرف امکان نہیں رہے گا، بلکہ بالفعل ماننا ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خالق جل جلالہ کا کلام نفسی ازلی ابدی مستحیل التجدد ہے، رب کے کلام میں کسی چیز کا امکان مانا تو وہ صرف امکان ہی نہیں رہے گا؛ کیونکہ کلام لفظی میں ممکن وہی ہو گا، جو نفسی میں ہو چکا ہو۔ تو جو رب کے کلام لفظی میں ممکن ماننا، رب کے کلام نفسی میں موجود بالفعل ماننا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کی صفات (ازلی، ابدی، مستحیل التجدد) میں بندوں کے کلام سے دور دور تک مشابہت ہی نہیں، رب کے کلام میں کذب مطلقاً محال ہے، وہاں نہ امکان وقوعی ہے، نہ ہی امکان ذاتی ہے، صدورِ کذب وخلافِ صدق عقلاً ممتنع ہے۔ اور ہمارے کلام میں کذب کا امکانِ وقوعی موجود ہے اور انبیاء کے لئے تو امکانِ وقوعی بھی نہیں، صرف بنظرِ نفسِ ذات "امکانِ ذاتی" ہے۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی عبارت:

> "امکان کذب اس کی فعلیت بلکہ دوام بلکہ ضرورت کو مستلزم کہ **اگر کلام نفسی ازلی ابدی واجب للذات مستحیل التجدد کذب پر مشتمل نہ ہو تو کلام لفظی کا کذب ممکن نہیں** ورنہ وجود دال بلا مدلول یا کذب دال مع صدق المدلول لازم آئے گا اور یہ دونوں بالبداہتہ محال، اور **جب کلام لفظی میں کذب ممکن نہ ہو تو نفسی میں بھی ممکن نہیں**، ورنہ باری عزوجل کا عجز عن التعبیر لازم آئے، تو لاجرم امکان کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذب مانتا اور اس کے کلام نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے اور وہاں فعل ودوام وجوب متلازم وبوجہ آخر اوضح واظہر"۔[1]

یعنی اگر اللہ تعالیٰ واجب الوجود کا کلام نفسی ازلی ابدی واجب للذات جس میں تجدد محال ہے، یہ (کلام نفسی) کذب پر مشتمل نہ ہو تو کلام لفظی کا کذب ممکن ہی نہیں، (یعنی کلام لفظی میں کذب ممکن ہی تب ہو گا جب کلام نفسی کذب پر مشتمل ہو)۔ ورنہ وجود دال بلا مدلول[2] یا کذب دال مع صدق المدلول لازم آئے گا اور یہ دونوں بالبداہتہ محال ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے کلام لفظی میں کذب ممکن ہی نہیں تو کلام نفسی میں بھی کذب ممکن نہیں ہے۔ ورنہ باری عزوجل کا عجز عن التعبیر لازم آئے گا۔ اب جب یہاں کذب نہ رب تعالیٰ کے کلام لفظی میں ممکن ہے، نہ ہی کلام نفسی میں ممکن ہے، تو جس نے امکان کذب مانا بلاشک وہ ممکن ماننے کی وجہ سے اپنے رب کو واقعی کاذب مانتا ہے اور اس کے کلام نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے۔

---

1 فتاوی رضویہ ج15ص 345

2 کلام لفظی دال اور کلام نفسی مدلول ہے

یہاں امکان کذب کے قائل کا کفر ایک اس وجہ سے ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے لیے جو ہے ہی ممتنع و محال (کذب کا ممکن ہونا)، اسے وہ جائز مان رہا ہے۔[1] دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ رب تعالیٰ کے کلام لفظی میں کذب کا امکان ماننے سے اس کے کلام نفسی مستحیل التجدد میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے اور اپنے رب کو واقعی کاذب مانتا ہے۔

مخلوق کے کلام کی یہ صفات ہی نہیں اور نہ ہی مخلوق کے کلام میں تجدد محال و ممتنع ہے۔ علماء کرام نے جو صحابہ و اہل بیت کے کسی فعل کو ممکن کہا ہے تو وہ اس زمانے میں ہی ممکن تھا جب تک ان کی ظاہری حیات تھی۔ ان کے وصال کے ساتھ ہی جب دنیاوی افعال کا سلسلہ مقطع ہو گیا تو اب ان کی زندگی میں ایسے قابل مواخذہ افعال جن میں خطا کا امکان تھا تو اب ان کی ذوات سے وقوع و صدور کا امکان بھی ختم ہو چکا ہے۔

اعلیٰ حضرت نے امکان کذب میں جو استدلال اس ذات کے کلام نفسی اور لفظی کے لیے کیا جو واجب الوجود ازلی و ابدی ہے۔ کیا وہی استدلال مخلوق کے لیے کیا جاسکتا ہے؟ صفات الٰہیہ کو مخلوق کی صفات کی طرح سمجھنے کا کیا حکم ہے؟ اللہ جل جلالہ کے کلام نفسی و لفظی میں کذب کے امکان کا تصور ہی نہیں۔ اس کی ذات سے خطا کا امکان و قوعی نہ صرف ناممکن ہے بلکہ عقلا بھی محال ہے۔ خالق اور مخلوق کی تو کوئی برابری ہی نہیں۔ کیا موصوف جس طرح سیدہ زہراء کے امکانِ خطا کو وقوع مستلزم کر رہے ہیں تو کیا اللہ عزوجل کے لیے بھی امکانِ خطا کو جائز مانتے ہیں؟ جو کہ کفر ہے۔ اس کے علاوہ ناممکن و محال کو ممکن پر قیاس کرنا ہی قیاس مع الفارق ہے۔ جھوٹ و خطا عیب ہیں اور اللہ تعالیٰ عیوب سے پاک ہے۔

> سبحانہ وتعالیٰ کی سب صفات، صفات کمال، بر درجہ کمال ہیں، ان میں سے جس طرح کسی صفت کا سلب اس سے ممکن نہیں یوں ہی معاذ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کسی صفت کے نقص کا بھی امکان نہیں رکھتا۔[2]

---

[1] صدر الشریعہ بہار شریعت عقیدہ ۱۵ میں لکھتے ہیں: وہ ہر کمال و خوبی کا جامع ہے اور ہر اُس چیز سے جس میں عیب و نقصان ہے پاک ہے، یعنی عیب و نقصان کا اُس میں ہونا مُحال ہے، بلکہ جس بات میں نہ کمال ہو، نہ نقصان، وہ بھی اُس کے لیے مُحال، مثلاً جھوٹ، دغا، خیانت، ظلم، جہل، بے حیائی وغیرہا عیوب اُس پر قطعاً محال ہیں اور یہ کہنا کہ جھوٹ پر قدرت ہے بایں معنی کہ وہ خود جھوٹ بول سکتا ہے، مُحال کو ممکن ٹھہرانا اور خدا کو عیبی بتانا بلکہ خدا سے انکار کرنا ہے اور یہ سمجھنا کہ مُحالات پر قادر نہ ہو گا تو قدرت ناقص ہو جائے گی باطل محض ہے، کہ اس میں قدرت کا کیا نقصان! نقصان تو اُس مُحال کا ہے کہ تعلّقِ قدرت کی اُس میں صلاحیت نہیں۔ (بہار شریعت: ناشر مکتبۃ المدینہ ج 1 ص 6) في "المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، ص ۳۹۳): یستحیل علیہ (سبحانہ) سمات النقص کالجھل والکذب (بل یستحیل علیہ کلّ صفۃ لا کمال فیھا ولا نقص؛ لأنّ کلاًّ من صفات الإلہ صفۃ کمال(، انظر للتفصیل" :المسامرۃ بشرح المسایرۃ"، واتفقوا علی أنّ ذلك غیر واقع، ص ۲۰۴۔ ۲۱۰، و"الفتاوی الرضویۃ"، ج ۱۵، ص ۳۲۰۔ ۳۲۲۔

[2] فتاوی رضویہ ج 15 ص 314

شرح مقاصد میں ہے الکذب محال باجماع العلماء لان الکذب نقص باتفاق العقلاء وھو علی اللہ تعالی محال ملخصا.[1]

جھوٹ باجماع علماء محال ہے کہ وہ باتفاق عقلاء عیب ہے اور عیب اللہ تعالیٰ پر محال ہے ملخصا۔[2]

اللہ تعالیٰ کی صفات دوام و ضرورت کو مستلزم ہیں۔

ڈاکٹر صاحب تو انبیاء علیہم السلام کے لیے خطاء اجتہادی کو ممکن مانتے ہیں تو ان کے لیے بھی اس قاعدہ کے تحت (صرف امکان کذب کہا تو لازم کیا آئے گا فعلیت کذب، دوام کذب، ضرورت کذب) کہہ کر جو استدلال کیا ہے، کیا یہاں بھی اسی طرح استدلال کرنے کی جرأت کریں گے؟ خطاء اجتہادی کا امکان کہا تو لازم کیا آئے گا فعلیتِ خطاءِ اجتہادی، دوامِ خطاءِ اجتہادی، ضرورتِ خطاءِ اجتہادی، اس قاعدہ سے آپ کے طرز استدلال سے انبیاء علیہم السلام کے لیے یہ قول کفر سے کم نہیں۔ ان کے جتنے اجتہاد ہیں ان سے اعتبار ہی اٹھ جائے حالانکہ جن بعض علماء کے نزدیک انبیاء علیہم السلام سے خطاء اجتہادی کا جواز بھی ہے تو وہ بدون القرار ہے دائمی و ضروری نہیں، اور محققین کا مختار تو انبیاء علیہم السلام سے خطاء اجتہادی کے عدم جواز کا ہے۔

سیدہ پاک کے لیے موصوف نے جس طرح استدلال کیا ہے تو اس طرح اگر استدلال سے امکان کو وقوع کو مستلزم کیا جائے تو کیا لازم آئے گا کہ ان کی خطا یا غلطی دائمی و ضروری (یعنی تمام زمانوں میں اس کی ساتھ متصف رہیں اور اس کا آپ سے جدا ہونا محال) ہے۔ اوپر وضاحت ہو چکی ہے کہ مخلوق کے لئے امکان بالفعل بھی امکان ہی رہتا ہے، اور ہمیشہ بھی امکان ہی رہتا ہے الا یہ کہ بالفعل ہونے کی شہادت موجود ہو۔ العیاذ باللہ فنون کا ماہر ہونے کا دعوے دار ہو اور بضعہ رسول رضی اللہ عنہا کے لیے اس بے باکی کے ساتھ من مانے قواعد جاری کرے اور آگاہ کرنے پر بھی ضد پر ڈٹا رہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

اگر ڈاکٹر صاحب اسے بھی امکان وقوعی کہتے ہیں تو امکان وقوعی میں اس کی جانب مخالف نہ واجب بالذات ہوتی ہے اور نہ واجب بالغیر تو کیا واجب الوجود کی صفت صدق وجوبی نہیں؟ جب کذب کی جانب مخالف (صدق) واجب ہے تو کذب کے ممکن ماننے سے واجب الوجود کے لیے محال کا ماننا لازم آتا ہے۔

---

1 شرح المقاصد المبحث السادس في ان الله تعالى متكلم دار المعارف النعمانية لاهور ج 2 ص 104

2 فتاوی رضویہ ج 15 ص 323

اگر موصوف سیدہ پاک کو خطا و غلطی پر ثابت کرنے میں اندھا جوش نہ دکھاتے بلکہ ہوش و حواس میں تسلی سے مسائل کو پڑھ، سمجھ کر بات کرتے تو اتنی ٹھوکریں نہ کھاتے۔ جس فتاوٰی رضویہ کی عبارت کو اپنا متدل بنایا تھا، اسی مسئلہ میں اعلیٰ حضرت نے چند صفحے آگے جو لکھا تھا وہی دیکھ لیتے کہ آپ نے مخلوق کے لیے جن خطاؤں (کذب) کا ماضی میں امکان بیان کیا ہے اس امکان کو وقوع مستلزم کر کے صدور و فعل کا حکم بیان کرتے ہیں یا اسے ناجائز سمجھتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت جنہوں نے خالق کے لئے امکان کذب ماننے والے پر خالق کو بالفعل کاذب ماننے کا حکم لگایا تو یہاں عام مخلوق کے پانچ درجات میں کذب کا امکان و قوعی ماننے کے وجود انہیں بالفعل کاذب قراد دینے کے بجائے ان پر صادق کا حکم بیان کیا ہے۔ اور انہیں قائلین صدق کے درجات کہتے ہیں، اس میں چوتھا درجہ اولیاء کا ہے، **پانچواں اعاظم صدیقین کا ہے (سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا صدیقہ عظمیٰ ہیں)**، چھٹا انبیاء علیہم السلام کا ہے جہاں امکان وقوعی بھی نہیں صرف ذاتی ہے، اور ساتواں اللہ عزوجل کا۔ موصوف نے ساتواں درجہ جہاں خطا کا نہ امکان ذاتی ہو اور نہ ہی عقلا (امکان) ممکن، اس پر پانچویں درجے والوں کو قیاس کیا جن کے بارے میں اعلیٰ حضرت نے خود ہی وضاحت فرمادی ہے کہ امکان و قوعی تو ہو، لیکن اس کے صدور سے اللہ نے محفوظ رکھا۔ یعنی بالفعل وقوع و صدور نہیں ہوتا۔ کہ کوئی ماضی کے صرف امکان کی وجہ سے خطا پر کہے، یا غلطی ہوگئی کہے، یا جھوٹا کہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> **درجہ ۵: اللہ عزوجل سہو او خطأ بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان وقوعی باقی ہو یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے کہ:**
>
> **إِنَّ اللهَ تعالى يَكرَهُ فوق سَمائِهِ أن يُخَطَّأَ أبو بكرٍ في الأرضِ.** رواه الطبراني في المعجم الكبير والحارث في مسنده وابن شاهين في السنة عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ **اللہ تعالیٰ آسمان کے اوپر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زمین پر غلطی کریں (غلطی پر کہا جائے)**[1] اسے طبرانی نے

---

[1] یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت کا نہیں مترجم کا ہے یہاں انسب اس کا باب تفعیل سے ہونا ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے دی تھی، تو اس پر رسول اللہ نے فرمایا: إِنَّ اللهَ تعالى يَكرَهُ فوق سَمائِهِ أن يُخَطَّأَ أبو بَكرٍ في الأرضِ. اللہ تعالیٰ آسمان کے اوپر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ حضرت ابو بکر کو زمین پر غلطی پر کہا جائے۔ اس کی تائید علامہ مناوی التیسیر میں لکھتے ہیں: أي يكره أن ينسب إلى الخطا (في الأرض) لكمال صديقيته وإخلاص سريرته. (التيسير بشرح الجامع الصغير المؤلف: عبد الرؤوف المناوي (م:1031هـ) الناشر: مكتبة الإمام الشافعي، الرياض الطبعة: الثالثة، 1408هـ) ، ج1ص 227، السراج المنير شرح الجامع الصغير المؤلف: الشيخ علي بن الشيخ أحمد بن الشيخ نور الدين بن محمد بن الشيخ إبراهيم الشهير بالعزيزي (م: 1070هـ) ج2ص16

معجم الکبیر میں شیخ حارث نے مسند میں اور ابن شاہین نے السنہ میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا۔

درجہ۶: معصوم من اللہ و مؤید بالمعجزات ہو کہ کذب کا امکان وقوعی بھی نہ رہے مگر بنظر نفس ذات امکان ذاتی ہو یہ رتبہ حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام اجمعین کا ہے۔

درجہ۷: کذب کا امکان ذاتی بھی نہ ہو بلکہ اس کی عظمت جلیلہ و جلالت عظیمہ بالذات کذب و غلط کی نافی و منافی ہو اور اس کی ساحتِ عزت کے گرد اس گرد لوث کو گزر محال عقلی یہ نہایت درجات صدق ہے جس سے مافوق متصور نہیں، اب آیہ کریمہ ارشاد فرمارہی ہے کہ تیرے رب کا صدق و عدل اعلیٰ درجہ کا منتہیٰ پر ہے تو واجب کہ جس طرح اس سے صدور ظلم و خلاف عدل باجماع اہل سنت محال عقلی ہے، یونہی صدور کذب و خلاف صدق بھی عقلا ممتنع ہو، ورنہ صدق الٰہی غایت و نہایت تک نہ پہنچا ہو گا کہ اس کے مافوق ایک درجہ اور بھی پیدا ہو گا یہ خود بھی محال اور قرآن عظیم کے خلاف، فثبت المقصود والحمد للہ العلی الورود۔[1]

سیدی اعلیٰ حضرت نے نہ صرف اصول بیان کیا بلکہ اعاظم صدیقین کے مرتبہ کو مثال سے مزید واضح فرمادیا کہ امکان وقوعی[2] تو ہوتا ہے لیکن اس کے صدور سے محفوظ ہوتے ہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ امکان ہونے کے باجود نہ صرف انہیں صدور سے محفوظ رکھتا ہے بلکہ انہیں خطا پر کہنے کو ہی پسند نہیں فرماتا۔ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی صداقت کے حوالے سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا قَطُّ أَصْدَقَ مِنْ فَاطِمَةَ غَيْرَ أَبِيهَا.[3] (میں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ سچا آپ کے اباجان کے علاوہ ہرگز کسی کو نہیں دیکھا)۔ لہذا سیدہ پاک بھی اعاظم صدیقین میں ہیں۔

یہاں پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی رائے کو خطا پر سمجھتے ہوئے اس کے خلاف رائے دی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رب تعالیٰ کا حکم سنادیا۔ اب جن اعاظم صدیقین کی اجتہادی رائے کو امکان وقوعی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نہ صرف خطا سے محفوظ رکھتا ہے، بلکہ خطا پر کہنا اللہ جل جلالہ پسند ہی نہیں فرماتا۔ یہاں موصوف اور ان

---

1 فتاوی رضویہ ج 15 ص 358

2 امکان وقوعی (استعدادی): یہ امکان جس چیز کی صفت ہو اس کا وجود بالفعل نہ ہو بلکہ اس کی محض استعداد ہو اور اس کا جانب مخالف نہ واجب بالذات ہو نہ واجب بالغیر ہو۔ مثلاً کسی بچے میں کتابت کی استعداد (وقوع) کا نہ ہونا کہ کتابت کی استعداد کا مفقود ہونا نہ واجب بالذات ہے نہ واجب بالغیر۔ اسے امکان وقوعی یا استعدادی کہتے ہیں۔

3 مجمع الزوائد للهيثمي، المستدرك للحاكم، مسند أبي يعلى الموصلي، المعجم الأوسط للطبراني۔

کے حواری تبلیغ کرتے پھر رہے ہیں ہم فکر رضا کے ترجمان ہیں اور صرف امکان کے تذکرے کو صدور ثابت کرتے پھر رہے ہیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر بھی مخلوق کے لیے کسی مسئلہ پر صرف امکان کا پایا جانا کہا گیا تو اس کے وقوع و صدور کا بالفعل ہو جانے کے بجائے، سیدی اعلیٰ حضرت اس مسئلہ میں اس کے وقوع وصدور ہونے کی نفی فرماتے ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان اولاد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ سب کے سب مطلق دخول نار (عذاب) سے محفوظ ہیں۔ بعض علماء نے عذاب کے امکان کو جائز کہا جیسا کہ علامہ زرقانی نے کہا کہ یوں کہا جاسکتا کہ "اللہ تعالیٰ کو فرمان بردار کی تعذیب کا اختیار ہے لیکن حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے اکرام کے لیے اسے عذاب نہیں دیتا"، واللہ اعلم بالصواب

لیکن اعلیٰ حضرت اس کا بھی رد کرتے ہوئے علامہ زرقانی کے الا ان یقال (مذکورہ بالا کلام) کے حوالے سے لکھتے ہیں میں نے اس پر حاشیہ لکھا ہے، جس کی عبارت یہ ہے:

"أقول ولا یجدی فان الوقوع ممنوع باجماع اهل السنة واما الإمكان فثابت عند من يقول به الى خلاف ائمتنا الماتريدية فانهم يحيلونه".[1]

میں کہتا ہوں ان کا یہ بیان بے فائدہ ہے عذاب کا وقوع تو باجماع اہل سنت ممنوع ہے، باقی رہا امکان تو یہ اس کے قائل کے ہاں ثابت ہے جو ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ عنہم کے خلاف ہے کیونکہ یہ ائمہ اسے محال سمجھتے ہیں۔

اب جو امکان و وقوع کو مستلزم کر کے صدور کا نتیجہ بیان کر رہے ہیں، اور اس امکان کی آڑ میں ایک قول قبیح کی نسبت کرتے ہیں۔ یہاں امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ عذاب کے امکان کو وقوع سے مستلزم کر کے صدور کے دلائل دینے کے بجائے فرماتے ہیں کہ اہل سنت کا اس کے ممنوع ہونے پر اجماع ہے، اور ہمارے ائمہ ماتریدیہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک تو عذاب ہونا ہی محال ہے۔

[1] فتاوی رضویہ ج 15 ص 734

سیدہ پاک کے لئے جن چیزوں کا امکان تھا ان کا وقوع ثابت کرنے کے لئے اگر کوئی اعلیٰ حضرت کا جو استدلال خالق کی صفات کے لحاظ سے تھا اسے دلیل بنا کر وقوع ثابت کرنے کی ان کے سامنے کوشش کرتا تو اعلیٰ حضرت ایسے قائل کے بارے میں کیا حکم بیان کرتے؟ اہل علم خود اندازہ کر سکتے ہیں۔ **فتاوٰی رضویہ کی جلد ۱۵ ص ۵۴۶ دیکھ لیجیے کے رب کے لئے نقص ممکن ماننے سے کیا کیا لازم آ جاتا ہے،** موصوف مخلوق کے لئے بھی ممکن کے وقوع ہونے کا حکم ثابت کرتے ہیں تو کیا کیا لازم آئے گا؟ تو پھر اس پر کیا حکم لگے گا؟ نشاندہی کرنے کے باوجود اس پر بھی آپ نے رجوع نہیں کیا۔

کلام اللہ کو سمجھنے میں ڈاکٹر صاحب کی لغزش

ڈاکٹر صاحب نے اپنے دفاع میں قرآن و حدیث سے چند استدلال پیش کیے ان میں بھی مزید لغزشیں اور غلطیاں کرتے رہے۔ آپ نے کہا:

> ''عام حالات میں ایک چیز جب اس کا ذکر کرنا **''نامناسب ہو'' بلکہ کبھی صرف نامناسب ہی نہیں بلکہ ''ناجائز بھی ہو''** لیکن بعض حالات میں وہ کیا بھی جاتا ہے، اور وہ جائز بھی ہوتا ہے۔ اس پر میں دو تین دلیلیں قرآن مجید اور حدیث سے دے کر پھر گفتگو آگے بڑھاتا ہوں''۔

اس کے بعد ''ناجائز'' پر قرآن کی جن دو آیات اور نامناسب پر رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث سے استدلال کیا اس میں بھی ٹھوکر کھائی۔ حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہ السلام کا قرآن میں کلام بطور شاہد پیش کرتے ہوئے کہا:

> حضرت سیدنا ابراھیم علیہ السلام قرآن مجید برھان رشید میں موجود ہے، **''اب ہوں اللہ کے خلیل اور ستارے کو اپنا رب کہہ دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا''**۔ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيۡهِ الَّيۡلُ رَاٰ كَوۡكَبًا پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا تو ایک تارا دیکھا قَالَ هٰذَا رَبِّىۡ اب ھذا کس پر بولا، ستارے پر، ھذا ربی، یہ جملہ ستارے کے لحاظ سے میں کہوں آپ کہیں کوئی کہے تو کفر ہو گا کہ ستارہ تو رب نہیں رب تو وحدہ لاشریک، اللہ ہے۔ اب **ھذا ربی**، قرآن کہہ رہا ہے کہ ابراھیم علیہ السلام نے ستارے کے بارے میں کہا۔ (ویڈیو خطاب)

آپ کا یہ کلام کہ **''اب ہوں اللہ کے خلیل اور ستارے کو اپنا رب کہہ دیں، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ لیکن قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا''۔ استغفر اللہ۔ اسے حضرت ابراھیم خلیل علیہ السلام کے ناجائز ذکر کی مثال بنا دیا جسے حالات کی وجہ سے جواز ملا۔**

یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام پر سراسر الزام ہے کہ انہوں نے ایسا کہا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو قرآن میں کہا ہے اس کا یہ ترجمہ ہی نہیں ہے، تو پھر حضرت ابراھیم علیہ السلام پر یہ الزام کیسے لگایا جاسکتا ہے کہ: "قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا"۔

انہوں نے قرآن میں جو کہا ہے وہ "**ھٰذَا رَبِّیْ**" ہے۔ جس کا ترجمہ ہے "**اسے میرا رب ٹھہراتے ہو**"۔ یہ کافروں کا عقیدہ بیان ہورہا ہے۔ اس میں اور جو آپ الزام لگارہے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہے، دونوں جملوں میں فرق ہے "**ستارے کو اپنا رب کہنا**" اور کافروں کے عقیدے کی بات کرتے ہوئے کہنا کہ "**اسے میرا رب ٹھہراتے ہو**" دونوں جملوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہاں حضرت ابراھیم علیہ السلام پر الزام لگا کر آگے خود آپ نے جو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے کہا کہ "اسے میرا رب ٹھہراتے ہو" کی تصدیق بھی کردی، اور خود ہی اپنے استدلال کا رد بھی کردیا۔ لیکن جوش خطابت میں یا عمداً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں انتہائی خطرناک کلام کیا: "**اب ہوں اللہ کے خلیل اور ستارے کو اپنا رب کہہ دیں، یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ لیکن قرآن میں ہے کہ انہوں نے کہا**"۔ اس پر بھی کوئی توبہ ورجوع نظر سے نہیں گزرا۔

اسی قسم کی ٹھوکر "**اَجرمنا**" کے کلام کو اپنا استدلال بنانے کی کوشش میں کھائی۔ اگر تو اس کا وہ ترجمہ درست سمجھتے ہیں، جو عربی ادب سے ناآشنا بعض جاہل مترجمین نے کیا ہے، تو پھر تو آپ کی دلیل بن سکتا تھا، مگر اس پر بھی توبہ ورجوع لازم آتا، اگر اس کا یہی ترجمہ مستند و معتبر سمجھتے ہے جو سیدی امام احمد رضا نے کیا ہے: "قُلْ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّاۤ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ" تم فرماؤ ہم نے "**تمہارے گمان میں اگر کوئی جرم کیا** تو اس کی تم سے پوچھ نہیں، نہ تمہارے کوتکوں (جرائم) کا ہم سے سوال"۔ تو اس ترجمہ نے کلام کو واضح کردیا ہے تو اس میں ناجائز کیا تھا یہاں کافروں کے گمان کی بات ہے۔ یہاں تو صراحت موجود ہے خود رب تعالیٰ نے فرمایا: "قل" جس کا حکم رب دے کیا اسے حالات کی قید جائز کرتی ہے؟ ان حالات کے علاوہ رب کا حکم ہوتا تو کیا ناجائز ہوتا؟ جب رب کا حکم آجائے تو حالات جو بھی ہو مقام جواب ہو یا عام حالات اس کے جواز کے لئے رب کا حکم ہونا کافی ہے، بلکہ جسے حکم دے اس کے لئے تعمیل واجب ہے۔ رب خود اپنے محبوب کو جس ارشاد سے چاہے خطاب فرمائے، یا محبوب کو جس کلام کو کرنے کا چاہے حکم دے، جب رب کا حکم ہے تو وہ جائز ہی ہوگا۔ ہاں ہم غلاموں کے لئے مسئلہ اور ہے کہ ہم ہر کلام کو اپنے لئے سند نہیں بناسکتے۔ تو کیا کافروں کا گمان آپ کے کلام کے جواز کی دلیل بن سکتا ہے، کیا یہ کلام حالات کی قید (مقام جواب) سے مناسب ہوا، وگرنہ کیا اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

لیے ناجائز ہوتا؟ یقیناً اس کے اس ترجمہ سے آپ کبھی بھی انکار نہیں کریں گے جو اعلیٰ حضرت نے کیا ہے اور جاہل مترجمین کے تراجم کارد بھی کریں گے تو پھر یہ ساری گفتگو مغالطہ دینے کی سعی لاحاصل کے سوا کچھ نہیں۔ کاش شیخِ محقق، اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ کا ایسے کلام کو اپنے دفاع میں بیان کرنے پر کیا فتویٰ تھا دیکھ لیتے۔ شیخ محقق لکھتے ہیں: (انبیاء (علیہم السلام) کی طرف سے جو کہ اس کے خاص بندے ہیں تواضع، عاجزی وانکساری کی بات صادر ہو جس سے ان میں نقص وعیب کا وہم پڑتا ہو، **تو ہم بندوں کو اس میں دخل دینے یا اسے زبان پر لانے کی ہرگز اجازت نہیں۔**[1] جس کی تفصیل آگے بیان ہو گئی۔

حدیث رسول سے استدلال میں فحش غلطی کا ارتکاب

تیسری حدیث کی مثال جو ڈاکٹر صاحب نے "نامناسب" کے حوالے سے پیش کی اس میں بھی ٹھوکر کھائی کہتے ہیں:

> "اب اس میں حدیث شریف سے یہ مثال ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں تو کہتے ہیں، کہ اللہ رحیم ہے، اللہ کریم ہے، اللہ ستار ہے، اللہ غفار ہے، اور اگر اسی کے ساتھ یہ کہیں اللہ "اعور" نہیں ہے، اعور کہتے ہیں: کانڑے کو، اللہ اعور نہیں ہے، اور اعور ہونا ایک عیب ہے، اور نہیں ہے میں اس عیب کی سلب ہے، کوئی اثبات نہیں ہے اللہ کے لئے عیب کا، نفی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات سے عیب کی "**مگر یہ مناسب نہیں لگتا کیا ضرورت پڑی ہوئی ہے کہ یہ کہو کہ اللہ اعور نہیں یعنی کانڑا نہیں**، اس کی کیا ضرورت پڑی ہوئی ہے تم کہو وہ سبحان وہ ستار وہ غفار وہ رحیم وہ کریم وہ قدیر وہ علیم وہ حلیم وہ خبیر۔ کیا ضرورت پڑی ہوئی ہے کہ ساتھ کہتے ہو کہ وہ اعور نہیں اب یہ جملہ جو میں اور آپ عمومی حالات میں بولنا نامناسب سمجھ رہے ہیں یہ جملہ تو ہمارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کائنات کے سب سے بڑے توحید پرست ہیں، آپ نے اپنے رب کے بارے میں بولا ہے۔ تو پھر کیوں بولا جوابی انداز میں رد کرتے ہوئے، کس کا دجال کا، اب دجال کے رد کے وقت ضرورت تھی کہ کہا جائے کہ "ان اللہ لیس باعور" دجال کے رد کے وقت ورنہ کہو وہ رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ ستار ہے، وہ غفار ہے۔ (ویڈیو خطاب)

---

[1] حاشیہ بہارِشریعت مجلس مدینۃ العلمیۃ (دعوت اسلامی) حصّہ اول ص 88

اس کے علاوہ ایک پریس کانفرنس میں آپ نے دوبارہ یہی مثال پیش کی اس میں کہا:

''تیسرے مرحلے میں یعنی وہ جواب دینے کی جو صورتحال ہے، ''جہاں کچھ ''نامناسب الفاظ بھی بولنا مناسب ہو جاتا ہے''، جس طرح کہ رب ذوالجلال کے لحاظ سے میں نے بخاری سے رسول پاک ﷺ کی یہ حدیث پیش کی''۔ کیا مجبوری ہے یہ بولنے کی وہ اعور نہیں وہ کانا نہیں مگر یہ، یہ لفظ سب سے بڑے توحید پرست حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے بولے ہوئے ہیں صحیح بخاری میں حدیث ہے ہم نے اس کا حوالہ دیا ہوا ہے۔

یہاں آپ سرکار دوعالم ﷺ کی حدیث پاک کے الفاظ کو نامناسب کی مثال بنا کر پیش کر رہے ہیں۔ کہ فی نفسہ تو نامناسب ہیں، مگر مقام جواب کی وجہ سے مناسب ہوگئے۔ کیا جس زبان اقدس کے بارے میں رب کا فرمان ہو: ''وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى. اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ''(اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے)، کیا اس سے نامناسب الفاظ نکل سکتے ہیں؟، جس نطق کے ایک ایک حرف کی ضمانت'' وَحْيٌ يُّوْحٰى '' کے ذریعے سے دی جارہی ہو کیا وہ نامناسب ہو سکتا ہے؟ جس کے بارے میں رب کا فرمان ہو: ''فَلَا وَ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا''۔ (تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں) یعنی اس وقت تک مسلمان ہی نہ ہوں گے جب تک آپ کی زبان اقدس سے نکلنے والے ہر ہر حرف کو دل سے نہ مان لیں۔[1]

اور آپ ﷺ کا اپنی زبان اقدس کے بارے میں فرمان ذی شان ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ أَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ أَسْمَعُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم أُرِيدُ حِفْظَهُ فَنَهَتْنِي قُرَيْشٌ وَقَالُوا أَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهُ وَرَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَأَوْمَأَ بِأُصْبُعِهِ إِلَى فِيهِ فَقَالَ ''**اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ**''۔[2]

---

[1] اس آیت کا شان نزول حضرت زبیر رضی اللہ عنہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ان کا اور ایک شخص کا پہلے باغ سیراب کرنے میں اختلاف ہو گیا تو رسول اللہ نے اجتہاد سے فیصلہ فرمایا کہ زبیر تم جلد اس کے لئے پانی چھوڑ دیا کرو۔ اس فیصلے میں اس شخص کے لئے سہولت تھی مگر اس کے زبان سے نکلا کہ زبیر آپ ﷺ کی پھوبھی کا بیٹا ہے، تو آپ نے فرمایا: زبیر تم پانی اپنے باغ کو دو پھر پانی روک لو حتی کہ وہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے، جو اس کے سہولت تھی وہ ختم فرمادی تو یہ آیت نازل ہوئی (بخاري 2359، 2360، مسلم 2357)

[2] سنن أبي داود: 3646، مصنف ابن أبي شيبة، سنن الدارمي، مسند الإمام أحمد بن حنبل

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا وہ سب لکھ لیا کرتا تھا تاکہ اسے حفظ کرلوں۔ تو قریش نے مجھے منع کیا۔ انہوں نے کہا تم ہر بات جو سنتے ہو لکھ لیتے ہو۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ ایک انسان ہیں غصے اور خوشی میں گفتگو کرتے ہیں، تو میں نے لکھنا موقوف کر دیا اور یہ بات رسول اللہ ﷺ سے عرض کی۔ تو آپ ﷺ نے اپنے دہن مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **"لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس (دہن مبارک) سے سوائے حق کے کچھ اور نکلتا ہی نہیں"۔**

بلکہ آپ ﷺ مزاح بھی فرمائیں تو اس میں بھی جو فرماتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا۔[1]

آپ ﷺ کے بعض اصحاب نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ آپ ہم سے مزاح فرماتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا میں صرف حق ہی کہتا ہوں۔

جس کے بارے میں سرکار دوعالم ﷺ قسم ارشاد فرما رہے ہوں کہ اس سے حق کے علاوہ کچھ نکلتا ہی نہیں۔ کیا وہ مقام کی قید سے مناسب کے درجہ میں آتا ہے یا ہر حال میں مناسب ہی رہتا ہے کہ جس حال میں بھی ہوگا حق ہوگا اور حق مناسب ہی ہوتا کبھی نامناسب نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ کے کلام کے بارے میں نامناسب کا تصور بھی کیسے پیدا ہو گیا؟ آپ سے اپنی ایک خطا کو صواب ثابت کرنے کے لئے کتنی خطائیں سرزد ہو رہی ہیں۔

کیا آپ سے پہلے کسی نے رسول اللہ ﷺ کے اس کلام کے بارے میں لکھا ہے کہ مقام جواب کے علاوہ یہ نامناسب کلام ہے، یا مقام جواب کے علاوہ رب سے عیوب کی نفی نامناسب ہے؟ خود قرآن مجید میں مقام جواب کے علاوہ رب فرما رہا ہے: "لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ" (اسے نہ اونگھ آئے اور نہ نیند) "اونگھ" اور "نیند" کو رب کے لئے ثابت کرنا کفر ہے اور رب کی ذات کے لحاظ سے عیب بیان کرنا ہے۔ مگر یہاں رب تعالیٰ مقام جواب کے بغیر اپنا مقام و مرتبہ بیان کرتے ہوئے فرما رہا ہے: "اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ. اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ. لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ. لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ". (اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں) "اونگھ" اور "نیند" جس کی رب تعالیٰ سے سلب ہے کیا عام حالات میں یا مقام جواب کے علاوہ یہ سلب بیان کرنا نامناسب کلام کہلائے گا؟ آپ سے پہلے آج تک کسی نے رب تعالیٰ سے اونگھ اور نیند کی سلب (نفی) مقام جواب کے علاوہ بیان کرنا نامناسب قرار دیا ہے؟

---

[1] سنن الترمذي الرقم: 1990

آپ کا قول کہاں اور "ان اللہ لیس باعور" کہاں، اس میں عیب کی نفی ہو رہی ہے اور آپ کے کلام میں خطاو غلطی کے عیب کو ثابت کیا جارہا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب برے انسان ہیں۔ دوسرا کہتا ہے ڈاکٹر صاحب برے انسان نہیں ہیں۔ کیا دونوں کے کلام ایک حکم میں ہیں۔ ایجاب وسلب میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے۔ اعور میں، اعور ہونے کی سلب ہے، اثبات نہیں، عیب کی نفی ہے، اور ڈاکٹر صاحب آپ نے سیدہ پاک کے لئے خطاو غلطی کا اثبات کیا ہے، نفی نہیں دعوی کچھ ہے دلیلیں کچھ ہیں۔

مزید آپ اپنی اس گفتگو کے بارے میں کہتے ہیں:

"تو اب یہ ساری گفتگو جو آگے چلے گی وہ مسلمات خصم مسلمات مخالف کے لحاظ سے ہے"۔

لیکن آپ کا جملہ جس پر اعتراض کیا گیا تھا وہ تو مسلمات خصم نہیں تھا۔ حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو وہ جملہ مسلمات خصم ہو سکتا ہے حضرت زہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں وہ کہاں سے مسلمات خصم ہو گیا۔ لہذا یہ آپ کا ہی کلام تھا مسلمات خصم کے قبیل سے نہیں۔

اس دوران ایک عجیب تضاد بھی دیکھنے میں آیا، آغاز میں جب آپ پر پریشر زیادہ ہوا تو آپ نے "**بے خطا بے گناہ سیدہ زہراء**" کے نعرے بھی لگوائے جس سے یہ امید پیدا ہوئی کہ شاید آپ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے اور اپنے قول سے توبہ و رجوع کرنے والے ہیں۔ لیکن جیسے ہی حالات بہتر ہوئے آپ نے اپنے قول کے جواز میں دلائل دینے شروع کر دیے۔

اپنے قول کے دفاع میں آپ نے تمام حدیں عبور کر دیں اور اجتہاد انبیاء کے نام سے سیمینار کر کے انبیاء کی خطائیں بیان کرتے رہے کہ فلاں فلاں نے لکھا کہ انبیاء سے اجتہاد میں خطائیں جائز ہیں۔ اگر اجتہاد انبیاء کا مسئلہ ہی بیان کرنا تھا تو کیا ان تصریحات سے ناآشنا و لاعلم ہیں کہ فقہاء و آئمہ کی بڑی تعداد انبیاء کرام علیہم السلام اور خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجتہاد میں بھی عدم خطا کے قائل ہیں۔ بلکہ ائمہ میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو انبیاء کے اجتہاد کے ہی قائل نہیں، یا آپ کو علم ہونے کے باوجود آپ نے کتمان علم کیا اور اپنی بات کے دفاع میں انبیاء کی خطاؤں والے اقوال کو ہی اُجاگر کرتے رہے۔ حالانکہ آپ پر اعتراض یہ نہیں تھا کہ اہل بیت اطہار سے اجتہاد میں خطا ممکن نہیں بلکہ اصل اعتراض یہ تھا کہ فدک کے مسئلہ میں خطا ہوئی نہیں، جسے آپ خطا کہہ رہے ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی صواب آراء کو خطا کہنا تو دین کی بربادی ہے۔

اس طرح اپنے دفاع میں انبیاء علیہم السلام کی خطائیں بیان کرنے پر ہمارے ائمہ کا فتویٰ کیا ہے؟

اپنے دفاع میں انبیاء کرام علیہم السلام کی خطائیں بیان کرنا

قرآن کی کسی آیت یا حدیث مبارک میں کہیں انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے خطا یا اس قسم کا کوئی لفظ آجائے یا کوئی شخص ایسی آیات واحادیث کو سامنے رکھ کر انبیاء علیہم السلام کی طرف نافرمانی، ذنب یا عصیان کی نسبت کرتا، یا ان پر اعتراض کر دیتا تو وہاں تو ان کی تشریح وتوضیح کی نیت یا معترض کے اعتراض کو دور کرنے کے لئے، ان آیات کے تحت بعض علماء نے ان امور کو خطاء اجتہادی سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن ایسی مثالیں نہیں ملتیں کہ کسی کو کہا گیا ہو کہ تم سے خطا سرزد ہو گئی ہے، یا فلاں کو خطا پر کہنا تمہاری غلطی ہے، تو اپنی بات کے دفاع میں اس نے انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطائیں بیان کرنا شروع کر دی ہوں کہ فلاں فلاں نے ان کے حوالے سے خطاء اجتہادی کے وقوع کا قول کیا ہے۔

۱۔ صدر الشریعہ کا فتویٰ

اپنے دفاع میں انبیاء کرام علیہما السلام کی خطائیں بیان کرنے والے کے لیے صدر الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (م 1367ھ) لکھتے ہیں:

> ”**مسئلہ ضروریہ:** انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں، انکا ذکر تلاوت قرآن، روایتِ حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے، اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال!۔۔۔ مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے، جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے وہ اس کے پیارے بندے ہیں، اپنے رب کے لیے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں، دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود ان کا اطلاق کرے تو مردود بارگاہ ہو“۔[1]

اور آپ نے سیمینار کر کے ڈھونڈ کر ان کا ذکر کیا کہ اور اس کی ویڈیو سوشل میڈیا پر ڈال دی۔

۲۔ شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دھلوی کا فتویٰ

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> در قرآن مجید بآدم نسبت عصیان کردہ وعتاب نمودہ مبنی بر علوشان قرب اوست ومالک رامیرسد کہ برترک اولی وافضل اگرچہ بحد معصیت نرسد بہ بندۂ خود ہرچہ خواہد بگوید وعتاب

---

1 بہار شریعت 1 ص 88

نماید دیگری رامجال نہ کہ تواند گفت واینجا ادبی ست کہ لازم ست رعایت آن وآن انیست کہ اگر از جانب حضرت بہ بعض انبیا کہ مقربان درگاہ اند عتابی وخطابی رود یا از جانب ایشان کہ بندگان خاص اویند تواضعی وذلتی وانکساری صادر گردد کہ موہم نقص بود **مارانباید کہ دران دخل کنیم وبدان تکلم نمائیم۔**[1]

قرآن مجید میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیان کی نسبت کی اور ان پر عتاب فرمایا وہ حضرت آدم علیہ السلام کے خدائے تعالی کے مقرب ہونے اور ان کی بلندی شان پر مبنی ہے اور مالک کو حق پہنچتا ہے کہ اولیٰ وافضل چیز کے ترک کرنے پر اگرچہ وہ معصیت کی حد تک نہ پہنچے اپنے بندے کو جو کچھ چاہے کہے اور عتاب کرے دوسرے کسی کو کچھ بھی کہنے کی مجال نہیں ہے یہ نہایت ادب کا مقام ہے جس کا لحاظ ضروری ہے اور وہ ادب یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے بعض انبیاء علیہم السلام پر جو اس کی درگاہ کے مقرب ہیں عتاب نازل ہو یا ان کی طرف خطا کی نسبت کی گئی ہو یا خود ان انبیاء (علیہم السلام) کی طرف سے جو کہ اس کے خاص بندے ہیں تواضع، عاجزی وانکساری کی بات صادر ہو جس سے ان میں نقص وعیب کا وہم پڑتا ہو، **تو ہم بندوں کو اس میں دخل دینے یا اسے زبان پر لانے کی ہرگز اجازت نہیں۔**[2]

اسی طرح کا کلام مدارج النبوت میں بھی نقل فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ یہاں ایک ادب اور قاعدہ ہے جسے بعض اصفیا اور اہل تحقیق نے بیان کیا ہے اور اسے جان لینا اور اس پر عمل پیرا ہونا مشکلات سے نکلنے کا حل اور سلامت رہنے کا سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خطاب، عتاب، رعب و دبدبہ کا اظہار یا بے نیازی کا وقوع ہو مثلاً آپ ہدایت نہیں دے سکتے، آپ کے اعمال ختم ہو جائیں گے، آپ کے لیے کوئی شے نہیں، آپ حیات دنیوی کی زینت چاہتے ہیں، اور اس کی مثل دیگر مقامات، یا کسی جگہ نبی کی طرف سے عبدیت، انکساری، محتاجی وعاجزی اور مسکینی کا ذکر آئے مثلاً: میں تمہاری طرح بشر ہوں، مجھے اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے عبد کو آتا ہے اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور اس کی مثل دیگر مقامات۔ ہم امتیوں اور غلاموں کو جائز نہیں

---

1 أشعة اللمعات''،كتاب الإيمان،الفصل الأول، ج1، ص43، (ص 23)

2 حاشیہ بہارِ شریعت مجلس مدینۃ العلمیۃ (دعوت اسلامی) حصّہ اول ص 88

کہ ان معاملات میں مداخلت کریں، ان میں اشتراک کریں اور اسے کھیل بنائیں، بلکہ **ہمیں پاس ادب کرتے ہوئے خاموشی وسکوت اور توقف کرنا لازمی ہے**، مالک کا حق ہے کہ وہ اپنے بندے سے جو چاہے فرمائے، اس پر اپنی بلندی وغلبہ کا اظہار کرے، بندے کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے بندگی اور عاجزی کا اظہار کرے، **دوسرے کی کیا مجال کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور حد ادب سے باہر نکلنے کی کوشش کرے**، اس مقام پر بہت سے کمزور اور جاہل لوگوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں جس سے وہ تباہ وبرباد ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔[1]

بلا تشبیہ امام الانبیاء ﷺ کا حق ہے کہ وہ اپنے امتیوں سے جو چاہیں فرمائیں، ان پر اپنی بلندی وغلبہ کا اظہار کریں، امتیوں کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے آقا کے سامنے غلامی اور عاجزی کا اظہار کریں، دوسرے کی کیا مجال کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور حد ادب سے باہر نکلنے کی کوشش کرے۔

۳۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان کا فتویٰ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ''فتاوی رضویہ'' شریف میں فرماتے ہیں کہ:

''**غیر تلاوت میں اپنی طرف سے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نافرمانی وگناہ کی نسبت حرام ہے**۔ ائمہ دین نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ ایک جماعت علمائے کرام نے اسے کفر بتایا، مولیٰ کو شایان ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس عبارت سے تعبیر فرمائے، **دوسرا کہے تو اس کی زبان گُدّی کے پیچھے سے کھینچی جائے** للہ المثل الأعلی، بلا تشبیہ یوں خیال کرو کہ زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اس کی کسی لغزش یا بھول پر متنبہ کرنے ادب دینے حزم وعزم واحتیاط اتم سکھانے کے لیے مثلاً بیہودہ نالائق احمق وغیرہا الفاظ سے تعبیر کیا باپ کو اس کا اختیار تھا اب کیا عمرو کا بیٹا بکر یا غلام خالد انہیں الفاظ کو سند بنا کر اپنے باپ اور آقا عمرو کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے، حاشا! اگر کہے گا سخت گستاخ ومردود وناسزا و مستحقِ عذاب وتعزیر وسزا ہوگا، جب یہاں یہ حالت ہے تو **اللہ عزوجل**

---

[1] مدارج النبوت المؤلف: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، باب سوم در بیان فضل و شرافت، وصل در ازالہء شبہات ج 1 ص 83،84

کی ریس کرکے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں ایسے لفظ کا بکنے والا کیونکر سخت شدید ومدید عذابِ جہنم وغضبِ الٰہی کا مستحق نہ ہوگا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

امام ابو عبد اللہ قرطبی تفسیر میں زیر قولہ تعالیٰ: { وَ طَفِقَا یَخۡصِفٰنِ عَلَیۡهِمَا مِنۡ وَّرَقِ الۡجَنَّةِ } کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال القاضي أبوبكر بن العربي رحمه الله تعالى: ﴿لا يجوز لأحد منّا اليوم أن يخبر بذلك عن آدم عليه الصّلاة والسّلام إلّا إذا ذكرناه في أثناء قوله تعالى عنه أو قول نبيه صلى الله تعالى عليه وسلم، فأمّا أن نبتدئ ذلك من قبل أنفسنا فليس بجائز لنا في آبائنا الأدنين إلينا المماثلين لنا فكيف بأبينا الأقدم الأعظم الأكبر النبي المقدم صلى الله تعالى عليه وسلم وعلى جميع الأنبياء والمرسلين[1]﴾۔ ''الجامع لأحكام القرآن'' للقرطبي، پ16، الآية: 121، ج6، ص137۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبدری ابن الحاج ''مدخل''، ج1، الجزء الاول، ص237، میں فرماتے ہیں:

﴿قد قال علماؤنا رحمهم الله تعالى: أنّ من قال عن نبي من الأنبياء عليهم الصّلاة والسلام في غير التلاوة والحديث: أنّه عصى أو خالف فقد كفر، نعوذ بالله من ذلك[2]﴾۔ **ایسے امور میں سخت احتیاط فرض ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کا حسنِ ادب عطا فرمائے۔ آمین۔**[3]

ائمہ کرام نے اگر انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد پر گفتگو کی تو ان آیات و احادیث کے اشکال دور کرنے اور انھیں بہتر معنیٰ پر محمول کرنے کے لیے کی ہے۔ نہ کے مقدس ہستیوں کے لیے بولے جانے والے اپنے کمزور جملوں کے دفاع میں۔ آپ کے سیمینار کا نتیجہ کیا نکلا اب آپ کے متبعین، حواریوں نے آپ کے سیمینار کو حجت

1 قاضی ابو بکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: آج ہمارے لیے یہ جائز نہیں کہ ہم آدم علیہ السلام کی ان باتوں کا ذکر کریں ماسوائے آیات واحادیث کے ضمن میں، اگر کوئی اپنی طرف سے بغیر کسی مناسبت مذکورہ کے، ابتداء ذکرت یہ ہمارے قریبی آباء میں جو ہماری طرح ہیں ان کی شان کے لائق نہیں تو ہمارے اقدم اعظم اکبر آباء تمام انبیاء ومرسلین علیہم السلام سے مقدم نبی آدم علیہ السلام کے بارے میں کیسے جائز ہے۔

2 ہمارے علماء رحمۃ اللہ علیہم نے فرمایا ہے: جس نے انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نبی علیہ السلام کے بارے میں تلاوت کے بغیر کہا کہ عصی یا خالف تو ایسا کہنے والا کافر ہوا۔ نعوذ باللہ لک ذالک۔

3 الفتاوی الرضویۃ ج1، ص823-824

سمجھتے ہوئے جلسوں میں اپنے خطابات میں آپ کے دفاع میں انبیاء علیہم السلام کی خطائیں بیان کرنا شروع کر دیں ہیں۔ الأمان والحفیظ۔

سیدہ زہراء کے سوال فدک کی طرف لقمہ حرام کی نسبت کرنا

اس وقت تو آپ نے تمام حدیں ہی عبور کر دیں جب آپ نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا مطالبہ اصل میں **"لقمہ حرام"** کا مطالبہ تھا جس سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بچایا، کہتے ہیں:

> الثانی کیوں نہیں دیا، دیتے تو معصیت ہو جاتی تھی، حالانکہ اگر دے دیتے تو ان کے خلاف تو آج بھونکنے والے نہ بھونکتے، مگر نقصان کیا ہوتا مقدس آل کے طرف **لقمہ حرام چلا جاتا**۔ الثانی انه کان مایعطی لفاطمه مالا حراما بلا خلاف۔ صدیق اکبر حضرت طیبہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو **حرام مال کیسے دے سکتے تھے؟** یعنی جس کو شریعت نے **مالِ حرام کہا ہو**۔ تو یہ تھی غیرت صدیق اکبر کی کہ تمہارے ابا جان نے مجھے تیار کیا۔ اور میں تمہارے تقدس کو جانتا ہوں، اور مجھے پتا ہے کہ یہ تمہارے شایان شان نہیں اس طرح **ملکیت کے** دینے کے لحاظ سے۔ لہذا اگر صرف یہ لحاظ کرتے ہوئے کہ سیدہ پاک نے فرمایا ہے دے دیتے ادھر معصیت ہو جاتی سرکار ناراض ہوتے خلیفہ تم تھے تو تم نے میری ہی **آل کو مال حرام** خود اپنے ہاتھوں سے دے دیا، اس بنیاد پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ نے نہ دے کے مقدس گھرانے کی تقدیس پہ پہرا دیا۔ (ویڈیو بیان)

ڈاکٹر صاحب کا یہ قول بھی احادیث و اصول کے سراسر خلاف ہے۔ جو موصوف نے زہراء پاک رضی اللہ عنہا کی طرف "لقمہ حرام" کی نسبت کی ہے، اور یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ مال حرام مانگ رہی تھیں۔ یا تو جوش وجذبات میں بخاری کی روایات نظروں سے اوجھل ہو گئیں تھیں، یا وراثت کے صدقہ کی حیثیت کی معرفت نہیں تھی اسے صدقہ زکوٰۃ کی طرح سمجھا۔ کیا باغ فدک کی کھجوریں سیدہ زہراء پاک (آل محمد) کے لیے کھانا حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ لقمہ حرام سمجھتے تھے؟

کیا جس وراثتِ رسول کو احادیث مبارکہ میں صدقہ قرار دیا جا رہا ہے کیا اس کی کھجوریں کھانا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نظر میں صدقہ زکوٰۃ کی طرح آل محمد رضی اللہ عنہم کے لیے ممنوع تھیں؟

"کوثر الجاری" کی عبارت سمجھنے میں بھی ڈاکٹر صاحب نے ٹھوکر کھائی ہے، ان شاء اللہ اس پر بھی آگے چل کر بات ہوگی کہ اس سے مراد کیا ہے؟ لیکن پہلے یہ بیان ہونا ضروری ہے کہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نظر میں اس مال میں سے آل محمد کے لیے کھانا کیسا تھا؟ باقی کتب احادیث کو چھوڑ بھی دیں تو صرف بخاری میں ہی متعدد مقامات پر کئی طرق سے فدک والی روایات میں ہی حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فرمان موجود ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کے سوال کے جواب میں عرض کیا۔

عَنْ عَائِشَةَ: فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، **إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَالِ**، وَإِنِّي وَاللهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ حَالِهَا الَّتِي كَانَ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.[1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود ارشاد فرمایا تھا: کہ ہم (پیغمبروں) کا کوئی وارث نہیں ہوتا (ہمارا مال وراثت) صدقہ ہوتا ہے، **البتہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم اسی مال سے کھاتی رہے گی** اور میں، خدا کی قسم! جو صدقہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے ہیں، اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کروں گا۔ جس حال میں وہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھا اب بھی اسی طرح رہے گا اور اس میں (اس کی تقسیم)، میں ضرور بالضرور وہی طریقہ اختیار کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تھا۔

غور کریں جسے ڈاکٹر صاحب لقمہ حرام قرار دے رہے ہیں خود سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تو اس مال سے آل محمد کو کھلانے میں حرام نظر نہیں آرہا، وہ تو اس میں سے آل محمد کو کھلانا نہ صرف جائز سمجھ رہے ہیں بلکہ قسم اٹھا کر اس مال میں سے ان لوگوں کو بھی دینے کا عہد کر رہے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دور میں مختلف مصارف میں خرچ کیا کرتے تھے، میں بھی اسی طرح خرچ کروں گا (جن میں آل محمد رضی اللہ عنہم بھی شامل ہیں)۔

اور اگر "إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَا الْمَالِ" کلام رسول ہے تو پھر جس مال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آل محمد کے لیے کھانا جائز فرما رہے ہوں اسے کون ناجائز کر سکتا ہے؟ اور اگر قول صدیق بھی

---

[1] صحيح البخاري حديث نمبر 4240

ہے تو آپ اس مال میں سے کھلانے کے جواز کی بات کر رہے ہیں۔ صدیق رضی اللہ عنہ اس مال سے کھانا آل محمد کے لیے حلال کہہ رہے ہیں اور موصوف اس کو لقمہ حرام سمجھ رہے ہیں۔

یہاں اس مال کے "ثمرہ" یا "نفع" کا مالک بنانے یا اس کے تصرف کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تھا۔ بلکہ آل وازواج رسول کو اسی طرح دیا جاتا رہا، جس طرح سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں دیا جاتا تھا۔ جیسا کہ ان روایتوں میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس بات کی صراحت موجود ہے۔ اصل مسئلہ "عین کی ملکیت" یا عین میں بطور وارث تصرف کا تھا، فدک کی منفعت اور تصرف کے جواز پر تو نہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نہ کسی دوسرے صحابی نے اختلاف کیا، نہ محدثین میں سے کسی نے اعتراض کیا ہے، اگر صدقہ زکوٰۃ کی طرح حرام تھا تو آل رسول کو کیوں دیا گیا؟ سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس کی منفعت کے جواز پر اجماع تھا۔ بلکہ آج تک کسی نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔ پھر نہ جانے ڈاکٹر صاحب کو کیوں ٹھوکر لگی کہ اس کے پھل یا منفعت کو لقمہ حرام کہہ دیا۔

دوسرے طریق میں ہے:

حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ عَنْ عَائِشَةَ اس سند کے ساتھ دو مقامات پر یہ الفاظ موجود ہیں (قَالَ أَبُو بَكْرٍ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ يَعْنِي مَالَ اللهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَزِيدُوا عَلَى الْمَأْكَلِ، وَإِنِّي وَاللهِ لَا أُغَيِّرُ شَيْئًا مِنْ صَدَقَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهَا فِي عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَأَعْمَلَنَّ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ[1]

حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہماری میراث نہیں ہوتی۔ ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور یہ کہ آل محمد اس مال سے کھاتے رہیں گے مگر انہیں یہ حق نہیں ہو گا کہ کھانے کے علاوہ اور کچھ تصرف کریں اور خدا کی قسم! میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات جیسے آپ کے زمانے میں ہوا کرتے تھے ان میں کوئی رد و بدل نہیں کروں گا بلکہ وہی نظام جاری رکھوں گا جیسا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم فرمایا تھا۔

---

[1] بخاري 3712

اس میں یعنی کے ساتھ آپ کی وضاحت موجود ہے کہ ''مَالَ اللهِ لَيْسَ لَهُمْ أَنْ يَزِيدُوا عَلَى الْمَأْكَلِ'' یعنی کھانے کے علاوہ مزید تصرف (عین کی ملکیت کا تصرف) نہیں کر سکتے، اس میں سے آپ پر خرچ کرنا اور اس میں سے کھانا بالکل مباح و جائز ہے۔

ایک اور طریق: ''حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى أَخْبَرَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ'' سے جس میں حضرت فاطمہ اور حضرت عباس دونوں کے وراثت کے بارے میں سوال کے جواب میں حضرت ابو بکر کے الفاظ ہیں ﴿فَقَالَ أَبُوبَكْرٍ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ فِي هَذَا الْمَالِ وَاللهِ لَقَرَابَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَبُّ إِلَيَّ أَنْ أَصِلَ مِنْ قَرَابَتِي﴾

اس میں بھی وہی بات فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہماری میراث نہیں ہوتی۔ ہم (انبیاء) جو کچھ چھوڑ جاتے ہیں وہ صدقہ ہوتا ہے اور یہ کہ آل محمد اس مال (فدک) میں سے کھاتے رہیں گے۔ اور اللہ کی قسم! رسول کریم ﷺ کی قرابت داری مجھے اپنی قرابت داری سے زیادہ محبوب ہے۔

یعنی میری اپنی آل واولاد کا میری نظر میں وہ درجہ و مقام نہیں جتنا مقام و مرتبہ آل محمد کا ہے۔

اسی طرح ایک طریق: ''حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ حَدَّثَنَا هِشَامٌ أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ عَنِ الزُّهْرِيِّ عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ'' میں بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور عباس رضی اللہ عنہ کے سوال کے جواب میں آپ رضی اللہ عنہ اختصار کے ساتھ فرماتے ہیں ﴿فَقَالَ لَهُمَا أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، إِنَّمَا يَأْكُلُ آلُ مُحَمَّدٍ مِنْ هَذَا الْمَالِ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَاللهِ لَا أَدَعُ أَمْرًا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُهُ فِيهِ إِلَّا صَنَعْتُهُ﴾[1]

ان تمام طرق سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس مال میں سے آل رسول کا کھانا حرام نہیں تھا۔ اگر خود پیر مہر علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی صحیح طرح سے پڑھا ہوتا تو یہ بات پتہ چل جاتی کہ وہ اس ضمن میں کیا لکھتے ہیں، اور آپ کیا سمجھ رہے ہیں، آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> ایک اور سوال جو اس ضمن میں کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ اس حدیث میں فدک کو صدقہ کہا گیا ہے حالانکہ اس کی **آمدنی میں سے اہل بیت نبوی پر صرف ہوتا رہا جن کے لئے صدقہ حسب ارشاد نبوی حرام ہے۔**

---

[1] بخاری 6726

اس کا جواب یہ ہے کہ اہل بیت پر صدقہ کی صرف ایک قسم یعنی زکوۃ کا صرف کرنا ناجائز تھا مطلق صدقہ[1] ناجائز نہیں تھا۔ فدک فیٔ میں سے تھا جو بغیر جنگ و قتال آنحضرت ﷺ کے قبضہ میں آ گیا تھا اور فیٔ پر بھی لفظ صدقہ بولا جاتا ہے **چنانچہ فیٔ اہل بیت کے لئے ناجائز نہیں۔**[2]

کوثر الجاری کی عبارت کی درست توجیہ

ولو اجابها الی سوالها کان معصیة من وجهین: الأول: مخالفة امر رسول الله صلی الله علیه وسلم وابطال صدقته. الثانی: انه کان ما یعطی لفاطمة مالا حراما بلا خلاف.[3]

اور اگر سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ان (سیدہ پاک) کے سوال پر دے دیتے تو ان کا دینا ان (ابو بکر) کے لئے دو وجوہ سے معصیت ہوتا۔ پہلی حکم رسول کی مخالفت اور آپ کے صدقہ کے باطل کرنے کی وجہ سے اور دوسری: وہ جو سیدہ پاک کو دیتے وہ بلا خلاف مال حرام ہوتا۔

یہاں حکم سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فیصلہ (یعنی آپ کے جواب) کے حوالے سے ہو تو درست ہے، نہ کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے سوال کے متعلق؛ کیونکہ اگر وہ علم ہونے کے باوجود دیتے تو دو طرح سے معصیت ہوتی۔ (خطاء اجتہادی نہیں) **ایک:** رسول اللہ کے حکم کی مخالفت کرنے اور صدقہ رسول کے باطل کرنے کی وجہ سے **دوسری:** ان کا مال دینا حرام تھا، کیونکہ آپ رضی اللہ عنہ مخصص سے آگاہ تھے۔ لہذا اگر فرمان رسول (مخصص) سے آگاہ ہونے کے باوجود اس کے خلاف کرتے تو معصیت ہوتی، اور اگر آگاہ نہ ہوتے اور اپنے اجتہاد سے دیتے تو پھر تو ماجور ہوتے، کیونکہ اگر مجتہد نص سے آگاہ نہ ہو اور اپنی رائے سے فیصلہ کرے تو عدم صواب ہونے کے باجود معصیت نہیں ہوتی اس پر اجر دیا جاتا ہے۔ اور یہاں تو معصیت کا بیان ہے۔ جہاں تک بات سیدہ پاک کے مطالبہ کی ہے، تو آپ رضی اللہ عنہا قرآن کے "ظاہر عموم" سے استدلال کرتے ہوئے مطالبہ فرما رہی تھیں۔ اور آپ رضی اللہ عنہا کے عموم سے استدلال کے صواب ہونے پر اجماع صحابہ ہے۔ اور مخصص مطالبہ کے بعد حضرت

---

1 صدقہ کی کئی اقسام ہیں، اہل بیت پر متفق علیہ ممنوع قسم، صدقات واجبہ ہیں، باقی مختلف فیہ ہیں، اور صدقہ وراثت کے کھانے کے جواز پر جب حدیث رسول موجود ہے تو یہ کھانا بالکل جائز تھا۔ کیونکہ اس میں وسخ کا شائبہ تک نہیں ہے، ممانعت عین کی ملکیت کی بیان کی گئی ہے، منفعت یا ثمرہ سے کھانے یا ملکیت کی نہیں۔

2 تصفیہ ما بیان سنی و شیعہ مؤلف: عالم ربانی قبلہ عالم خواجہ سید پیر مہر علی شاہ (م: 1356ھ) مقام اشاعت گولڑہ شریف (مطبعۃ: 1399ھ) ص 46

3 الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري المؤلف: أحمد بن إسماعيل بن عثمان بن محمد الكوراني الشافعي ثم الحنفي الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت – لبنان (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۹ھ ۲۰۰۸م) ج 6 ص 88

ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سنا۔ اصول شرعیہ کی روشنی میں مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل ہو بھی جائے تو معصیت نہیں ہوتا، جائز فعل ہوتا ہے۔[1] اور آپ رضی اللہ عنہا تو اپنی رائے سے اجتہاد بھی نہیں فرمارہی تھیں قرآن کی ظاہر نص کے حکم کی روشنی میں مطالبہ فرمارہی تھیں۔ اگر کوئی زبردستی اسے اجتہادی رائے سے بھی مطالبہ قرار دے، تو پھر بھی معصیت و حرام کا ارتکاب نہیں ہوتا۔ بلکہ اس پر اجر و ثواب کا وعدہ ہے۔ دوسرا مخصص کے علم سے پہلے سیدہ پاک اگر فدک کے عین (ملکیت) میں بھی تصرف کرتیں تو اصول شرعیہ کی روشنی میں یہ بھی آپ کے لیے مال حلال ہی قرار پاتا۔ اس میں کسی معصیت کا ارتکاب نہیں تھا۔ **ان شاء اللہ آگے اس پر تفصیل سے بات ہو گی، رہا فدک کی منفعت کا تصرف تو یہ بلا خلاف تھا ہی جائز۔ اور اس مال سے تو خود ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی آل رسول رضی اللہ عنہم کو دیتے رہے۔**

آج کے دور میں ادب کے مدعیوں کا تو یہ حال ہو چکا ہے کہ قربانی کے مسائل اور فضائل بیان کرتے ہوئے بھی عوام کو خاص نشاندہی کی جاتی ہے دیکھو یہاں آپ رضی اللہ عنہا کی طرف ذنب کی نسبت کی گئی ہے۔ لہذا اگر میں نے خطا کی نسبت کی ہے تو کونسی غلط بات ہے۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

سیدہ زہراء پاک کی طرف "ذنب" کی نسبت

جس روایت سے سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی طرف ذنب کی نسبت کرنے کو جائز سمجھا ہے۔ وہ سند کے اعتبار سے اس درجہ کی نہیں کہ اس سے اس طرح کا استدلال جائز ہو۔ کیونکہ یہ ضعیف ترین روایت ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ روایت جو بیان کی گئی ہے اس پر تو موضوع ہونے کا بھی حکم موجود ہے۔[2] اب اصول تو

---

[1] يجوز العمل بالعام قبل البحث عن المخصص (مسلم الثبوت)

[2] **سارے طرق پر کلام ہے:**

پہلا طریق: عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "يَا فَاطِمَةُ قُومِي إِلَى أُضْحِيَّتِكِ فَاشْهَدِيهَا فَإِنَّهُ يُغْفَرُ لَكِ عِنْدَ أَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا كُلُّ ذَنْبٍ عَمِلْتِيهِ وَقُولِي: إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ" قَالَ عِمْرَانُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، هَذَا لَكَ وَلِأَهْلِ بَيْتِكَ خَاصَّةً فَأَهْلَ ذَاكَ أَنْتُمْ أَمْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً؟ قَالَ: "لَا بَلْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً".

اس کے حوالے سے محدثین کے آراء درج ذیل ہیں:

ضعيف جدا:

أخرجه الحاكم في المستدرک (247/4) والطبراني في معجمه الكبير (8/ 239) والبيهقي في شعب الإيمان (5/ 483) والسنن الكبرى (5/ 238) وفي فضائل الأوقات (1/ 403) وابن عدي في الكامل (7/ 27).

كلهم من طريق النضر بن إسماعيل عن أبي حمزة الثمالي عن سعيد بن جبير عن عمران بن حصين رضی الله عنه.
وهذا الحديث به علتان

أولاً: فيه النضر بن إسماعيل أبو المغيرة الكوفي من الطبقة الثامنة **ليس بالقوی** قال البخاری فی التاريخ الكبير (8/ 90): قال أحمد **لم يكن يحفظ الإسناد.** وفی تهذيب الكمال (29/ 374، 375) وفي تهذيب التهذيب (10/388) وقال يحيى: **كان ضعيفا** قال **يعقوب** بن شيبة: صدوق، ضعيف الحديث. وقال **يعقوب** بن سفيان: ضعيف وقال أبوزرعة، والنسائی: **ليس بالقوی** قال الحاكم أبوأحمد: ليس بالقوی عندهم، وفی تهذيب التهذيب: قال يحی بن معين ليس بشیء، وفی ميزان الاعتدال: قال ابن حبان فحش خطؤه حتى استحق الترك

ثانياً: فيه أبوحمزة الثمالی وهو ثابت بن أبی صفية من الطبقة الخامسة **ضعيف جداً مع غلوه فی التشيع** فی كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (2/ 450) عن أحمد بن حنبل أبوحمزة الثمالی ضعيف الحديث ليس بشیء عن يحيی بن معين قال أبوحمزة الثمالی ليس بشیء وعن أبی حاتم أبوحمزة الثمالی لين الحديث يكتب حديثه **ولا يحتج به** وسئل أبوزرعة عن أبی حمزة ثابت بن أبی صفية الثمالی فقال كوفی لين. وفی الكامل في الضعفاء (3/ 93): عن علی بن المدينی يقول: قال السعدی أبوحمزة الثمالی ثابت بن أبی صفية واهی الحديث وقال النسائی أبوحمزة ثابت بن أبی صفية ليس بثقة وقال ابن حبان فی المجروحين (1/ 206): كثير الوهم فی الأخبار حتی خرج عن حد الاحتجاج به إذا انفرد مع غلوفی تشعيه. وفی تهذيب التهذيب (2/7): وقال البرقانی، عن الدارقطنی: **متروك** . وقال فی موضع آخر: ضعيف وقال ابن عبد البر: ليس بالمتين عندهم، فی حديثه لين وذكره العقيلی والدولابی وابن الجارود وغيرهم فی الضعفاء قال الحاكم: هذا حديث صحيح الإسناد ولم يخرجاه. وشاهد حديث عطية عن أبی سعيد: وقد عقب الذهبی فی التلخيص قائلاً: بل **أبوحمزة ضعيف جداً.** وقال البيهقی فی شعب الإيمان (5/ 483) بعد هذا الحديث: قال الإمام أحمد رحمه الله: هذا والذی قبله والأحاديث الأربعة التی قبله وقبل أثرعلی رضی الله عنه فی أسانيدها مقال غير أنی رأيت بعض علمائنا يذكر أمثالها فی فضائل الأعمال والله يعصمنا من الزلل والوبال أه. وقال فی السنن الكبری (5/ 238): لفظ حديث ابن عبدان لم نكتبه من حديث عمران إلا من هذا الوجه وليس بقوی وروی عن عمرو بن خالد بإسناده عن علی وعمرو بن خالد متروك أه. وقد جاء من أبی سعيد الخدری رضی الله عنه.

دوسرا طریق:

عَنْ عَطِيَّةَ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِفَاطِمَةَ رضی الله عنها: ''قُومِي إِلَى أُضْحِيَّتِكِ فَاشْهَدِيهَا فَإِنَّ لَكِ بِأَوَّلِ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْ دَمِهَا يُغْفَرُ لَكِ مَا سَلَفَ مِنْ ذُنُوبِكِ'' قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا لَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ خَاصَّةً أَوْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً؟ قَالَ: ''بَلْ لَنَا وَلِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً''

اس کے حوالے سے محدثین کے آراء درج ذیل ہیں:

منكر واه جداً:

أخرجه الحاكم في المستدرک (4/ 247) والعقيلي في الضعفاء (2/37) من طريق داود بن عبد الحميد الكوفی عن عمرو بن قيس الملائی عن عطية عن أبی سعيد الخدری رضی الله عنه به.
وهذا الحديث مسلسل بالعلل

أولاً: فيه داود بن عبد الحميد الكوفی ضعيف. قال أبوحاتم فی الجرح والتعديل (3/ 418): **لا أعرفه وهو ضعيف الحديث** يدل حديثه علی ضعفه قال العقيلی فی الضعفاء (2/ 37): داود بن عبد الحميد الكوفی عن عمرو بن قيس الملائی بأحاديث لا يتابع عليها منها عن الملائی عن عطية عن أبی سعيد يا فاطمة قومی الی أضحيتك فاشهديها أنت. وقد عد العقيلی **هذا الحديث من منكراته.** وقال الحافظ فی لسان الميزان (2/ 420): وقال الأزدی **منكر الحديث.**

وثانياً: فيه عطية بن سعد العوفی شديد الضعف وكان يدلس تدلسا قبيحاً وكان شيعياً. وفی تهذيب الكمال (20/ 147): وكان هشيم يتكلم فيه وقال مسلم بن الحجاج قال أحمد وذكر عطية العوفی فقال **هو ضعيف الحديث** وقد ذكر ابن عدی فی الكامل في الضعفاء (5/ 369): عن يحيی بن معين عن عطية العوفی فقال ضعيف إلا أنه يكتب حديثه وكان سفيان الثوری **يضعف حديثه عطية** وكان هشيم **يضعف** حديث وعن سفيان وقال السعدی عطية بن سعد العوفی مائل أه وقال الذهبی فی التلخيص واه أی شديد الضعف. وعطية العوفی مشهور بالتدليس والتدليس أنواع ذكر منها صاحب المنظومة البيقونية نوعين فقال وما أتی مدلساً نوعان: الأول الأسـقاط للشيخ وأن ينقل عمن فوقه بعنوأن والثانی لا يسقطه لكن يصف أوصافه بما به لا ينعرف والتدليس يطعن فی

یہ ہے کہ ضعیف روایت مناقب میں تو قبول کر لی جاتی ہے۔ لیکن کیا اگر اس سے سیدہ زہراء پاک کے لیے ذنب ثابت کرنے کے لیے استدلال کیا جا رہا ہو، یا ذنب بیان کیا جا رہا ہو تو کیا پھر بھی ایسی روایت قابل قبول ہو گی؟ ہر گز ہر گز نہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنے قبیح قول کے دفاع میں تو اصول حدیث سے بھی تجاہل عارفانہ برتنے لگے۔

الاتصال وقد ذكر الحافظ ابن حجر عطية العوفي في طبقات المدلسين (ص 50) في المرتبة الرابعة فقال: عطية بن سعد العوفي الكوفي تابعي معروف ضعيف الحفظ مشهور بالتدليس القبيح أه ولنذكر الإخوة بما ذكره الحافظ ابن حجر في الطبقة الرابعة حيث قال: من اتفق على أنه لا يحتج بشيء من حديثهم إلا بما صرحوا فيه بالسماع لكثرة تدليسهم على الضعفاء والمجاهيل كبقية بن الوليد. وعليه فلا يحتج بحديث عطية العوفي لوجهين: الأول أنه ضعيف وقد قال بعضهم شديد الضعف الثاني: أنه يدلس وهو في الطبقة الرابعة التي لا يحتج بشيء من حديثهم إلا بما صرح فيه بالسماع. مما يدل على تدليسه القبيح أنه سمع من أبي سعيد الخدري رضي الله عنه وكان يروي عنه فلما مات صار يروي عن الكلبي ويكنيه بأبي سعيد فيحسبه السامع أنه يروي عن أبي سعيد الخدري قال ابن حبان في المجروحين (2/ 176) عن عطية العوفي: سمع من أبي سعيد الخدري أحاديث فلما مات أبو سعيد جعل يجالس الكلبي ويحضر قصصه فإذا قال الكلبي قال رسول الله بكذا فيحفظه وكناه أبا سعيد ويروي عنه فإذا قيل له من حدثك بهذا فيقول حدثني أبو سعيد فيتوهمون أنه يريد أبا سعيد الخدري وإنما أراد به الكلبي فلا يحل الاحتجاج به ولا كتابة حديثه إلا على جهة التعجب أه. وقال أبو حاتم في العلل (4/ 495) لما سئله ابنه عن هذا الحديث: يقول: هو حديث منكر.

تیسرا طریق:

جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ہے

من طريق **عمرو بن خالد** عن محمد بن علي عن آبائه عن علي بن أبي طالب رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال لفاطمة: يا فاطمة قومي فأشهدي أضحيتك أما إن لك بأول قطرة تقطر من دمها مغفرة لكل ذنب، أما إنه يجاء بها يوم القيامة بلحومها ودمائها سبعين ضعفاً حتى توضع في ميزانك.

اس کے حوالے سے محدثین کے آراء درج ذیل ہیں:

یہ حدیث ہی موضوع ہے:

أخرجه عبد بن حميد (1/ 55) والبيهقي في السنن الكبرى (9/ 283)

الحديث موضوع:

والحديث فيه **عمرو بن خالد القرشي الواسطي** من الطبقة السابعة كان ممن يضع الحديث قال عنه البخاري في التاريخ الكبير (6/ 328) **منكر الحديث.** وهذا المصطلح عند البخاري يقوله فيمن لا تحل الرواية عنه. وقال البيهقي عقب الحديث: عمرو بن خالد ضعيف. وفي كتاب الجرح والتعديل لابن أبي حاتم (6/ 230): عن أحمد بن حنبل: عمرو بن خالد **متروك الحديث ليس يسوى شيئا.** وعن يحيى بن معين قال عمرو بن خالد **كذاب غير ثقة** ولا مأمون عن إسحاق بن راهويه يقول كان عمرو بن خالد الواسطي يضع الحديث. وعن أبي حاتم قال: **متروك الحديث ذاهب الحديث لا يشتغل به.** وعن أبي زرعة عن عمرو بن خالد الواسطي فقال كان واسطيا **وكان يضع الحديث ولم يقرأ علينا حديثه** وقال اضربوا عليه. وقال ابن حبان في المجروحين (2/ 76): كان ممن يروي الموضوعات عن الأثبات حتى يسبق إلى القلب أنه كان المتعمد لها من غير أن يدلس كذبه أحمد بن حنبل ويحيى بن معين. وقد ذكره أبو الوفا الحلبي في الكشف الحديث عمن رمي بوضع الحديث (1/ 201) فيمن يضع الحديث.

وأما **محمد بن علي** بن الحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنهم فهو ثقة لكن روايته عن الحسن والحسين وجديه الأعلى وعلي رضي الله عنهم مرسلة قال الحافظ العلائي في جامع التحصيل (1/ 266): محمد بن علي بن الحسين بن علي بن أبي طالب رضي الله عنهم أبو جعفر الباقر أرسل عن جديه الحسن والحسين وجده الأعلى علي رضي الله عنهم.

وبهذا يظهر أن الحديث موضوع والله أعلم.

اگر سند سے جہالت کی وجہ سے ذنب ثابت کیا ہے تو اس سے بھی رجوع لازم ہے اگر عمداً کیا ہے تو پھر تو شدید ترین بے ادبی ہے۔ اگر یہ صحیح روایت بھی ہوتی تو وہ کون سا ذنب تھا جس کی اس وقت تک مغفرت نہیں ہوئی تھی؟

در اصل اس میں تعلیم امت تھی کہ قربانی کرنا رب تعالیٰ کے نزدیک اتنا پسندیدہ عمل ہے کہ اس کے پہلے قطرہ سے ہی قربانی کرنے والے کے اگر گناہ ہوئے بھی ہوں تو اللہ تعالیٰ گناہوں کی مغفرت فرما دیتا ہے۔ جیسا کہ صحابی رسول رضی اللہ عنہ نے اس روایت میں بھی پوچھا تھا: قَالَ عِمْرَانُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، هَذَا لَكَ وَلِأَهْلِ بَيْتِكَ خَاصَّةً فَأَهْلُ ذَاكَ أَنْتُمْ أَمْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً؟ قَالَ: "لَا بَلْ لِلْمُسْلِمِينَ عَامَّةً". اور کاملین کا استغفار قرب سے اقرب کی منازل کی ترقی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ پتہ نہیں موصوف کو اور ان کے مؤیدین کو کیا ہو گیا ہے کہ **کبھی لقمہ حرام کی نسبت کرتے ہیں، کبھی ان کے لیے سخت الفاظ بولنا ضروری قرار دیتے ہیں،** کبھی ذنب کے جواز پر استدلال گھڑتے ہیں۔

حدیث رسول "کلُّ بنی آدم خطاء" کو سمجھنے میں تسامح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک کو سمجھنے میں بھی موصوف کو مغالطہ لگا کہ "کلُّ بنی آدم خطا" کے تحت کل افرادی کا بیان ہے، لہٰذا بنی آدم کے ہر فرد کو خطا پر کہہ سکتے ہیں۔ لہٰذا جب کتب حدیث میں یہ حدیث پاک موجود ہے تو زہراء پاک کے لیے خطا کا لفظ بولنے پر اعتراض کیوں ہے؟

موصوف نے اس حدیث پاک کو بھی اپنے قول کو درست ثابت کرنے کے لیے اپنا مستدل بنالیا۔ اگر ہر بنی آدم خطا کرنے والا ہے۔ اور موصوف اس حدیث کے تحت سیدہ کو شامل کر کے اپنے لیے خطا پر تھیں کہنا درست ثابت کرتے ہیں۔ تو "خیر الخطائین" میں شامل ہونے کے لیے ان کی توبہ کی بھی کوئی روایت ثابت کر سکتے ہیں، کہ جس میں انہوں نے اپنے استدلال یا مطالبہ کے حوالے سے کہا ہو کہ میں اس سے توبہ کرتی ہوں؟

کیا یہ حکم "کلیہ" ہے یا "اکثریہ" ہے؟ اگر اس کی تعمیم "کل بنی آدم" میں انبیاء علیہم السلام کو بھی داخل کرتے ہیں، تو کیا سوچا ہے کہ " خَطَّاءٌ "فعال کے وزن پر "مبالغہ" کا صیغہ ہے تو انبیاء علیہم السلام کے لئے کیا ثابت کر رہا ہوں؟ اور اگر انبیاء کی تخصیص کرتے ہیں، اور ہے بھی تخصیص جیسا کہ علامہ طیبی لکھتے ہیں: "فيه تعميم جميع

بنی آدم حتی الأنبیاء، لکنهم خصوا منه لکونهم معصومین"[1] اس میں جمیع بنی آدم کی تعمیم ہے یہاں تک کہ انبیاء بھی شامل ہیں لیکن ان کی اس سے تخصیص ہے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔ مفتی احمد یار خان نعیمی "مراۃ المناجیح" میں اس حدیث کے شرح میں لکھتے ہیں: "یہاں کل مجموعی ہے، نہ کہ کل افرادی یعنی تمام انسان گنہگار ہیں، نہ کہ ہر انسان۔ کیونکہ **انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں کہ گناہ کر سکتے ہی نہیں**، اور **بعض اولیاء محفوظ کہ گناہ کرتے نہیں**"۔[2]

دوسرا کیا اس روایت کے تحت ہر بنی آدم کو خطا کرنے والا سمجھتے ہیں؟ (یا خطا پر تھے سمجھتے ہیں؟) تو کیا وہ نو مولود جو فوراً ہی فوت ہو گئے ہیں اور تکلیف کی عمر تک ہی نہیں پہنچے، تو ان کی شرعی طور پر کسی خطا کا وقوع و صدور ثابت کر سکتے ہیں کہ جس پر توبہ لازم آتی ہو؟ اور "خیر الخطائین" میں شامل ہونے کے لئے ان کی توبہ بھی ثابت کر سکتے ہیں؟ کیا نعوذ باللہ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن محمد رضی اللہ عنہ، حضرت قاسم رضی اللہ عنہ بن محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بھی اس حدیث پاک سے جو ثابت کرنا چاہ رہے ہیں وہ بالفعل ثابت کر سکتے ہیں؟ جس پر خیر میں شامل ہونے کے لیے ان پر بھی توبہ ضروری ہو؟ یقیناً چھوٹے بچوں کے لیے کسی ایسی خطا کو ثابت نہیں کیا جا سکتا جس کو گناہ، ذنب یا اجتہادی کہا جا سکے۔ حالانکہ بنی آدم میں تو شامل ہیں۔

کیا ہر فرد بنی آدم سے بالفعل وقوع خطا ثابت کر سکتے ہیں؟ کیا اس حدیث میں ہر بنی آدم کی بالفعل، وقوع و صدور خطا کا ذکر ہے یا استعداد خطا / خطا بالقوہ کا، یا امکان خطا (باعتبار امکان وقوعی یا بنظر نفس ذات) کا ذکر ہے؟ جب تک کسی کی کثرت سے وقوع خطا، یا کوئی خطا بھی ثابت نہ ہو تو کیا اِس کی روشنی میں ہر فرد بنی آدم کو "خطا پر تھے" یا "خَطَّاءٌ" کہہ سکتے ہیں؟

لہٰذا مہربانی کر کے نفوس قدسیہ کو خطا کار ثابت کرنے کے بجائے حدیث کے دوسرے حصے "خیر الخطائین التوابون" (خطائیوں میں بہتر وہ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں) پر عمل کرتے ہوئے اپنے قول خطا سے توبہ کر کے "خیر الخطائین" میں شامل ہو جائیں۔

---

[1] شرح الطیبي علی مشکاة المصابیح المسمی بـ (الکاشف عن حقائق السنن) المؤلف: شرف الدین الحسین بن عبد الله الطیبي (743ھ) مطبوعة مکتبة نزار المصطفی البازمکة المکرمة ج 6 ص 1847 حدیث نمبر 2341

[2] مراۃ المناجیح مولف: مفتی احمد یار خان نعیمی مطبوعة نعیمی کتب خانہ گجرات، ج 3 ص 417 حدیث نمبر 2341

ملک المدرسین علامہ عطا محمد بندیالوی کی عبارت سمجھنے میں مغالطہ

جس طرح ڈاکٹر صاحب کو حضور اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سمجھنے میں مغالطہ لگا۔ اسی طرح ملک المدرسین جامع المعقول والمنقول حضرت علامہ عطا محمد بندیالوی رحمۃ اللہ علیہ کی "سیف العطا" کی عبارت صفحہ 214، 215 کی فہم میں بھی مغالطہ لگا۔ یہاں بھی اس عقیدہ کی نفی ہے، جو غیر نبی سے "خطا سرزد نہ ہوسکنے کا ہے"، یعنی کوئی ایسا عقیدہ رکھتا ہے کہ اس کے "پیر صاحب سے غلطی ہوسکتی ہی نہیں"، ایسا عقیدہ یقیناً گمراہی ہے لیکن اگر کوئی کسی خاص مسئلہ میں خطا سرزد نہ ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، مثلاً کوئی کہے کہ تمہارے پیر صاحب سے چوری بدکاری جھوٹ یا اس طرح کی دیگر خطاؤں کا امکان تھا لہٰذا وہ فاسق و فاجر ہوگئے یا فسق و فجور پر تھے۔ تو مرید ان تمام الزامات کی تردید کرتا ہے کہ ایسا نہیں ہوا۔ صرف امکان کی بنیاد پر ان کے لئے یہ حکم لگانا درست و جائز نہیں، تو یہ رافضیت نہیں، بلکہ یہی ایمان کا تقاضا ہے کہ بغیر ثبوت کے کسی پر الزام بھی نہ لگایا جائے۔ اور نہ ہی ایسے الزام کو تسلیم کیا جائے۔ اگر یہ رافضیت ہے تو پھر اس دلیل کی روشنی میں تو آپ پر اور تمام مؤیدین پر بھی یہی حکم لگے گا؛ کیونکہ آپ اور آپ کے مؤیدین آپ کے بارے اور آپ خود اپنے بارے میں یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ مسئلہ فدک بیان کرتے ہوئے مجھ سے غلطی ہوسکتی تو تھی، غلطی ہونے کا امکان تو تھا، مگر ہوئی نہیں۔ حالانکہ آپ سے غلطی ہوئی بھی، اور اس کے ثبوت اور دلائل بھی موجود ہیں۔

اپنی اس قبیح غلطی پر آپ نے ایک عجیب دفاع لے لیا کہ غیر انبیا کے متعلق عقیدہ معصومیت کے رد میں، یہ کلام کر رہا ہوں اور مجھ سے اختلاف کرنے والے رافضیت کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کسی کے بارے میں یہ عقیدہ رکھنا کہ اس سے غلطی و گناہ "ہوسکتے نہیں" یا "ہوئے نہیں"، ان دونوں باتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، سنیوں کا اختلاف خطا "ہوسکنے میں نہیں" بلکہ "ہوئی نہیں" اس میں ہے۔ آپ نے یہ نہیں کہا کہ "خطا پر ہوسکتی تھیں" یا "غلطی ہوسکتی تھی"، بلکہ "خطا پر تھیں" اور "غلطی ہوگئی" کا حکم لگایا۔ **غیر انبیاء ہر انسان سے خطائیں اور گناہ "سرزد ہوسکتے" ہیں اور ہر قسم کے ہوسکتے ہیں**، یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے۔ لیکن کسی بھی انسان پر ہر قسم کے گناہ ہونے یا کسی بھی قسم کی خطا یا گناہ کے ہونے کا حکم تب ہی لگانا جائز ہے، جب اس کا ثبوت ہو۔ اور ثبوت نہ ہو تو الزام لگانا "ناجائز" ہے، بلکہ بعض خطاؤں کا بغیر ثبوت کے الزام لگانے پر تو اسی کوڑے سزا ہے۔ اور مؤمنین پر باقیوں میں بھی الزام تراشی گناہ ہے۔ الزام تو دور بدگمانی سے بھی منع کیا گیا، حکم ارشاد فرمایا: "لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا".

نہ جانے اتنی آسان سی بات ڈاکٹر صاحب کو کیوں سمجھ نہیں آرہی؟ یا تجاہل عارفانہ ہے۔ یہاں ملک المدرسین نے بھی امکان کی بات کی ہے اور ناممکن ماننے والوں کی تردید کی ہے، اور موصوف اسے وقوع بنارہے ہیں۔ اگر امکان کو وقوع بنانے کی مثالیں دینے کی بات ہے تو وہ تقریباً ہر کتاب میں ہر مصنف کے حوالے سے مل جائیں گی۔ لیکن یہ بدیہی بات ہے کہ جب ماضی کی کسی بات کے ہونے کا امکان لکھا گیا ہو تو جب تک فعل و صدور کا ثبوت نہ ہو تو اس کے وقوع کا حکم نہیں لگایا جاتا۔

اگر آپ کا قاعدہ اور اس کا نتیجہ درست مان لیا جائے تو پھر اس واقعہ کے متعلق کیا کہیں گے جب حدیبیہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ میں سفیر بن کر تشریف لے گئے، تو خبر پھیل گئی کہ حضرت عثمان قتل کر دیے گئے ہیں۔ جو کہ ممکن تھا، صحابہ کرام نے بدلہ لینے کی بیعت بھی کر لی۔ تو کیا کہیں گے کہ حضرت عثمان اس موقع پر شہید ہو گئے تھے؟ تو کیا اس امکان کی وجہ سے کوئی آج ان کی شہادت اس موقع پر مکہ میں ہونا بیان کرتا ہے؟ ہر گز نہیں۔

ایسے ہی غزوہ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہید ہونے کی خبر مشہور ہو گئی، جس کی وجہ سے بعض صحابہ قتال سے رک گئے کہ اب کس لئے لڑائی کریں اور بعض صحابہ نے یہ سن کر کہا کہ اب زندہ رہ کر کیا کرنا ہے جانیں قربان کر دیں، حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ بعض صحابہ کو بیٹھا ہوا دیکھا تو پوچھا: مَا يُجْلِسُكُمْ؟ قَالُوا: قُتِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَمَاذَا تَصْنَعُونَ بِالْحَيَاةِ بَعْدَهُ؟ (قُومُوا) فَمُوتُوا عَلَى مَا مَاتَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ [1] تمہیں کس چیز نے بٹھا دیا ہے انہوں نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں، تو آپ نے فرمایا ان کے بعد زندگی میں کیا کرو گے، اٹھو اس مقصد پر قربان ہو جاؤ جس کے لئے رسول اللہ نے جان قربان کر دی ہے۔

اب اس دن ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک شہادت رسول نہ صرف ممکن تھی بلکہ شہادت رسول کی خبر سن کر اسے سچ بھی سمجھا، اگر آپ کے طریقہ استدلال کو درست مانیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شوال ۳ ہجری میں شہید ہونے کو ممکن و جائز سمجھا گیا، تو کیا شہید ہو گئے کا قول کرنا جائز ہو گا؟

---

[1] السيرة النبوية لابن هشام المؤلف: عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 213هـ) الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر الطبعة: الثانية، 1375هـ 1955م

ایسے ہی جب قاضی کی عدالت میں کوئی فرد کسی چیز کا دعویٰ کرتا ہے تو ممکن ہوتا ہے کہ وہ اسی کی ہو۔ تو کیا صرف امکان کی وجہ سے اس کی ہونے کا حکم لگا دیا جاتا ہے؟ کیا اس کے لئے ثبوت و دلیل طلب نہیں کی جاتی اور ثبوت کی بنیاد پر حکم نہیں لگایا جاتا؟ بلکہ بعض دفعہ تو دلیل و ثبوت اس کے خلاف ہوتے ہیں جس پر دوسرے کے حق دار ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ حیرت ہے کہ آپ جیسا شخص اس بدیہی مسئلہ میں مغالطہ کا شکار کیسے ہو گیا؟ اور تلامذہ اور مؤیدین کو بھی سمجھ نہیں آرہی۔

وکیلِ دفاع کا قیاس مع الفارق، بدترین توہین، اور سخت الفاظ کے استعمال کا اقرار

ڈاکٹر صاحب کے متعلقین نے ان کی وکالت کرنے پر ایک شخص کی ویڈیو سوشل میڈیا پر جاری کی جس کا ویڈیو پر نام مفتی محمد ظہور احمد جلالی لکھا ہوا ہے۔ (جو ساکن ڈھاول پھالیہ ہیں، اس نام کے ان کے استاد بھی ہیں مگر وہ اس مسئلہ میں ڈاکٹر صاحب کے مخالف ہیں) اور اس کے ساتھ ڈاکٹر صاحب خود بھی موجود ہیں، اِن کے بھائی کے چہلم (ایصال ثواب) کی تقریب میں بی بی پاک کو نئے سرے سے تختہ مشق بنایا گیا اور کسی نے بھی اس شخص کو نہ روکا۔ ان کی گفتگو پنجابی میں تھی اس کا اردو ترجمہ درج ذیل ہے:

> ہمیشہ کے لیے مد مقابل کو دیکھنا ہوتا ہے۔ وہ کیسا ہے نرمی سے مانتا ہے یا سختی سے مانتا ہے۔ مد مقابل کو دیکھ کر گفتگو کی جاتی ہے۔ اور جو آپ نے فرمایا کہ "**خطا پر تھیں جب مانگ رہی تھیں تو خطا پر تھیں**" مد مقابل کو دیکھو کہ سامنے کون ہے۔ وہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا گستاخ افضل البشر بعد الانبیاء من حیث الوجوہ، روحانی طور پر بھی جسمانی طور پر بھی، خلافت کے اعتبار سے بھی افضل البشر بعد الانبیاء ہیں۔ ان کی توہین کرنے والا ہے اور حضرت سیدہ فاطمہ طیبہ طاہرہ کو معصوم ماننے والا ہے۔ یہ کتنا سخت عقیدہ گندہ ہے، اس کا قلع قمع کرنے کے لیے "**الفاظ سخت تھے**"، بولنے اس لیے پڑ گئے کہ اس کے ذہن میں جو پودا لگا ہوا ہے، اسے جڑوں سے اکھیڑ دیا جائے۔ یہ طریقہ ہے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ہے، اور دیکھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے "اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً"، موسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل سے فرمایا گائے ذبح کرو، گائے ذبح کرنے کا کیوں حکم دیا؟ حکمت مفسرین نے اس کی اور بھی لکھی ہے، لیکن فاضل بریلوی نے فرمایا ہے کہ گائے ذبح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ جو گوسالہ کو پوجتے ہیں، گائے کو پوجتے ہیں ان کے عقیدے کا قلع قمع ہو کہ یہ پوجنے کے قابل نہیں ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے۔ اور حضرت فاضل بریلوی سے سوال ہوا کہ ہندو جو ہیں وہ گائے کے اوپر پابندی لگاتے ہیں، گائے کی قربانی نہیں کرنے دیتے۔ آپ نے اس آیت کا استدلال کر کے لمبی

بحث کر کے، آپ نے نتیجہ نکالا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے، گائے کی قربانی دینے کی کوشش کریں، یہ شعائر اسلام ہے قربانی کرنا، اور گائے کی قربانی سنت نبوی ہے، سنت صحابہ ہے اور اگر اس سے ہندو روکتے ہیں تو مسلمانوں کے لیے واجب ہے کوشش کرنا کہ گائے کی ہی قربانی دیں، وہ گائے کو ماتا کہتے ہیں، گائے کا پیشاب پیتے ہیں، اسے پوجتے ہیں، لہذا ان کے سامنے ذبح کرو اس کا گوشت کھاؤ۔ ان کے عقیدے کی مکمل نفی کی جائے جتنا مخالف سخت ہو، اس طریقے سے جواب دیا جاتا ہے، جب مخالف معصومیت کا قائل ہے، تو اس کا عقیدہ نظریہ باطل ہے اور صدیق اکبر کی توہین کرنے والا ہے معصومیت کا عقیدہ اس نے ذہن میں رکھا ہوا ہے اس کے عقیدے کو جڑ سے اکھیڑنے کے لیے فرمایا خطا پر تھیں جب مانگ رہیں تھیں۔۔ الخ

سیدہ پاک کے لیے بولے گئے الفاظ اتنے تلخ لہجے میں چلاتے ہوئے اور تکرار کے ساتھ تھے کہ ڈاکٹر صاحب کے وکیل بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوگیے کہ سیدہ پاک کے لیے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، "**الفاظ سخت تھے**" الفاظ کو سخت تسلیم کرتے ہوئے بھی بدقسمتی کہ مؤکل کے دفاع میں لگ گیے۔ اور اس قبیح کلام کے جواز کے دلائل میں اعلیٰ حضرت کا حوالہ دیا جو کہ نہ تو سیدہ پاک کے حوالے سے تھا نہ آپ کا ذکر تھا مگر موصوف نے سیدی اعلیٰ حضرت کا نام استعمال کرنا تھا، لہذا کہا کہ "یہ طریقہ ہے، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا ہے، اور دیکھیں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے، ان اللہ یامرکم ان تذبحوا بقرۃ، موسیٰ علیہ السلام نے قوم بنی اسرائیل سے فرمایا گائے ذبح کرو، گائے ذبح کرنے کا کیوں حکم دیا؟ حکمت مفسرین نے اس کی اور بھی لکھی ہے لیکن فاضل بریلوی نے فرمایا ہے کہ گائے ذبح کرنے کی حکمت یہ تھی کہ جو گوسالہ کو پوجتے ہیں، گائے کو پوجتے ہیں ان کے عقیدے کا قلع قمع ہو کہ یہ پوجنے کے قابل نہیں ذبح کر کے گوشت کھایا جاتا ہے"۔

کیا اعلیٰ حضرت نے یہ قاعدہ بیان کیا کہ "جہاں بھی کوئی قوم کسی کا مقام و مرتبہ ناجائز بڑھا دے تو جس کا مقام و مرتبہ بڑھایا گیا ہو اسے ذبح کر دیا جائے"؟ یا "اس کے لیے سخت لفظ بولے جائیں"؟ تو کیا اس قاعدہ کے تحت جس کا مرتبہ بڑھایا گیا ہو گا اس کو ذبح کر دیا جائے گا تاکہ ان کے بارے میں جو باطل عقیدہ ہے اس کا قلع قمع ہو سکے؟ کیا موصوف ان لوگوں کے لیے بھی جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کو "ابن اللہ" کہہ کر ان کا ناجائز مقام و مرتبہ بڑھایا، تو ان کے عقیدے کا قلع قمع کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے بھی یہ قاعدہ اختیار کریں گے، جو بضعۂ رسول کے لیے اختیار کیا ہے؟ کیا وہاں بھی نعوذ باللہ نبیوں کو ذبح کرنے یا ان کے لئے بھی سخت لفظ بولنے کو جائز کہیں گے؟

موصوف نے قیاس مع الفارق سے کام لیا، کیونکہ گائے کی تو تخلیق ہماری منفعت کے لیے ہے کہ اس سے منفعت حاصل کریں اور سب سے بڑی منفعت اسے ذبح کر کے اس کا گوشت کھانا ہے۔ بعض نادانوں نے اس بڑی منفعت (ذبح کر کے گوشت کھانے) کو ترک کرتے ہوئے، اسے پوجنا شروع کر دیا ہے، تو خالق کائنات نے گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور یہ حکم وہ تھا جو اس کی تخلیق کی منفعت تھی۔ تو کیا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی ذات اس لیے تھی کہ ان کے لیے سخت الفاظ بولے جائیں؟ قرآن پاک تو آپ جیسی ہستیوں کے بارے میں فرماتا ہے: "وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ"۔ عزت تو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں ہی کے لیے ہے مگر منافقوں کو معلوم نہیں (کنز الایمان) قرآن تو ان کی عزت کرنے کا کہہ رہا ہے اور موصوف سخت لفظ بولنے کے دلائل گھڑ رہے ہیں۔ کیا آپ کی نظر میں بضعۂ رسول اور گائے کے لیے احکام یکساں ہیں؟ نعوذ باللہ۔

پھر آپ نے قربانی میں گائے کے ذبح کرنے سے استدلال کیا کہ اعلیٰ حضرت نے نچوڑ نکالا ہے کہ:

"یہ شعائر اسلام ہے قربانی کرنا اور گائے کی قربانی سنت نبوی ہے سنت صحابہ ہے اور اگر اس سے ہندو روکتے ہیں تو مسلمانوں کے لیے واجب ہے کوشش کرنا کہ گائے کی ہی قربانی دیں"۔

شعائر اسلام سے روکنے پر، شعائر اسلام پر عمل کرنا واجب ہے تو کیا سیدہ پاک کے لیے سخت لفظ بولنا شعائر اسلام ہو گیا ہے؟ تو سخت لفظ بولنے سے روکنے پر ان کے لیے سخت لفظ بولنا واجب قرار پایا ہو؟ استغفر اللہ یہاں بھی قیاس مع الفارق کر کے بدترین ٹھوکر کھائی۔

اس کے ساتھ یہ بھی استدلال کیا کہ:

"مدمقابل کو دیکھو کہ سامنے کون ہے وہ سیدنا حضرت ابو بکر صدیق کا گستاخ افضل البشر بعد الانبیاء من حیث الوجوہ، روحانی طور پر بھی جسمانی طور پر بھی خلافت کے اعتبار سے بھی افضل البشر بعد الانبیاء ہیں ان کی توہین کرنے والا ہے اور حضرت سیدہ فاطمہ طیبہ طاہرہ کو معصوم ماننے والا ہے۔ یہ کتنا سخت عقیدہ گندہ ہے، اس کا قلع قمع کرنے کے لیے **"الفاظ سخت تھے"**، بولنے اس لیے پڑ گئے"۔

تو کیا کہیں بھی مدمقابل ہماری مقدس شخصیات کی توہین کرتا ہے، تو اس کے عقیدے کا قلع قمع کرنے کے لیے مقدس شخصیات کے خلاف سخت لفظ بولنے کی اجازت دیں گے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام نہاد پیروکار آئے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کرتے ہیں، تو کیا ان کے عقیدہ کو جڑ سے

اکھاڑنے کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے بھی نعوذ باللہ سخت الفاظ کا بولنا جائز قرار دیں گے؟ نواصب و خوارج اہل بیت کی توہین کرتے ہیں، روافض صحابہ کی توہین کرتے ہیں، تو کیا ان دونوں کے عقیدہ کے رد کے لیے باقی صحابہ و اہل بیت کے لیے بھی سخت لفظ بولنے کو جائز، واجب اور ضروری قرار دیں گے؟

یہ قاعدہ آپ نے کہاں سے لیا کہ کوئی شخص کسی ایک مقدس شخصیت کی توہین کرے، اور دوسری مقدس شخصیت کے بارے میں ناجائز عقیدہ رکھے تو بجائے اس شخص کا سختی سے رد کریں، اس مقدس و معزز شخصیت کے لیے سخت، اور بے ادبی پر مشتمل الفاظ بولنے جائز ہوں گے؟

وکیل صاحب اپنے مؤکل کے ناجائز کلام کا کسی طرح بھی دفاع کر سکیں اس کے لیے موصوف تمام قیاس مع الفارق کرتے رہے اور ٹھوکریں کھاتے رہے۔ کاش موصوف اپنی توانائیاں بضعۂ رسول رضی اللہ عنہا کی حرمت کے تحفظ پر لگاتے، اگر اپنے مؤکل کا حقیقی تحفظ ہی چاہتے تھے، تو آخرت کے تحفظ کا انتظام کرتے اور اسے توبہ ورجوع کے راستے کی طرف راہنمائی کرتے۔ لیکن موصوف اپنے مؤکل کو راضی رکھنے کے لیے اس کی خطا کا دفاع کرتے رہے، اور سیدہ پاک کو خطا پر ثابت کرنے کے لئے دلائل گھڑتے رہے، اپنی عاقبت بھی خراب کرتے رہے۔ طرفہ تماشہ یہ ہے کہ سب ڈاکٹر صاحب کے بھائی کے ایصال ثواب کے لیے ہو رہا تھا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ ایسے افعال و اقوال کے ایصال سے ہر فوت شدہ کو محفوظ رکھے۔

اسی قسم کا بے ہودہ استدلال ماضی قریب کے بے ادبوں اور گستاخوں کا بھی تھا کہ ہمارے دور کے مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناجائز تکریم کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا شریک بنا دیتے ہیں، اس عقیدہ کے رد اور مقام الوہیت کے تحفظ کے لیے ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، وکیل اور مؤکل دیکھ لیتے کہ سیدی اعلیٰ حضرت اور آپ کے متبعین نے ان کے الفاظ و استدلال کا کیا جواب دیا ہے۔ کیا وکیل و مؤکل سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تحفظ ایسے کریں گے کہ گستاخان رسول کے سامنے جو بند باندھا گیا ہے اسے ہی توڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اور عقل سلیم عطا فرمائے۔

کیا وکیل نے یہ بھی سوچا کہ اس نے کیا حرکت کی ہے کس کو کس پر قیاس کر رہا ہے؟

کاش کوئی وکیل کو اس خطرناک استدلال سے قبل یہ حدیث سنا دیتا کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے ایک مرتبہ ان چیزوں کے متعلق مسئلہ بیان کیا گیا جو نماز توڑ دیتی ہیں، اس میں صرف

عورتوں کا ذکر تھا آپ رضی اللہ عنہا کے نام کی صراحت بھی نہیں تھی لیکن آپ نے اس کے متعلق کیا فرمایا؟ کاش وکیل کو یہ مستحضر ہوتا یا وہیں پر کسی نے بتایا ہوتا۔ بخاری شریف میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّه ذُكِرَ عِنْدَهَا ما يَقْطَعُ الصَّلَاةَ، فَقالوا: يَقْطَعُهَا الكَلْبُ والحِمَارُ والمَرْأَةُ، قَالَتْ: لقَدْ جَعَلْتُمُونَا كِلَابًا! لقَدْ رَأَيْتُ النبيَّ صَلَّى اللهُ عليه وسلَّمَ يُصَلِّي وإنِّي لَبَيْنَهُ وبيْنَ القِبْلَةِ، وأَنَا مُضْطَجِعَةٌ علَى السَّرِيرِ، فَتَكُونُ لي الحَاجَةُ، فأكْرَهُ أنْ أسْتَقْبِلَهُ، فأنْسَلُّ انْسِلَالًا.[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے سامنے ذکر ہوا کہ نماز کو کیا چیزیں توڑ دیتی ہیں، لوگوں نے کہا کہ کتا، گدھا اور عورت (بھی) نماز کو توڑ دیتی ہے۔ (جب سامنے آجائے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم نے ہمیں کتوں کے برابر بنا دیا۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپ کے اور آپ کے قبلہ کے درمیان (سامنے) چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے ضرورت پیش آتی تھی اور یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ خود کو آپ کے سامنے کر دوں۔ اس لیے میں آہستہ سے نکل آتی تھی۔

اسی طرح مسلم شریف میں ہے:

عَنْ عَائِشَةَ، وَذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ، وَالْحِمَارُ، وَالْمَرْأَةُ فَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَدْ شَبَّهْتُمُونَا بِالْحَمِيرِ وَالْكِلَابِ، وَاللهِ لَقَدْ "رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَإِنِّي عَلَى السَّرِيرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً، فَتَبْدُو لِي الْحَاجَةُ، فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوذِيَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ".[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، ان کے سامنے ان چیزوں کا تذکرہ کیا گیا جو نماز توڑ دیتی ہیں (یعنی) کتا، گدھا اور عورت۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: تم نے ہمیں گدھوں اور کتوں کے مشابہ بنا دیا ہے! اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حال میں نماز پڑھتے دیکھا کہ میں چارپائی پر آپ کے اور قبلے کے درمیان لیٹی ہوتی تھی، مجھے ضرورت پیش آتی تو میں بیٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1 صحيح البخاري 511

2 صحيح مسلم 1171

کو تکلیف دینا پسند نہ کرتی، اس لیے میں اس (چارپائی یا بستر) کے پایوں (والی جگہ کی طرف) سے کھسک جاتی۔

کاش مجمع میں موجود کوئی تو ایسا ہوتا جو موصوف کو کہتا خاموش، ہوش کرو کس کو کس پر قیاس کر رہے ہو۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔

نوٹ: اگر کل کوئی وکیل یہ کہے کہ آپ "لانورث" کی حدیث میں تاویل فرماتی تھیں، اور یہ آپ کا اجتہاد تھا۔ یہ ان کا قول اپنے مؤکل کے کلام کے ہی مخالف ہے کیونکہ مؤکل کے بقول جب "اپنے بابا جان کی حدیث پاک سنی تو سر تسلیم خم کر لیا"۔ تسلیم تب ہی ہوتا ہے جب اتفاق ہو جب اتفاق ہو گیا تو اس میں تاویل کس بات کی۔ اگر تاویل کے قول پر اصرار کیا جاتا ہے تو اس سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لیے طعن کا دروازہ کھل جائے گا۔ کیونکہ اگر کسی نص کی تعبیر (رائے) پر ایک مجتہد بھی مخالف ہو تو پھر اس پر اجماع نہیں ہوتا۔ اجماع تب ہی ہوگا کہ سیدتنا طیبہ رضی اللہ عنہا کی مخصص کے حوالے سے وہی رائے و موقف ہو جو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ اب تاویل کے موقف پر اصرار کرنے سے آپ تو اپنا رانجھا راضی کر لیں گے مگر اس سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کو خطا پر کہنے والوں کے لیے دروازہ کھول دیں گے کہ اس حدیث سے حضرت ابو بکر کے استدلال کے صواب ہونے پر اجماع نہیں ہوا کیونکہ سیدہ پاک اس میں تاویل کرتی تھیں۔ اور انہیں خطا پر سمجھتی تھیں جب اجماع نہ رہا تو ان کے موقف سے اتفاق نہ کرنے والوں کے نزدیک ان سے خطاء اجتہادی ہو گئی، حالانکہ دونوں کے استدلال کے صواب ہونے پر فقہانے اجماع نقل کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ احناف کے اصول کے بھی خلاف ہے کیونکہ جو صیغے عموم کے لیے ہیں ان سے عموم پر استدلال کرنے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، بلکہ خصوص کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔

خلاصۂ بحث

قضیہء فدک میں مشرب اہل سنت شروع سے ہی یہ رہا ہے کہ جہاں متقدمین نے عدالت صدیق اکبر پر پہرہ دیا وہیں حضور ﷺ کے دین متین کے ورثاء نے چادر زہراء کی تقدیس و تطہیر پر بھی کوئی گرد قریب نہ آنے دی۔

صحیحین میں موجود روایات فدک کا بغور مطالعہ کریں تو ان کا مرکزی راوی ابن شہاب زہری ہی ملتا ہے جب ان روایات کو تحقیقی نگاہ سے دیکھیں تو یہ امر منکشف ہوتا ہے کہ یہ روایت **مدرج فی المتن** ہے بایں طور کہ ان میں موجود جملہ ہجران اور ترک کلام یہ سیدہ ام المومنین عائشہ الصدیقہ رضی اللہ عنہا کے کلام سے نہیں ہیں اگر یہ جملے سیدتنا ام المومنین رضی اللہ عنہا کے ہوتے تو پھر ان کو نقل کرتے وقت **قال** کے بجائے **قالت** ہوتا اکثر روایات فدک میں یہ قال منقول ہی نہیں جس وجہ سے شبہات میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ لیکن ابن شہاب سے ہی روایت کرنے والے معمر بن راشد ازدی نے (**قال**) کو نقل کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجران اور ترک کلام کی خبر زہری کی طرف سے ہے سیدتنا ام المومنین رضی اللہ عنہا کی طرف سے نہیں۔ روایت معمر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مدرج فی المتن روایت ہے، راوی نے حضرت سیدہ زہراء کی جدائی رسول کے غم اور گوشہ نشینی کو دیکھتے ہوئے، اسے ھجران اور وصال تک عدم کلام سے تعبیر کر دیا۔ حالانکہ ھجران کے حلت و حرمت کے مسائل میں آپ رضی اللہ عنہا اعلم الناس تھیں۔ لہذا خدائی فیصلہ پر ھجران کے نقص سے پاک تھیں۔

جہاں تک سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں بولے گئے الفاظ کا مسئلہ ہے، تو یہ بات واضح ہے کہ جو انداز، لب و لہجہ دوسروں کے لیے روا ہوتا ہے وہی انداز، لب و لہجہ مقدسات دینیہ کی جناب میں ہمارے لیے ممنوع ہوتا ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے حق میں فرمایا گیا "لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا" اور دوسرے مقام پہ فرمایا " لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ " اور والدین کے حق میں فرمایا "فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا" اور سیدہ کائنات کے لیے تو خصوصی فرمایا کہ "یریبُنِی ماأَربَهَا وَ یُؤْذِینِی مَا آذَاهَا" آپ کی تعظیم اس لیے بھی موکد ہے کہ آپ حضور ﷺ کا ٹکڑا مبارک ہیں۔

تعلیم امت کے لئے سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا کا اسم گرامی قضیہ فرضیہ ایک روایت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے اداء ہوا، اور بعض محدثین نے بیان کیا لیکن بعض نے اور خصوصا امام شافعی نے وہاں صراحتا اسم پاک ذکر نہ کیا اس پر امام سبکی اور دیگر کئی ائمہ نے فرمایا یہ غایت درجہ کے ادب پر دال ہے۔ یہ ہمارے اسلاف کا انداز ادب ہے۔

حضور اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصفیہ والی عبارت سے خطاء اجتہادی کا قول کرنا خلاف حقیقت ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ **اگر بمقتضائے بشریت ان سے "کوئی خطا" سرزد بھی ہو تو وہ "عفو و تطہیر" الٰہی میں داخل ہو گی** یعنی حشر ان کا معافی کے ساتھ ہو گا تو معافی خطاء اجتہادی میں تو ہوتی نہیں بلکہ اس میں تو ایک اجر ملتا ہے۔ لیکن آپ نے "امکان" بیان کیا وقوع و صدور نہیں۔

اگر کوئی پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کو دیکھ کر یہ ہی ضد لے کر بیٹھ جائے کہ جہاں کہیں ماضی میں امکان خطاء بولا گیا ہو تو وہ امکان و قوع کو مستلزم ہوتا ہے۔ پھر ملفوظات شریف کے صفحہ 111 والی عبارت میں بھی کیا یہ اصول جاری ہو گا؟ جہاں آپ نے اسی مسئلہ کو بیان کرتے ہوئے صحابہ کرام سے خطاء اور قصور کے امکان کا قول فرمایا۔ اب یہ امکان بھی اسی ہستی کا بیان کردہ اور یہاں مسئلہ بھی وہی ہے تو کیا اس امکان کو وقوع کے مقام پر اتار کر یہ کہنا درست ہو گا؟ کہ صحابہ کرام سے اس معاملہ میں خطاء اور قصور ہوا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر یہ دل آزار قاعدہ صرف سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے لیے ہی کیوں؟

اگر کسی نے یہ قاعدہ لکھ ہی دیا ہو کہ ماضی میں جس کا امکان ہے وہ وقوع کو مستلزم ہے۔ تو اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ ممکن ہونا لازمی ہے۔ اگر یہ ممکن ہونا، بالفعل بھی صرف ممکن ہونے کے بجائے، اس کا صدور اور وقوع ہی ہوتا، تو پھر یہ سوال ہو گا کہ کیا ہر قاعدہ کلی ہوتا ہے اور وہ ہر ہر فرد کو شامل ہوتا ہے؟ جب کہ حقیقت یہ ہے ضروری نہیں ہر قاعدہ کلی ہو وہ ہر ہر جزئی کو شامل ہو فردا فردا اس میں تو اہل فن کی اپنی آراء اور قاعدہ کی تعریف میں اختلاف ہے جیسا کہ اہل فن کے قلم سے گزر چکا۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کو سمجھنے میں بھی موصوف نے غور نہیں کیا جو قاعدہ امکان کا ذات باری تعالیٰ کے کلام نفسی اور لفظی کو سامنے رکھ کر بیان کیا گیا اس کو لے کر مخلوق کے حق میں گفتگو فرماتے رہے حالانکہ مخلوق کے لیے تو آپ نے الگ قاعدہ و ضابطہ بیان فرمایا ہوا ہے۔ جیسا کہ اعاظم صدیقین کے حوالے سے فرمایا: **اللہ عزوجل سہوا و خطاً بھی صدور کذب سے محفوظ رکھے مگر امکان و قوعی باقی ہو یہ مرتبہ اعاظم صدیقین کا ہے کہ: إِنَّ اللهَ تعالى يَكرَهُ فوق سَمائِهِ أن يُخَطَّأ أبو بَكرٍ في الأرضِ.** رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر

والحارث فی مسندہ و ابن شاھین فی السنۃ عن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ **اللہ تعالیٰ آسمان کے اوپر اس بات کو ناپسند فرماتا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ زمین پر غلطی کریں (غلطی پر کہا جائے)**

اپنے باطل و بے اصل نظریہ کو ثابت کرنے کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام کی خطاؤں کو بیان کیا گیا اور اپنے قبیح قول کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ حالانکہ ہمارے اسلاف نے قرآن مجید کی تلاوت یا روایت حدیث کے علاوہ ان کے ذکر کو جائز ہی نہ سمجھا اور اپنے لیے بطور دلیل بنا کر بیان کرنے کو تو حرام لکھا ہے۔ اور **قضیہ فدک میں سیدہ پاک کے لئے مانگ رہیں تھیں تو "خطا پر تھیں" یا "غلطی ہو گئی" کے الفاظ نہ قرآن میں ہیں، نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان میں ہیں، نہ کسی صحابی سے منقول ہیں، اور نہ ہی چاروں ائمہ مجتہدین نے لکھے ہیں۔ اور نہ ہی شرعی اصولوں کی روشنی میں مانگنا خطا تھا۔ جس کی تفصیل اگلے ابواب میں بیان ہو گی۔**

کوثر الجاری کی جس عبارت کو دلیل بنا کر سیدہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا کی طرف لقمہ حرام کے مطالبہ کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس میں بھی اپنی کج فہمی کا اظہار کیا، کیونکہ کوثر الجاری میں موجود "معصیت اور حرام" اگر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مخصص کا علم ہونے کے باوجود سیدہ پاک کو وراثت پیش فرماتے تو آپ رضی اللہ عنہ کا دینا معصیت و حرام ہونا بیان ہوا ہے۔ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے لئے معصیت و حرام بن ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ مخصص کا علم ہونے سے پہلے عین میں بھی آپ رضی اللہ عنہا کا تصرف جائز و حلال تھا۔ اور مخصص کے علم کے بعد بھی منفعت میں بالاتفاق آپ کا تصرف جائز و حلال تھا۔

جن روایات کو آڑ بنا کر سیدہ پاک کی طرف معاذ اللہ ذنب کی نسبت کی گئی وہ روایات سخت ضعیف، بلکہ بعض کے متعلق حکمِ وضع بھی ہے۔ تو کیا ایسی مطعون روایات کو دلیل بنا کر اس پاک جناب میں ذنب کی نسبت درست ہے؟ اللہ تعالیٰ اس قبیح ترین سوچ سے محفوظ رکھے۔

ظہور جلالی صاحب نامی عالم نے ڈاکٹر صاحب کا دفاع کرنے کے دوران (**نہیں خطا کا امکان تھا، اور خطا پر تھیں، جب مانگ رہیں تھیں خطا پر تھیں،**) ان الفاظ کو **"سخت" تسلیم کرتے ہوئے** انہیں سیدہ پاک کے لئے بولنے کو لازم قرار دیتے ہوئے بنی اسرائیل کی گائے کی وہاں مثال دی، اب یہ ظلم عظیم تھا کہ ان کو اتنا بھی معلوم نہیں اس طرح کا کلام اس پیرائے میں کتنا قبیح ہے اسکو سمجھنے کے لیے حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا کی روایت **"جَعَلْتُمُونَا كِلَابًا"** کا پس منظر ہی کافی ہے۔

باب سوم

اجتہاد اور اس کے متعلقات (خطاء اجتہادی کی تاویل)

بجائے اس کے کہ ڈاکٹر صاحب اپنے الفاظ سے رجوع کر لیتے، اور سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی بارگاہ میں بے ادبی کے الفاظ کو اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے اس پاک بارگاہ میں سر تسلیم خم کرتے، مگر آپ نے اپنی انا کو سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی حرمت پر مقدم رکھا، اور تاویل کر کے اپنے الفاظ پر ڈٹ گیے۔ کچھ عرصہ پہلے ایک شخص کی آڈیو لیک ہوئی، جس نے انہیں اس وقت معذرت کا مشورہ دینے کے بجائے "مطلق خطا"[1] کو "خطاء اجتہادی" کی قید سے بدل کر ڈٹ جانے کا مشورہ دیا اس کے الفاظ درج ذیل تھے:

> جناب مخدوم اہل سنت حضرت علامہ فلاں صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ! میں فلاں عرض کر رہا ہوں بریڈ فورڈ سے۔ آپ کو میں سب سے پہلے اہل سنت و جماعت کے مسلک کی ترجمانی اور حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے پر خراج تحسین پیش کرتا ہوں۔ اور پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی جو عبارت ہے، اس پر جو آپ کی گفتگو ہے وہ سو فیصد درست ہے۔ اور بلکہ مزید اس عبارت کو کھولا جائے تو ان ظالموں کو اور آگ لگ جائے۔ تو اب یہ جو انہوں نے شور مچار کھا ہے اس سلسلہ میں گذارش یہ ہے کہ! آپ اپنے بیان میں صرف "خطا" کے ساتھ "اجتہادی" کا اضافہ کر دیں تو یعنی "خطاء اجتہادی" میری مراد تھی، تو بس ان کے لیے پھر کوئی گنجائش نہیں رہ جائے گی کہ وہ اس طرح کی بک بک کریں۔ عین ممکن ہے ہم خود بھی اس حوالے سے کوئی ایک بیان ریکارڈ کروائیں اور صرف باغ

---

[1] حضرت اعلیٰ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کی وضاحت خطاء اجتہادی سے کرنا درست ہی نہیں، کیونکہ وہاں "خطا" کا لفظ مطلق ذکر کیا گیا ہے۔ اور اس کی مراد آپ نے خود بیان بھی فرمادی ہے کہ اس پر عفو و غفران ہو گا۔ اجتہادی تو اجر و ثواب اور درجات کی بلندی پر منتج ہوتی ہے۔ علماء کے عرف میں بھی جب "خطا" کا نتیجہ عفو و غفران کے ساتھ مذکور ہو تو وہاں خطاء مطلق ہی مراد ہوتی ہے، اور یہاں بھی خطاء مطلق متعارف عند العلماء جس کا نتیجہ عفو و غفران ہوتا ہو وہی مراد ہو گی نہ کہ وہ خطا جس کا نتیجہ ثواب اور وصول درجہ ہو۔ فقہاء احناف نے جگہ جگہ **"مطلق کے معنی متعارف"** اور **"فرد کامل"** کا ذکر کیا ہے: **"اَلْمُطْلَقُ يَنْصَرِفُ إِلَى الْمُتَعَارَفِ"** (بدائع الصنائع للكاسانی الحنفی (المتوفی: 587ھ) ج1ص26، البنایة شرح الهدایة العینی (المتوفی: 855ھ) ج1ص550، رد المحتار لشامی (المتوفی: 1252ھ) ج1ص537 اور **"المطلق ينصرف إلى الكامل"** (أصول السرخسی) ج1ص82، شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح للتفتازانی (المتوفی: 793ھ) ج1ص121 کشف الأسرار علاء الدین البخاری (المتوفی: 730ھ) ج2ص196

فدک کے حوالے سے اور حضرت خاتونِ جنت رضی اللہ تعالیٰ عنھا کا جو مطالبہ ہے اس کے اور خاص کر کے پیر صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی عبارت پر میں چاہتا ہوں کہ اس پر میں کچھ گفتگو معقولی کر کے ان کے میدان میں چھوڑ دوں اور پھر کہا جائے اس کا آپ اس پر غور کریں تو عین ممکن ہے اگر ریکارڈ ہوا تو وہ بھی پہنچے گا اور عام ہو گا ان شاء اللہ، تو یہ حق کا کلمہ آپ نے بلند کر رکھا ہے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حفظ و امان میں رکھے۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ

مشیر صاحب کو بھی خطا کے وقوع کا مغالطہ ہوا، اور اس عبارت کو کھولنے پر جس آگ کا کہہ رہے ہیں۔ وہ پیر صاحب کے الفاظ سمجھنے میں دوسرا مغالطہ ہے، کہ جس میں انہوں نے عفو و درگزر کہا ہے؛ کیونکہ عفو و درگزر تو وہاں ہوتا ہے جہاں ذنب ہو۔ حالانکہ اگر غور کرتے تو اس مغالطہ سے بچ جاتے کہ پیر صاحب نے یہ بھی اگر (کی شرط) کے ساتھ کہا ہے۔ "اصل عبارت سمجھنے میں یہی ان لوگوں کی غلطی ہے" کہ حضرت قبلہ پیر صاحب جو بات "بالامکان" اور "مشروط" بیان کر رہے ہیں، یہ لوگ اسے وقوع بنا رہے ہیں اور شرط کو ثابت کر رہے ہیں۔ حالانکہ قبلہ پیر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شرط کا پایا جانا (خطا کا وقوع و صدور) کہیں نہ لکھا اور نہ مراد لیا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنی متنازعہ گفتگو میں کہیں بھی سیدہ پاک کے حوالے سے اجتہاد کی بات نہیں کی تھی کہ یہ سمجھا جاسکے کہ آپ کی "مطلق خطا" سے مراد "خطاء اجتہادی" تھی۔ جب سیاق وسباق میں کہیں بھی اجتہاد کی بات نہیں اور نہ ایسی ذات کے لیے بیان کیا کہ جس کے لیے مطلق کا ہونا محال تھا۔ اور جس عبارت کو پڑھا اس میں بھی اجتہادی کی بات ہی نہیں، بلکہ اس کی بات ہے جس میں عفو و درگزر کا وعدہ ہے۔ اور عفو و درگزر اجتہادی خطا پر نہیں مطلق خطا پر ہی ہے۔ ہمیشہ احناف اس قاعدہ کے دفاع میں دلائل دیتے رہے، اور یقینا موصوف بھی اصول فقہ میں یہی پڑھتے پڑھاتے رہے ہوں گے "المطلق يجري على إطلاقه" کہ جب کوئی لفظ مطلق ذکر کیا جائے تو وہ اپنے "اطلاق" پر ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا موصوف کا کلام جب مطلق ہے تو اپنے اطلاق پر ہی ہو گا۔ اور کلام پر حکم عرف کے اعتبار سے ہوتا ہے، جو معنی لوگوں میں معروف ہو۔[1] اس کے حوالے سے اصول الفقہ میں فقہاء

---

[1] فصل فيما يترك به حقائق الألفاظ وما يترك به حقيقة اللفظ خمسة أنواع: أحدها دلالة العرف وذلك لأن ثبوت الأحكام بالألفاظ إنما كان لدلالة اللفظ على المعنى المراد للمتكلم فإذا كان المعنى متعارفا بين الناس كان ذلك المعنى المتعارف دليلا على أنه هو المراد به ظاهرا فيترتب عليه الحكم مثاله لوحلف لا يشتري رأسا فهو على ما تعارفه الناس فلا يحنث برأس العصفور والحمامة (أصول الشاشي)

کرام لکھتے ہیں "فإذا کان المعنی متعارفا بین الناس کان ذلك المعنی المتعارف دلیلا علی أنه هو المراد به ظاهرا فیترتب علیه الحکم"[1] (پس جب معنی لوگوں کے درمیان متعارف ہو گا تو وہ معنی متعارف اس بات پر دلیل ہو گا کہ بظاہر یہی معنی متعارف اس لفظ سے مراد ہے پس اس معنی پر حکم مرتب ہو گا۔) اور مطلق خطا کی نسبت توہین ہی ہے۔ موصوف نے اس پر توبہ و رجوع کے بجائے اجتہادی کی تاویل کی تا کہ کسی طرح جو سیدہ پاک کو "**خطا پر تھیں**" کہا ہے اسے درست ثابت کیا جا سکے۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خطاء اجتہادی کے موقف کی آڑ میں ایک نیا محاذ کھول دیا اور سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا جو عمومِ قرآن سے استدلال تھا، اسے خطاء اجتہادی بنا کر اس کی تبلیغ و تشہیر شروع کر دی ڈاکٹر صاحب کا یہ قول نہ صرف احناف کے اصول کے خلاف تھا، بلکہ "**اجماع صحابہ**" سے بھی متصادم و متعارض تھا۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے عام قاری کو آگاہ کر تا چلوں کہ اجتہاد ہو تا کب ہے؟

اجتہاد کب ہو تا ہے؟

جب مجتہد کسی مسئلہ کو کتاب اللہ میں تلاش کرے، اس میں نہ ملے پھر سنت رسول میں تلاش کرے، وہاں بھی نہ ملے (یا اجماع میں بھی نہ ہو) تو وہ اپنی رائے سے غور و فکر کر کے یا قیاس کر کے فیصلہ دے دے، اسے اجتہاد کہتے ہیں۔ اجتہاد کے جواز اور جن امور میں جائز ہے، اس کی اصل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

یہ فصل ان چیزوں کے بیان میں جن کے ذریعہ الفاظ کے حقیقی معنی چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ چیزیں جن کے ذریعہ لفظ کی حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے پانچ قسم ہیں؛: ان میں سے ایک عرف کی دلالت ہے۔ اور یہ اس لیے کہ احکام الفاظ سے اس وجہ سے ثابت ہوتے ہیں کہ لفظ متکلم کے معنی مرادی پر دلالت کرتا ہے، پس جب معنی لوگوں کے درمیان متعارف ہو گا، تو وہ معنی متعارف اس بات پر دلیل ہو گا کہ بظاہر یہی معنی متعارف اس لفظ سے مراد ہے۔ لہذا اس معنی پر حکم مرتب ہو گا۔ مثال اگر قسم کھائی کہ سر نہیں خریدے گا تو یہ قسم ان سروں پر محمول ہو گی جن کو لوگ پہچانتے ہیں (گائے، بھینس، بکری و بھیڑ) لہذا چڑیا اور کبوتر کے سر سے حانث نہ ہو گا۔ اسی طرح اگر قسم کھائی کہ انڈا نہیں کھائے گا تو یہ متعارف (مرغی و بطخ کے) انڈوں پر محمول ہو گا، چنانچہ چڑیا اور کبوتر کے انڈے کھانے سے حانث نہیں ہو گا۔

ہر علاقہ کا اپنا عرف ہے اگر کسی دوسرے علاقے سے سر سے مراد چڑیا کبوتر کے سر مراد لیے جاتے ہوں تو اس علاقے میں اس سے یہی مراد ہوں گے۔ اور اس معنی پر حکم مرتب ہو گا۔ ہمارے عرف میں لفظ "خطا"، غلطی، گناہ و معصیت کے معنی میں ہی معروف ہے لہذا مطلق خطا بولنے سے اسی معنی پر حکم مرتب ہو گا جو متعارف ہے الا یہ کہ سیاق و سباق میں اجتہاد کی بحث ہو رہی ہو۔

[1] أصول الشاشي المؤلف: أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي أبو علي (م: 344ھ) الناشر: دار الكتاب العربي بيروت (الطبعة: عام 1402ھ) ص 85

عَنْ أُنَاسٍ مِنْ أَهْلِ حِمْصَ مِنْ أَصْحَابِ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَبْعَثَ مُعَاذًا إِلَى الْيَمَنِ قَالَ "كَيْفَ تَقْضِي إِذَا عَرَضَ لَكَ قَضَاءٌ". قَالَ أَقْضِي بِكِتَابِ اللهِ. قَالَ "فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي كِتَابِ اللهِ". قَالَ فَبِسُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم. قَالَ "فَإِنْ لَمْ تَجِدْ فِي سُنَّةِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم وَلاَ فِي كِتَابِ اللهِ". قَالَ أَجْتَهِدُ رَأْيِي وَلاَ آلُو. فَضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم صَدْرَهُ وَقَالَ "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللهِ.[1]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے بعض اصحاب نے روایت کیا جو اہل حمص میں سے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ارادہ فرمایا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجیں، تو آپ نے پوچھا جب کوئی مقدمہ تمہارے سامنے پیش ہو گا تو فیصلہ کیسے کروگے؟ انہوں نے کہا میں اللہ کی کتاب سے فیصلہ کروں گا۔ آپ نے فرمایا: اگر کتاب اللہ میں نہ ملا تو؟ کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت سے۔ فرمایا: اگر رسول اللہ کی سنت اور کتاب اللہ میں بھی نہ ملا تو؟ کہا کہ اپنی رائے استعمال کرنے میں کمی نہیں کروں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا سینہ تھپکایا اور فرمایا: حمد ہے اس اللہ کی جس نے رسول اللہ کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول خوش کیا۔

یعنی اپنی رائے سے اجتہاد تب درست ہو گا، جب کسی مسئلہ کے بارے میں کتاب اللہ یا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حکم نہ ملے، اور اس جواب پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا: "الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللهِ لِمَا يُرْضِي رَسُولَ اللهِ". اللہ کا شکر ہے جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو (مسئلہ کو صحیح طریقے سے حل کرنے کی) توفیق عطا فرمائی، جس سے اللہ کا رسول راضی کیا۔

اس کو مد نظر رکھتے ہوئے احمد بن محمد بن اسحاق شاشی (م:344ھ) اپنی کتاب "اصول الشاشی" میں لکھتے ہیں:

فصل الواجب على المجتهد: طلب حكم الحادثة من كتاب الله تعالى ثم من سنة رسول الله صلى الله عليه وسلم بصريح النص أو دلالته على ما مر ذكره فانه لا سبيل الى العمل بالرأى مع إمكان العمل بالنص.[2]

---

1 سنن أبي داود (3592) سنن الترمذي (1327)

2 أصول الشاشي المؤلف: أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي أبو علي (؟،344) الناشر: دار الكتاب العربي – بيروت الطبعة: عام 1402ھ) ص 300

مجتہد پر واجب ہے کہ: حادثہ یعنی نو پید مسئلہ کا حکم اولاً کتاب اللہ سے پھر سنت رسول اللہ سے طلب کرے صریح نص سے ہو، یا دلالۃ النص سے اس طریقہ کے مطابق کہ جس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ کیونکہ نص پر عمل ممکن ہونے کی صورت میں رائے (اجتہاد) پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔

لہذا سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کو بھی اجتہاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی اور نہ ہی اس مسئلہ میں (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) ظاہر نص کے قرآن میں نزول کا علم ہونے کے بعد اجتہاد ہو سکتا تھا۔ (اجتہاد تو خفی مشکل مجمل وغیرہ میں ہوتا ہے) آپ رضی اللہ عنہا کا مستدل اجتہاد (رائے) نہیں تھا، بلکہ "يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" میں جو عموم تھا اس سے استدلال تھا، اگر کوئی یہ کہے کہ یہ لفظ قطعی الدلالۃ نہیں، لہذا عموم کے لیے ہونے کا تعین اجتہاد سے ہی تھا۔ اگر بالفرض یہ اجتہادی رائے بھی ہو، تو "أَوْلَادِكُمْ" سے آپ کا یہ استدلال کہ لفظ عموم کے لئے ہے، جو سب کو شامل ہے، تو یہ درست تھا اور اس کے درست ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع بھی تھا۔ لہذا آپ رضی اللہ عنہا کا استدلال صواب بھی ہوا، اور قطعی بھی۔ کیونکہ مجتہد جب اپنی رائے یا قیاس سے حکم اخذ کرے اور اس کا قیاس مع الفارق ہو تو اس کو خطاء اجتہادی کہہ دیتے ہیں لیکن جب استدلال اپنی رائے یا قیاس کے بجائے عموم قرآن سے ہو اور ان الفاظ کا عموم کے لیے ہونے پر صحابہ کرام کا اجماع ہو تو اب اس کو خطاء کہنا ہی خطاء ہے۔

اجتہاد کی تعریف اور ضرورت

امام ابو بکر جصاص حنفی رحمہ اللہ (متوفی 370ھ) اجتہاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اِلاجْتِهَادُ: فَهُوَ بَذْلُ الْمَجْهُودِ فِيمَا يَقْصِدُهُ الْمُجْتَهِدُ وَ يَتَحَرَّاهُ، إِلَّا أَنَّهُ قَدْ اخْتَصَّ فِي الْعُرْفِ بِأَحْكَامِ الْحَوَادِثِ الَّتِي لَيْسَ لِلّٰهِ تَعَالَىٰ عَلَيْهَا دَلِيلٌ قَائِمٌ يُوصِلُ إِلَى الْعِلْمِ بِالْمَطْلُوبِ مِنْهَا، لِأَنَّ مَا كَانَ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ عَلَيْهِ دَلِيلٌ قَائِمٌ، لَا يُسَمَّى الِاسْتِدْلَالُ فِي طَلَبِهِ اجْتِهَادًا۔[1]

اجتہاد: یہ کوشش کرنا ہے جس کا مجتہد قصد کرتا ہے اور غور وفکر کرتا ہے، مگر عرف میں اجتہاد کا یہ معنی خاص کر دیا گیا ہے کہ کسی ایسے نو پید مسئلہ میں غور کرنا جس مسئلہ میں اللہ رب العزت کی طرف سے ایسی دلیل نہ ہو جو علم مقصودی تک پہنچا دے، کیونکہ جس پر اللہ عزوجل کی طرف سے دلیل قائم ہو اس کی طلب میں استدلال کو اجتہاد نہیں کہا جاتا۔

---

[1] الفصول في الأصول المؤلف: أحمد بن علي أبو بكر الرازي الجصاص الحنفي (م:380ھ) الناشر: وزارة الأوقاف الكويتية الطبعة: (الثانية: 1414ھ) ج4 ص11

اجتہاد میں مجتہد کے مصیب و مخطی ہونے میں اختلاف

انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ دیگر مجتہدین کے اجتہاد کے بارے میں ہے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں اجتہاد کرتے ہیں تو کیا اجتہاد میں خطا بھی ہوتی یا نہیں؟ اس بارے میں دو آراء ہیں ایک یہ کہ مجتہد فیہ مسائل میں مجتہد کبھی مصیب ہوتا ہے اور کبھی خطا بھی واقع ہو سکتی ہے۔ اور یہی محققین کا مختار ہے۔ لیکن اس رائے کے ساتھ ایک دوسری رائے بھی ہے جو اجل ائمہ کرام کے ساتھ منسوب ہے کہ مجتہد اپنے اجتہاد میں مصیب ہی ہوتا ہے۔

جیسا کہ علامہ ملا علی قاری شفا کی شرح میں قاضی عیاض مالکی کے کلام کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(الذى هو الحق والصواب عندنا) أى على ما ذهب إليه الأشعرى والباقلانى ومختار أبى يوسف ومحمد وابن شريح بأن كل مجتهد مصيب (ولا على القول الآخر) وهو مذهب الجمهور (بأن الحق فى طرف واحد) وأن مصيبه من المجتهدين فى كل مسألة واحد مكلف بإصابته لقيام إمارة عليه وإشارة إليه فإن أصاب فله أجران وإن أخطأ فله أجر واحد ولا إثم عليه بخلاف اجتهاد النبى فإن الصواب عدم خطائه فى هذا الباب (لعصمة نبى صلى الله تعالى عليه وسلم من الخطأ فى الاجتهاد فى الشرعيات) وأما القول بأنه قد يخطئ وينبه عليه فمما لا يلتفت إليه.[1]

ہمارے نزدیک حق اور صحیح قول جیسا کہ امام اشعری، باقلانی اور امام ابو یوسف، امام محمد، ابن شریح کا مختار قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔ (نہ دوسرے قول پر) جو کہ جمہور کا مذہب ہے (کہ حق ایک طرف ہو گا) ہر مسئلہ میں مجتہدین میں سے مصیب ایک ہو گا جو کہ اصابت کا مکلف ہو گا کیونکہ اس پر امارت کا قیام ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے اگر وہ درست ہوتا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر خطا کرتا ہے تو ایک اجر ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں ہے بر خلاف نبی کے اجتہاد کے کیونکہ ان کے بارے صواب رائے یہ کہ وہ اس باب یعنی اجتہاد میں خطا نہیں کرتے۔ (لہذا انبیاء علیہم السلام اپنے اجتہاد میں مصیب ہی ہوتے ہیں) (شرعی مسائل میں اجتہاد میں خطا سے عصمت کی وجہ سے) اور رہا یہ قول کہ وہ کبھی خطا کر دیتے ہیں لیکن اس پر آگاہ کر دیا جاتا ہے اس کی طرف التفات ہی نہیں کیا جائے گا۔

---

[1] شرح الشفا المؤلف: علي بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدين الملا الهروي القاري (المتوفى: 1014هـ) الناشر: دار الكتب العلمية – بيروت ج 4 ص 59

علامہ قاضی شہاب الدین احمد الخفاجی (م:1169ھ) نسیم الریاض میں اس عبارت کی تشریح میں لکھتے ہیں:

(عندنا) وهو أحد قولين، ورجحه المصنف والاشعرية، فالضمير راجع للاشعرية.[1]

(ہمارے نزدیک) دو اقوال میں سے ایک (ہر مجتہد مصیب) کا قول ہے مصنف اور اشاعرہ نے اسے ترجیح دی ہے اور ضمیر (عندنا کی) اشاعرہ کی طرف راجع ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد میں مصیب ہونے کی رائے صواب و حق تو ہے ہی بعض کے نزدیک تو مجتہدین کرام کے بارے میں بھی یہ رائے ہے کہ وہ خطا نہیں کرتے ان کا اجتہاد صواب ہی ہوتا ہے۔

یہی نظریہ قاضی محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی المعافری الاشبیلی المالکی (م:543ھ) کا ہے آپ محصول میں اجتہاد کی بحث میں لکھتے ہیں:

الفصل الثالث فى تصويب المجتهدين:

وقد اختلف الناس فيه اختلافا متباينا عمدته أن قوما قالوا إن كل مجتهد فى الفروع مصيب وهو قول العلماء ومنهم من قال الحق فى قول بعضهم وإليه يميل الضعفاء بجهلهم بالطريقة والصحيح كل مجتهد مصيب.

واحتج من قال الحق فى قول أحدهما بأن النازلة إذا وقعت وقال أحد المجتهدين هى حلال وقال الآخر هى حرام فلا يجوز أن يكونا مصيبين لأن ذلك يؤدى إلى محال وهو اجتماع التحليل والتحريم فى عين واحدة.

مجتہدین کی تصویب میں تیسری فصل:

لوگ اس میں کافی اختلاف رکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے: ایک قوم کے نزدیک مسائل فرعیہ میں ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، یہ بھی علماء کا قول ہے ایک قوم کے نزدیک (ہر مجتہد مصیب نہیں ہوتا بلکہ) حق بعض کا قول ہوتا ہے۔ یہ قول ان ضعفاء کا ہے جنہیں طریقہ (اجتہاد) کا علم نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔

جنہوں نے کہا کہ حق دو میں سے کسی ایک کا قول ہوتا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی معین حادثہ میں ایک مجتہد کہے کہ یہ حلال ہے اور دوسرا کہے کہ حرام ہے تو اس وقت دونوں کو مصیب کہنا جائز نہیں کیونکہ اس سے محال لازم ہوگا۔ اور وہ ایک عین میں تحلیل و تحریم کا اجتماع ہے۔

---

[1] نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين (م:1169ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج 5 ص 222

والجواب عنها أن نقول: الدليل فى المسألة ما قدمناه فى أول الكتاب أن التحليل والتحريم ليسا بصفات للمحللات ولا للمحرمات وإنما هى عبارات عن قول الشارع فيما شرع وعن قول المفتى فيما أفتى وذلك كالنبوة ليست بصفة ذاتية للنبى وإنما هى عبارة عن مكاشفته بالوحى فإذا أدى الناظر النظر إلى تحليل عين لم يتعلق بالعين من ذلك وصف وهو مطلوب بالعمل باجتهاده وبما أدى إليه نظره.

وإن نظر آخر فأداه نظره إلى التحريم عمل أيضا على مقتضى اجتهاده ولم يتعلق بالعين من قوله شيء.[1]

اس کا جواب یہ ہے کہ کتاب کے شروع میں ہم نے کہا کہ تحلیل وتحریم محرمات ومحللات کی صفات نہیں بلکہ یہ شارع کے قول سے عبارت ہے جو اس نے مشروع فرمائی ہے، اسی طرح (یہ تحلیل وتحریم) مفتی جو فتویٰ دیتا ہے اس کے قول سے عبارت ہے۔ جس طرح نبوت نبی کی صفت ذاتیہ نہیں بلکہ وحی کی وجہ سے جو مکاشفہ انہیں ہوتا ہے (نبوت) اس کا نام ہے۔ اگر کسی مجتہد کا اجتہاد اسے کسی عین کی تحلیل کی طرف لے جاتا ہے تو اس عین کے ساتھ اس اجتہاد کی وجہ سے کوئی وصف (معین) متعلق نہ ہوگا۔ اور اس سے مطالبہ اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کا ہے۔ جس کی طرف اس کی نظر نے اسے پہنچایا ہے۔

اور اگر کوئی نظر (اجتہاد) کرے، اور اس کا اجتہاد اسے اس عین کی تحریم کی طرف لے جائے تو اس کے اجتہاد کے مطابق عمل کا مطالبہ ہوگا۔ اس کے قول سے کوئی (وصف) عین کے ساتھ متعلق نہ ہوگا۔

امام موفق الدین ابن قدامہ حنبلی قاضی عبید اللہ بن الحسن بن الحصین اَبی الحر العَنبری (م:168ھ) کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقال عبيد الله بن الحسن العنبرى كل مجتهد مصيب فى الأصول والفروع جميعا.[2]

عبید اللہ بن الحسن العنبری فرماتے ہیں کہ ہر مجتہد اصول اور فروع میں مصیب ہوتا ہے۔

---

[1] المحصول في أصول الفقه المؤلف: القاضي محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربي المعافري الاشبيلي المالكي (المتوفى: 543هـ) المحقق: حسين علي اليدري = سعيد فودة الناشر: دار البيارق – عمان الطبعة: (الأولى، 1420هـ) ج1ص153

[2] روضة الناظر وجنة المناظر عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسي أبو محمد سنة الولادة 541/ سنة الوفاة 620 تحقيق د. عبد العزيز عبد الرحمن السعيد الناشر جامعة الإمام محمد بن سعود سنة النشر 1399 مكان النشر الرياض ج1ص362

امام بزدوی امام اعظم کے حوالے سے بھی نقل فرماتے ہیں:

وقال بعضهم بل هو مصيب في ابتداء اجتهاده لكنه مخطئ انتهاء فيا طلبه وهذا القول الآخر هو المختار عندنا وقد روى ذلك عن أبي حنيفة رحمه الله انه قال كل مجتهد مصيب والحق عند الله تعالى واحد.[1]

اور بعض کہتے ہیں کہ ابتداء اجتہاد میں تو مصیب ہوتا ہے لیکن اپنی طلب کے انتہاء میں خطا کر جاتا ہے۔ اور یہ آخری قول ہمارا مختار ہے۔ یہ قول امام صاحب سے بھی منقول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں حق ایک ہی ہوتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ تفتازانی (المتوفی: 793ھ) لکھتے ہیں:

وعند البعض مصيب ابتداء مخطئ انتهاء وهذا ما قال أبو حنيفة رحمه الله تعالى كل مجتهد مصيب والحق عند الله واحد.[2]

بعض کے نزدیک مجتہد ابتداء مصیب اور انتہاء مخطی ہوتا ہے، یہی امام صاحب کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور عند اللہ حق ایک ہے۔

علامہ عبد العزیز بخاری (المتوفی:730ھ) لکھتے ہیں:

وما روى عن أبي حنيفة رحمه الله أنه قال كل مجتهد مصيب أراد به في حق العمل أي يجوز له العمل بما أدى إليه اجتهاده ويؤجر عليه، وإن كان خطأ عند الله تعالى أو أراد أن كل مجتهد مصيب في المقدمات ولكنه يقع في الخطإ بعد ذلك إن أصاب الحق غيره.[3]

امام صاحب سے جو یہ روایت کی گئی ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اس سے آپ کی مراد عمل کے حق میں یعنی اس کا مطلب یہ کہ اس اجتہاد کے مطابق اس پر عمل کرنا جائز ہے اور اسے اجر

---

[1] أصول البزدوي، كنز الوصول الى معرفة الأصول المؤلف: علي بن محمد البزدوي الحنفيى الناشر: مطبعة جاو يد بر يس – كراتشي ج1 ص278

[2] شرح التلو يح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني الشافعي (المتوفى: 793هـ) المحقق: زكر يا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت –لبنان الطبعة: (الطبعة الأولى 1416هـ) ج2ص 251

[3] كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي المؤلف: عبد العز يز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري (المتوفى: 730هـ) المحقق: عبد الله محمود محمد عمر الناشر: دار الكتب العلمية،بيروت الطبعة: الطبعة الأولى 1418هـ/1997م ج1ص71

بھی ملے گا اگرچہ وہ عند اللہ خطا ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہر مجتہد ابتدائی مقدمات میں مصیب ہوتا ہے لیکن اس کے بعد اس سے خطا ہو جاتی ہے، اگر حق کسی غیر کے حصہ میں آئے۔

اب اگر کوئی بضعۂ رسول کو خطاء اجتہادی سے محفوظ کہتا ہے تو کیا یہ رافضیت ہے؟ تو پھر کیا اشاعرہ اور صاحبین کو بھی رافضی کہیں گے، قاضی عیاض مالکی کو بھی رافضی کہیں گے؟ یہ تو عام مجتہدین کے اجتہاد کو بھی مسائل اجتہاد میں خطا پر نہیں کہتے بلکہ مصیب ہی کہتے ہیں حضرت داتا علی ہجویری کشف المحجوب میں حضرت امام اعظم امام ابو حنیفہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان سے اجتہاد میں خطا نہیں ہو سکتی:

> از اوصاف طبع فانی بودند، وبہ احکام شرع باقی، وبدان قایم۔ چنان کہ برندہء پیغمبر بود۔ ﷺ۔ اگر او خود رفتی، باقی الصفۃ بودی۔ وباقی الصفۃ یا مخطی بود یا مصیب۔ چوں برندہء وی پیغمبر بود۔ ﷺ۔ فانی الصفۃ باشد بہ بقای صفت پیغبر۔ ﷺ۔ وچون بر پیغمبر۔ ﷺ۔ خطا صورت نگیرد، بر آن کہ بدو قایم بود نیز صورت نگیرد۔ وایں رمزی لطیف است۔[1]
>
> حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں پاک ہستیوں میں سے تھے جو اوصاف طبع سے فانی اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ اس لیے ان کے چلانے والے حضور سید یوم النشور ﷺ ہیں۔ اگر آپ خود چلتے تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے (یعنی ارادہ صواب کرے مگر بلا ارادہ خطا ظاہر ہو جائے) یا مصیب ہوتا ہے (یعنی حقیقت معاملہ کو اچھی طرح پہنچنے والا)۔ اور جب ان کے قائد خود حضور ﷺ ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور نبی کی صفت بقا سے قائم ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر سے صدور خطا ناممکن ہے جو اس ذات کے ساتھ قائم ہے اس سے بھی خطا نہیں ہو سکتی۔ یہ در حقیقت ایک نہایت لطیف رمز ہے۔[2]

کیا اب داتا صاحب کے بارے میں بھی وہی فتویٰ دیں گے؟ جو سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا مقام تو بہت بلند ہے ان سے بہت نچلے درجہ کی شخصیت ہمارے عظیم امام ابو حنیفہ کے بارے میں لکھ رہے ہیں کہ ان سے خطا اجتہادی نہیں ہو سکتی۔ ان کی نظر میں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا مقام و مرتبہ کیا ہو گا؟ لہذا کسی مسئلہ میں خطا پر اسی وقت کہا جا سکتا ہے جب دلیل موجود ہو۔

---

1 کشف المحجوب المولف ابو الحسن علی بن عثمان جلابی هجو یری غزنونی (م درمیان481 تا 500) مطبوعه انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ص129

2 کلام المرغوب ترجمه کشف المحجوب مترجم علامه ابو الحسنات سید محمد احمد قادری مطبوعه ضیاء القرآن پبلی کیشنز ص216

کیا قرآن کے عموم پر عمل "اجتہاد" ہوتا ہے؟

کیا عموم سے استدلال مجتہد کے ساتھ خاص ہے کہ اسے اجتہاد کہا جائے؟

سیدی اعلحضرت لکھتے ہیں: اطلاق و عموم سے استدلال نہ کوئی قیاس ہے نہ مجتہد سے خاص۔[1] لہذا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا تو قرآن کے ظاہر سے عموم کا معنی لے رہی تھیں، جس میں اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ اجتہاد کی تو وہاں ضرورت ہوتی ہے جہاں معنی میں کسی قسم کا خفا ہو یا لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے مشترک ہو یا اس کے اپنے معنی موضوع لہ یا غیر موضوع لہ میں استعمال ہونے میں اختلاف ہو (کہ وہاں اس کا حقیقی معنی مراد ہے یا مجازی) وغیرہ۔ آیت مبارکہ میں "اولادکم" اپنے معنی کے لحاظ سے ظاہر ہے جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ اہل لغت کے نزدیک جمع کی جب معرفہ کی طرف اضافت ہو تو عموم کا فائدہ دیتی ہے اور یہاں لفظ "أولاد" کی اضافت "کم" (معرفہ) ضمیر مجرور متصل موضوع برائے جمع مذکر کی طرف کی گئی ہے لہذا یہ عموم کے لیے ہی ہے۔

کیا سیدہ پاک کا مستدل عموم کا فائدہ دیتا ہے؟

الشیخ الامام ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن الکَلْوَذَانی الحنبلی (المتوفی: 510ھ) اپنی کتاب التمهيد في أصول الفقه میں عموم کی بحث میں لکھتے ہیں:

> قوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} (فإنه) يدخل فيه أيضاً لأن خطاب الله تعالى يتناول كل مكلف إلا من خصه الدليل.[2]
>
> اللہ تعالیٰ کا فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} پس وہ بھی اس میں داخل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خطاب ہر مکلف کو شامل ہے سوائے اس کے کہ جس کی دلیل کے ساتھ تخصیص ہو گئی ہو۔

امام ابو زکریا یحییٰ بن موسی الرھونی المالکی (م: 773ھ) لکھتے ہیں:

> **قوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم} يقتضي الميراث للولد عموما، وقد خص بقوله عليه السلام: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث"**[3]

---

[1] فتاوی رضویہ ج7ص496

[2] التمهيد في أصول الفقه المؤلف: محفوظ بن أحمد بن الحسن أَبُو الخطاب الكَلْوَذَاني الحنبلي (المتوفى: 510ھ) الناشر: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى (الطبعة: الأولى، 1406ھ) ج1 ص 271

[3] تحفة المسؤول في شرح مختصر منتهى السول المؤلف: أبو زكر يا يحيى بن موسى الرهوني (م: ۷۷۳ھ) المحقق: جـ ۱، ۲ (الدكتور الهادي بن الحسين شبيلي)، جـ ۳، ۴ (يوسف الأخضر القيم) الناشر: دار البحوث للدراسات الإسلامية وإحياء التراث، دبي، الإمارات (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ) ج 3 ص 235

اللہ تعالیٰ کا فرمان (یوصیکم اللہ فی أولادکم) اولاد کی میراث کے لیے عموم کا تقاضا کرتا ہے۔ اور تحقیق اس کی تخصیص آپ ﷺ کے فرمان "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" سے کی گئی ہے۔

اور اسی طرح امام ابو عبد اللہ الحسین بن علی بن طلحہ الرجراجی الشوشاوی المالکی (م:899ھ) لکھتے ہیں:

"أن قوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم}، يقتضي توريث جميع الأولاد"، [1]

بے شک اللہ تعالیٰ کا فرمان {یوصیکم اللہ فی أولادکم}، تمام اولاد کی وراثت کا متقاضی ہے۔

بلکہ امام احمد بن حنبل کے حوالے سے علامہ احمد بن عبد اللہ بن احمد البعلی الحنبلی (المتوفی:1189ھ) لکھتے ہیں:

(وعموم الأشخاص يستلزم: عموم الأحوال، والأزمنة، والبقاع، والمتعلقات) عند الأكثر، قال الإمام أحمد في قوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم} ظاهرها على العموم أن من وقع عليه اسم "ولد" فله ما فرض الله تعالى، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم هو المعبر عن الكتاب، أن الآية إنما قصدت للمسلم لا للكافر. [2]

اکثر کے نزدیک (شخصیات کا عموم احوال، زمان و مکان اور متعلقات کے عموم کو مستلزم ہے)۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قول: {یوصیکم اللہ فی أولادکم} اپنے عموم پر ظاہر ہے کہ جس پر بھی اس کی اولاد ہونا واقع ہوتا ہے تو اس کے لیے وہ حصہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ ہی کتاب اللہ کا بیان کرنے والے تھے کہ آیت میں مسلمان مراد ہیں کافر نہیں۔

---

1 رفع النقاب عن تنقيح الشهاب المؤلف: أبو عبد الله الحسين بن علي بن طلحة الرجراجي الشوشاوي المالكي (م:۸۹۹ھ) المحقق: جـ ۱، ۲، ۳ (د أحمد بن محمد السراح)، جـ ۴، ۵، ۶ (د عبد الرحمن بن عبد الله الجبرين) أصل التحقيق: رسالتا ماجستير في أصول الفقه، كلية الشريعة، بالرياض الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۵ھ). ج 5 ص 303

2 الذخر الحرير بشرح مختصر التحرير المؤلف: أحمد بن عبد الله بن أحمد البعلي الحنبلي (م:۱۱۸۹ھ) المحقق: وائل محمد بكر زهران الشنشوري تقديم: أحمد منصور آل سبالك الناشر: (المكتبة العمرية، دار الذخائر)، القاهرة، مصر (الطبعة: الأولى، ۱۴۴۱ھ). ص 464

لہذا اس سے عمومی طور پر اولاد کی وراثت کا مفہوم لینا، بغیر کسی شخصی، زمانی قید کے، نہ عربی لغت کے منافی تھا اور نہ ہی شرعی قواعد کے، اسی لیے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے اس سے وہی مفہوم لیا جو کہ ظاہر تھا اس کے حوالے سے **امام شمس الدین محمد بن عبد الدائم البِرماوی** (م: 831ھ) لکھتے ہیں:

وفهمت فاطمة رضي الله عنها من قوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم} [النساء: ١١] أن الولد وارث، وهي ولد واحد، حتى أجابها الصديق رضي الله عنه بقوله عليه السلام: ''إنا معاشر الأنبياء لا نورث''[1]

اللہ تعالیٰ کے فرمان سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہی سمجھیں کہ اولاد وارث ہے اور وہ اکیلی اولاد ہیں یہاں تک کہ حضرت ابو بکر الصدیق نے فرمان رسول ''إنا معاشر الأنبياء لا نورث'' سے آپ کو جواب دیا۔

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے جو فدک کے بارے میں سوال کیا اس میں آپ کا متدل عموم قرآن تھا، یعنی (يُوصِيكُم اللهُ فِي اولادكم) میں حکم عام تھا جو آپ رضی اللہ عنہا کو بھی شامل تھا۔ اب قرآن پاک کے عموم سے استدلال کرنا درست وصواب ہے یا خطا ہے یا خطاء اجتہادی ہے؟ علماء سے مخفی نہیں کہ احناف وشوافع کا ایسے الفاظ کا عموم کے لیے ہونے پر اتفاق ہے ہاں اس میں اختلاف ہے کہ عام غیر مخصوص البعض کی دلالت قطعی ہے یا ظنی، احناف کے نزدیک قطعی ہے اور شوافع کے نزدیک ظنی، لیکن ان کے نزدیک بھی واجب العمل ہے۔

جب سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے اس سے استدلال کیا اس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت تو باقی نہیں کیونکہ آپ سے زیادہ علم یا دین کی فہم و معرفت فقہاء اربعہ یا بعد کے اصول فقہ کی کتب تحریر کرنے والوں کی نہیں ہے، بلکہ سیدہ پاک کے استدلال و استنباط کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہاء کرام مختلف مسائل میں اپنی رائے کے درست ہونے کے لیے آپ رضی اللہ عنہا کے عمل کو بطور دلیل پیش کرتے رہے ہیں، کہ ہمارے موقف کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس سے یہ معنی بضعۂ رسول سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے لیا ہے، یا آپ رضی اللہ عنہا کا اس سے یہ استدلال تھا۔ جس کی مثالیں آگے بیان ہوں گی۔

[1] الفوائد السنية في شرح الألفية المؤلف: البرماوي شمس الدين محمد بن عبد الدائم (م: ٨٣١هـ) المحقق: عبد الله رمضان موسى الناشر: مكتبة التوعية الإسلامية للتحقيق والنشر والبحث العلمي، الجيزة، مصر [طبعة خاصة بمكتبة دار النصيحة، المدينة النبوية، السعودية] الطبعة: (الأولى، ١٤٣٦هـ) ج 3 ص 352 (ص 1352)

اس نظم کے الفاظ عموم کے لیے ہی ہوتے ہیں یہی رائے درست وصواب ہے، جید فقہاء کا یہی مختار ہے اس پر ائمہ احناف کی تصریحات پیش خدمت ہیں:

فقہاء احناف کی تصریحات:

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا استدلال "اولادکم" سے تھا، جو کہ عموم کے لئے ہے کیونکہ جمع کی اضافت جب معرفہ کی طرف ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتی ہے اس پر تصریحات موجود ہیں۔

ا۔ شمس الائمہ السرخسی الحنفی کے نزدیک جمع معرف بالاضافت بھی عموم کے لئے ہے

شمس الائمہ ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی الحنفی (م:490ھ) لکھتے ہیں:

والدليل لعامة الفقهاء على أن العام موجب العمل بعمومه............. فقد ظهر الاستدلال بالعموم عن رسول الله (صلى الله عليه وسلم) وعن الصحابة رضى الله عنهم على وجه لا يمكن إنكاره، فإن النبى عليه السلام حين دعا أبى بن كعب رضى الله عنه وهو فى الصلاة فلم يجبه بين له خطأه فيما صنع بالاستدلال بقوله تعالى: ﴿يأيها الذين آمنوا استجيبوا لله وللرسول﴾ وهذا عام، فلو كان موجبه التوقف على ما زعموا لم يكن لاستدلاله عليه به معنى،..........والمتكلم باللفظ العام بمعنى العام له مراد فى العموم لا يحصل ذلك باللفظ الخاص ولا يتيسر عليه التنصيص على كل فرد بما هو مراد باللفظ العام، فلا بد من أن يكون لمراده لفظ موضوع لغة وذلك صيغة العموم، فإن من أراد عتق جميع عبيده فإنما يتمكن من تحصيل هذا المقصود بقوله عبيدى أحرار، وهذا لفظ عام،[1]

عام فقہاء کی دلیل یہ ہے کہ عام کے عموم پر عمل واجب ہے۔۔۔ تحقیق رسول اللہ ﷺ سے اور آپ ﷺ کے صحابہ سے اس کے عموم پر استدلال ظاہر ہے جس کا انکار ناممکن ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے جب ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور وہ نماز پڑھ رہے تھے تو انہوں نے جواب نہ دیا، تو شارع علیہ السلام نے ان کے کام کو خطا بیان کیا۔ رب تعالیٰ کے فرمان ﴿يأيها الذين آمنوا

[1] أصول السرخسي المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي أبو بكر(م 490هـ)تحقيق: أبو الوفا الأفغاني الطبعة: الأولى سنة الطبع: 1414 = 1993 م المطبعة: الناشر: دار الكتب العلمية = بيروت – لبنان الطبعة: (الأولى 1414هـ) ج1.ص 135

استجیبوا اللہ وللرسول) سے استدلال فرماتے ہوئے اور یہ حکم عام ہے۔ اگر اس کا موجب توقف ہوتا جیسا کہ بعض نے گمان کیا ہے تو آپ ﷺ کے اس استدلال کا کوئی معنی نہ ہوتا۔۔۔۔ کوئی متکلم جب لفظ عام سے عموم کے لیے معنی عام مراد لیتا ہے تو ایسا معنی ایک لفظ خاص سے حاصل نہیں ہوتا اور ہر اس فرد پر الگ الگ نص قائم کرنا بھی آسان نہیں کہ جو جو اس لفظ عام سے مراد ہیں۔ پس اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کی (عمومی) مراد کے لیے لغوی طور پر کوئی لفظ وضع ہو، تو اس کے لیے صیغہ عموم وضع کیا گیا ہے۔ کیونکہ جو شخص اپنے تمام غلاموں کی آزادی کا ارادہ رکھتا ہو تو وہ اپنے اس مقصود کو اس قول (عبیدی أحرار) سے حاصل کر سکتا ہے کہ یہ ایک لفظ عام ہے۔

عبیدی میں "عبید" جمع ہے جس کی اضافت "یا" ضمیر معرفہ متکلم کی طرف ہے جو کہ عموم پر دلالت کرتی ہے، اسی طرح لفظ "اولاد" کی اضافت ضمیر مجرور متصل کی طرف ہے، ضمائر معرفہ کی اقسام میں سے ہیں تو یہاں جمع کی اضافت معرفہ کی طرف ہوئی جو کہ عموم کا فائدہ دے گی۔ آگے جا کر لکھتے ہیں:

فصل: فی بیان ألفاظ العموم ألفاظ العموم قسمان: عام بصیغته ومعناه، وقسم فرد بصیغته عام بمعناه. فأما ما هو عام بصیغته ومعناه فكل لفظ هو للجمع نحو الرجال والنساء والمسلمین والمشركین والمنافقین فإنها عام صیغة، لان واضع اللغة وضع هذه الصیغة للجماعة قال رجل و رجلان و رجال وامرأة وامرأتان ونساء، وهو عام بمعناه، لانه شامل لكل ما تناوله عند الاطلاق، فأدنى ما یطلق علیه هذا اللفظ الثلاثة، لان أدنى الجمع الصحیح ثلاثة، نص علیه محمد رحمه الله فی السیر الكبیر فی الانفال وغیرها،[1]

الفاظ عموم دو قسم پر ہیں: ایک صیغہ اور معنی کے لحاظ سے عام ہو، دوسری قسم صیغہ کے اعتبار سے فرد ہو معنی کے اعتبار سے عام ہو۔ جو الفاظ صیغہ و معنی دونوں کے اعتبار سے عام ہوں: ہر وہ لفظ جو جمع کے لیے مثلاً الرجال، النساء، المسلمین، المشرکین، المنافقین یہ عام ہیں صیغہ کے اعتبار سے کیونکہ واضع اللغۃ نے ان الفاظ کو جماعت کے لیے وضع کیا ہے۔ واضع لغت نے کہا: رجل، رجلان، رجال، امرأۃ، امرأتان، نساء اور یہ معنی کے لحاظ سے بھی عام ہیں کیونکہ یہ اطلاق کے

[1] أصول السرخسي المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي سهل السرخسي أبو بكر (م:490هـ) تحقيق: الناشر: دار المعرفة، بيروت، لبنان. ج1ص151

وقت جن پر سچے آتے ہیں ان سب کو شامل ہے۔ پس کم از کم جس پر یہ لفظ سچا آتا ہے تین ہوں گے۔ امام محمد نے اس پر السیر الکبیر میں صراحت کی ہے کہ کم از کم جمع میں تین فرد ہونگے۔

"اولاد" کا لفظ بھی صیغہ و معنی دونوں کے اعتبار سے عام ہے۔

شمس الائمہ السرخسی کے علاوہ احناف کے اصولوں کی وضاحت کرنے میں ایک دوسرا بڑا نام فخر االاسلام بزدوی کا ہے۔

۲۔ فخر الإسلام امام ابی الحسن علی بن محمد بن الحسین البزدوی

فخر الإسلام امام ابی الحسن علی بن محمد بن الحسین البزدوی (م482ھ) جمع کے الفاظ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ یہ بھی عموم کا فائدہ دیتے ہیں اور مختلف مثالیں بیان فرماتے ہیں اور آپ بھی جمع مضاف الی المعرفہ کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وقال اصحابنا رحمهم الله فيمن قال لعبده من شاء من عبيدى العتق فهوحر فشاؤا جميعا عتقوا.[1]

ہمارے اصحاب رحمۃ اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ جس نے اپنے غلاموں کے لیے کہا کہ میرے غلاموں میں سے جو آزادی چاہتا ہے تو وہ آزاد ہے، تو سب نے آزادی چاہی تو سارے ہی آزاد ہو جائیں گے۔

۳۔ صدر الشریعۃ قاضی عبید اللہ ابن مسعود الحنفی

اس حوالے سے توضیح و تلویح میں صدر الشریعۃ قاضی عبید اللہ ابن مسعود المحبوبی البخاری الحنفی (م:747ھ) عموم کی دلالت کے درست ہونے کے حوالے سے نہ صرف تفصیل سے بحث کرتے ہیں بلکہ معترضین کو جواب بھی دیتے ہیں آپ لکھتے ہیں:

لأن اللفظ متى وضع لمعنى كان ذلك المعنى لازما له إلا أن تدل القرينة على خلافه، ولو جاز إرادة البعض بلا قرينة يرتفع الأمان عن اللغة والشرع بالكلية؛ لأن خطابات الشرع عامة

[1] أصول البزدوي، كنز الوصول الى معرفة الأصول المؤلف: علي بن محمد البزدوي الحنفيى الناشر: مطبعة جاويد بريس – كراتشي ج1 ص 67

والاحتمال الغير الناشئ عن دليل لا يعتبر، فاحتمال الخصوص هنا كاحتمال المجاز في الخاص فالتأكيد يجعله محكما" هذا جواب عما قاله الواقفية أنه مؤكد بكل أو أجمع وأيضا جواب عما قاله الشافعي رحمه الله أنه يحتمل التخصيص، فنقول نحن لا ندعي أن العام لا احتمال فيه أصلا، فاحتمال التخصيص فيه كاحتمال المجاز في الخاص، فإذا أكد يصير محكما أي: لا يبقى فيه احتمال أصلا لا ناشئ عن دليل ولا غير ناشئ عن دليل،[1]

اس لیے کہ لفظ جب ایک معنی کے لیے وضع کیا جائے گا تو وہ معنی اس لفظ کے لیے لازم (غیر منفک) ہو جاتا ہے (عموم بھی ایک ایسا معنی ہے کہ لفظ عام اس کے لیے وضع کیا گیا ہے) البتہ اگر کوئی قرینہ اس معنی کے خلاف پر دلالت کرے تو پھر اس وقت وہ معنی لفظ سے مراد نہیں ہوتا۔ اور اگر بغیر کسی قرینہ کے عام سے اس کے بعض افراد کا مراد لینا جائز ہو جائے تو پھر لغت اور شرع سے بالکلیہ امان اٹھ جائیگی اس لیے کہ خطاباتِ شرع عام ہیں اور احتمال غیر ناشی عن دلیل کا اعتبار نہیں ہوتا۔ تو احتمال خصوص عام میں ایسا ہے جیسا کہ مجاز کا احتمال خاص میں ہوتا۔ پس "کل" اور "اجمع" کے ساتھ تاکید عام کے معنی کو محکم کرنے کے لیے ہے۔ یہ واقفیہ کی دلیل کا جواب ہے جو انھوں نے کہا تھا کہ چونکہ عام کی تاکید "کل" اور "اجمع" کے ساتھ آتی ہے (اس لیے جب تک "کل" اور "اجمع" کے ساتھ اس کے عموم کو موکد نہیں کیا جائیگا تو اس میں توقف کریں گے) اور اس طرح یہ امام شافعی کی دلیل کا بھی جواب ہے جو انہوں نے کہا کہ عام چونکہ تخصیص کا احتمال رکھتا ہے (اس لیے قطعیت اور یقین کا فائدہ نہیں دے گا) تو ہم ان کے جواب میں کہتے ہیں کہ ہم نے اس کا دعوی نہیں کیا کہ عام میں کوئی احتمال بھی نہیں (البتہ ہم نے یہ کہا ہے کہ عام میں احتمال ناشی عن دلیل نہیں ہے اور قطعیت کا فائدہ دینے میں صرف یہی احتمال ناشی عن دلیل مضر ہوتا ہے) تو احتمال خصوص عام میں ایسا ہے جیسا کہ خاص میں احتمال مجاز ہوتا ہے، لہذا جب اس عام کو "کل" اور "اجمع" کے ساتھ مؤکد کیا جائے تو پھر کوئی احتمال باقی نہیں رہتا، "نہ ناشی عن دلیل" اور "نہ غیر ناشی عن دلیل"۔

---

[1] شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني (المتوفى: 793هـ) المحقق: زكريا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: الطبعة الأولى 1416هـ) ج1ص 67

آپ رحمۃ اللہ علیہ عموم پر دلالت کرنے والے الفاظ کے ضمن میں لکھتے ہیں:

والجمع المعرف بغیر اللام نحو عبیدی احرار عام أیضا [1]

اور وہ جمع جو معرف باللام نہ ہو جیسے میرے عبید (غلام) آزاد ہیں یہ بھی عام ہے۔ (جمع معرف بالاضافہ ہے یعنی جمع مضاف الی المعرفہ عموم کا فائدہ دیتی ہے، اولادکم میں بھی جمع مضاف الی معرفہ ہے)

مذکورہ بالا عبارت میں اعتراض یہ ہے کہ عام میں احتمال تخصیص شائع ہے اس لئے کہ وہ اس میں شبہ پیدا کرے گی تو مصنف نے ولا نسلم کے ساتھ اس اعتراض کا جواب دیا، فرمایا کہ ہم تسلیم نہیں کرتے کہ وہ تخصیص جو شبہ پیدا کرتی ہے وہ عام میں بغیر کسی قرینہ کے شائع ہے اس لیے کہ مخصص جب عقل یا اس کی مثل حس وغیرہ ہو تو ایسا مخصص استثناء کے حکم میں ہوتا ہے۔ (اور استثناء جتنے افراد کو نکالتی ہے ان کو نکالتی ہے لیکن باقی میں شبہ پیدا نہیں کرتی) اس لیے کہ عقل جن افراد کے عام میں داخل نہ ہونے کو واجب کریگی تو صرف وہ ہی داخل نہیں ہونگے ان کے علاوہ باقی تمام افراد عام کے نیچے داخل ہوں گے۔ ''اولادکم'' میں بھی جمع معرف بالاضافہ ہے لہذا اس سے عموم پر استدلال درست ہو گا۔

امام قاضی عبید اللہ ابن مسعود کے نزدیک اگر مخصص متصل نہ تو وہ مخصص ہونے کے بجائے ناسخ ہوتا ہے آپ لکھتے ہیں:

وإن كان المخصص هو الكلام، فإن كان متراخيا لا نسلم أنه مخصص، بل هو ناسخ. بقي الكلام في المخصص الذي لا يكون موصولا وقليل ما هو. [2]

اور اگر مخصص کلام ہو تو وہ اگر متراخی ہو پھر ہم تسلیم ہی نہیں کرتے کہ وہ مخصص ہے بلکہ وہ تو ناسخ ہے لہذا صرف مخصصِ کلامی جو موصول نہ ہو وہ باقی تھا لیکن وہ بہت ہی قلیل اور نادر ہے (اور نادر کالمعدوم ہوتا ہے لہذا اس کا اعتبار نہیں ہو گا)

---

1 شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني (المتوفى: 793ھ) المحقق: زكريا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: الطبعة الأولى 1416ھ) ج1ص96

2 شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني (المتوفى: 793ھ) المحقق: زكريا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: الطبعة الأولى 1416ھ) ج1ص69

۴۔علامہ سعد الدین تفتازانی

سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی (المتوفی: 793ھ) عام کے ثبوت کے حوالے سے ائمہ کے اقوال نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”فصل“ حكم العام عند عامة الأشاعرة التوقف حتى يقوم دليل عموم، أو خصوص، وعند البلخي والجبائي الجزم بالخصوص كالواحد في الجنس والثلاثة في الجمع، والتوقف فيما فوق ذلك وعند جمهور العلماء إثبات الحكم في جميع ما يتناوله من الأفراد قطعا ويقينا عند مشايخ العراق وعامة المتأخرين، وظنا عند جمهور الفقهاء والمتكلمين، وهو مذهب الشافعي والمختار عند مشايخ سمرقند حتى يفيد وجوب العمل دون الاعتقاد،[1]

عام کا حکم اشاعرہ کے نزدیک توقف ہے جب تک عموم یا خصوص کی دلیل قائم نہ ہو۔ بلخی اور جبائی کے نزدیک (اقل افراد میں) یقینی مراد ہونا ہے خاص طور پر جیسا کہ اسم جنس میں ”ایک“ اور جمع میں ”تین“ مراد ہوتے ہیں اور اس سے اوپر توقف ہو گا۔ جمہور علماء کے نزدیک عام جتنے بھی افراد کو شامل ہے ان تمام میں حکم مشائخ عراق اور عامۃ المتاخرین کے نزدیک قطعاً و یقیناً ثابت ہو گا اور جمہور فقہاء اور متکلمین کے نزدیک ظناً ثابت ہو گا۔ یہی امام شافعی کا مذہب ہے اور مشائخ سمرقند کا مختار ہے کہ ظناً ثابت ہو گا اور (عموم) وجوب عمل کا فائدہ تو دیتا ہے مگر اعتقاد کا نہیں۔

۵۔امام المتکلمین ابو منصور محمد بن محمد بن محمود، الماتریدی

امام المتکلمین ابو منصور محمد بن محمد بن محمود، الماتریدی (المتوفی: 333ھ) ”أَوْلَادِكُمْ“ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

﴿يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ فيه بيان حق الميراث للذكور والإناث جميعًا.[2]

﴿يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ میں اس کا بیان ہے کہ مذکر و مونث (جمیع) سب کے لیے میراث کا حق ہے۔

---

1 شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني (المتوفى: 793هـ) المحقق: زكريا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: الطبعة الأولى (1416هـ) ج1ص69

2 تفسير الماتريدي (تأويلات أهل السنة) المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (المتوفى: 333هـ) المحقق: د. مجدي باسلوم الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة: الأولى، (1426هـ 2005م) ج3ص37

امام اَبو منصور ماتریدی جمیع کے لفظ سے عموم کے معنی کو مزید مؤکد فرمارہے ہیں کہ اولادکم جمیع مذکر و مونث کو شامل ہے۔

۶۔ شیخ الإسلام امام اکمل الدین البابرتی الحنفی کی اجماع کی تصریح

امام اکمل الدین البابرتی الحنفی (م:786ھ) اپنی کتاب ''الردود والنقود'' میں جمع مضاف الی المعرفہ کے مفید عموم ہونے پر دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحتج على أن المفرد المعرف بلام الجنس والجمع المضاف عام حقيقة بأن العلماء لم يزالوا يستدلون على العموم بمثل (والسارق)، (والزاني) وبمثل (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) وشاع استدلالهم بها على العموم وذاع ولم ينكر عليهم أحد فكان ذلك إجماعا على أن المفرد المعرف بلام الجنس عام حقيقة.[1]

آپ نے استدلال کیا ہے کہ مفرد معرف بلام الجنس اور جمع المضاف عموم کے لیے ہیں کیونکہ علماء ہمیشہ اس (والسارق)، (والزاني) وبمثل (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) سے عموم پر استدلال کرتے رہے ہیں اور ان کا ان سے استدلال کرنا مشہور و معروف تھا اور کسی نے ان کے استدلال پر انکار نہیں کیا لہذا اس پر اجماع ہو گیا کہ وہ مفرد جس پر معرفہ کا ''لام جنس'' ہو حقیقتاً عام ہوتا ہے۔

جمع کی اضافت الی المعرفہ ''مفید عموم'' ہونے پر اجماع

ا۔ امام شمس الدین الأصفہانی الشافعی

امام قاضی ابو القاسم محمود بن عبد الرحمن ابن احمد بن محمد، ابو الثناء، شمس الدین الأصفہانی الشافعی (المتوفی:749ھ) امام ابن حاجب کی کتاب کی شرح ''بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب'' میں عام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

أَنَّ الْمُفْرَدَ الْمُعَرَّفَ بِلَامِ الْجِنْسِ وَالْجَمْعَ الْمُضَافَ عَامٌّ حَقِيقَةً بِأَنَّ الْعُلَمَاءَ لَمْ يَزَالُوا يَسْتَدِلُّونَ عَلَى الْعُمُومِ بِمِثْلِ (السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ) وَمِثْلِ (الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي) وَمِثْلِ (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ)

---

[1] الردود والنقود شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمد بن محمود بن أحمد البابرتی الحنفي (م:۷۸۶ھ) المحقق: جـ ۱ (ضيف الله بن صالح بن عون العمري)، جـ ۲ (ترحيب بن ربيعان الدوسري) أصل التحقيق: رسالتا دكتوراة نوقشت بالجامعة الإسلامية، كلية الشريعة، قسم أصول الفقه ۱۴۱۵ھ الناشر: مكتبة الرشد ناشرون (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵م) ج 2 ص 105

. وَشَاعَ اسْتِدْلَالُهُمْ بِهَا عَلَى الْعُمُومِ وَذَاعَ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ فَيَكُونُ ذَلِكَ إِجْمَاعًا عَلَى أَنَّ الْمُفْرَدَ الْمُعَرَّفَ بِلَامِ الْجِنْسِ، وَالْجَمْعَ الْمُضَافَ عَامٌّ حَقِيقَةً.[1]

بے شک مفرد معرف بلام الجنس اور جمع مضاف حقیقتاً عام ہیں، کیونکہ ہمیشہ علماء (السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ) اور (الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي) اور (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) جیسوں سے عموم پر استدلال کرتے رہے۔ ان کے اس سے عموم پر استدلال مشہور و معروف ہو گئے، اور ان پر کسی (مجتہد) نے انکار نہ کیا، لہذا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ مفرد معرف بلام الجنس اور جمع مضاف حقیقتاً عام ہیں۔

۲۔ امام جمال الدین عبد الرحیم الإسنوی الشافعی

امام جمال الدین عبد الرحیم الإسنوی الشافعی (المتوفی: 772ھ) اپنی تصنیف نهاية السول فی شرح منهاج الوصول میں لکھتے ہیں:

استدلال الصحابة بعموم هذه الصيغة استدلال شائع من غير نكير فكان إجماعا، وبيانه أنهم قد استدلوا بعموم اسم الجنس المحلى بأل كقوله تعالى: {الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي} [النور: 2] وبعموم الجمع المضاف، فإن فاطمة احتجت على أبي بكر رضي الله عنهما في توريثها من النبي صلى الله عليه وسلم الأرض المعروفة وهي فدك والعوالي بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] الآية.[2]

اس صیغہ کے عموم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا استدلال مشہور ہے بغیر کسی اعتراض کے تو وہ اجماع ہے، اور اس کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے اسم جنس معرف باللام کے عموم سے استدلال کیا جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي، اور جمع مضاف کے عموم سے استدلال کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی وراثت کے معاملے میں ایک معروف زمین اور وہ فدک اور عوالی ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} سے استدلال کیا۔

---

1 بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمود بن عبد الرحمن (أبي القاسم) ابن أحمد بن محمد، أبو الثناء، شمس الدين الأصفهاني (المتوفى: 749ھ) المحقق: محمد مظهر بقا الناشر: دار المدني، السعودية الطبعة: الأولى، 1406ھ / 1986م ج2 ص 116

2 نهاية السول في شرح منهاج الوصول تأليف: الإمام جمال الدين عبد الرحيم الإسنوي (المتوفى: 772ھ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة الأولى 1420ھ 1999م ج1 ص 481

یعنی نہ صرف یہ کہ صیغوں کی وضع عموم کے لئے ہونا درست ہے، بلکہ اس کے درست ہونے کی دلیل یہ ہے کہ یہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میراث طلب کی تھی اور (صحابہ میں سے) کسی نے اس احتجاج کا انکار نہیں کیا تو اس کے درست و صواب ہونے پر اجماع ہو گیا۔

۳۔ امام کمال الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمن المعروف ابن امام الکاملیہ

امام کمال الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمن المعروف ابن امام الکاملیہ الشافعی (م:874ھ) عموم کے صیغوں سے جو استدلال کیا جاتا ہے اس کے درست و صواب ہونے پر دلائل بیان کرتے ہوئے "تیسیر الوصول إلی منهاج الأصول من المنقول والمعقول" "المختصر" میں لکھتے ہیں:

دليل على ذلك، وهو استدلال الصحابة (رضي الله عنهم) بعموم ذلك، أي: استدلوا بعموم الصيغ في الوقائع من غير إنكار عليهم، وشاع وذاع فيكون إجماعا.
فمنها استدلالهم بعموم الجنس المحلى بأل مثل قوله تعالى: "الزانية والزاني فاجلدوا".
ومنها استدلال فاطمة على أبي بكر (رضي الله عنهما) في الإرث بقوله تعالى: "يوصيكم الله في أولادكم" ولم ينكر عليها أبو بكر، ولا أحد من الصحابة بل عدل أبو بكر إلى تخصيصه بالحديث الآتي، فيكون إجماعا منهم على أن الجمع المضاف، وإن كان جمع فإنه عام.[1]

اس پر دلیل یہ ہے کہ: وہ عموم سے صحابہ کرام کا استدلال ہے یعنی وقائع میں صحابہ عموم کے صیغوں سے استدلال فرماتے بغیر کسی کے ان پر انکار کے، اور یہ عام اور معروف تھا لہذا اس پر اجماع تھا۔

اس سے ان کا استدلال "عموم الجنس المحلی من الف واللام" کے ساتھ ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا فرمان: اور اس سے حضرت فاطمہ کا میراث میں حضرت ابو بکر پر اللہ تعالیٰ کے فرمان "یوصیکم اللہ فی أولادکم" سے استدلال تھا۔ اور ان پر نہ ابو بکر نے انکار کیا اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی نے انکار کیا۔ بلکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تخصیص کے لیے درج ذیل حدیث کی طرف عدول کیا لہذا ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا اجماع ہوا کہ جمع مضاف اگرچہ جمع ہے مگر عموم کا فائدہ دیتی ہے۔

---

[1] تيسير الوصول إلى منهاج الأصول من المنقول والمعقول "المختصر" المؤلف: كمال الدين محمد بن محمد بن عبد الرحمن المعروف بـ "ابن إمام الكاملية" (م:٨٧٤هـ) دراسة وتحقيق: د. عبد الفتاح أحمد قطب الدخميسي، أستاذ أصول الفقه المساعد بكلية الشريعة والقانون جامعة الأزهر، طنطا الناشر: دار الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، القاهرة (الطبعة: الأولى، ١٤٢٣هـ). ج 3 ص 269

جہاں حکم کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کے معنی میں اشتراک ہو یا خفی ہو یا وہ مشکل یا مجمل وغیرہ ہوں تو وہاں معنی کے تعین کے لیے اجتہاد کی حاجت ہوتی ہے اب اگر معنی کے تعین میں ائمہ کی آراء مختلف ہوں تو کسی مجتہد کی طرف خطاء کی نسبت کی جا سکتی ہے لیکن اگر معنی کا تعین چاہے اجتہاد سے ہی ہو اور اس پر اتفاق ہو بلکہ صحابہ کا اس معنی پر اجماع بھی ہو تو اس کو خطا کہنا کسی صورت بھی درست نہیں کیونکہ یہ اجماع کی دلیل شرعی کو خطا کہنا ہے۔

سیدہ زہراء پاک کا مستدل عموم قرآن

فقہاء کی تصریحات:

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کا مستدل عموم قرآن تھا اس پر درجنوں فقہاء کے حوالے موجود ہیں چند ایک درج ذیل ہیں۔

ا۔ امام عبد العزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین البخاری کی رائے

امام عبد العزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین البخاری الحنفی (المتوفی:730ھ) "کشف الاسرار" میں لکھتے ہیں:

"قَدِ اشْتَهَرَ الِاحْتِجَاجُ بِالْعُمُومَاتِ عَنْ عَامَّةِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فِي الْوَقَائِعِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ مِنْ أَحَدٍ فَإِنَّهُمْ عَمِلُوا بِقَوْلِهِ تَعَالَى {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] فَاسْتَدَلُّوا بِهِ عَلَى إِرْثِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَتَّى نَقَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ". [1]

واقعات میں عمومات سے استدلال کرنا عام صحابہ کرام سے مشہور تھا بغیر کسی ایک کی نکیر کے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} (کے عموم) پر عمل کرتے ہوئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وراثت پر استدلال کیا حتی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" کو بیان فرمایا۔

---

1 كشف الأسرار شرح أصول البزدوي المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري الحنفي (المتوفى: 730هـ) الناشر: دار الكتاب الإسلامي (الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ) ج1 ص 302

صاحب کشف اسرار کی صراحت "استدلوا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت سے سیدہ پاک کی وارثت کا استدلال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی تھا، اور جیسا کہ اس کے درست ہونے پر صحابہ کا اجماع بھی ہے تو آپ یہاں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے مطالبہ پر کہنا کہ خطاء پر تھیں تو جتنے صحابہ نے اس سے وراثت سیدہ پر استدلال کیا تو سب خطاپر تھے، استغفر اللہ سب صحابہ واہل بیت کو خطاپر کہنا آسان ہوگیا ہے اپنی خطا تسلیم کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ العیاذ باللہ

۲۔علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاري، الھندی

علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاري، الھندی (م 1225ھ) اپنی کتاب فواتح الرحموت میں لکھتے ہیں:

قال الجمهور العام المخصص (بمبين) حجته (ظنية إلا عند أكثر الحنفية إذا كان غير مستقل) بل ليس هو مخصصا عندهم (قالوا انه) أى المخصوص بمبين غير مستقل (الآن) بعد التخصيص (كما كان) قبل التخصيص حجة قطعية (لنا استدلال الصحابة بالمخصص) من العام (بمبين) كما استدلوا بقوله تعالى يوصيكم الله الآية مع كونه مخصصا بالقاتل والعبد والكافر إذا كان المورث مسلما[1]

جمہور کہتے ہیں کہ وہ عام جس کی تخصیص کسی مبین سے ہو حجت ظنی ہے مگر اکثر احناف کے نزدیک جب یہ غیر مستقل ہو بلکہ ان کے نزدیک یہ مخصص ہی نہیں، کہتے ہیں کہ مبین غیر مستقل کے ساتھ مخصص فی الحال یعنی تخصیص کے بعد ایسا ہی ہے جیسا کہ تخصیص سے قبل حجت قطعی تھا۔ ہماری دلیل صحابہ کا استدلال ہے کہ انہوں نے مبین کے ساتھ عام کی تخصیص کی جیسا کہ انہوں نے اللہ تعالی کے قول "یوصیکم اللہ الآیۃ" سے استدلال کیا باوجود اس کے کہ یہ قاتل، غلام اور کافر کے ساتھ مخصص ہے جب مورث مسلمان ہو۔

اور سیدہ زہراء کے حوالے سے بھی لکھتے ہیں کہ:

سيدة النساء فاطمة الزهراء رضى الله عنها تمسكت بما ظنته عاما فى الميراث[2]

یعنی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اس (اولاد کم) سے تمسک کیا، آپ نے اس سے میراث میں عموم سمجھا۔

---

[1] فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلى محمد بن نظام الدين الأنصاري، الهندى (م 1225ھ) ج2ص73

[2] فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلى محمد بن نظام الدين الأنصاري، الهندى (م 1225ھ) ج1ص476

یعنی آپ کا فدک کی بابت میں سوال اس آیت کے عموم سے استدلال تھا کہ "اولادکم" کے الفاظ عموم پر دلالت کرتے ہیں۔

دیگر فقہاء سے احناف کے موقف کی تائید

جن دیگر فقہاء نے احناف کے موقف کی تائید کی ہے ان میں بھی بڑے بڑے ائمہ شامل ہیں۔

۳۔ امام ابو اسحاق فیروز آبادی کی رائے

شوافع کے امام استاذ ابو اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف الفیروزآبادی الشیرازی الشافعی (المتوفی: 476ھ) بھی رب تعالیٰ کے اس فرمان میں حکم عام کے ہی قائل ہیں جس کی تخصیص فرمان رسول سے ہوئی آپ "التبصرة فی أصول الفقه" میں لکھتے ہیں:

وَاحْتج أَبُوبكر الصّديق رَضِي الله عَنهُ على فَاطِمَة رَضِي الله عَنْهَا بقوله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم إِنَّا معشر الْأَنْبِيَاء لَا نورث مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَة وَهَذَا تَخْصِيص لعُمُوم من الْقُرْآن.[1]

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "إِنَّا معشر الْأَنْبِيَاء لَا نورث مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَة" کے ساتھ حجت پیش کی اور یہ قرآن کے عموم {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} کی تخصیص ہے۔

۴۔ امام الحرمین عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد الجوینی کی رائے

امام عبد الملک بن عبد اللہ بن یوسف بن محمد الجوینی، ابو المعالی، رکن الدین، الملقب بإمام الحرمین (م478ھ) اپنی کتاب "التلخيص في أصول الفقه" میں عموم کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ پر تفصیلی بحث مع الاختلاف لکھتے ہیں اور عموم کے لیے استعمال ہونے والے لفظ کی تخصیص ہو جائے تو کیا وہ مجاز ہو جاتا ہے یا نہیں اور تخصیص کے بعد باقی افراد سے استدلال درست ہے یا نہیں آپ لکھتے ہیں جب تک باقی افراد کے عموم

---

[1] التبصرة في أصول الفقه المؤلف: أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (المتوفى: 476هـ) المحقق: د. محمد حسن هيتو الناشر: دار الفكر – دمشق (الطبعة: الأولى، 1403)، ص 133

کے لیے استعمال ہونے کے منع پر کوئی دلیل نہ ہو وہ عموم پر ہی رہیں گے اور اگر اس کا استعمال معنی غیر موضوع لہ میں ہو تو یہ مجاز ہے اس پر دلیل بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

> وَلَيْسَ فِي الْعلمَاء من يمْتَنع عَن الِاسْتِدْلَال بهَا إِمَّا لاعتقاد الْعُمُوم وَالْقَوْل بِهِ أَو لتقرر قَرَائِن عِنْدهم دَالَّة على الْعُمُوم، هَذِه فَاطِمَة رَضِي الله عَنْهَا استدلت على أَصْحَاب رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم فِي ادعائها الْمِيرَاث بِعُمُوم قَوْله تَعَالَى: {يُوصِيكُم الله فِي اولادكم}، فَمَا زَالَت الْعلمَاء يستدلون بِهَذِهِ الْآيَة وأمثالها مَعَ تحقق التَّخْصِيص فِيهَا فَإِن الْكَافِر وَالْقَاتِل وَالرَّقِيق ينطبق عَلَيْهِم اسْم الْأَوْلَاد وَلَا يَرِثُونَ فَتبين بذلك حُصُول الِاتِّفَاق على جَوَاز الِاسْتِدْلَال، وَثَبت بِمَا قدمنَا التَّجَوُّز، فَافْهَم فِي هَذِه على الْجُمْلَة.[1]
>
> اور علماء میں کوئی ایسا نہیں جو اس سے استدلال کرنے سے منع کرتا ہو عموم کے اعتقاد اور اس کے قول کی وجہ سے یا ان کے ہاں وہ قرائن ثابت ہونے کی وجہ سے جو عموم پر دلالت کرتے ہیں، اسی وجہ سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے سامنے اپنے دعویٰ میراث پر اللہ تعالیٰ کے فرمان {یُوصِیکُم اللہ فِي اولادکم} کے عموم سے استدلال کیا۔ پھر ہمیشہ سے علماء اس آیت اور اس جیسی دوسری آیتوں (جو عموم پر دال ہوں) سے استدلال کرتے رہے باوجود اس کے کہ مخصص اس میں متحقق ہے کیونکہ کافر، قاتل اور غلام کو بھی لفظ اولاد شامل ہے حالانکہ وہ وارث نہیں بنتے اس سے واضح ہوا کہ ایسے استدلال کے جائز ہونے پر اتفاق ثابت ہے۔

اسی طرح آپ اپنی کتاب میں ایک اور جگہ بھی رب تعالیٰ کے حکم: {یُوصِیکُم اللہ فِي اولادکم} کو عام بیان کرتے ہیں اور اس کے مخصص کے حوالے سے لکھتے ہوئے رقمطراز ہیں:

> **وخصوا عُمُوم قَوْله تَعَالَى: {يُوصِيكُم الله فِي أَوْلَادكُم}** مَعَ أَوْلَادكُم مَعَ تنَاوله للْقَاتِل من الْأَوْلَاد، بِمَا رَوَاهُ عمر بن الْخطاب رَضِي الله عَنهُ أَنه صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: "لَيْسَ للْقَاتِل من الْمِيرَاث شَيْء". وَكَذَلِكَ خصوا ظَاهر تَوْرِيث الْأَوْلَاد فِي حق فَاطِمَة رَضِي الله عَنْهَا بِمَا رُوِيَ عَنهُ صلى الله عَلَيْهِ وَسلم قَالَ: "إِنَّا معشر الْأَنْبِيَاء لَا نورث".[2]

---

1 كتاب التلخيص في أصول الفقه المؤلف: عبد الملک بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين (المتوفى: 478ھ) المحقق: عبد الله جولم النبالي و بشير أحمد العمري الناشر: دار البشائر الإسلامية – بيروت، ج 2 ص 47

2 كتاب التلخيص في أصول الفقه المؤلف: عبد الملک بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجويني، أبو المعالي، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين (المتوفى: 478ھ) المحقق: عبد الله جولم النبالي و بشير أحمد العمري الناشر: دار البشائر الإسلامية – بيروت، ج 2 ص 116

اور خاص کیا انہوں نے اللہ رب العزت کے فرمان عالیشان {**یُوصِیکُم اللہ فِی اولادکم**} کے عموم کو باوجود اس کے کہ لفظ اولاد شامل ہے اولاد میں سے قاتل کو اس کے ساتھ جو روایت کیا حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے "أنه صلی الله عَلَیْهِ وَسلم قَالَ: "لَیْسَ لِلْقَاتِلِ من الْمِیرَاث شَیْء". اور اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں ظاہر وراثتِ اولاد کو انہوں نے خاص کیا جو روایت کیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے "إِنَّا معشر الْأَنْبِیَاء لَا نورث"۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ احناف کتاب اللہ کے عام غیر مخصوص البعض کی خبر واحد سے تخصیص کے قائل نہیں ہیں مگر عام مخصوص البعض کی خبر واحد ہی کیا قیاس سے بھی تخصیص کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اس آیت کی خبر واحد سے تخصیص کے حوالے سے جو اعتراض ہو سکتا ہے اس کا جو جواب ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے ان شاء اللہ آگے بیان ہو گا۔

۵۔ امام قاضی ابو بکر بن العربی مالکی کی رائے

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ احناف کتاب اللہ کے عام غیر مخصوص البعض کی خبر واحد سے تخصیص کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن قاضی محمد بن عبد اللہ ابو بکر بن العربی المعافری الاشبیلی المالکی (المتوفی: 543ھ) ان علماء میں شامل ہیں جو خبر واحد سے تخصیص کو جائز سمجھتے ہیں، مگر سیدہ طیبہ کے استدلال عموم قرآن سے ہونے میں آپ بھی احناف کے مؤید ہیں۔ آپ اپنی کتاب "المحصول فی أصول الفقه" میں لکھتے ہیں۔

فإن خبر الواحد مقطوع على وجوب العمل به مقطوع على فحواه يَصح فِي التَّخْصِيص فَيرجح على عُمُوم الْقُرْآن وَالَّذِي يُؤَكد ذَلِك مَا روی من قبُول الصَّحَابَة رضوَان الله عَلَيْهِم لتخصيص عُمُوم آيَة الْمَوَارِيث بِحَدِيث أبي بكر رَضِي الله عَنهُ فِي حق النَّبِي حِين قَالَ سمعته يَقُول لَا يُورث، مَا تركت بعد نَفَقَته عيالي مَعُونَة عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَة.[1]

بے شک خبر واحد عمل کے وجوب میں قطعی ہے قطعی الدلالۃ ہے لہذا اس سے تخصیص درست ہے لہذا عموم قرآن پر اسے ترجیح دی جائے گی۔ جس کی تاکید اس سے ہوتی ہے جو روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ نے "آيَة الْمَوَارِيث" کی تخصیص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں حضرت ابو بکر کی حدیث

---

[1] المحصول في أصول الفقه المؤلف: القاضي محمد بن عبد الله أبو بكر بن العربي المعافري الاشبيلي المالكي (المتوفى: 543هـ) المحقق: حسين علي اليدري، سعيد فودة الناشر: دار البيارق – عمان الطبعة: الأولى، 1420هـ ص 89

سے قبول کی تھی جب انھوں نے انھیں یہ کہتے سنا: ''لَا یُورث، مَا ترکت بعد نَفَقَته عیالی مَعُونَة عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَة''[1]

اصل میں سیدہ زہراء کے استدلال کے عموم سے ہونے اور حدیث لا نورث کے اس کا مخصص ہونے پر تمام علماء کا اتفاق و اجماع ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ یہ عام غیر مخصوص البعض کی خبر واحد سے تخصیص ہے یا مخصوص البعض کی ہے احناف کے نزدیک مخصوص البعض کی تخصیص ہے اور بعض فقہاء کے نزدیک غیر مخصوص البعض کی ہے۔

۶۔ شیخ الاسلام حضرت امام رازی کی رائے

شیخ الاسلام امام ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین بن علي الرازی (المتوفی: 606ھ) نے بھی آیت وراثت سے عموم کا حکم بیان اور اس کا مخصص بیان فرماتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

تخصيص الكتاب بالسنة المتواترة قولا كان أو فعلا جائز للدليل الذی مر وأيضا قد وقع ذلك أما بالقول فلأنهم خصصوا عموم قوله تعالی يوصيكم الله فی أولادكم بقوله صلى الله عليه وسلم القاتل لا يرث وقوله صلى الله عليه وسلم لا يتوارث أهل ملتين.[2]

کتاب اللہ کی تخصیص سنت متواتر قولی ہو یا فعلی سے جائز ہے اس دلیل سے جو گزر چکی ہے اور یہ واقع بھی ہے۔ ہاں جو قول کے ساتھ ہے وہ اس وجہ سے کہ انھوں نے رب تعالیٰ کے فرمان کے عموم: "يوصيكم الله في أولادكم" کے عموم کی تخصیص رسول اللہ ﷺ کے فرمان: "القاتل لا يرث" اور آپ ﷺ کے فرمان: "لا يتوارث أهل ملتين" سے کی ہے۔

۷۔ امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی کی رائے

ان کے علاوہ معروف شافعی امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی (المتوفی: 631ھ) لکھتے ہیں:

وأما قصة فاطمة مع أبي بكر فالكلام فی اعتقاد العموم فی قوله تعالی {يوصيكم الله فی أولادكم}[3]

---

1 نوٹ: یاد رہے یہ خبر واحد (ظنی) سے عموم کی تخصیص نہیں ہے اس حوالے سے تفصیل صفحہ نمبر 133 پر گزر چکی ہے۔

2 المحصول في علم الأصول المؤلف: محمد بن عمر بن الحسين الرازي الناشر: جامعة الإمام محمد بن سعود الإسلامية –الر ياض الطبعة الأولى، 1400 ج 4 ص 602

3 الإحكام في أصول الأحكام المؤلف: علي بن محمد الآمدي أبو الحسن (المتوفي: 631ھ) تحقيق د. سيد الجميلي الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1404. ج 2ص 231

بہر حال حضرت فاطمہ کا حضرت صدیق اکبر کے ساتھ معاملہ (مطالبہ میراث کا) تو کلام اللہ تعالی کے فرمان {یُوصِیکُم اللهُ فِی اولادکم} میں اعتقاد عموم میں ہے۔

۸۔ امام تقی الدین السبکی الشافعی کی رائے

امام تقی الدین السبکی الشافعی (المتوفی:756ھ) اپنی کتاب "الإبهاج فی شرح المنهاج" میں بیان کرتے ہیں کہ صحابہ عموم کے صیغوں سے استدلال کرتے تھے اور آپ کا استدلال کرنا مشہور ہو چکا تھا لیکن اس کے باوجود مجتہدین صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہیں کیا تو یہ صحابہ کا اجماع ہوا آپ لکھتے ہیں:

من الاستدلال أن الصحابة رضى الله عنهم استدلت بعموم بعض هذه الصيغ أو بعضهم وشاع ولم ينكر فكان اجماعا وبيان ذلك انهم استدلوا لعموم اسم الجنس المحلى بالألف واللام على العموم وذلك نحو قوله تعالى: {الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا} وعملوا بمضمون ذلك واستدلوا بعموم الجمع المضاف نحو تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} واستدل أبوبكر رضى الله عنه ايضا بعمومه فانه رد على فاطمة رضى الله عنها لما طلبت منه ميراثها من النبى صلى الله عليه وسلم بقوله صلى الله عليه وسلم: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركنا صدقة". [1]

بے شک صحابہ کرام نے ان میں سے بعض صیغوں سے عموم پر استدلال کیا یا بعض صحابہ نے استدلال کیا جو مشہور ہو چکے تھے اور کسی نے انکار نہ کیا تو اجماع ہو گیا اور اس کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے اسم الجنس المحلی بالألف واللام سے عموم کے لیے استدلال کیا اس کی مثال اللہ تعالیٰ کا فرمان { الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا } ہے اس کے مضمون پر عمل کیا اور الجمع المضاف سے بھی عموم پر استدلال کیا اس کی مثال رب تعالیٰ کا فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ } اور حضرت ابو بکر نے بھی اس سے عموم پر ہی استدلال کیا کیونکہ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو میراث تھی اس کا مطالبہ کیا تو آپ نے اس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركنا صدقة" سے دیا۔

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کو صواب ہی سمجھا۔

---

[1] الإبهاج في شرح المِنهاج ((مِنهاج الوصول إلي علم الأصول للقاضي البيضاوي (المتوفي سنه 685ه) المؤلف: تقي الدين أبو الحسن علي بن عبد الكافي بن علي بن تمام بن حامد بن يحيي السبكي (المتوفى: 756ه) وولده تاج الدين أبو نصر عبد الوهاب (المتوفى: 771ه) الناشر: دار الكتب العلمية،بيروت عام النشر: 1416ھ 1995م ج 2 ص 113

۹۔ امام زین الدین الأنصاری السنیکی الشافعی کی رائے

قاضی القضاۃ زین الدین ابو یحیی شیخ الإسلام زکریا بن محمد بن زکریا الأنصاری السنیکی المصری الشافعی (المتوفی 926ھ) اپنی کتاب "غایۃ الوصول الی شرح لب الأصول" میں عموم کے لیے جو صیغے استعمال ہوتے ہیں ان کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الجمع والمفرد المعرفان باللام أو الإضافة (كالجمع المعرف باللام) نحو {قد أفلح المؤمنون} (أو الإضافة) نحو {يوصيكم الله في أولادكم} فإنه للعموم حقيقة في الأصح. (ما لم يتحقق عهد) لتبادره إلى الذهن.[1]

جمع اور مفرد جو معرف باللام ہوں یا مضاف ہوں جیسے جمع جو معرف باللام ہو جیسے {قد أفلح المؤمنون} یا اضافت جیسے {یوصیکم الله فی أولادکم} پس وہ عموم کے لئے ہیں حقیقتاً اصح قول کے مطابق جب تک کہ معہود متحقق نہ ہو کیونکہ وہ ذھن کے قریب ہے۔

سلف و خلف اہل سنت کے علاوہ دور حاضر کے مختلف مسالک کے علماء نے بھی "اولادکم" سے عموم پر ہی استدلال کیا ہے۔ آج کل کے دور میں سعودی علماء میں سے اکثر نجدی فکر کے حامل اور غیر مقلد ہو گئے ہیں، مگر اس مسئلہ میں ان کا بھی اتفاق ہے کہ سیدہ پاک کا استدلال درست و صواب تھا۔

۱۰۔ سعودی عالم حمد بن حمدی الصاعدی کی رائے

بی بی پاک کے استدلال کے حوالے سے سعودی عالم حمد بن حمدی الصاعدی اپنی کتاب "المطلق والمقید" میں احناف کے دلائل کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

ومن أدلة الحنفية على قطعية العام فهم الصحابة رضي الله عنهم وتمسكهم بالعمومات في احتجاجهم.

---

[1] غاية الوصول الي شرح لُبِّ الأصول المؤلف: شيخ الإسلام زكريا الأنصاري (المتوفي 926ھ) الناشر دار الضيا كويت (1438ھ) ص 396

عام کے قطعی ہونے پر احناف کے دلائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فہم (یعنی عام کو قطعی سمجھنا) اور ان کا اپنے استدلالات میں عمومات سے تمسک کرنا ہے۔

پھر آپ مثالوں میں بی بی پاک کی مثال نقل کرتے ہیں:

ومثل: تمسك فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم حينما جاءت إلى أبي بكر رضى الله عنه تطالب بميراثها في فدك احتجاجاً بعموم قوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ}[1]
جیسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے فدک میں اپنی میراث کا مطالبہ کرنے آئیں (پیغام بھیجا) تو اس وقت انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} کے عموم سے استدلال کیا۔

۱۱۔ محمد بن حسین بن حسن الجیزان کی رائے

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل محمد بن حسین بن حسن الجیزان اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة میں "أن الصحابة رضي الله عنهم كانوا يقدمون الخاص على العام" کے تحت حاشیہ میں لکھتے ہیں:

أن فاطمة رضى الله عنها جاءت إلى أبي بكر الصديق رضى الله عنه تسأله ميراثها مما ترك أبوها صلى الله عليه وسلم عملاً بعموم قوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم} [النساء: 11]، فقال أبوبكر: إن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "لا نورث، ما تركنا صدقة"[2]
بے شک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف آئیں (پیغام بھیجا) کہ ان سے اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ سے اپنی وراثت کا مطالبہ کر رہی تھیں (یہ مطالبہ) اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} کے عموم پر عمل کرتے ہوئے تھا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "لا نورث، ما تركنا صدقة"

---

1 المطلق والمقيد وأثرهما في اختلاف الفقهاء المؤلف: حمد بن حمدي الصاعدي الناشر: عمادة البحث العلمي بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، المملكة العربية السعودية الطبعة: الأولى، 1423هـ/2003م ج1 ص 385

2 مَعالِمُ أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة المؤلف: محمَّد بنْ حسَيْن بن حَسنْ الجيزاني الناشر: دار ابن الجوزي الطبعة: الطبعة الخامسة، 1427هـ ص433

۱۲۔ ابو المنذر محمود بن محمد بن مصطفی بن عبد اللطیف المنیاوی کی رائے

معاصر مصری علماء میں سے ابو المنذر محمود بن محمد بن مصطفی بن عبد اللطیف المنیاوی مصری اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

أن دلالة الخاص أقوى من تناول العام له فلا شك أن دلالة ((إنا معاشر الأنبياء لا نورث)) على عدم أرث فاطمة له صلى الله عليه وسلم أقوى من دلالة عموم (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) [النساء:11] الآية. على ارثها له صلى الله عليه وسلم و رضي عنها).[1]

بے شک خاص کی دلالت عام کے شمول سے زیادہ قوی ہوتی ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ((إنا معاشر الأنبياء لا نورث)) کی دلالت سیدہ فاطمہ کے آپ ﷺ سے وارث (فدک میں) نہ ہونے پر زیادہ قوی ہے بنسبت (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) کی آپ رضی اللہ عنہا کے آپ ﷺ سے وارث بننے پر۔

جب اتنے فقہاء صراحت فرما رہے ہیں کہ سیدہ پاک کا مستدل عموم قرآن تھا، اور عموم قرآن سے استدلال کے درست ہونے پر اتنی تصریحات موجود ہیں تو پھر ضد کیوں ہے کہ اس عموم سے استدلال کرنے پر آپ "خطا پر تھیں" جیسے بے باک جملے بولے جائیں؟ آسان سی بات تھی کہ جب مانگ رہی تھیں تو عموم قرآن سے ان کا استدلال درست و صواب تھا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا مخصص بیان کیا جسے سن کر آپ نے تسلیم کر لیا، اس کے مخصص ہونے پر بھی دونوں کا اتفاق ہو گیا۔ لہذا کسی سے خطا نہیں ہوئی۔ اب کون سی حس کی تسکین کے لیے قول خطا پر اصرار ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی محبوب ہستیوں کے ساتھ بغض و عناد رکھنے والوں اور ان کے درجے گھٹانے والوں اور ان کے مقام و مرتبہ سے کم کر کے معاملات کرنے والوں کو سخت تنبیہ فرماتا ہے کہ "**من عادی لی ولیا فقد آذنته بالحرب**" (البخاری 6502)

اہل ایمان انبیاء و اولیاء کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ان کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہیں اور اہل سنت کا طرہ امتیاز ہی ادب رہا ہے۔ رب کی محبوب ہستیوں کا خاص طور پر انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے وہ آیات واحادیث جن کا ظاہری معنی ان کی شان کے مطابق سمجھ نہ آ رہا ہو۔ جیسا کہ کئی مترجمین نے تراجم کرتے ہوئے ٹھوکر کھائی

---

[1] الشرح الكبير لمختصر الأصول من علم الأصول المؤلف: أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفى بن عبد اللطيف المناوي الناشر: المكتبة الشاملة، مصر الطبعة: الأولى، 1432ھ 2011م ج1 ص 264

ہے۔ اہل محبت و ادب تو اس کا ترجمہ کرتے ہوئے ان الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں جو ان کی عزت و مرتبہ کے مطابق ہوں۔ جس کی متعدد مثالیں موجود ہیں: جیسا کہ: **وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِينَ (54 ال عمران) اور کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ان کے ہلاک کرنے کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر کرنے والا ہے۔**
فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأٰى كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ (76 الانعام) پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے مجھے خوش نہیں آتے ڈوبنے والے۔

(کئی لوگ یہاں ترجمہ کرتے ہوئے یہ لکھ بیٹھے کہ "کہا کہ یہ میرا رب ہے"، لیکن اہل علم نے شان نبوت کے مطابق ترجمہ کیا "اسے میرا رب ٹھہراتے ہو")

ایسے ہی: **قُلْ لَا تُسْئَلُونَ عَمَّا أَجْرَمْنَا وَلَا نُسْئَلُ عَمَّا تَعْمَلُونَ (25 سباء) تم فرماؤ ہم نے تمہارے گمان میں اگر کوئی جرم کیا تو اس کی تم سے پوچھ نہیں، نہ تمہارے کوتکوں کا ہم سے سوال۔**

اب یہاں بھی بعض مترجمین نے ٹھوکر کھائی اور لکھا "ہم نے جو جرم کیا ہو"

جن ہستیوں کو اللہ تعالیٰ نے عیوب، گناہوں سے پاک فرمایا ان کی طرف عیب کی نسبت کرنا رب تعالیٰ کی صناعت و تخلیق پر اعتراض ہے۔ اور اس کے غضب کو دعوت دینا ہے۔

قرآن و حدیث میں انبیاء علیہم السلام کے ایسے احوال جن کے لئے خطا و عصیٰ یا اس قسم کے معانی کی کوئی آیت و حدیث ہو تو بعض علماء نے اس لفظ یا خطا کو اجتہادی خطا سے تعبیر کیا۔ لیکن علماء کا ایک طبقہ انبیاء کرام علیہم السلام سے خطاء اجتہادی کے جواز کا بھی قائل نہیں۔ جیسا کہ علامہ قرطبی وغیرہ لکھتے ہیں۔ اور سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان کا میلان بھی اسی طرف نظر آتا ہے۔ کیونکہ آپ نے المُعتَقَد المُنتقَد مع شرحہ المُستنَد المُعتمَد پر حاشیہ لکھا۔ اور آپ کے پوتے تاج الشریعہ علامہ اختر رضا خان نے اس کا اردو ترجمہ کیا اس میں خطاء اجتہادی کے قول کو مهجور قرار دیا ہے۔ جس کی تفصیل آگے بیان ہوگی۔

تنبیہ: جو بعض علماء کرام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف خطاء اجتہادی بدون التقریر کی نسبت کے جواز کے بھی قائل ہیں۔ ان کے نزدیک بھی ان آیات و روایات کے ضمن میں نسبت کرنا جائز ہے اس کے علاوہ اس کا پروپیگنڈہ کرنا مردود ہے اور اپنے پاس سے ان کے کسی فعل کو جس میں اجتہاد ہی نہ بنتا ہو یا فعل ہی جائز و صواب ہو اسے خطاء اجتہادی کہنا یقینا بدترین گناہ ہے۔

کیا انبیاء کرام علیہم السلام کے اجتہاد کو خطا پر کہہ سکتے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی خطاء اجتہادی کے جواز کے اقوال اگر بعض سے موجود ہیں تو کیا اپنی مرضی سے ان کے اجتہادات کو خطا کہا جاسکتا ہے؟ ہر گز نہیں، جن بعض علماء نے کہا بھی ہے تو ان کے نزدیک بھی کسی ایسی آیت و حدیث کے تحت لکھا ہے جہاں انہوں نے اجتہاد سے ایک فیصلہ فرمایا ہو، اور پھر اسے تبدیل فرمانے کا حکم آ گیا ہو۔ اگر خاص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درست فیصلے جسے تسلیم کرنا فرض قطعی ہو اس کو کوئی اپنی مرضی سے خطاء اجتہادی کہتا ہے تو یہ بدترین کفر ہے، وہ مومن ہی نہیں رہتا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کے ایسے فیصلوں کے بارے میں فرمایا ہے: "فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" (تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرمادو اپنے دلوں میں اس سے رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں)[1] اور سرکار دوعالم جن کی زبان اقدس کے بارے میں رب کا فرمان ہے: "وَ مَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ. إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ" (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے، وہ تو نہیں مگر وحی جو اُنہیں کی جاتی ہے) اور آپ کے اپنے کلام کے بارے میں حضرت عبد اللہ بن عمرو سے لکھنے کے حوالے سے حکم ارشاد فرمایا:: **فَأَوْمَأَ بِأُصْبُعِهِ إِلَى فِيهِ فَقَالَ اكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا حَقٌّ.**[2] تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دہن مبارک کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: **لکھا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس (دہن مبارک) سے سوائے حق کے کچھ اور نکلتا ہی نہیں۔** اس میں تو ائمہ کا اتفاق ہے کہ جو حق ہو، اسے خطاء اجتہادی نہیں کہتے۔ دوسرا خطاء اجتہادی کے جواز کا قول متفق علیہ ہی نہیں، بڑے بڑے ائمہ انبیاء علیہم السلام سے اجتہاد میں بھی خطا کے جواز کے قائل ہی نہیں ہیں۔ اور یہی مختار مذہب ہے۔

اجتہاد انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اصح واصوب رائے

ڈاکٹر صاحب پر جب ان کے کلام کے خلاف حقیقت اور بے اصل ہونے کو واضح کیا گیا کہ جب سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے فدک کے مطالبہ میں عموم قرآن سے استدلال میں خطا ہی نہیں کی ہے تو آپ رضی اللہ عنہا کو خطا پر کہنا ہی

---

[1] حضرت عبد اللہ بن زبیر اس آیت کا شان نزول ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اجتہادی فیصلے پر کلام کرنے کی وجہ بتاتے ہیں (بخاری)

[2] سنن أبي داؤد:3646، مصنف ابن أبي شيبة، سنن الدارمي، مسند الإمام أحمد بن حنبل

خطا ہے لہذا آپ رضی اللہ عنہا کو خطا پر کہنے سے توبہ رجوع کریں تو بجائے اس کے کہ توبہ ورجوع کرتے یا حوالہ دیتے کہ ائمہ احناف میں سے فلاں امام نے آپ کے عموم سے استدلال کو خطا کہا ہے اور یہی ہمارا مختار مذہب ہے اور اس کے مختار ہونے کو ثابت کرتے۔ لیکن تلاش بسیار کے باجود جب کوئی حوالہ نہ ملا تو اپنے دفاع میں اجتہاد انبیاء علیہم السلام کے نام سے سیمینار کر دیا۔ اور بجائے اس کے کہ اگر انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کے متعلق ضروری گفتگو کرنی بھی تھی تو جو مختلف مذاہب و اقوال ہیں انہیں بیان کرتے اور ان میں سے جس میں انبیاء علیہم السلام کی شان و مقام کی رفعت ہے اس کو راجح قرار دیتے لیکن شومئ قسمت ڈاکٹر صاحب نے صرف خطا کے وقوع کے ہی ایک قول کو بیان کیا اور پھر جہاں سے بھی وقوع وصدور خطا کا حوالہ ملا اسے بیان کرتے رہے اور ویڈیو سوشل میڈیا پر ڈال دی۔ اہل سنت کے سٹیج سے یہ پہلا موقع تھا کہ لوگوں کو بلا کر انبیاء علیہم السلام کی خطائیں کتب سے تلاش کر کے اہتمام کے ساتھ بیان کی گئیں۔ وہ سٹیج جہاں سے انبیاء علیہم السلام کے مقام و مراتب اور شان کا علو بیان کیا جاتا تھا اس کی جگہ عوام سے خطائیں بیان کر کے داد و تحسین لی جا رہی تھی۔ الامان والحفیظ

اہلسنت کا طریقہ رہا ہے کہ وہ قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے کوئی ایسی آیت آ جائے یا حدیث پڑھاتے ہوئے یا اس کی تشریح کرتے ہوئے کوئی ایسی حدیث آ جائے تو اس کے ضمن میں تو اس حوالے سے گفتگو کر دیتے تھے لیکن بلا ضرورت انبیاء علیہم السلام کی خطائیں نہیں گنواتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے مشرب اہل سنت سے انحراف کا نتیجہ یہ نکلا کہ اب ان کے حواریوں کا جلسہ کسی عنوان سے منعقد ہوتا ہے اور بیان یہ ہو رہا ہوتا ہے کہ فلاں نے فلاں کتاب میں انبیاء علیہم السلام کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطا پر یا خطاء اجتہادی پر کہا ہے نعوذ باللہ من ذلك۔

لہذا ضروری ہو گیا ہے کہ بھٹکے ہوئے ذہنوں کو آگاہ کیا جائے کہ اہل سنت کا انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے یہی ایک قول نہیں ہے بلکہ دیگر کئی اقوال بھی ہیں اور ان میں سے کون سا مذہب و قول ان کی شان محبوبیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اصوب ہے۔

ا۔ امام شمس الدین قرطبی کی اجتہاد انبیا کے حوالے سے رائے

اس میں تین آراء ہیں:

1. انبیاء علیہم السلام اجتہاد ہی نہیں کرتے، جو بھی فیصلہ کرتے ہیں وحی الٰہی ہوتا ہے۔
2. انبیاء اجتہاد تو کرتے ہیں مگر خطاء نہیں ہوتی، صواب و حق ہوتا ہے۔
3. تیسرا وہ ہے جس پر ڈاکٹر صاحب نے سیمینار کر کے جہاں کوئی مثال ملی اس کی تبلیغ و تشہیر کی۔ اور ان کے پیروکار اسے جلسوں میں بیان کرتے پھر رہے ہیں۔

ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابی بکر بن فرح الأنصاری الخزرجی شمس الدین القرطبی (المتوفی: 671ھ) اپنی تفسیر "الجامع لأحکام القرآن" (تفسیر قرطبی) میں علماء کے مختلف مذاہب نقل کرتے ہوئے پہلے قول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِي جَوَازِ الِاجْتِهَادِ عَلَى الْأَنْبِيَاءِ فَمَنَعَهُ قَوْمٌ، وَجَوَّزَهُ الْمُحَقِّقُونَ.
علماء کے درمیان انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کرنے کے بارے میں اختلاف ہے بعض علماء نے منع کیا ہے اور محققین نے جواز کا قول کیا ہے۔

یعنی بعض کے نزدیک تو انبیاء علیہم السلام کا اجتہاد کرنا ہی منع ہے لیکن محققین اجتہاد انبیاء کے جواز کے قائل ہیں اب جن لوگوں نے انبیاء علیہم السلام سے اجتہاد کے جواز کا قول کیا ہے ان میں سے جمہور کے نزدیک رائے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

كَمَا ذَهَبَ الْجُمْهُورُ فِي أَنَّ جَمِيعَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِمْ مَعْصُومُونَ عَنِ الْخَطَأِ وَالْغَلَطِ فِي اجْتِهَادِهِمْ.[1]
جیسا کہ جمہور محققین کا قول ہے کہ انبیاء علیہم السلام اجتہاد میں خطا اور غلطی سے معصوم ہوتے ہیں۔

اور پھر علامہ قرطبی نے تیسرا قول بھی لکھا، جسے ڈاکٹر صاحب نے بڑی شد و مد سے بیان کیا۔

ابو العباس احمد بن عمر بن ابراھیم القرطبی (م:656ھ) بھی احکام میں عدم اجتہاد کے قائل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وقوله: ((وإني لست أحرِّم حلالاً، ولا أُحِلُّ حرامًا)) ؛ صريح في أن الحكم بالتحليل والتحريم من الله تعالى؛ وانما الرسول مبلغ، ويستدل به في منع احتهاد النبي صلى الله عليه وسلم في الأحكام، ومِنْ منعِ جواز تفويض الأحكام إلى النبي۔ صلى الله عليه وسلم۔ ولا حُجَّة فيه؛ لأنَّ اجتهاد المجتهد لا يُوجِب الأحكام، ولا يُنشئها؛ وإنَّما هو مُظْهِرلها، كما أوضحناه في الأصول.[2]
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول کہ میں نہ کسی حلال کو حرام کرتا ہوں اور نہ کسی حرام کو حلال" اس بات میں صریح ہے کہ تحلیل و تحریم کا حکم اللہ تعالی کی طرف سے ہوتا ہے اور رسول اس کا پہنچانے والا،

---

[1] الجامع لأحكام القرآن ـ تفسير القرطبي المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبي بكر بن فرح الأنصاري الخزرجي شمس الدين القرطبي (المتوفى: 671هـ) تحقيق: أحمد البردوني وإبراهيم أطفيش الناشر: دار الكتب المصرية –القاهرة الطبعة: الثانية، 1384هـ 1964م ج11ص309

[2] المُفهِم لما أشكَلَ من تلخيصِ كتابِ مُسْلِم المؤلف: أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي (م:656ھ) دار ابن كثير (طبعة أولى 1418ھ) ج6ص 353

اور اسی سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ احکام میں نبی ﷺ کو اجتہاد کرنا منع ہے، اور یہ کہ احکام نبی ﷺ کو مفوض نہیں ہوتے۔ مگر اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ مجتہد کا اجتہاد احکام کو واجب نہیں کرتا اور نہ احکام پیدا کرتا ہے بلکہ وہ ان کا ظاہر کرنے والا ہوتا ہے، جیسا کہ ہم نے اصول میں بیان کیا۔

نوٹ: نبی اکرم ﷺ اللہ کے حرام کردہ کو تو حلال اور حلال کردہ کو حرام نہیں کرتے، مگر نبی ﷺ کے فرمادینے سے بھی چیزیں واجب اور ممنوع ہو جاتی ہیں۔[1]

امام کمال الدین، محمد بن عبد الواحد بن عبد الحمید ابن مسعود السیواسی، المعروف بابن الھمام حنفی شریعت کے وہ احکام جن کی تبلیغ انبیاء علیہم السلام کے ذمہ ہے ان میں خطا کے حوالے سے لکھتے ہیں:

(وأمّا فيما طريقه الإبلاغ) أي: إبلاغ الشرع وتقريره من الأقوال وما يجري مجراها من الأفعال كتعليم الأمة بالفعل (فهم معصومون فيه من السهو والغلط)[2]

(اور جو پہنچانے کے طریقہ کے متعلق ہے) یعنی شرع پہنچانے اور اقوال سے ان کی تقریر اور جو اس کے قائم مقام افعال وغیرہ ہیں جیسا کہ امت کو بالفعل تعلیم دینا (تو انبیاء علیہم السلام اس میں سہو و غلطی سے معصوم ہیں)

۲۔ امام ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی کی رائے

امام ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی (المتوفی: 676ھ) "المنہاج" میں لکھتے ہیں:

اتَّفَقُوا عَلَى أَنَّ كُلَّ مَا كَانَ طَرِيقُهُ الْإِبْلَاغَ فِي الْقَوْلِ فَهُمْ مَعْصُومُونَ فِيهِ عَلَى كُلِّ حَالٍ وَأَمَّا مَا كَانَ طَرِيقُهُ الْإِبْلَاغَ فِي الْفِعْلِ فَذَهَبَ بَعْضُهُمْ إِلَى الْعِصْمَةِ فِيهِ رَأْسًا وَأَنَّ السَّهْوَ وَالنِّسْيَانَ لَا يَجُوزُ عَلَيْهِمْ فيه.[3]

---

1 لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي أَوْ عَلَى النَّاسِ لَأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ مع كُلِّ صَلَاةٍ (بخاری حدیث نمبر 887) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مجھے اپنی امت یا لوگوں کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے لیے ان کو مسواک کا حکم دے دیتا۔ اور ایک حدیث پاک میں فرمایا: قد فرَضَ اللهُ عليكم الحجَّ فحُجُّوا، فقال رجلٌ: أكُلَّ عامٍ يا رسولَ اللهِ؟ فسكتَ حتى قالها ثلاثًا. فقال رسولُ اللهِ صلَّى اللهُ عليهِ وسلَّمَ: لو قلتُ: نعَم، لوجبَتْ ولما استطعتُم (مسلم حدیث نمبر 1337) اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے، لہذا حج کرو۔ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ کیا ہر سال؟ آپ خاموش رہے حتیٰ کہ اس نے یہ سوال تین مرتبہ دہرایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو واجب ہو جاتا۔ اور تم استطاعت نہ رکھتے۔

2 "المُسامَرة بشرح المُسايَرة"، شروط النبوّة، الكلام على العصمة، ص 234_235

3 المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المؤلف: أبو زكريا محيي الدين يحيى بن شرف النووي (المتوفى: 676هـ) الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت (الطبعة: الثانية، 1392) ج3ص 53

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ شرع پہنچانے کے قولی طریقہ میں انبیاء علیہم السلام ہر حال میں معصوم ہیں اور فعلی طریقہ میں بعض کہتے ہیں کہ اس میں بھی بالکلیہ عصمت ہے اور اس میں بھی ان سے سہو اور نسیان جائز نہیں۔

ان سے پہلے یہی بات علامہ قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے "شَرْحُ صَحِيح مُسْلِمِ لِلقَاضِي عِيَاض المُسَمَّى إِكمَالُ المُعْلِمِ بفَوَائِدِ مُسْلِم"[1] میں بھی لکھی ہے۔

لہذا جنت میں جو وحی حضرت آدم علیہ السلام کو گئی تھی اس کا دنیا میں امت کی تبلیغ سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس لئے اسے تبلیغ امت کے لیے کی جانے والی وحی کو قیاس کرنا درست نہیں۔ قولی احکام شرع پہنچانے میں انبیاء علیہم السلام سب کے نزدیک ہر حال میں معصوم ہیں۔

۳۔ امام فخر الدین الرازی کی رائے

ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی الملقب بفخر الدین الرازی خطیب الری (م:606ھ) اصول الفقہ پر لکھی اپنی کتاب "المحصول" میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کے حوالے سے تفصیلی بحث لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ علماء کے ہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے بعض کے نزدیک انبیاء علیہم السلام اجتہاد کرتے ہی نہیں بلکہ ان کی طرف وحی ہوتی ہے اور بعض کے نزدیک احکام دین میں آپ اجتہاد نہیں کرتے دنیاوی امور میں اجتہاد کرتے ہیں، جیسا کہ جنگوں میں آپ نے اجتہاد کیا وغیرہ ان مسائل میں امام رازی مذہب صحیح کے حوالے سے لکھتے ہیں:

مسألة إذا جوزنا له صلى الله عليه وسلم الاجتهاد فالحق عندنا إنه لا يجوز أن يخطئ وقال قوم يجوز بشرط أن لا يقر عليه.[2]

---

[1] شَرْحُ صَحِيح مُسْلِمِ لِلقَاضِي عِيَاض المُسَمَّى إِكمَالُ المُعْلِمِ بفَوَائِدِ مُسْلِم المؤلف: عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبي السبتي، أبو الفضل (المتوفى: 544هـ) المحقق: الدكتور يحْيَى إِسْمَاعِيل الناشر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، مصر (الطبعة: الأولى، 1419هـ 1998م) ج1ص 574

[2] المحصول المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606هـ) دراسة وتحقيق: الدكتور طه جابر فياض العلواني الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الثالثة، 1418هـ 1997م ج6ص 15

اگر ہم آپ ﷺ کے لیے اجتہاد کو جائز قرار دیں تو ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ ان کے لیے خطا کرنا جائز نہیں اور بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس پر بر قرار نہیں رہتے۔

امام رازی کا مختار بھی یہ ہے کہ ان کے لیے خطا کرنا جائز ہی نہیں جیسا کہ "فالحق عندنا إنه لا يجوز أن يخطئ" کی عبارت سے واضح ہے۔ ہاں ایک گروہ کے نزدیک خطا بدون القرار جائز ہے، امام رازی کا اسے اپنی اصول کی کتاب میں نقل کرنا اس بات کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ اصل راجح ان کے نزدیک یہی ہے کتب تفاسیر پر کتب اصول کو اصولی موقف کے بیان میں ترجیح حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ فخر الإسلام امام بزدوی کی رائے

فخر الاسلام امام ابو الحسن علی بن محمد بن الحسین بن عبد الکریم البزدوی (م: 482ھ) آپ ﷺ کے اور دیگر کے اجتہاد میں فرق کرتے ہیں اور پھر آپ ﷺ کے اجتہاد کے حوالے سے دو قول نقل کرتے ہیں:

"أَنَّ اجْتِهَادَ غَيْرِهِ يَحْتَمِلُ الْخَطَأَ وَاجْتِهَادَهُ لَا يَحْتَمِلُ وَلَا يَحْتَمِلُ الْقَرَارَ عَلَى الْخَطَأِ". [1]

آپ کے علاوہ دیگر کے اجتہاد میں خطا کا احتمال ہے اور آپ ﷺ کے اجتہاد میں (خطا کا) احتمال ہی نہیں اور نہ ہی خطا پر قرار کا احتمال ہے۔

۵۔ شارح اصول بزدوی علاء الدین البخاری الحنفی کی رائے

اس کی شرح میں عبد العزیز بن احمد بن محمد، علاء الدین البخاری الحنفی (م: 730ھ) اصول بزدوی کی "شرح كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوی" میں آپ ﷺ کے اجتہاد کے حوالے سے ہے کہ اجتہاد میں احتمال خطا ہے یا نہیں؟ اور جن کے نزدیک ہے تو ان کے نزدیک بھی قرار نہیں دونوں کی آراء و دلائل بیان کرتے ہیں:

واجتهاده لا يحتمل الخطأ عند أكثر العلماء; لأنا أمرنا باتباعه في الأحكام بقوله عزوجل: {فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ

---

[1] كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري (المتوفى: 730ھ) المحقق: عبد الله محمود محمد عمر الناشر: دار الكتب العلمية،بيروت الطبعة: الطبعة الأولى 1418ھ/1997م ج 3 ص 209

وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً} [النساء:65] وبغيره من الآيات فلو جاز الخطأ عليه لكُنا مأمورين باتباع الخطأ، وذلك غير جائز.

وإن احتمل الخطأ كما هو مذهب أكثر أصحابنا بدليل قوله عزاسمه: {عَفَا اللهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ} [التوبة:43]، فإنه يدل على أنه عليه السلام أخطأ في الإذن لهم وبدليل نزول العتاب في أسارى بدر وغيرهما من الدلائل فلا يحتمل القرار على الخطأ لما ذكرنا أنه يؤدي إلى الأمر باتباع الخطأ، فإذا أقره الله على اجتهاده دل أنه كان هو الصواب فيوجب علم اليقين كالنص.[1]

اکثر علماء کرام کے نزدیک آپ ﷺ کے اجتہاد میں خطا کا احتمال نہیں کیونکہ اللہ عزوجل کے فرمان {فَلا وَرَبِّكَ لا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيماً} [النساء:65] سے اس کے علاوہ دیگر آیات سے ثابت ہے کہ احکام میں ہمیں آپ کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اگر آپ کے لیے خطا کو جائز سمجھا جائے تو ضرور ہم خطا کی پیروی کا حکم دیئے جانے والے ہوں گے، اور یہ جائز نہیں ہے۔

اور اگر احتمال خطا ہو جیسا کہ اللہ عزاسمہ کے فرمان {عَفَا اللهُ عَنْكَ لِمَ أَذِنْتَ لَهُمْ} [التوبة:43] کی دلیل سے جیسا کہ ہمارے اکثر ساتھیوں کا مذہب ہے۔ پس یہ دلالت کرتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے انہیں اجازت دینے میں خطا کی۔ اور اساری بدر کے معاملہ میں عتاب کا نزول اور ان دو کے علاوہ دیگر دلائل، لیکن خطا پر قرار کا احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ جو دلیل ہم نے ذکر کی کہ یہ خطا کی پیروی کی طرف لے جاتی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو آپ کے اجتہاد پر برقرار رکھا ہے تو یہ دلالت کرتا ہے کہ یہی صواب ہے پس نص کی طرح اس سے یقینی علم ثابت ہوتا ہے۔

اساریٰ بدر کے فیصلہ میں جن لوگوں نے اس فیصلہ کو خطاء اجتہادی بدون القرار کی دلیل بنایا، ان کارد بھی فرمایا کہ آپ ﷺ کی رائے ہی صواب ہے، اور آپ ﷺ کے لیے خطاء اجتہادی کو جائز قرار دینا خطا کی پیروی کو جائز قرار دینے کے مترادف ہے جو کہ درست نہیں۔

[1] كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري (المتوفى: 730هـ) المحقق: عبد الله محمود محمد عمر الناشر: دار الكتب العلمية،بيروت الطبعة: الطبعة الأولى 1418هـ/1997م ج3 ص 209

یہاں علامہ عبد العزیز نے اجتہاد رسول کی جو مثالیں دی ہیں ان کے حوالے سے "نسیم الریاض" میں علامہ خفاجی حنفی (م:1069ھ) نقل فرماتے ہیں:

إن ذلك كان باجتهاد من أصحابه بناء على جواز وقوع الاجتهاد منهم عنده، صلى الله عليه وسلم، بناء على أن العتاب لهم، وخطابه لقبوله له وإقرارهم، مع أنه خلاف الأولى، أو أن الله تعالى خيره في ذلك قبل، وأذن له، ولا اجتهاد فيه، وإنما كان عليه أن ينتظر الوحي أن يبين الأولى به، وفيه مباحث دقيقه[1]

یہ خطاب آپ ﷺ کے صحابہ کے اجتہاد پر تھا اور آپ ﷺ کے سامنے ان کے اجتہاد کا وقوع جائز ہے اس بناء پر کہ یہ تنبیہ ان (صحابہ) پر ہو۔ اور آپ کو خطاب اس بناء پر کہ آپ نے ان کی بات قبول کی۔ اور ان صحابہ نے اس پر قرار پکڑا، باوجود یہ کہ یہ خلاف اولیٰ تھا۔ یا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس میں پہلے سے اختیار دے رکھا تھا اور آپ کے لیے اذن تھا اور اس میں کوئی اجتہاد ہی نہ تھا۔ آپ ﷺ کو وحی کا انتظار کرنا چاہیئے تھا تاکہ اولیٰ ظاہر ہوتا۔ اس میں دقیق بحثیں ہیں۔

"عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ" کے الفاظ کے بارے میں بھی علامہ رازی فرماتے ہیں کہ: "ان ذلك يدل على مبالغة الله في تعظيمه وتوقيره". [2] ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تعظیم و تکریم میں بڑے مبالغہ کا اظہار فرمایا ہے۔

نوٹ: ان دونوں مثالوں میں اجتہاد پر قرار تھا، یہ بدون القرار نہیں ہیں، لہٰذا انہیں اجتہادی خطا نہیں قرار دیا جا سکتا بلکہ اس مسئلہ میں صواب وہی رائے ہے جو ملا علی قاری نے "شفاء" کی شرح میں نقل کی ہے[3] یا علامہ ابن حجر "فتح الباری" میں نقل کرتے ہیں: وقد اختلف السلف في أي الرأيين كان أصوب فقال بعضهم كان رأي أبي بكر لأنه وافق ما قدر الله في نفس الأمر ولما استقر الأمر عليه[4] اسلاف کا اختلاف ہے کہ کونسی رائے "اصوب" ہے پس بعض (علماء) نے کہا کہ ابو بکر کی رائے اصوب تھی کیونکہ جو اللہ تعالیٰ نے نفس الامر میں مقدر کر رکھا تھا اس کے موافق تھی، اور اسی حکم پر قرار رہا ہے، لہٰذا شرعی اصولوں کی روشنی میں دونوں میں سے کوئی بھی خطا نہیں ہے۔

---

1 نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين (م: 1069هـ) الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج 5 ص 221

2 تفسير كبير ج 8 ص 39

3 نسيم الرياض في شرح شفاء وبهامشه شرح الشفا لعلي قاري الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1327هـ) ج 4 ص 59

4 فتح الباري شرح صحيح البخاري المؤلف: أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي الناشر: دار المعرفة، بيروت، 1379 ج 7 ص 325

کیا دو مختلف آراء ہوں تو دونوں صواب ہو سکتی ہیں

یہ بھی موصوف کا مغالطہ ہے کہ اگر کوئی ایک حق پر ہو گا تو جانب مخالف ناحق ہی ہو گا۔ یا ایک صواب پر ہے تو دوسرا خطا پر ہی ہو گا۔ یہاں ایک رائے قیدیوں کو قتل کرنے کی ہے اور دوسری قتل نہ کرنے کی۔ اور ایک کو بھی ناحق نہیں کہہ سکتے دونوں صواب ہیں کوئی ایک بھی خطا نہیں۔ علامہ ابن حجر لکھتے ہیں یعنی آراء میں اختلاف تو ہے لیکن حق، ناحق یا صواب، عدم صواب کے درجہ کا نہیں بلکہ صواب اور اصوب کے قبیل سے ہے۔

ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کی جماعت کو بنو قریظہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا تو فرمایا: "لَا يُصَلِّيَنَّ أَحَدٌ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قُرَيْظَةَ"[1] بعض روایتوں میں ظہر کے وقت کا ذکر ہے۔ اب اس گروہ کے لیے خاص یہ حکم تھا۔

یہ گروہ نماز کے وقت کے اندر بنو قریظہ نہ پہنچ سکا، نماز کی ادائیگی کے وقت کے حوالے سے نص پہلے سے موجود تھی اور اور معمول بہا تھی "إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا" جب دوران سفر ہی نماز کے فوت ہونے کا خدشہ لاحق ہوا تو صحابہ کرام میں دو گروہ ہو گئے کہ فرمان رسول کی صحیح تعبیر کیا ہے آیا آج ان کے لیے نماز بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے درست نہیں؟ چاہے وقت فوت ہو جائے یا اس میں عجلت مراد ہے کہ جلد از جلد بنو قریظہ پہنچیں۔ اب بعض نے اس کی تعبیر عجلت کی تو انہوں نے نماز وقت کے اندر ادا کر لی۔ اور جنہوں نے بنو قریظہ سے پہلے نماز کو درست نہ سمجھا کہ آج کے لیے نماز کا حکم خاص ہے تو انہوں نے وہاں پہنچ کر ہی نماز ادا کی۔ اب یہ غیر معمولی واقعہ تھا لہذا جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ بیان فرمایا، تو رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے راوی بیان کرتے ہیں: (فَلَمْ يُعَنِّفْ وَاحِداً مِنْهُمْ) آپ ﷺ نے کسی کو غلط نہیں کہا اور دونوں عملوں کو برقرار رکھا۔

بعض فقہاء نے ان دونوں گروہوں میں وقت میں نماز ادا کرنے والوں کو اولیٰ کہا مگر دوسرے کی رائے کو بھی مطلق خطا یا خطاء اجتہادی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اگر وہ غلط ہوتے تو رسول اللہ ﷺ ضرور ان کی اصلاح فرماتے، ان کو اس پر برقرار نہ رکھتے۔ اب بظاہر تو یہی لگتا ہے کہ کسی ایک گروہ سے اجتہاد میں خطا ہوئی ہو گی، لیکن حقیقت میں دونوں کا عمل نص پر تھا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے کسی ایک کو بھی خطا پر نہیں فرمایا۔ لہذا یہ خطا و صواب کا اختلاف نہیں بلکہ دونوں جانب ہی صواب تھا یا زیادہ سے زیادہ اصوب درجے کا اختلاف ہو سکتا ہے کہ

---

[1] بخاری (946) و مسلم

کن لوگوں کی رائے و عمل اصوب ہو گا۔ لہذا صواب و حق کے مقابل خطا و باطل کا ہونا ضروری نہیں بلکہ بعض دفعہ اصوب و احق بھی ہوتے ہیں۔ جیسے صحیح کے مقابلے میں غلط کے بجائے بعض دفعہ اصح بھی ہوتا ہے۔ اور اجتہادی مسائل میں کسی ایک جانب کا یقینی و قطعی صواب کا قول درست نہیں بلکہ جانب مخالف کے صواب ہونے کا احتمال باقی رہتا ہے۔ اسی لیے اجتہادی مسائل میں جانب مخالف کی تقبیح نہیں کی جاتی۔

لہذا صرف نص پر عمل کرتے ہوئے ہی نہیں بلکہ اپنی رائے سے بھی بات کی جائے اور دو مختلف آراء ہوں تو ضروری نہیں کہ ایک خطا ہو۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی شان بڑھانے کے لئے بھی ان کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنا گناہ عظیم ہے، چہ جائیکہ ایسی بات کو ان سے ثابت کیا جائے جس سے ان کے لئے ایک درجہ کی کمی ہو رہی ہو۔

تقریبا بیس بائیس سال پہلے فقیر جب یونیورسٹی میں زیر تعلیم تھا تو ایک ٹیچر نے اصول فقہ کی کلاس میں اجتہاد کی بحث میں مدینہ منورہ کی کھجوروں اور غزوہ بدر میں صحابی کے مشورہ پر کنویں پر قبضہ کے واقعات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خطاء اجتہادی سے تعبیر کیا۔ واپس آکر والد گرامی سے اس مسئلہ کے بارے میں استفسار کیا کہ کیا یہ خطا اجتہادی ہے؟ تو آپ نے فرمایا انہیں اجتہادی خطا نہیں کہہ سکتے کیونکہ کھجور والے قصہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اگر صبر کرتے تو اور زیادہ برکتیں حاصل ہوتیں اور بدر والے واقعہ میں بھی اجتہاد شرعی نہیں تھا آپ جب وہاں رکے تو کوئی شرعی حکم نہیں سنایا تھا کہ یہیں رکنا ہے بلکہ ایک صحابی نے جنہیں وہاں کے محل وقوع اور پانی کے کنوؤں کا علم تھا مشورہ دیا (اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے قرآن میں ہے "وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ") کہ تھوڑا آگے بدر کے کنویں ہیں وہاں رکنا بہتر ہے تو آپ نے مشورہ قبول کیا اور وہاں قیام فرمالیا۔

اسی طرح "نسیم الریاض" میں علامہ شہاب الدین احمد محمد عمر الخفاجی (م: 1069 ھ) اس قسم کی مثالوں کے جواب میں لکھتے ہیں:

> وليس ما استدلوا به خطأ، بل خلاف الأولى، فإن أرادوه ارتفع الخلاف، فتدبر[1]
> جس سے انہوں نے استدلال کیا ہے یہ خطا نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے، اگر وہ چاہیں تو اختلاف ختم ہو سکتا ہے، فتدبر۔

---

[1] نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج5　ص 222

۶۔ الفقیہ الحافظ امام قاضی ابو الفضل عیاض المالکی کا میلان

امام قاضی ابو الفضل عیاض المالکی (م544ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب واحترام اور حرمت وناموس پر لکھی جانی والی اپنی شہرہ آفاق کتاب "الشفا بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" جسے اس موضوع پر اہل حق و اہل ادب اتھارٹی سمجھتے ہیں اس میں آپ نبی اکرم علیہ السلام سے خطاء اجتہادی کے عدم وقوع کے قول کو ہی راجح قرار دیتے ہوئے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد کے ضمن میں لکھتے ہیں:

أَوْ يَكُونُ فَعَلَ ذَلِكَ بِاجْتِهَادِهِ فِيمَا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْهِ فِيهِ شَيْءٌ. عَلَى الْقَوْلِ بِتَجْوِيزِ وُقُوعِ الِاجْتِهَادِ مِنْهُ فِي ذَلِكَ عَلَى قَوْلِ الْمُحَقِّقِينَ. وَعَلَى مُقْتَضَى حَدِيثِ أُمِّ سَلَمَةَ: إِنِّي "إِنَّمَا أَقْضِي بَيْنَكُمْ بِرَأْيِي فِيمَا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيَّ فِيهِ شَيْءٌ." خَرَّجَهُ الثِّقَاتُ وَكَقِصَّةِ أَسْرَى بَدْرٍ، وَالْإِذْنِ لِلْمُتَخَلِّفِينَ، عَلَى رَأْيِ بَعْضِهِمْ. **فَلَا يَكُونُ أَيْضًا مَا يَعْتَقِدُهُ مِمَّا يُثْمِرُهُ اجْتِهَادُهُ إِلَّا حَقًّا وَصَحِيحًا. هَذَا هُوَ الْحَقُّ الَّذِي لَا يُلْتَفَتُ إِلَى خِلَافِ مَنْ خَالَفَ فِيهِ مِمَّنْ أَجَازَ عَلَيْهِ الْخَطَأَ فِي الِاجْتِهَادِ.**[1] لَا عَلَى الْقَوْلِ بِتَصْوِيبِ الْمُجْتَهِدِينَ الَّذِي هُوَ الْحَقُّ وَالصَّوَابُ عِنْدَنَا. وَلَا عَلَى الْقَوْلِ الْآخَرِ بأن الحق فی طرف واحد. **لعصمة النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَطَأِ فِي الِاجْتِهَادِ فِي الشَّرْعِيَّاتِ.** وَلِأَنَّ الْقَوْلَ فِي تَخْطِئَةِ الْمُجْتَهِدِينَ إِنَّمَا هُوَ بَعْدَ اسْتِقْرَارِ الشَّرْعِ. وَنَظَرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتِهَادُهُ إِنَّمَا هُوَ فِيمَا لَمْ يَنْزِلْ عَلَيْهِ فِيهِ شَيْءٌ. ولم يشرع له قبل. هَذَا فِيمَا عَقَدَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عليه وسلم قلبه.[2]

یا ایسا آپ نے اپنے اجتہاد سے کیا ہو گا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی نازل نہ ہو۔ اس قول پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اجتہاد ایسے امور میں محققین کے نزدیک واقع ہے، اور حدیث ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا مقتضٰی بھی ہے کہ (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:) میں تمہارے درمیان اپنی رائے (اجتہاد) سے فیصلہ کرتا ہوں جن امور میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوتی۔ (خرجہ الثقات) اور ایسا ہی بدر کے قیدیوں کا معاملہ ہے، اور پیچھے رہ جانے والوں کو اجازت کا معاملہ ہے، بعض کی رائے پر۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد سے حاصل ہونے والی بات حق اور صواب ہی ہو گی۔ اور حق یہی ہے کہ اس

---

[1] (ان لو قام علیہ الدلیل) علامہ خفاجی نے اپنی شرح میں اس مقام پر متن میں اضافہ نقل کیا ہے۔ ج5 ص220 دار الکتب العلمیہ 1421ھ

[2] الشفا بتعريف حقوق المصطفى المؤلف: عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبي السبتي، أبو الفضل (المتوفى: 544هـ) الناشر: دار الفيحاء – عمان الطبعة: الثانية، 1407هـ ج2 ص 271

کے خلاف کسی مخالف کی رائے کی طرف توجہ نہ دی جائے جو اس میں آپ ﷺ پر خطاء اجتہادی کو جائز قرار دیتا ہے۔(اگر اس پر دلیل قام ہو) نہ اس قول کی بنا پر التفات کیا جائے گا کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے اور ہمارے نزدیک یہی قول حق اور صواب ہے۔ اور نہ دوسرے قول کی بنا پر التفات کیا جائے گا کہ حق ایک جانب ہوتا ہے۔ اور ان امور کے سلسلہ میں دلیل یہ ہے کہ نبی علیہ السلام امور شرعیہ میں جو اجتہاد فرماتے اس میں خطاء اجتہادی سے معصوم ہیں۔رہا یہ مقولہ کہ عام مجتہدین سے خطا ہوتی ہے یہ شریعت کی تکمیل کے بعد کا ہے اور نبی ﷺ کی رائے اور اجتہاد تو وہ اس میں ہوتا ہے جس میں نہ وحی الٰہی نازل ہوئی ہو اور نہ پہلے کوئی حکم شرعی آیا ہو۔ یہ اس بات میں ہوتا ہے جو آپ کے قلب مبارک میں پختہ طور پر ہو۔(یا آپ کا قلب جسے پختہ سمجھے)

اوپر خط کشیدہ عبارت کی شرح میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

﴿هَذَا هُوَ الْحَقُّ الَّذِي لَا يُلْتَفَتُ إِلَى خِلَافِ مَنْ خَالَفَ فِيهِ﴾ **أي مِمَّنْ أَجَازَ عَلَيْهِ الْخَطَأَ فِي الِاجْتِهَادِ كما في نسخة**[1]

(اور یہ ہی حق ہے کہ اس کے خلاف کی طرف التفات نہ کیا جائے گا) یعنی جو اس کی مخالفت میں خطاء اجتہادی کو جائز کہتا ہے جیسا کہ نسخہ میں ہے۔

ایسی ہی علامہ خفاجی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

﴿هذا﴾ القول من ان اجتهاده صلى الله تعالى عليه وسلم، لا يكون إلا حقا صحيحا، ﴿هُوَ الْحَقُّ الَّذِي لَا يُلْتَفَتُ﴾ ولا يعتد ﴿إِلَى خِلَافِ مَنْ خَالَفَ فِيهِ﴾ بأن قال لا يجتهد أصلا أو يقع في اجتهاده الخطأ أو اجتهاده مخصوص بالحروب[2]

آپ وضاحت کرتے ہیں کہ ھذا سے آپ ﷺ کے اجتہاد کی طرف اشارہ ہے جو کہ حق صحیح ہوتا ہے(یہ ہی حق ہے کہ اس کے خلاف کی طرف التفات نہ کیا جائے گا)اور نہ اہمیت دی جائے گی (یعنی آپ ﷺ کا اجتہاد حق و صواب ہی ہوتا ہے اس قول کے خلاف کسی قول کی طرف

---

1 نسیم الریاض في شرح شفاء و بهامشه شرح الشفا لعلى قاري (م1014ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1327ھ) ج4ص59

2 نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين (م1069ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج5ص222

التفات نہیں کیا جائے) اور نہ اہمیت دی جائے گی۔ (اس کے خلاف جس نے اس میں اختلاف کیا) بائیں طور کہ مخالف نے کہا لا یجتھد أصلا أو یقع فی اجتهاده الخطأ أو اجتهاده مخصوص بالحروب فرمایا **آپ سرے سے اجتہاد ہی نہیں کرتے یا خطاء اجتہادی کا وقوع ہوتا ہے یا اجتہاد جنگوں کے ساتھ خاص ہے**

یعنی ان میں سے کسی قول (**سرے سے اجتہاد ہی نہیں کرتے یا خطاء اجتہادی کا وقوع ہوتا ہے یا اجتہاد جنگوں کے ساتھ خاص ہے**) کو بھی لائق التفات نہ سمجھا جائے۔

قاضی عیاض مالکی کے حوالے سے علامہ خفاجی المصری الحنفی اپنی کتاب نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض میں ان کا میلان اور جمہور کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "هل يجوز وقوع الخطا منه فيما اجتهد فيه؟ کیا نبی اکرم ﷺ نے جن مسائل میں اجتہاد فرمایا ان میں وقوع خطا جائز ہے؟ تو آپ دو قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمنعه بعضهم وجوزه بعضهم، مع الاتفاق على عدم إقراره صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على الخطأ، وهذا رجحه كثير من الأصوليين، وذهب كثير منهم إلى ترجيح عدم وقوع الخطأ في اجتهاده أصلا، واليه مال المصنف رحمه الله تعالى.[1]

بعض کے نزدیک یہ (خطاء اجتہادی) منع ہے اور بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے اس اتفاق کے ساتھ کے آپ ﷺ کو خطا پر قرار نہیں، اور کثیر اصولین نے اسے ترجیح دی ہے۔ اور کثیر اصولین نے اسے ترجیح دی ہے کہ آپ کے اجتہاد میں سرے سے خطا کا وقوع ہی نہیں ہے اور مصنف (قاضی عیاض) رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ یعنی سرے سے آپ ﷺ سے اجتہاد میں خطا کا وقوع نہیں ہے۔

شارح رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف قاضی عیاض مالکی کے نزدیک راجح قول کی صراحت فرماتے ہیں بلکہ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کثیر تعداد میں اصولیوں کا راجح بھی نبی اکرم ﷺ سے خطاء اجتہادی میں عدم وقوع کا ہی قول ہے۔

---

[1] نسيم الر ياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج 5ص 220

۷۔ ملا علی قاری کی رائے

شیخ امام علی بن سلطان محمد ہروی معروف بہ ملا علی قاری حنفی (وفات:1014ھ) اس کی شرح میں دیگر بہت سے ائمہ کرام کے اسماء گرامی ذکر کرتے ہیں جن کے نزدیک نبی اکرم ﷺ سے خطاء اجتہادی جائز ہی نہیں ہے:

(الذی هو الحقّ والصّواب عندنا) أی علی ما ذهب إلیه الأشعری والباقلانی ومختار أبی یوسف ومحمد وابن شریح بأن کل مجتهد مصیب (ولا علی القول الآخر) وهو مذهب الجمهور (بأنّ الحقّ فی طرف واحد) وأن مصیبه من المجتهدین فی کل مسألة واحد مکلف بإصابته لقیام إمارة علیه وإشارة إلیه فإن أصاب فله أجران وإن أخطأ فله أجر واحد ولا إثم علیه بخلاف اجتهاد النبی فإن الصواب عدم خطأه فی هذا الباب (لعصمة نبی صلی الله تعالی عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْخَطَأِ فِي الاِجْتِهَادِ فِي الشّرعیّات) وأما القول بأنه قد یخطئ وینبه علیه فمما لا یلتفت إلیه وأما ما سبق من عتابه فی قصة اسری بدر وإذن المتخلفین عن تبوك فمحمول علی أنه کان خلاف الأولی[1]

(ہمارے نزدیک جو حق صواب ہے) یعنی جس کی طرف اشعری اور باقلانی گئے ہیں اور ابو یوسف اور محمد اور ابن شریح کا مختار ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے (اور دوسرے قول پر) اور وہ مذہب جمہور ہے کہ (حق ایک طرف ہے) اور بے شک ہر مسئلہ میں مجتہدین میں مصیب ایک ہو گا جو کہ اصابت کا مکلف ہو گا کیونکہ اس پر امارت کا قیام ہے اور اس کی طرف اشارہ ہے اگر وہ درست ہو تا ہے تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر خطا کرتا ہے تو اس کے لیے ایک اجر ہے اور اس پر کوئی گناہ نہیں بخلاف اجتہاد نبی ﷺ کے کیونکہ صواب یہ ہے کہ آپ ﷺ سے اس باب میں عدم خطا ہے (کیونکہ شرعیات میں نبی اکرم ﷺ کی خطاء اجتہادی سے عصمت ثابت ہے) اور رہا یہ قول کہ ان سے خطا ہوتی ہے مگر اس پر آگاہ کر دیئے جاتے ہیں۔ (عصمت کی وجہ سے) اس کی طرف توجہ نہیں دی جائے گی۔ اور جو اساری بدر اور تبوک میں پیچھے رہ جانے والوں کو اجازت دینے پر خطاب کے حوالے سے ہے یہ خلاف اولیٰ ہونے پر محمول ہے۔

[1] نسیم الریاض في شرح شفاء و بهامشه شرح الشفا لعلي قاري الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1327ھ) ج 4ص 59

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی خطاء اجتہادی بدون القرار کا قول لائق التفات ہی نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خطاء اجتہادی سے بھی معصوم ہیں۔

۸۔ شہاب الدین الخفاجی الحنفی کی رائے

قاضی القضاۃ احمد بن محمد بن عمر شہاب الدین الخفاجی المصری الحنفی (1069ھ) ''نسیم الریاض'' میں اجتہاد انبیاء علیہم السلام کے حوالے سے "هل يجوز وقوع الخطأ منه فيما اجتهد فيه؟ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جن مسائل میں اجتہاد فرمایا ان میں وقوع خطا جائز ہے؟ تو آپ دو قول نقل فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمنعه بعضهم وجوزه بعضهم، مع الاتفاق على عدم إقراره صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على الخطأ، وهذا رجحه كثير من الأصوليين، وذهب كثير منهم إلى ترجيح عدم وقوع الخطأ في اجتهاده أصلا، واليه مال المصنف رحمه الله تعالى. وأدلتهم مبسوطة في كتب الأصول، فمن أرادها فليأخذ الماء من مجاريه.[1]

بعض ائمہ کے نزدیک یہ (خطاء اجتہادی) منع ہے اور بعض نے اسے جائز قرار دیا ہے اس اتفاق کے ساتھ کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو خطا پر قرار نہیں، اور اصولیوں میں سے کثیر تعداد نے اسے ترجیح دی ہے۔ اور ان میں سے کثیر اصولین نے اسے ترجیح دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اجتہاد میں سرے سے خطا کا وقوع ہی نہیں ہے اور مصنف (قاضی عیاض) رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی اسی طرف ہے۔ اور ان کے دلائل کتب اصول میں پھیلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا جو ان کا ارادہ رکھے تو پانی ان کے مجاری سے لے۔

ایک صفحہ کے بعد علامہ خفاجی مزید لکھتے ہیں:

(فلا يكون أيضا ما يعتقده مما يثمره اجتهاده)، أي يترتب عليه، ويكون ثمرة له، ومن بيانية أو تبعيضية أو تجريدية، **(إلا حقا)** موافقا للواقع **(وصحيحا)** في نفسه بقطع النظر عن الواقع ومطابقته، وهذا بناء على أنه، صلى الله تعالى عليه وسلم، لا يخطئ في اجتهاده أصلا، كما ارتضاه الغزالي وبنى عليه انه يجوز القياس على ما اجتهد فيه، وهو اللائق بمقام النبوة، ومثله في هذا كلِّه سائر الأنبياء، عليهم الصلاة والسلام

---

[1] نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج 5 ص 220

وذهب ابن الحاجب وغيره إلى أنه يقع منه الخطأ نادرا، إلا أنه لا يقر عليه، وليس ما استدلوا به خطأ، بل خلاف الأولى، فإن أرادوه ارتفع الخلاف، فتدبر (هذا) القول من أن اجتهاده، صلى الله تعالى عليه وسلم، لا يكون إلا حقا صحيحا، [1]

(وہ امر جس کا آپ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ کے اجتہاد کا ثمرہ ہے)، یعنی جو اس پر مرتب ہو، اور اس کا ثمرہ ہو گا، اور من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے یا تجریدیہ ہے، (مگر یہ کہ حق ہے) واقعہ کے موافق (اور صحیح ہے) واقعہ اور مطابقت کے قطع نظر فی نفسہ صحیح ہے، یہ اس بنیاد پر ہے کہ نبی اکرم ﷺ اپنے اجتہاد میں سرے سے خطا ہی نہیں کرتے، یہی امام غزالی کا پسندیدہ مذہب ہے اسی پر اس قاعدہ کی بنیاد ہے کہ جس (مسئلہ) میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا اس پر قیاس جائز ہے۔ اور یہ ہی مقام نبوت کے لائق ہے، اور اسی کی طرح تمام انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے سب اجتہاد ہیں۔

اور ابن الحاجب اور دیگر اس طرف گئے ہیں کہ کبھی کبھار آپ سے خطا کا وقوع ہوا ہے مگر یہ کہ آپ ﷺ کو اس پر قرار نہیں۔ جس سے انہوں سے استدلال کیا ہے یہ خطا نہیں ہے بلکہ خلاف اولیٰ ہے، اگر وہ یہ مراد لے لیں تو اختلاف ختم ہو سکتا ہے، (قاضی عیاض کے) اس قول میں غور کریں کہ "آپ ﷺ کے اجتہاد سے حق اور صحیح کے سوا نہیں ہوتا"۔

۹۔ حجۃ الاسلام، امام غزالی شافعی کا پسندیدہ مذہب

حجۃ الاسلام، امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی شافعی (م: 505ھ) کے حوالے سے علامہ خفاجی نقل کرتے ہیں:

أنه، صلى الله تعالى عليه وسلم، لا يخطئ في اجتهاده اصلا، كما ارتضاه الغزالي وبنى عليه انه يجوز القياس على ما اجتهد فيه، وهو اللائق بمقام النبوة، ومثله في هذا كلّه سائر الأنبياء، عليهم الصلاة والسلام. [2]

---

1 نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج5ص222

2 نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجي المصري شهاب الدين الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 – 2001) ج5ص221

نبی اکرم ﷺ اپنے اجتہاد میں سرے سے خطا نہیں کرتے یہی امام غزالی کا پسندیدہ مذہب ہے اسی پر اس قاعدہ کی بنیاد ہے کہ جس (مسئلہ) میں آپ ﷺ نے اجتہاد کیا اس پر قیاس جائز ہے اور یہی مقام نبوت کے لائق ہے اور اسی کی طرح تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سب اجتہاد ہیں۔

امام غزالی نے اجتہاد انبیاء علیہم السلام میں خطا بدون القرار کے مجوزین کا اپنی اصول الفقہ کی کتاب ''المستصفی'' میں رد کیا ہے۔ آپ اجتہاد کی بحث میں ان لوگوں کے جواب میں جو انبیاء علیہم السلام سے خطاء اجتہادی کے جواز کا قول کرتے ہیں اور اس کی دلیل حضرت داود علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ان کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

الْجَوَابُ مِنْ ثَلَاثَةِ أَوْجُهٍ: الْأَوَّلِ: أَنَّهُ مِنْ أَيْنَ صَحَّ أَنَّهُمَا بِالِاجْتِهَادِ حَكَمَا وَمِن الْعُلَمَاءِ مَنْ مَنَعَ اجْتِهَادَ الْأَنْبِيَاءِ عَقْلًا وَمِنْهُمْ مَنْ مَنَعَهُ سَمْعًا وَمَنْ أَجَازَ أَحَالَ الْخَطَأَ عَلَيْهِمْ؟ فَكَيْفَ يُنْسَبُ الْخَطَأُ إِلَى دَاوُد عَلَيْهِ السَّلَامُ وَمِنْ أَيْنَ يَعْلَمُ أَنَّهُ قَالَ مَا قَالَ عَنِ اجْتِهَادٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ
الثَّانِي: أَنَّ الْآيَةَ أَدَلُّ عَلَى نَقِيضِ مَذْهَبِهِمْ إِذْ قَالَ: {وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا} [الأنبياء: 79] وَالْبَاطِلُ وَالْخَطَأُ يَكُونُ ظُلْمًا وَجَهْلًا لَا حُكْمًا وَعِلْمًا، وَمَنْ قَضَى بِخِلَافِ حُكْمِ اللهِ تَعَالَى لَا يُوصَفُ بِأَنَّهُ حُكْمُ اللهِ وَأَنَّهُ الْحُكْمُ وَالْعِلْمُ الَّذِي آتَاهُ اللهُ لَا سِيَّمَا فِي مَعْرِضِ الْمَدْحِ وَالثَّنَاءِ.
فَإِنْ قِيلَ: فَمَا مَعْنَى قَوْله تَعَالَى: {فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ} [الأنبياء: 79] قُلْنَا: لَا يَلْزَمُنَا ذِكْرُ ذَلِكَ بَعْدَ أَنْ أَبْطَلْنَا نِسْبَةَ الْخَطَإِ إِلَى دَاوُد.
الْجَوَابِ الثَّالِثِ: التَّأْوِيلُ، وَهُوَ أَنَّهَا يُحْتَمَلُ أَنَّهُمَا كَانَا مَأْذُونَيْنِ فِي الْحُكْمِ بِاجْتِهَادِهِمَا فَحَكَمَا وَهُمَا مُحِقَّانِ ثُمَّ نَزَلَ الْوَحْيُ عَلَى وَفْقِ اجْتِهَادِ سُلَيْمَانَ فَصَارَ ذَلِكَ حَقًّا مُتَعَيِّنًا بِنُزُولِ الْوَحْيِ عَلَى سُلَيْمَانَ بِخِلَافِهِ، لَكِنْ لِنُزُولِهِ عَلَى سُلَيْمَانَ أُضِيفَ إِلَيْهِ وَيَتَعَيَّنُ تَنْزِيلُ ذَلِكَ عَلَى الْوَحْيِ، إِذْ نَقَلَ الْمُفَسِّرُونَ أَنَّ سُلَيْمَانَ حَكَمَ بِأَنَّهُ يُسَلِّمُ الْمَاشِيَةَ إِلَى صَاحِبِ الزَّرْعِ حَتَّى يَنْتَفِعَ بِدَرِّهَا وَنَسْلِهَا وَصُوفِهَا حَوْلًا كَامِلًا؛ وَهَذَا إِنَّمَا يَكُونُ حَقًّا وَعَدْلًا إِذَا عُلِمَ أَنَّ الْحَاصِلَ مِنْهُ فِي جَمِيعِ السَّنَةِ يُسَاوِي مَا فَاتَ عَلَى صَاحِبِ الزَّرْعِ، وَذَلِكَ يُدْرِكُهُ عَلَّامُ الْغُيُوبِ وَلَا يُعْرَفُ بِالِاجْتِهَادِ.[1]

---

[1] المستصفى المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: 505ھ) تحقيق: محمد عبد السلام عبد الشافي الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الأولى، 1413ھ، 1993م) ج1ص 359

تین وجوہ سے اس کا جواب ہے:

پہلا جواب: یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ ان دونوں نے اجتہاد سے فیصلہ کیا؟ بعض علماء تو انبیاء علیہم السلام سے اجتہاد ہی کو عقلا منع جانتے ہیں اور بعض نقلا منع جانتے ہیں۔ اور جنہوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے اجتہاد کو جائز مانا انہوں نے بھی ان کے اجتہاد میں خطاء کو محال کہا، تو داود علیہ السلام کی طرف کیسے خطا کی نسبت کی جائے گی؟ اور یہ کیسے معلوم ہوا کہ انہوں نے جو بات کی وہ اپنے اجتہاد سے کی؟

دوسرا جواب: یہ آیت تو ان کے مذھب کے خلاف پر دال ہے کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے: {وَكُلًّا آتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا} کہ ہم نے دونوں کو علم و حکمت سے نوازا۔ اور باطل و خطا تو ظلم و جہل ہوتا ہے نہ کہ حکمت و علم۔ اور جو اللہ تعالی کے حکم کے خلاف فیصلہ کرے تو اسے اللہ کا حکم نہیں کہا جاسکتا، اور نہ یہ کہ یہ اللہ تعالی کے عطا کردہ علم و حکمت سے فیصلہ ہے۔ خصوصا یہ بات مقام مدح و تعریف میں ہو۔

اگر یہ سوال ہو کہ اللہ تعالی کے فرمان: {فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ} کا کیا مطلب ہو گا؟ تو ہم کہتے ہیں کہ جب ہم نے داود علیہ السلام کی طرف خطا کی نسبت باطل کر دی تو اس کا جواب ہم پر لازم نہیں ہے۔

تیسرا جواب: کہ ہم یہ تاویل کرتے ہیں کہ دونوں کو اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنے کی اجازت تھی، تو ان دونوں نے فیصلہ کیا اور دونوں برحق تھے۔ پھر وحی کی وجہ سے سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ بخلاف دوسرے کے حق متعین ہوا۔ لیکن وحی چونکہ سلیمان علیہ السلام پر نازل ہوئی تو اس کی نسبت سلیمان علیہ السلام کی طرف کی گئی۔ سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا کہ کھیتی والے کو جانور دیئے جائیں تاکہ وہ ایک سال تک ان جانوروں کے دودھ، نسل اور اون سے نفع حاصل کرے۔ اور یہ حق و عدل تھا کیونکہ ان جانوروں سے سال بھر حاصل ہونے والا نفع کھیتی والے کا جو نقصان ہوا اس کے برابر ہو گا، اور آپ کا کیا گیا فیصلہ ایسا تھا کہ جو اللہ ہی جانتا تھا اجتہاد سے معلوم ہونے والا نہ تھا۔

امام غزالی لکھتے ہیں کہ جب ہم نے حضرت داود علیہ السلام کی طرف خطا کی نسبت باطل کر دی تو {فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ} کی تخصیص کا کیا مطلب ہو گا؟ اس کا جواب دینا ہم پر لازم نہیں۔ لہذا آپ نے یہاں اس کا جواب نہیں لکھا، مگر امام رازی اپنی کتاب "عصمة الانبياء" میں {فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ} کی تخصیص کس لئے فرمائی گئی اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں:

أن داود عليه السلام كان عالما به، لكنه ما أفتى امتحانا لابنه سليمان رجاء أن يفتي به ويستخرج حكمه، ويكون تخصيص ابنه سليمان بأن فهمه ذلك تقريرا لعين والده وإعلاء

درجته في الناس، وإنما أعرض عن ذكر داود عليه السلام للعلم باشتهاره فيما بين الخلق بمعرفة الأحكام، ثم إنه تعالى خلف الكلام بقوله: ﴿وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ لئلا يتوهم أنه كان جاهلا به، وحاكما فيه بغير الصواب.[1]

بے شک داؤد علیہ السلام اس فیصلے سے (جو سلیمان علیہ السلام نے کیا) آگاہ تھے، لیکن آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے سلیمان علیہ السلام کا امتحان لینے کی وجہ سے یہ فیصلہ نہیں فرمایا یہ امید کرتے ہوئے کہ وہ یہ فیصلہ کریں اور اس حکم کی تخریج کریں، اور ان کے بیٹے کی تخصیص کرنا کہ "بأن فهمه" (ان کو فہم عطا فرمایا) اس لئے تھی تاکہ ان کے والد علیہ السلام کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور لوگوں میں ان کی بلندی درجہ (ظاہر) ہو۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر سے اعراض اس لیے کیا کہ لوگوں میں ان کی معرفتِ احکام کے علم کی (پہلے سے) شہرت تھی، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ قول فرمایا﴿وَکُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا﴾ "اور دونوں کو حکم اور علم عطا کیا" تاکہ ایسا وہم پیدا نہ کہ وہ اس سے لاعلم تھے، اور ان کے درمیان غیر صواب فیصلہ کیا۔

یعنی اس قصہ کے ذکر کرنے کے بعد "وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا" کے ذکر کا مفاد یہ ہے کہ لوگ اس وہم سے بچ جائیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ صواب نہیں تھا بلکہ خطاء اجتہادی تھا۔

اور اس طرح امام غزالی اساری بدر کے معاملہ میں جن لوگوں نے سرکار دوعالم ﷺ کی طرف خطا کی نسبت کی ان کے جواب میں لکھتے ہیں:

قُلْنَا: لَعَلَّهُ كَانَ مُخَيَّرًا بِالنَّصِّ فِي إِطْلَاقِ الْكُلِّ أَوْ قَتْلِ الْكُلِّ أَوْ فِدَاءِ الْكُلِّ، فَأَشَارَ بَعْضُ الْأَصْحَابِ بِتَعْيِينِ الْإِطْلَاقِ عَلَى سَبِيلِ الْمَنْعِ عَنْ غَيْرِهِ فَنَزَلَ الْعِتَابُ مَعَ الَّذِينَ عَيَّنُوا لَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَكِنْ وَرَدَ بِصِيغَةِ الْجَمْعِ، وَالْمُرَادُ بِهِ أُولَئِكَ خَاصَّةً.[2]

ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ آپ کو نص کے ذریعہ اختیار حاصل ہو کہ سب کو چھوڑ دیا جائے یا قتل کر دیا جائے یا سب کا فدیہ لیا جائے۔ تو بعض صحابہ نے چھوڑنے کی تعیین کا مشورہ دیا اور دیگر

---

[1] عصمة الأنبياء المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606هـ) الناشر: مكتبة الثقافة الدينية القاهرة (الطبعة الاولى: 1406هـ) ص119

[2] المستصفى المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: 505هـ) تحقيق: محمد عبد السلام عبد الشافي الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الأولى، 1413هـ 1993م) ج1ص 347

دو اجازتوں سے منع کر دیا تو اس پر عتاب نازل ہوا، نہ کہ رسول اللہ ﷺ پر لیکن حکم جمع کے صیغہ سے وارد ہے اور اس سے مراد وہی خاص لوگ ہیں۔

۱۰۔امام شہاب الدین الرملی کی رائے

شمس الدین محمد بن ابی العباس احمد بن حمزۃ شہاب الدین الرملی (المتوفی:1004ھ) اپنی کتاب "نہایة المحتاج إلى شرح المنهاج" میں عدم وقوع خطا کے قول کو ہی صحیح قرار دیتے ہیں آپ نقل فرماتے ہیں:

وَإِلَّا فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَقَعُ الْخَطَأُ مِنْهُ أَصْلًا خِلَافًا لِمَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَقَعَ مِنْهُ لَكِنْ لَا يُقَرُّ عَلَيْهِ، بَلْ يُنَبَّهُ عَلَى الصَّوَابِ بِالْوَحْيِ حَالًا.[1]

اور صحیح یہ کہ آپ سے خطا سرے سے ہی نہیں ہوتی برخلاف ان کے جو اس طرف گئے ہیں کہ ان سے خطا کا وقوع ہونا جائز ہے مگر اس پر انہیں برقرار نہیں رکھا جاتا، بلکہ انہیں وحی کے ذریعہ فوراآگاہ کر دیا جاتا ہے۔

۱۱۔علامہ سلیمان بن عمر العجیلی الأزہری الجمل کی رائے

اور یہی بات علامہ سلیمان بن عمر بن منصور العجیلی الأزہری المعروف بالجمل (1204ھ) اپنی کتاب "حاشية الجمل على شرح المنهج" میں لکھتے ہیں:

وَإِلَّا فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ لَا يَقَعُ الْخَطَأُ مِنْهُ أَصْلًا خِلَافًا لِمَنْ ذَهَبَ إِلَى أَنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يَقَعَ مِنْهُ لَكِنْ لَا يُقَرُّ عَلَيْهِ، بَلْ يُنَبَّهُ عَلَى الصَّوَابِ بِالْوَحْيِ حَالًا[2]

اور صحیح یہ کہ آپ سے خطا سرے سے ہی نہیں ہوتی برخلاف ان کے جو اس طرف گئے ہیں کہ ان سے خطا کا وقوع ہونا جائز ہے مگر اس پر انہیں قرار نہیں بلکہ انہیں وحی کے ذریعہ فوراآگاہ کر دیا جاتا ہے۔

---

[1] نِهاية المُحتاج إلى شرح المِنهاج المؤلف: شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة شهاب الدين الرَملي (المتوفى: 1004هـ) الناشر: دار الفكر، بيروت الطبعة: ط أخيرة، 1404هـ/1984م) ج2ص139

[2] حاشية الجَمل على شرح المَنهَج المؤلف: سليمان بن عمر بن منصور العجيلي الأزهري الجمل (1204هـ) دارالكتب العلمية ج2ص 273

۱۲۔ امام بدر الدین الزرکشی کی رائے

امام ابو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ بن بھادر الزرکشی (المتوفی: 794ھ) اپنی کتاب ''البحر المحیط فی أصول الفقه'' میں اسی مذہب کو راجح بیان کرتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد کی طرف خطا کے لیے کوئی راستہ نہیں ہے آپ رقمطراز ہیں:

إِذَا جَوَّزْنَا لَهُ الِاجْتِهَادَ فَالْمُخْتَارُ أَنَّهُ لَا يَتَطَرَّقُ الْخَطَأُ إِلَى اجْتِهَادِهِ، لِأَنَّهُ لَوْ جَازَ لَوَجَبَ عَلَيْنَا اتِّبَاعُهُ فِيهِ، وَهُوَ يُنَافِي كَوْنَهُ خَطَأً وَالْمَسْأَلَةُ قَدْ نَصَّ عَلَيْهَا الشَّافِعِيُّ فِي الْأُمِّ ''فَقَالَ فِي كِتَابِ الْإِقْرَارِ: وَالِاجْتِهَادُ فِي الْحُكْمِ بِالظَّاهِرِ، وَلَنْ يُؤْمَرَ النَّاسُ أَنْ يَتَّبِعُوا إلَّا كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ رَسُولِهِ الَّذِي عَصَمَهُ اللهُ مِنَ الْخَطَإِ وَبَرَّأَهُ اللهُ مِنْهُ فَقَالَ: {وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ} [الشورى: 52] فَأَمَّا مَنْ رَأْيُهُ خَطَأٌ وَصَوَابٌ فَلَنْ يُؤْمَرَ أَحَدٌ بِاتِّبَاعِهِ، انْتَهَى وَقَالَ ابْنُ فُورَكٍ: هُوَ مَعْصُومٌ فِي اجْتِهَادِهِ كَمَا هُوَ مَعْصُومٌ فِي خَبَرِهِ وَحَكَاهُ الْأُسْتَاذُ أَبُو مَنْصُورٍ عَنْ أَصْحَابِنَا وَقَالَ الْهِنْدِيُّ إِنَّهُ الْحَقُّ عِنْدَنَا، وَمِمَّنْ جَزَمَ بِهِ الْحَلِيمِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ فَقَالَ فِي خَصَائِصِ الْأَنْبِيَاءِ'': وَمِنْهَا الْعِصْمَةُ مِنَ الْخَطَإِ فِي الِاجْتِهَادِ.[1]

جب ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اجتہاد کو جائز کہیں تو مختار یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد کی طرف خطا کی نسبت نہیں جاسکتی۔ اگر آپ کے اجتہاد میں خطا جائز ہو تو ہم پر اس میں آپ کی پیروی واجب ہے، تو وہ (اتباع کا وجوب) اس کے منافی ہے کہ وہ خطا ہو۔ اور مسئلہ امام شافعی نے کتاب الام میں لکھا ہے۔پس کتاب الاقرار میں فرمایا ہے: اور حکم میں اجتہاد ظاہر سے ہے اور لوگوں کو ہرگز اتباع کا حکم نہیں دیا جاتا مگر کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت کا وہ رسول جسے اللہ نے معصوم رکھا خطا سے اور اس سے بری رکھا ہے اور فرمایا ہے {وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ} [الشوریٰ: 52] پس جس کے رائے کبھی خطا پر ہو اور کبھی صواب پر ہو پس ہرگز کسی کو اس کی اتباع کا حکم نہیں دیا جاتا اس پر کلام مکمل ہوا۔ اور ابن فورک نے کہا ہے: آپ اپنے اجتہاد میں معصوم ہیں جیسے اپنی خبر میں معصوم ہیں اور اسے استاذ ابو منصور نے ہمارے اصحاب سے حکایت

---

[1] البحر المحيط في أصول الفقه المؤلف: أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى: 794هـ) الناشر: وزارة الاقاف والشئون الإسلامية بالكويت (الطبعة الثانية 1413هـ، 1992) ج 6 ص 218

کیا ہے اور ھندی نے کہا ہے یہی ہمارے نزدیک حق ہے، شعب الایمان میں حلیمی نے اس پر جزم فرمایا ہے پس انبیاء علیہم السلام کے خصائص میں فرمایا ہے ان میں سے ایک خطاء اجتہادی سے معصوم ہونا ہے۔

آگے علامہ زرکشی دوسرا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقِيلَ: يَجُوزُ بِشَرْطِ أَنْ لَا يُقَرَّ عَلَيْهِ وَهُوَ اخْتِيَارُ الشَّيْخِ أَبِي إِسْحَاقَ فِي اللُّمَعِ وَحَكَاهُ ابْنُ بَرْهَانٍ عَنْ أَكْثَرِ أَصْحَابِنَا وَالْخَطَّابِيُّ فِي أَعْلَامِ الْحَدِيثِ عَنْ أَكْثَرِ الْعُلَمَاءِ، وَجَعَلَهُ عُذْرًا لِعُمَرَ فِي الْكِتَابِ الَّذِي أَرَادَ النَّبِيُّ أَنْ يَكْتُبَهُ، وَارْتِضَاءُ الرَّافِعِيِّ فِي الْعَدَدِ، فِي الْكَلَامِ عَنْ سُكْنَى الْمُعْتَدَّةِ عَنِ الْوَفَاةِ، وَكَذَا ابْنُ حَزْمٍ فِي الْإِحْكَامِ قَالَ: "كَفِعْلِهِ بِابْنِ أُمِّ مَكْتُومٍ إِذْ أُنْزِلَتْ عَبَسَ" قُلْتُ: وَهُوَ قَوْلٌ لَا نُورَ عَلَيْهِ وَقَوْلُ ابْنِ الْحَاجِبِ أَنَّهُ الْمُخْتَارُ غَيْرُ صَوَابٍ۔[1]

ایک قول یہ ہے کہ جب قرار نہ ہو تو خطا اجتہادی جائز ہے، اللمع میں شیخ ابو اسحاق کا یہی مختار ہے اور ابن برھان نے ہمارے اکثر اصحاب سے بھی حکایت کیا ہے، اور خطابی نے اعلام الحدیث میں اکثر علماء سے حکایت کیا ہے، اور حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ کے لیے معاملہ کتابت میں عذر بیان کیا گیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحریر لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ اور رافعی کی عدد میں رضا متوفیٰ عنہا زوجہا کے سکنیٰ، اور اسی طرح الاحکام میں ابن حزم نے کہا: جیسا کہ ابن ام مکتوم کے ساتھ ان کے فعل میں جب عبس نازل ہوئی۔ میں کہتا ہوں یہ قول بے نور ہے اور ابن حاجب کا قول یہ مختار ہے صواب (درست) نہیں۔

"خطا بدون القرار" کا قول جسے ابن حاجب نے مختار کہا آپ اسے مختار کہنا ہی خطا قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ یہ قول (خطا بدون القرار) ہی بے نور ہے۔

ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے مسئلہ میں دور صحابہ کا ایک امام اسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خطا سمجھ کر روزانہ سورۃ عبس کی نماز میں تلاوت کرتا تھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس کے بارے میں پتہ چلا تو اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے اسے

---

[1] البحر المحيط في أصول الفقه المؤلف: أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى: 794ھ) الناشر: وزارۃ الاقاف والشئون الإسلامية بالكويت (الطبعة الثانية 1413ھ 1992) ج 6 ص 218

سزائے موت سنادی۔[1] آج بھی ایک گروہ نعوذ باللہ انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی خطائیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر عوام کو بتارہا ہے اگر دور فارقی ہوتا تو ان کی اس حرکت پر بھی ابھی تک گرفت ہوچکی ہوتی کہ اپنے شنیع قول کے دفاع میں انبیاء علیہم السلام کی خطائیں بیان کررہے ہو۔

۱۳۔امام ناصر الدین بیضاوی کی رائے

امام ناصر الدین عبد اللہ بن عمر الشیرازی البیضاوی (م: 685ھ) "منهاج الوصول إلی علم الأصول" میں لکھتے ہیں:

لا يخطئ اجتهادُه وإلا لما وجب اتباعُه.[2]
نبی کا اجتہاد خطاء نہیں کرتا اگر ایسا ہوتا تو اس کی اتباع واجب نہ ہوتی۔

۱۴۔ملا علی قاری کی رائے

ملا علی قاری "مِنَح الروض الأزهر فی شرح الفقه الأكبر" میں لکھتے ہیں:

ثم اعلم أن للأنبياء عليهم السلام أن يجتهدوا مطلقا وعليه الأكثر، أو بعد انتظار الوحي وعليه الحنفية، واختاره ابن الهمام فی التحرير؛ فإذا اجتهدوا فلا بد من إصابتهم ابتداء وانتهاء كما في المسايرة.[3]
پھر جان لو کہ اکثر علماء کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے نزدیک مطلق اجتہاد ثابت ہے یا وحی کے انتظار کے بعد اجتہاد کرتے ہیں یہ احناف کا قول ہے اور اسے ابن ھمام نے التحریر میں اختیار فرمایا، اگر انبیاء علیہم السلام اجتہاد فرمائیں تو وہ ابتداء وانتہاء صواب پر ہوتے ہیں جیسا کہ المسایرۃ میں ہے۔

---

[1] رُوِيَ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بَلَغَهُ أَنَّ بَعْضَ الْمُنَافِقِيْنَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ فَكَانَ لَا يَقْرَأُ بِهِمْ إِلَّا بِسُوْرَةِ عَبَسَ فَأَرْسَلَ فَضَرَبَ عُنُقَهُ يَسْتَدِلُّ بِذَلِكَ عَلَى كُفْرِهِ لِيَضَعَ مِنَ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَلِكَ عِنْدَهُ وَعِنْدَ قَوْمِهِ. روایت کیا گیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں ایک منافق کے بارے میں بتایا گیا کہ وہ اپنے لوگوں کی امامت کرواتا ہے مگر نماز میں صرف سورۃ عبس پڑھتا ہے آپ نے اسے بلوا کر قتل کر دیا۔ اس کے اس عمل سے اس کے کفر پر استدلال کیا کیونکہ وہ اس عمل سے اپنے اور اپنی قوم کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کر رہا تھا۔(قوت القلوب في معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد المؤلف: محمد بن علي بن عطية الحارثي، أبو طالب المكي (م: 386ھ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان (الطبعة: الثانية، 1426ھ) ج1ص166، .... تفسير روح البيان المؤلف: إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي،دار النشر / دار إحياء التراث العربی، ج 10 ص 258

[2] منهاج الوصول إلى علم الأصول (ت: إسماعيل) المؤلف: البيضاوي؛ عبد الله بن عمر بن محمد بن علي الشيرازي، أبو سعيد، أو أبو الخير، ناصر الدين البيضاوي (سنة النش: 1429ھ)

[3] مِنَح الروض الأزهر في شرح الفقه الأكبر (ط البشائر)، المجلد 1، الصفحة 383، جامع الكتب الإسلامية

۱۵۔ کمال الدین محمد بن محمد الشافعی [ابن ابی شریف المقدسی] کی رائے

المسامرۃ شرح المسایرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ ومعہ حاشیۃ علی المسایرۃ صفحہ نمبر ۱۹۷ میں کمال الدین ابن ہمام قاضی ابو بکر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فأما إذا خطرت فلا بد من علمهم بها وإصابتهم فيها أن اجتهدوا ابتدا أو انتهاء [1]
اگر وہ اس راہ پر چلتے ہیں تو ضرور انہیں اس کا علم ہوتا ہے اور اگر اجتہاد کرتے ہیں تو اس میں صواب پر ہوتے ہیں ابتدا یا انتہاء

اس کی شرح میں علامہ کمال الدین محمد بن محمد الشافعی لکھتے ہیں:

(وإصابتهم فيها أن اجتهدو) بناء على الراجح أن للانبياء أن يجتهدوا مطلقا وعليه الأكثر أو بعد انتظار الوحى وعليه الحنفية واختاره المصنف فى التحرير فإذا اجتهدوا فلا بد من إصابتهم [2]
(اگر وہ اجتہاد کرتے ہیں تو اس میں مصیب ہوتے ہیں) پھر جان لو کہ اکثر علماء کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کے نزدیک مطلق اجتہاد ثابت ہے یا وحی کے انتظار کے بعد اجتہاد کرتے ہیں یہ احناف کا قول ہے اور اسے ابن ھمام نے التحریر میں اختیار فرمایا، اگر انبیاء علیہم السلام اجتہاد فرمائیں تو وہ ضرور صواب پر ہوتے ہیں۔

۱۶۔ امام تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی السبکی کا محاکمہ

اجتہاد کے حوالے سے اس کی وضاحت کرتے ہوئے صاحب ”السیف المسلول علی من سب الرسول“ محافظ ناموس رسالت شیخ الاسلام و قاضی القضاۃ امام تقی الدین ابو الحسن علی بن عبد الکافی السبکی الشافعی (م:756ھ) اپنی کتاب ”الإبهاج فى شرح المنهاج“ میں لکھتے ہیں:

عبّر عن هذا بالفرع بكونه مبنيا على جواز الاجتهاد للنبى صلى الله عليه وسلم.

---

1 المُسامَرة شرح المُسايَرة في العقائد المنجية في الآخرة المولف: كمال الدين محمد بن محمد الشافعي [ابن أبي شريف المقدسي] (م 906ھ) الناشر المكتبة الازهرية للتراث \ دار الكتب العلمية، ج 2 ص 87

2 المُسامَرة شرح المُسايرة في العقائد المنجية في الآخرة المولف: كمال الدين محمد بن محمد الشافعي [ابن أبي شريف المقدسي] (م 906ھ) الناشر المكتبة الازهرية للتراث \ دار الكتب العلمية، ج 2 ص 87

والذی جزم به من كونه لا يخطئ اجتهاده هو الحق.

وأنا أطهر كتابي أن أحكى فيه قولا سوى هذا القول بل لا نحْفَلُ به ولا نَعْبَأُ.

واستدل في الكتاب بأنه لو جاز الخطأ عليه لوجب علينا اتباعه في الخطأ وذلك ينافي كونه خطأ.[1]

اس کو فرع سے اس لیے تعبیر کیا گیا ہے نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے اجتہاد کے جواز پر مبنی ہے۔

اور آپ (مصنف) رحمۃ اللہ علیہ کا اس پر جزم (یقین) ہے کہ نبی اجتہاد میں خطا نہیں کرتا یہی حق ہے۔

میں اپنی کتاب کو اس کے سوا دوسرے قول (خطا بدون القرار) کے ذکر سے پاک کرتا ہوں بلکہ نہ ہم اسے درخور اعتناء سمجھتے ہیں اور نہ ہمیں اس کی پرواہ ہے

اور مصنف نے اپنی کتاب میں استدلال کیا ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خطا کو جائز کہا جائے تو ہم پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اس خطا میں واجب ہو گی اور یہ منافی ہے اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطا ہو۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

ونحن نقول لمن زخرف قوله وقال يجوز بشرط أن لا يقر عليه أليس يصدق صدور الخطأ المضاد لمنصب النبوة ولقد يلزمك على هذا محال من الهذيان وهو أن يكون بعض المجتهدين في حالة إصابته أكمل من المصطفى صلى الله عليه وسلم في تلك الحالة معاذ الله أن يكون رسول الله صلى الله عليه وسلم كذلك.

وأنا قد اقتصرت على ما ذكرت تطهيرا لكتابي من البحث مع هذا القائل ووفاء بحق الشرح وإلا فيعز علينا أن نفوه فيه أو نثني نحوه عطفا.

اور ہم کہتے ہیں جس نے اپنے قول کی ملمع سازی کی اور کہا اس شرط کے ساتھ (خطاء اجتہادی) جائز ہے کہ اس پر قرار نہ ہو، کیا یہ صدور خطا کی تصدیق کرنا نہیں ہے جو کہ منصب نبوت کے خلاف ہے اور تم پر اس ھذیان سے محال لازم آئے گا وہ یہ کہ بعض مجتھدین اپنی حالت اصابت میں مصطفیٰ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے اس حالت میں اکمل ہوں اللہ کی پناہ ہو اس حال سے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ایسے ہوں۔

---

[1] الإبهاج في شرح المنهاج (منهاج الوصول للقاضي البيضاوي) المؤلف: تقي الدين أبو الحسن علي بن عبد الكافي بن علي بن تمام بن حامد بن يحيي السبكي(م756ھ) وولده تاج الدين أبو نصر عبد الوهاب(م771ھ) الناشر: دولة الامارات العربية المتحدة حكومة دبي سنة النشر: (1424 – 2004) ص 2888– (الناشر: دار الكتب العلمية،بيروت (عام النشر: 1416ھ) ج3ص252) بعض نسخوں میں اطھر کے بجائے اظھر کے الفاظ ہیں جو کہ کتابت کی غلطی ہے–

اس قائل کے ساتھ بحث میں اپنی کتاب کی تطہیر کے لیے جو میں نے ذکر کیا ہے اس میں اختصار کیا ہے اور تشریح کے حق کو پورا کیا ہے مگر یہ کہ ہمارے لیے یہ تکلیف دہ ہے کہ ہمدردی کے ساتھ اسے اچھا کہیں یا اس کی تعریف کریں۔

اللہ اکبر کبیرا، یہ ہیں ہمارے اسلاف جو اتنا بھی گوارہ نہیں کرتے کہ وہ اپنی کتب میں ایسا کوئی بھی علماء کا مذہب لکھیں جس سے کوئی بد باطن کج فہم کسی وقت کوئی مذموم معنی تراش سکے اور آج ہمارے اسلاف کے اس محبت بھرے طریق سے بر سر منبر محض اپنے باطل افکار کی تسکین کے لیے انحراف کیا جارہا ہے۔ الامان والحفیظ

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ کے لیے امکان کذب کے امتناع پر دیگر بہت سے دلائل کے علاوہ ایسی ہی ایک دلیل بیان کرتے ہیں کہ یہ ماننے سے بعض وقت میں انسانوں کا اللہ تعالیٰ سے اکمل ہو جانا لازم آتا ہے۔ آپ شرح مواقف کے حوالے سے لکھتے ہیں:

اما امتناع الکذب علیہ تعالی عندنا فثلثۃ أوجہ (الی ان قال) وأیضا فیلزم علی تقدیر ان یقع الکذب فی کلامہ سبحانہ ان نکون نحن أکمل منہ فی بعض الأوقات اعنی وقت صدقنا فی کلامنا۔[1]
یعنی کذب الٰہی کا محال ہونا ہم اہل سنت کے نزدیک تین دلیل سے ہے ایک یہ کہ اس کے کلام میں کذب آئے تو بعض وقت ہم اس سے اکمل ہو جائیں یعنی جس وقت ہم اپنے کلام میں سچے ہوں۔[2]

امام تقی الدین سبکی کا بھی استدلال یہی ہے کہ جتنی دیر نبی خطاء اجتہادی بدون القرار پر رہا اتنی دیر غیر نبی، نبی سے اکمل ہو گیا۔ اور یہ محال ہے کہ کوئی غیر نبی، کچھ دیر کے لیے بھی نبی سے اکمل ہو جائے۔ اسی لیے محققین نے خطاء اجتہادی بدون القرار کو بھی مھجور قرار دیا، اور امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حوالے سے لکھتے ہیں: **معاذ اللہ أن یکون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلك.**

---

1 شرح المواقف المقصد السابع في انه تعالى متكلم منشورات الشريف الرضى قم ایران ج 8 ص 101
2 فتاوی رضویہ ج 15 ص 338

اجتہاد انبیاء علیہم السلام کے بارے میں اصح واصوب رائے

متعدد ائمہ کرام کی تصریحات اس پر شاہد ہیں کہ اس میں اصح رائے یہی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی اجتہادی آراء بھی صرف اور صرف صواب ہی ہوتی ہیں جس کی طرف شیخ الاسلام امام ابن حجر الھیتمی (م: 974ھ) اور حضرت شاہ فضل رسول بدایونی نے صراحت کی ہے۔ درج ذیل میں ان اکابرین امت کی آراء بھی ملاحظہ ہوں۔

۱۷۔ شیخ الاسلام، شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمی

شیخ الاسلام، ابو العباس، شہاب الدین احمد بن محمد بن علی بن حجر الھیتمی السعدی الانصاری (م: 974ھ) اپنی کتاب "الإعلام بقواطع الإسلام من قول أو فعل أو نية أو تعليق مكفر" میں لکھتے ہیں:

أن القول بجواز الخطأ عليهم في اجتهادهم قول بعيد مهجور فلا يلتفت إليه.[1]

نبیوں کے اجتہاد میں خطا کے جواز کا قول جو ہے قول بعید (دور) مھجور (چھوڑا ہوا) ہے اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

۱۸۔ سیف اللہ المسلول حضرت شاہ فضل رسول بدایونی کی رائے

حضرت علامہ شاہ فضل رسول بدایونی نے بھی حضرت علامہ ابن حجر ھیتمی کے قول کو ہی اختیار فرمایا ہے آپ بھی نقل کرتے ہیں:

ان القول بجواز الخطأ عليهم في اجتهادهم قول بعيد مهجور، فلا يُلتفَت اليه.[2]

نبیوں کے اجتہاد میں خطا کے جواز کا قول قول بعید (دور) مھجور (چھوڑا ہوا) ہے، اس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔

---

1 الإعلام بقواطع الإسلام من قول أو فعل أو نية أو تعليق مكفر المؤلف: أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (م: ۹۷۴ھ) تحقيق: محمد عواد العواد الناشر: دار التقوى / سوريا (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۸ھ/ ۲۰۰۸م) ص 117، الجامع في ألفاظ الكفر المؤلف: مجموعة من المصنفين المحقق: محمد بن عبد الرحمن الخميس الناشر: دار إيلاف الدولية للنشر والتوزيع (سنة النشر: 1420ھ، 1999م) ص 225

2 المُعتَقد المُنتقَد مع شرحه المُستنَد المُعتمَد المولف: سيف الله المسلول حضرت شاه فضل رسول بدايونى. رضا اكاديمي مومبائي (الطبعة الثانية: 1420ھ) ص 112

اس سے امام اہل سنت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا میلان بھی پتہ چل جاتا ہے کیونکہ آپ نے اس کا حاشیہ لکھا ہے اور شاہ فضل رسول بدایونی کی اس عبارت کو اسی پر برقرار رکھا ہے، کہ خطاء اجتہادی کا قول بعید مھجور ہے۔

آپ کے پوتے تاج الشریعہ نے جو اس کا ترجمہ کیا ہے اس میں اسی عبارت کا ترجمہ ہے۔[1] ایک اور نسخہ نظر سے گزرا تھا جس میں اس مقام پر اصل متن میں کسی پبلشر نے تحریف کی ہوئی تھی، وہ تحریف شدہ نسخہ خانوادہ اعلیٰ حضرت میں نہیں تھا، وگرنہ ترجمہ میں اس تحریف کے مطابق ترجمہ ہوتا، اور اصل کتاب ''الإعلام بقواطع الإسلام'' جسے شاہ فضل رسول بدایونی نے اختیار فرمایا اس میں بھی تحریف شدہ الفاظ نہیں ہیں۔

۱۹۔ حضرت داتا علی ہجویری کی رائے

ابو الحسن علی بن عثمان جلابی ھجویری غزنونی (م: درمیان 481 تا 500) کی اپنے ایک کشف کی بنیاد پر رائے ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خطاء اجتہادی ہو ہی نہیں سکتی آپ امام ابو حنیفہ کو سرکار دوعالم کی صحبت میں دیکھتے ہیں جس کی بنا پر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

> از اوصاف طبع فانی بودند، وبہ احکام شرع باقی، وبدان قایم۔ چنان کہ برندہء پیغمبر بود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر اوخود رفتی، باقی الصفۃ بودی۔ وباقی الصفۃ یا مخطی بود یا مصیب۔ چوں برندہء وی پیغمبر بود صلی اللہ علیہ وسلم فانی الصفۃ باشد بہ بقای صفت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم وچون بر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خطا صورت نگیرد، بر آن کہ بدو قایم بود نیز صورت نگیرد۔ وایں رمزی لطیف است۔[2]

اس کا ترجمہ خلیفہ سیدی اعلیٰ حضرت علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری درج ذیل کرتے ہیں:

> حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں پاک ہستیوں میں سے تھے جو اوصاف طبع سے فانی، اور احکام شرع کے ساتھ باقی و قائم ہیں۔ اس لیے ان کے چلانے والے حضور سید یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اگر آپ خود چلتے، تو باقی الصفت ہوتے اور باقی الصفت یا مخطی ہوتا ہے (یعنی ارادہ صواب کرے مگر بلا ارادہ خطا ظاہر ہو جائے) یا مصیب ہوتا ہے (یعنی حقیقت معاملہ کو اچھی طرح پہنچنے والا)۔

---

1 (نبیوں سے ان کے اجتہاد میں خطا کے جائز ہونے کا قول صحت سے دور مھجور ہے، تو اس کی طرف التفات نہیں۔)
المُعتَقَد المُنتقَد مترجم: تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان مکتبہ برکات المدینہ کراچی (طبع دوم 1428ھ) ص 175

2 (کشف المحجوب المولف: ابو الحسن علی بن عثمان جلابی ھجویری غزنونی (م درمیان 481 تا 500) مطبوعہ انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد ص 129)

اور جب ان کے قائد خود حضور ﷺ ہیں تو فانی الصفت ہوئے اور نبی کی صفت بقا سے قائم ہے یہی وجہ ہے کہ پیغمبر سے صدور خطا ناممکن ہے، جو اس ذات کے ساتھ قائم ہے اس سے بھی خطا نہیں ہو سکتی۔ یہ در حقیقت ایک نہایت لطیف رمز ہے۔[1]

اعتراض: اس "رمز لطیف" کی حقیقت کو نہ سمجھتے ہوئے اگر کوئی یہ اعتراض کر دے کہ غیر نبی کے اجتہاد سے خطا کے امکان کی نفی کرنے سے تو عقیدہ عصمت بن جاتا ہے کہ جس طرح نبی سے خطا ممکن نہیں تو غیر نبی سے بھی ممکن نہ رہی۔

جواب: (خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی) کے مصداق بسا اوقات علمی اور روحانی منازل کی باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے بالا ہوتی ہیں، اسی وجہ سے داتا رحمۃ اللہ علیہ نے "رمز لطیف" سے اشارہ فرمایا، چونکہ عوام الناس مزاج دانشور اپنی ناسمجھی کو بھی سمجھداری گردانتے ہوئے اعتراض کر سکتے ہیں۔ لہذا جواباً عرض ہے کہ: غیر نبی سے خطا کے وقوع کا امکان بہر صورت باقی رہتا ہے مگر کسی خاص صورت میں عدم خطا کی دلیل سامنے آجائے تو وہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ خطا کا امکان ہی نہیں رہا۔ مثلاً غیر نبی مومنین کے حوالے سے ممکن ہے کہ انکا خاتمہ بالایمان ہو یا خاتمہ بالکفر ہو۔ مگر جن کے جنتی ہونے کی دلیل آگئی[2] تو اب ان کا جہنمی ہونا ممتنع ہو گیا۔ تو ان کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کا جہنم میں جانا ناممکن ہے۔

حضرت داتا علی ہجویری نے سرکار دو عالم کو دیکھا جس کے بارے میں ہے "من رانی فی المنام فقد رانی" اسی طرح کی دیگر احادیث تو اس یقینی دلیل اور کشف کے وجہ سے آپ کے قول کہ "امام صاحب کا اجتہاد نبی اکرم ﷺ کی صفت بقا سے قائم ہے تو جس طرح نبی ﷺ کے اجتہاد میں خطا ممکن نہیں تو ان کی صفت سے متصف ہو جانے کی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد میں بھی خطا ممکن ہی نہیں" پر آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی خواب میں یقینی زیارت اور کشف کی دلیل موجود تھی۔[3] اسی طرح اگر کسی کے اجتہاد کے عدم خطا ہونے پر دلیل موجود ہو تو وہاں خطا کا ہونا ممتنع ہو جاتا ہے۔ تو ان کے لیے اب یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہاں پر خطا ممکن ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ سیدہ پاک کے استدلال کے درست ہونے پر جب صحابہ کے اجماع کی دلیل قطعی آگئی تو اس مسئلہ میں خطا کا ہونا ممتنع ہو گیا تو اب اس مسئلہ پر خطا کے امکان یا عدم امکان کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔

---

1 (کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب مترجم علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز ص 216)

2 مثلاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کے دلائل

3 داتا علی ہجوری کی یہ رائے آپ کے کشف سے ہے لہذا یہ وحی کی طرح قطعی نہیں۔

اکابرین امت کی ان تصریحات کی موجودگی میں جن میں آپ نے ان آراء کی صراحت فرمائی ہے جن انبیاء علیہم السلام کی شان و مقام کی مناسبت سے زیادہ احوط و اسلم رائے تھی اس سے مکمل صرف نظر کرتے ہوئے صرف دوسری رائے کی تبلیغ و اشاعت کرنا وہ بھی کسی آیت یا حدیث کی تشریح کے ضمن میں کرنے کے بجائے اپنے دفاع میں بیان کرنا صریح بے باکی و جرات ہے۔

ا۔ صدر الشریعہ کا قولِ فیصل

صدر الشریعہ بدر الطریقہ حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (م 1367ھ) لکھتے ہیں:

مسئلہ ضروریہ:

انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام سے جو لغزشیں واقع ہوئیں، **انکا ذکر تلاوت قرآن، روایتِ حدیث کے سوا حرام اور سخت حرام ہے،** اوروں کو ان سرکاروں میں لب کشائی کی کیا مجال!۔۔۔ مولیٰ عزوجل ان کا مالک ہے، جس محل پر جس طرح چاہے تعبیر فرمائے وہ اس کے پیارے بندے ہیں، اپنے رب کے لیے جس قدر چاہیں تواضع فرمائیں، **دوسرا ان کلمات کو سند نہیں بنا سکتا اور خود ان کا اطلاق کرے تو مردود بارگاہ ہو۔**[1]

۲۔ شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دھلوی کا فتویٰ

محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

در قرآن مجید بآدم نسبت عصیان کردہ وعتاب نمودہ مبنی بر علوشان قرب اوست ومالک رامیرسد کہ بر ترک اولی وافضل اگرچہ بحد معصیت نرسد بہ بندۂ خود ہرچہ خواہد بگوید وعتاب نماید دیگری را مجال نہ کہ تواند گفت وانیجا ادبی ست کہ لازم ست رعایت آن وآن انیست کہ اگر از جانب حضرت بہ بعض انبیا کہ مقربان درگاہ اند عتابی وخطابی رود یا از جانب ایشان کہ بندگان خاص اویند تواضعی وذلتی وانکساری صادر گردد کہ موہم نقص بود مارانباید کہ دران دخل کنیم وبدان تکلم نمائیم۔[2]

---

1 بہار شریعت 1 ص 88
2 أشعة اللمعات"،کتاب الإيمان،الفصل الأول،ج1،ص43،(ص 23)

قرآن مجید میں جو حضرت آدم علیہ السلام کی طرف عصیاں کی نسبت کی اور ان پر عتاب فرمایا وہ حضرت آدم علیہ السلام کے خدائے تعالیٰ کے مقرب ہونے اور ان کی بلندی شان پر مبنی ہے اور مالک کو حق پہنچتا ہے کہ اولیٰ وافضل چیز کے ترک کرنے پر اگرچہ وہ معصیت کی حد تک نہ پہنچے اپنے بندے کو جو کچھ چاہے کہے اور عتاب کرے دوسرے کسی کو کچھ بھی کہنے کی مجال نہیں ہے یہ نہایت ادب کا مقام ہے جس کا لحاظ ضروری ہے اور وہ ادب یہ ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ کی جانب سے بعض انبیاء علیہم السلام پر جو اس کی درگاہ کے مقرب ہیں عتاب نازل ہو یا ان کی طرف خطا کی نسبت کی گئی ہو یا خود ان انبیاء (علیہم السلام) کی طرف سے جو کہ اس کے خاص بندے ہیں تواضع، عاجزی وانکساری کی بات صادر ہو جس سے ان میں نقص وعیب کا وہم پڑتا ہو، تو ہم بندوں کو اس میں دخل دینے یا اسے زبان پر لانے کی ہرگز اجازت نہیں۔[1]

اسی طرح کا کلام مدارج نبوت میں بھی نقل فرماتے ہیں:

واضح رہے کہ یہاں ایک ادب اور قاعدہ ہے جسے بعض اصفیا اور اہل تحقیق نے بیان کیا ہے اور اسے جان لینا اور اس پر عمل پیرا ہونا مشکلات سے نکلنے کا حل اور سلامت رہنے کا سبب ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی مقام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی خطاب، عتاب، رعب و دبدبہ کا اظہار یا بے نیازی کا وقوع ہو مثلاً آپ ہدایت نہیں دے سکتے، آپ کے اعمال ختم ہو جائیں گے، آپ کے لیے کوئی شے نہیں، آپ حیات دنیوی کی زینت چاہتے ہیں، اور اس کی مثل دیگر مقامات، یا کسی جگہ نبی کی طرف سے عبدیت، انکساری، محتاجی و عاجزی اور مسکینی کا ذکر آئے مثلاً میں تمہاری طرح بشر ہوں، مجھے اسی طرح غصہ آتا ہے جیسے عبد کو آتا ہے اور میں نہیں جانتا میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ کیا کیا جائے گا، اور اس کی مثل دیگر مقامات۔ ہم امتیوں اور غلاموں کو جائز نہیں کہ ان معاملات میں مداخلت کریں، ان میں اشتراک کریں اور اسے کھیل بنائیں، بلکہ ہمیں پاس ادب کرتے ہوئے خاموشی و سکوت اور توقف کرنا لازمی ہے، مالک کا حق ہے کہ وہ اپنے بندے سے جو چاہے فرمائے، اس پر اپنی بلندی و غلبہ کا اظہار کرے، بندے کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے مالک کے سامنے بندگی اور عاجزی کا اظہار کرے، دوسرے کی کیا مجال کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور حد ادب سے باہر نکلنے کی کوشش کرے، اس مقام پر بہت سے کمزور اور جاہل

---

[1] حاشیه بہارِ شریعت مجلس مدینة العلمیة (دعوت اسلامی) حصّہ اول ص 88

لوگوں کے پاؤں پھسل جاتے ہیں جس سے وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھنے والا اور مدد کرنے والا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ [1]

ایسے ہی امام الانبیاء کا حق ہے کہ وہ اپنے امتیوں سے جو چاہے فرمائیں، ان پر اپنی بلندی و غلبہ کا اظہار کریں، امتیوں کا بھی یہ حق ہے کہ وہ اپنے آقا کے سامنے غلامی اور عاجزی کا اظہار کریں، دوسرے کی کیا مجال کہ وہ اس میں دخل اندازی کرے اور حد ادب سے باہر نکلنے کی کوشش کرے۔

۳۔ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام احمد رضا خان کا فتویٰ

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد دین وملت مولانا شاہ امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ "فتاوی رضویہ" شریف میں فرماتے ہیں کہ:

غیر تلاوت میں اپنی طرف سے سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نافرمانی و گناہ کی نسبت حرام ہے۔ ائمہ دین نے اس کی تصریح فرمائی بلکہ ایک جماعت علمائے کرام نے اسے کفر بتایا، مولیٰ کو شایان ہے کہ اپنے محبوب بندوں کو جس عبارت سے تعبیر فرمائے، دوسرا کہے تو اس کی زبان گُدّی کے پیچھے سے کھینچی جائے لله المثل الأعلى، بلا تشبیہ یوں خیال کرو کہ زید نے اپنے بیٹے عمرو کو اس کی کسی لغزش یا بھول پر متنبہ کرنے ادب دینے حزم و عزم و احتیاط اتم سکھانے کے لیے مثلاً بیہودہ نالائق احمق وغیرہا الفاظ سے تعبیر کیا باپ کو اس کا اختیار تھا اب کیا عمرو کا بیٹا بکر یا غلامِ خالد انہیں الفاظ کو سند بنا کر اپنے باپ اور آقا عمرو کو یہ الفاظ کہہ سکتا ہے، حاشا! اگر کہے گا سخت گستاخ و مردود و ناسزا و مستحقِ عذاب و تعزیر و سزا ہو گا، جب یہاں یہ حالت ہے تو اللہ عزوجل کی ریس کر کے انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی شان میں ایسے لفظ کا بکنے والا کیونکر سخت شدید و مدید عذابِ جہنم و غضب الٰہی کا مستحق نہ ہو گا والعیاذ باللہ تعالیٰ۔

امام ابو عبد اللہ قرطبی تفسیر میں زیر قولہ تعالیٰ: { وَ طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ } کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

قال القاضي أبو بكر بن العربي رحمه الله تعالى: «لا يجوز لأحد منّا اليوم أن يخبر بذلك عن آدم عليه الصّلاة والسّلام إلّا إذا ذكرناه في أثناء قوله تعالى عنه أو قول نبيه صلى الله تعالى عليه

[1] مدارج نبوت المؤلف: شیخ عبد الحق محدث دہلوی، باب سوم در بیان فضل و شرافت، وصل در ازالہء شبہات ج 1 ص 83،84

وسلم، فأمّا أن نبتدئ ذلك من قبل أنفسنا فليس بجائز لنا فى آبائنا الأدنين إلينا المماثلين لنا فكيف بأبينا الأقدم الأعظم الأكبر النبى المقدم صلى الله تعالى عليه وسلم وعلى جميع الأنبياء والمرسلين)۔ ''الجامع لأحكام القرآن'' للقرطبى، پ16، الآية: 121، ج6، ص137۔

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبدری ابن الحاج ''مدخل''، ج1، الجزء الاول، ص237، میں فرماتے ہیں: (قد قال علماؤنا رحمهم الله تعالى: أنّ من قال عن نبى من الأنبياء عليهم الصّلاة والسلام فى غير التلاوة والحديث: أنّه عصى أو خالف فقد كفر، نعوذ بالله من ذلك)۔ ایسے امور میں سخت احتیاط فرض ہے اللہ تعالی اپنے محبوبوں کا حسنِ ادب عطا فرمائے۔ آمین۔ [1]

ائمہ کرام نے اگر انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد پر گفتگو کی ہے تو ان آیات و احادیث کے اشکال دور کرنے اور انھیں بہتر معنیٰ پر محمول کرنے کے لیے کی ہے۔ نہ کے مقدس ہستیوں کے لیے بولے جانے والے اپنے کمزور جملوں کے دفاع میں اسے آڑ بنایا ہے۔ آپ کے سیمینار کا نتیجہ کیا نکلا اب آپ کے متبعین، حواریوں نے آپ کے سیمینار کو حجت سمجھتے ہوئے جلسوں میں اپنے خطابات میں انبیاء کی خطائیں بیان کرنا شروع کر دی ہیں۔ الأمان و الحفیظ۔

اور اس مسئلہ میں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے لئے نہ ایسی نص قرآن پاک میں ہے، نہ حدیث رسول میں، نہ فرمان صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں، نہ ہی کسی صحابی کے قول میں، اور نہ ہی آپ کے مانگنے کے لیے ''خطا'' یا ''غلطی'' کے لفظ ائمہ اربعہ میں سے کسی نے استعمال کئے، جن کے اہل سنت آج مقلد ہیں۔

[1] الفتاوى الرضوية ج1، ص823-824

خلاصۂ بحث

عام کہتے ہی اسے ہیں جس لفظ (صیغہ) کی اہل لغت نے وضع ہی تمام افراد کو شامل کرنے کے لئے کی ہو۔ "لفظٌ وُضعَ وضعاً واحداً لکثیرٍ غیرِ مَحْصُورٍ، مُستغرِقٌ جمیعَ مایَصْلُحُ لَہُ" (شرح التلویح علی التوضیح) (ایسا لفظ ہے جو وضع کیا گیا ہے وضع واحد کے ساتھ کثیر غیر محصور افراد کے لئے جو کہ مستغرق ہو ان تمام افراد کو جن کی وہ صلاحیت رکھتا ہے۔) جب عام کے صیغہ کی وضع ہی اس معنی کے لئے ہوتی ہے تو اس کے معنی کے تعین کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ اسی لئے احناف کے نزدیک قرآن کا عام غیر مخصوص منہ البعض اپنے معنی کی دلالت میں خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے۔ سیدہ پاک کے مطالبہ فدک کو خطاء اجتہادی سے تعبیر کرنا بھی درست نہیں ہے؛ کیونکہ یہاں اجتہاد ہے ہی نہیں، اس لیے کہ اجتہاد ہوتا ہی وہاں ہے جہاں کسی مسئلہ کا حکم قرآن یا حدیث میں نہ ہو اور مسئلہ ظنی ہو۔ جب کہ یہاں سیدہ پاک کا مستدل نص قرآنی تھی۔ پھر یہ بھی کوئی ضروری نہیں مصیب صرف ایک ہی مجتہد ہو، کیونکہ ائمہ میں سے امام اشبیلی مالکی، ابن قدامہ حنبلی اور دیگر کئی ائمہ کی صراحت گزر چکی ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، جو کہ غیر مختار ہے مگر اہل سنت کے ہی بعض علماء کا قول ہے اور بعض دفعہ اختلاف خطاء وصواب کا ہوتا بھی نہیں بلکہ صواب واَصوب کا ہوتا ہے، جیسا کہ ایک مسئلہ میں ابن حجر نے نقل کیا ہے۔

علی سبیل التنزل اگر آیت میراث سے عموم کے لئے حجت اجتہادی مسئلہ بیان کیا جاتا ہے تو فقہاء عظام واہل فن نے اس کی تصریح فرمائی ہے کہ جب "جمع کی اضافت معرفہ" کی طرف ہو تو وہ "عموم" کا فائدہ دیتی ہے۔ اور عموم پر عمل کرنا تخصیص سے پہلے واجب ہے۔ احناف کی تصریحات اس پر دال ہیں۔ لہذا آیت میراث میں بھی "اضافت الی المعرفہ" پائی جارہی ہے جو کہ معنی کے اعتبار سے عموم اور عملاً وجوب کا فائدہ دے گی، تو آیت میراث میں بھی "اولاد" کی اضافت "کم" کی طرف ہے جو عموم کا فائدہ دیتی ہے۔ اور اسی عموم سے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا استدلال تھا اور اس کے درست ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے اجتہاد میں خطا کے حوالے سے اکثر محققین علماء کا مذہب یہی ہے کہ ان کے اجتہاد میں خطا ہوتی ہی نہیں۔ علامہ شاہ فضل رسول بدایونی نے اپنی کتاب "المعتقد" جس پر سیدی اعلیٰ حضرت کا حاشیہ بھی ہے، علامہ ابن حجر ہیتمی کے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے کہ جس میں "انبیاء علیہم السلام کے اجتہاد میں خطا کے جواز کے قول کو "قول بعید مھجور" کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے، کیونکہ ہمیں انبیاء علیہم السلام کی پیروی کا حکم ہے، اگر ان کے اجتہاد میں خطاء کو درست مانا جائے تو پھر نتیجہ نکلے گا کہ ہمیں خطاء کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے جو بالکل بھی درست نہیں۔ اور حضرت سلیمان و داؤد علیہما السلام کے قصہ سے بھی اجتہاد انبیاء علیہم السلام میں وقوعِ خطاء کا مطلب اخذ نہیں کیا جا سکتا جیسا کہ امام غزالی نے نقل کیا ہے کہ دونوں کے لیے علم و حکمت کے عطاء ہونے کا ذکر ہے، اور مقام مدح

میں تو خطاء اور جہل ظلم ہے، فضل و مدح نہیں۔ امام سبکی تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ: "ہم کسی ایسے قول کو ذکر کرنے سے بھی اپنی کتب کو پاک رکھتے ہیں جہاں انبیاء کرام علیہم السلام کے اجتہاد میں خطاء کا ذکر کیا گیا ہو"۔ اور "بدون القرار" کے قول کے بارے میں فرمایا "جس نے اپنے قول کی ملمع سازی کی اور کہا اس شرط کے ساتھ (خطاء اجتہادی) جائز ہے کہ اس پر قرار نہ ہو، تو کیا یہ صدور خطا کی تصدیق کرنا نہیں ہے؟ جو کہ منصب نبوت کے خلاف ہے۔ اور تم پر اس ہذیان سے محال لازم آئے گا، وہ یہ کہ بعض مجتہدین اپنی حالت اصابت میں مصطفیٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس حالت میں اکمل ہوں۔ اللہ کی پناہ ہو اس حال سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہوں"۔ ہمارے اسلاف میں شیخ محقق، اعلیٰ حضرت اور صدر الشریعہ کا نظریہ تو یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی خطاؤں کا ذکر بغیر تلاوت قرآن یا روایت حدیث کے جائز ہی نہیں اور اپنے لیے دلیل بنا کر ذکر کرنا تو حرام کی حد تک ناجائز ہے۔ اپنے بولے گئے غلط الفاظ کو درست ثابت کرنے کے لئے خود ساختہ قواعد گھڑتے ہوئے اس کی بھی پرواہ نہیں کہ شریعت میں کس قسم کی خرابیاں لازم آرہی ہیں، مثلاً: **"مسئلہ اجتہادی میں اگر کسی کی طرف خطاء کی نسبت کر دی جائے اور نفس الامر اور واقع میں خطاء اجتہادی نہ بھی ہو تو پھر بھی گستاخی اور بے ادبی نہیں ہوتی"** (وکیل کا وڈیو بیان)

اس سے یہ ثابت کیا کہ جہاں خطا نہ بھی ہو تو اسے خطاء اجتہادی کہہ دینا ہمارے لئے جائز ہے۔ کیا امام ابو حنیفہ کے وہ اجتہاد جن کا صواب ہونا متفق علیہ ہو بلکہ اس پر اجماع ہو، اسے خطاء اجتہادی کہہ سکتے ہیں؟ کیا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو فدک نہ دینے کی رائے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیدنا صدیق اکبر کی افضلیت اور پہلا خلیفہ بنانے کی رائے کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کر دی جائے تو جائز ہے؟ اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی وہ آراء جن پر قرار ہو، انہیں خطاء اجتہادی قرار دینا اور خصوصا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ اجتہادی فیصلہ جسے تسلیم کرنا فرض قطعی ہو مثلاً: حضرت زبیر اور ایک شخص کے درمیان باغ کو پہلے سیراب کرنے میں اختلاف ہو گیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیر کو باغ سیراب کر کے پانی جلد آگے چھوڑنے کا فیصلہ فرمایا۔ جس پر اس فیصلے کے بارے میں اس شخص کی زبان سے نکلا۔ زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں؟ تو رسول اللہ نے فرمایا: زبیر تم پانی دو پھر پانی روک لو حتی کہ وہ دیواروں کی طرف لوٹ جائے۔ اس پر رب تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: فَلَا وَ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى یُحَكِّمُوْكَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَ یُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا۔ (بخاري 2359، 2360، مسلم 2357) امام رازی لکھتے ہیں: دَلَّتِ الْآيَةُ عَلَى أَنَّ الْأَنْبِيَاءَ عَلَيْهِمُ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَعْصُومُونَ عَنِ الْخَطَأِ فِي الْفَتْوَى وَفِي الْأَحْكَامِ (آیت اس پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء علیہم السلام فتویٰ اور احکام بیان کرنے میں خطاؤں سے معصوم ہیں) آج کوئی شخص اس فیصلے کو حق تسلیم کرنے کے بجائے اسے خطاء اجتہادی قرار دے تو کیا کوئی خرابی لازم نہیں آتی؟ آپ سے متأثر بعض افراد سوشل میڈیا پر یہاں خطاء اجتہادی کی نسبت کرنا جائز قرار دے رہے ہیں۔ کیا یہ جائز ہے؟ مذکورہ بالا صورتوں اور خاص طور پر آخری صورت کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت کرنے پر کیا حکم ہے؟ کیونکہ خطاء اجتہادی میں اس رائے کو تسلیم نہیں کیا جاتا بلکہ اس کا انکار ہوتا ہے۔ اہل علم اس پر ضرور راہنمائی فرمائیں۔

باب چہارم

استدلال زہراء از عمومِ نص بالاجماع صحابہ درست

(اقوال ائمہ و مجتہدین کی روشنی میں)

سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا کے عمومِ آیت سے استدلال کے درست وصواب ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع تھا جس پر چاروں مذاہب فقیہ کے اجل فقہاء کرام کی درجنوں تصریحات موجود ہیں جو کہ اہل علم سے مخفی نہیں، اب ان بے غبار تصریحات کی موجودگی میں سیدہ پاک کی طرف خطا یا خطاء اجتہادی کا قول کرنا صرف اپنی ضد پر ڈٹ جانا ہے۔ عام قاری جس کے مطالعہ میں یہ کتب نہیں اور اسے مغالطہ دیا جارہا ہے اس کی تشفی کے لیے ان میں سے چند پیش خدمت ہیں۔

اجماع صحابہ کے حوالے سے حنفی اصولیوں کی رائے

ائمہ احناف بھی سیدہ پاک کے استدلال کو نہ صرف درست مانتے ہیں بلکہ اس کے صواب ہونے پر اجماع صحابہ ہی بیان کرتے ہیں، جس پر جید ائمہ کی تصریحات موجود ہیں۔

1. امام الأئمہ فخر الاسلام ابو الیسر محمد بن محمد النسفی الحنفی البزدوی (المتوفی: 493ھ) ''کنز الوصول إلی معرفۃ الأصول (اصول البزدوی)''،
2. امام علاء الدین عبد العزیز بن احمد بن محمد البخاری الحنفی (المتوفی: 730ھ) ''کشف الأسرار شرح أصول البزدوی''،
3. امام قوام الدین محمد بن محمد احمد الکاکی حنفی (المتوفی: 749ھ) ''جامع الاسرار فی شرح المنار''،
4. شیخ الاسلام بقیۃ المجتہدین امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی الحنفی (م: 786ھ) ''التقریر لأصول فخر الإسلام البزدوی'' ان کی دوسری کتاب ''الردود والنقود''،
5. قاضی ملا شمس الدین محمد بن حمزۃ بن محمد حنفی الفَنّاری الرومی (متوفی: 834ھ) ''فصول البدائع فی أصول الشرائع''،

6. امام عبد اللطیف بن عبد العزیز بن شمین الدین بن فرشتا الکرمانی، المعروف بابن ملک الحنفی (المتوفی: 854ھ) "شرح منار الانوار"،
7. امام محمد بن الحسن البدخشی الحنفی (المتوفی: 922ھ) "منہاج العقول"،
8. امام العلامہ الفقیہ ملا علی القاری علی بن سلطان محمد الہروی الحنفی (المتوفی: 1014ھ) "توضیح المبانی وتنقیح المعانی شرح مختصر المنار"،
9. علامہ محمد عبد الرحٰن عید المحلاوی الحنفی (المتوفی 1341ھ) "تسہیل الوصول الی علم الاصول"،

ان سب نے اجماع نقل کیا ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے جس اجماع کا اسلاف کی درجنوں کتب میں ذکر موجود ہے، اور اسلاف کی کتب میں موجود واضح تصریحات اس پر شاہد ہیں، اصول کی کتب پر نظر رکھنے والے علماء سے یہ کیسے اوجھل ہو سکتا ہے۔

ا۔ فخر الاسلام امام بزدوی کے نزدیک عموم سے استدلال کے درست ہونے پر صحابہ کا اجماع

امام الأئمہ فخر الاسلام ابو الیسر محمد بن محمد بن الحسین بن عبد الکریم بن موسی بن مجاھد النسفی الحنفی البزدوی (المتوفی: 493ھ) اپنی کتاب (کنز الوصول إلی معرفة الأصول) "اصول البزدوی" میں لکھتے ہیں:

"وَالصَّحِيحُ مِنْ مَذْهَبِهِ[1] أَنَّ الْعَامَّ يَبْقَى حُجَّةً بَعْدَ الْخُصُوصِ مَعْلُومًا كَانَ الْمَخْصُوصُ أَوْ مَجْهُولًا إلَّا أَنَّ فِيهِ ضَرْبَ شُبْهَةٍ وَذَلِكَ مِثْلُ قَوْلِ الشَّافِعِيِّ فِي الْعُمُومِ قَبْلَ الْخُصُوصِ، وَدَلَالَةُ صِحَّةِ هَذَا الْمَذْهَبِ إجْمَاعُ السَّلَفِ عَلَى الِاحْتِجَاجِ بِالْعُمُومِ".[2]

اور صحیح ان کے مذہب (حنفی) میں یہ ہے کہ بے شک عام تخصیص کے بعد بھی حجت ہے چاہے مخصوص معلوم ہو یا مجہول مگر اس میں ایک قسم کا شبہ ہوتا ہے اور یہ خصوص سے قبل

---

1. كشف الأسرار شرح أصول البزدوي المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري الحنفي (المتوفى: 730ھ) الناشر: دار الكتاب الإسلامي الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ ج1 ص 308 کے متن میں "وَالصَّحِيحُ مِنْ مَذْهَبِهِ" کی جگہ "وَالصَّحِيحُ مِنْ مَذْهَبِنَا" ہمارے مذہب میں صحیح یہ ہے، کے الفاظ ہیں جو کہ صحیح ہیں۔
2. أصول البزدوي، كنز الوصول الى معرفة الأصول المؤلف: علي بن محمد البزدوي الحنفيى الناشر: مطبعة جاويد بريس – كراتشي ج1 ص63

عموم کے بارے میں امام شافعی کے قول کی طرح ہے،اوراس مذہب کے صحیح ہونے پر دلیل یہ ہے کہ عموم سے استدلال پر اسلاف کا اجماع ہے۔

فخر الاسلام بزدوی نے احناف کے مذہب کے درست اور صحیح ہونے کی جسے دلیل بیان کیا کہ وہ اسلاف کا اجماع ہے،اور یہ مشہور و معروف اتفاقی و اجماعی مسئلہ تھا اس لیے فخر الاسلام نے اسلاف کے اجماع کی طرف اشارہ فرمادیا اس کے واقعہ کی تفصیل بیان کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔

۲۔امام عبد العزیز احمد بن محمد بخاری کی اجماع صحابہ کی تصریح

اصول بزدوی میں اسلاف کے جس اجماع کی طرف فخر الاسلام نے اشارہ فرمایا اس کی سب سے معروف شرح میں امام علاء الدین عبد العزیز بن احمد بن محمد البخاری الحنفی (المتوفی:730ھ) اپنی کتاب ''کشف الأسرار شرح أصول البزدوی''میں اس واقعہ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"قَوْلُهُ إجْمَاعُ السَّلَفِ عَلَى الِاحْتِجَاجِ بِالْعُمُومِ أَيْ بِالْعَامِّ الَّذِي خُصَّ مِنْهُ فَإِنَّ فَاطِمَةَ احْتَجَّتْ عَلَى أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا فِي مِيرَاثِهَا مِنْ أَبِيهَا بِعُمُومِ قَوْله تَعَالَى {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] الْآيَةَ مَعَ أَنَّ الْكَافِرَ وَالْقَاتِلَ وَغَيْرَهُمَا خُصُّوا مِنْهُ وَلَمْ يُنْكِرْ أَحَدٌ مِنْ الصَّحَابَةِ احْتِجَاجَهَا بِهِ مَعَ ظُهُورِهِ وَشُهْرَتِهِ بَلْ عَدَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فِي حِرْمَانِهَا إلَى الِاحْتِجَاجِ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ ''نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ''.[1]

ان کا قول کہ اسلاف کا اجماع ہے عموم سے استدلال کرنے پر یعنی عام مخصوص منہ سے کیونکہ سیدہ فاطمہ نے حضرت ابو بکر پر اپنے والد سے اپنی وراثت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} کے عموم سے استدلال کیا باوجود یہ کہ کافر اور قاتل اور ان کے علاوہ کو اس عام سے خاص کر دیا گیا تھا اور صحابہ کرام میں سے کسی نے بھی اس کے ظاہر و مشہور ہونے کے باوجود ان (سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا) کے عموم سے اس استدلال پر کوئی اعتراض نہیں کیا بلکہ حضرت ابو بکر نے ان کے وارث نہ ہونے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ''نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ'' سے استدلال کی طرف عدول کیا۔

---

1 كشف الأسرار شرح أصول البزدوي المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري الحنفي (المتوفى: 730هـ) الناشر: دار الكتاب الإسلامي الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ ج1 ص 308

آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال میں کسی قسم کی خطا نہیں تھی، وگرنہ ضرور اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کلام کرتے۔ بلکہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس استدلال کے عدم صواب ہونے پر گفتگو فرما دیتے؛ کیونکہ استدلال تو ان کے مقابلے میں پیش کیا گیا تھا۔ وہ ضرور کہتے کہ نظم قرآن اس معنی پر دلالت نہیں کرتا قرآن کا معنی سمجھنے میں بی بی پاک سے خطاء اجتہادی ہو گئی ہے، مگر آپ نے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا استدلال رد کرنے کے بجائے اسے درست و صواب سمجھتے ہوئے اسے برقرار رکھا۔ یعنی کہ نص قرآن تو اسی معنی پر دلالت کرتی ہے جو سیدہ پاک بیان فرما رہی ہیں، مگر میرے سامنے رسول اللہ نے اس کا مخصص "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" بیان فرما دیا تھا، جس کی آپ تک اطلاع نہیں پہنچی۔ اور آپ نے بھی اس پر اتفاق کر لیا تھا لہذا اس کے مخصص ہونے پر بھی اجماع ہو گیا۔

لہذا سب صحابہ کا اس آیت سے عموم کا معنی درست ہونے پر اور سیدہ پاک کے اس آیت سے استدلال کے درست ہونے پر اتفاق و اجماع تھا۔ اور حضرت ابو بکر کے بیان کردہ مخصص کے درست ہونے پر بھی اجماع تھا۔ دونوں کا استدلال بھی درست تھا اور اس کے درست ہونے پر جب بشمول ان دونوں کے سب کا اتفاق تھا تو اس پر اجماع صحابہ ہوا۔ اجماع ہوتا ہی تب ہے جب کسی مسئلہ پر تمام مجتہدین متفق ہوں اور کوئی ایک بھی اس کے خلاف نہ ہو۔

امام علاء الدین عبد العزیز بن احمد بن محمد البخاری الحنفی کشف الأسرار میں ایک اور مقام پر تو اسے صرف سیدہ کے استدلال کے بجائے صحابہ کے بھی استدلال ہونے کی صراحت کرتے ہیں اور اس پر اجماع لکھتے ہیں۔

"قَدِ اشْتَهَرَ الِاحْتِجَاجُ بِالْعُمُومَاتِ عَنْ عَامَّةِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمْ فِي الْوَقَائِعِ مِنْ غَيْرِ نَكِيرٍ مِنْ أَحَدٍ فَإِنَّهُمْ عَمِلُوا بِقَوْلِهِ تَعَالَى {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] فَاسْتَدَلُّوا بِهِ عَلَى إِرْثِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا حَتَّى نَقَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ". [1]

واقعات میں عمومات سے استدلال کرنا عام صحابہ کرام سے مشہور تھا بغیر کسی ایک کی نکیر کے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} (کے عموم) پر عمل

---

1 كشف الأسرار شرح أصول البزدوي المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري الحنفي (المتوفى: 730هـ) الناشر: دار الكتاب الإسلامي الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ ج1 ص 302

کیاتواس سے حضرت فاطمہ کی وراثت پر استدلال کیا حتی کہ حضرت ابو بکر نے "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" نقل کیا۔

"فَإِنَّهُمْ عَمِلُوا" اور "فَاسْتَدَلُّوا" میں جمع غائب کی ضمیر کا مرجع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کہ صحابہ کرام نے بھی آیت میراث سے عموم کا ہی معنی لیا اور سیدہ پاک کی وراثت کے لیے اس پر استدلال کیا۔ یہاں تک کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا مخصص بیان کیا۔ مخصص کے ظاہر ہونے سے پہلے استدلال درست تھا، جب مخصص ظاہر ہوا تو سیدہ پاک سمیت سب نے اس پر اتفاق کر لیا۔

۳۔امام محمد بن محمد احمد الکاکی کی اجماع پر تصریح

امام علاء الدین عبد العزیز بن احمد بن محمد البخاری الحنفی کے ہی معروف شاگرد امام قوام الدین محمد بن محمد احمد الکاکی حنفی (المتوفی:749ھ) اپنی کتاب "جامع الاسرار فی شرح المنار" میں تخصیص کے بعد بھی عام کی حجت باقی رہنے کے حوالے سے احناف کا مذھب نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والصحيح عندنا أن العام يبقى حجة بعد التخصيص، سواء كان المخصوص معلوما أو مجهولا، ولكن لا يبقى قطعيا كما قال الشافعي رحمه الله قبل التخصيص.

اور ہمارے نزدیک صحیح یہ ہے کہ تخصیص کے بعد بھی عام کی حجیت باقی رہتی ہے چاہے مخصوص معلوم ہو یا مجہول اور لیکن وہ قطعی نہیں رہتا، جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا تخصیص سے قبل۔(یعنی جس طرح ان کے نزدیک عام تخصیص سے قبل بھی قطعی نہیں ہوتا)

اور اس کے ثبوت میں احناف کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ودلالة صحة مذهبنا إجماع السلف على الاحتجاج بالعموم بعد ما خص فإن فاطمة رضي الله عنها احتجت على أبي بكر رضي الله عنه في ميراثها من أبيها بعموم قوله تعالى (يوصيكم الله في أولادكم) مع أن الكافر والقاتل خصا منه، ولم ينكر أحد من الصحابة احتجاجها به، مع ظهوره وشهرته، وعدل أبوبكر رضي الله عنه في حرمانها إلى الاحتجاج بقوله عليه الصلاة والسلام "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة".[1]

---

1 جامع الأسرار في شرح المنار المؤلف: محمد بن محمد احمد الكاكى حنفى (المتوفى: 749ھ) الناشر مكتبة نزار مصطفى الباز الطبعة الثانية 1426ھ ج1 ص 284

اوراس مذہب کے صحیح ہونے پر دلیل عام میں تخصیص کے بعد سے استدلال (کے صحیح ہونے) پر اسلاف کا اجماع ہے۔ کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اپنے والد سے اپنی وراثت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} کے عموم سے استدلال کیا۔ باوجود یہ کہ کافر اور قاتل کو اس عام سے خاص کر دیا گیا تھا اور صحابہ کرام میں سے کسی نے ان کے عموم سے اس استدلال پر کوئی اعتراض نہیں کیا اس کے ظاہر و مشہور ہونے کے باوجود۔ بلکہ حضرت ابو بکر نے ان کے وارث نہ ہونے پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" سے استدلال کی طرف عدول کیا۔

۴۔ شیخ الإسلام امام اکمل الدین البابرتی الحنفی کی اجماع کی تصریح

اسی طرح اس کی شرح میں شیخ الاسلام بقیۃ المجتہدین امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی الحنفی (م:786ھ) اپنی کتاب "التقریر لأصول فخر الإسلام البزدوی" میں لکھتے ہیں:

اقول: لما فرغ من تحرير المذهب بيَّن ما هو الصحيح منها وهو ان العام يبقى حجة بعد الخصوص، سواء كان المخصوص معلوما او مجهولا .....وهذا هو الصحيح من المذاهب بدليل اجماع السلف على الاحتجاج بالعمومات التى خص منها البعض. فإن فاطمة رضى الله عنها احتجت على ابى بكر رضى الله عنه فى حرمانها ميراثها بقوله تعالى (يوصيكم الله) مع ان الكافر والقاتل خصا منه. ولم ينكرها الصحابة، بل عدل ابوبكر رضى الله عنه فى حرمانها إلى قوله عليه الصلاة والسلام: (نحن معاشر الأنبياء لا نورث)......... وكذا الاحتجاج بهذا العام مشهور من الصحابة ومن بعدهم، فكان إجماعا.[1]

میں کہتا ہوں کہ جب مصنف مذہب کی تحریر سے فارغ ہوئے تو صحیح قول کو بیان کیا اور وہ یہ ہے کہ عام تخصیص کے بعد بھی حجت رہتا ہے، چاہے مخصوص معلوم ہو یا مجہول۔۔۔۔ اور یہی قول مذہب صحیح ہے، اس پر دلیل سلف کا اجماع ہے کہ انہوں نے ان عمومات سے احتجاج کیا ہے جن

---

1 التقرير لأصول فخر الإسلام البزدوي لأكمل الدين محمد بن محمود البابرتي (المتوفى 786ھ) محقق خالد محمد العروسي عبد لقادر جامعة أم القرى بمكة المكرمة (1418ھ) ج 2 ص 644

سے بعض کو خاص کیا گیا تھا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے میراث منع کرنے پر اللہ تعالیٰ کے فرمان (یوصیکم اللہ) سے احتجاج کیا باوجود اس کے کہ کافر اور قاتل دونوں اس سے مخصوص ہیں تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے استدلال کا انکار نہ کیا بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی ممانعت پر (نحن معاشر الأنبياء لا نورث) سے استدلال کیا۔ اور اس عام سے یہ احتجاج صحابہ اور مابعد میں مشہور تھا تو اجماع ہوا۔

اسی طرح آپ اپنی ایک دوسری کتاب "الردود والنقود" میں جمع مضاف کے مفید عموم ہونے پر دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحتج على أن المفرد المعرف بلام الجنس والجمع المضاف عام حقيقة بأن العلماء لم يزالوا يستدلون على العموم بمثل (والسارق)، (والزاني) وبمثل (يوصيكم الله في أولادكم) وشاع استدلالهم بها على العموم وذاع ولم ينكر عليهم أحد فكان ذلك إجماعا على أن المفرد المعرف بلام الجنس عام حقيقة.[1]

آپ مزید اس بات کی بھی وضاحت کرتے ہیں کہ لام الجنس اور جمع المضاف عموم کے لیے ہیں کیونکہ علماء ہمیشہ اس (والسارق)، (والزاني) وبمثل (يوصيكم الله في أولادكم) سے عموم پر استدلال کرتے رہے ہیں اور ان کا ان سے استدلال کرنا مشہور معروف تھا اور کسی نے ان کے استدلال پر انکار نہیں کیا لہذا اس پر اجماع ہو گیا کہ مفرد معرف بلام الجنس حقیقتاً عام ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ ایک اور کتاب میں جو "الانوار فی شرح المنار فی أصول الفقه على مذهب ابي حنيفة رضی اللہ عنہ" کے نام سے تحریر کی فقیر کے پاس ان کے اپنے ہاتھ سے لکھے نسخہ کا عکس موجود ہے اس کے صفحہ نمبر 49 پر اور ایک دوسرے مخطوطہ جو 865ھ میں نقل کیا گیا کے صفحہ نمبر 37 آپ تحریر فرماتے ہیں: "والاجماع فان الاحتجاج بالعموم من السلف متوارث" اس میں آپ کئی مثالیں ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] الردود والنقود شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمد بن محمود بن أحمد البابرتی الحنفي (م:٧٨٦ھ) المحقق: جـ ١ (ضيف الله بن صالح بن عون العمري)، جـ ٢ (ترحيب بن ربيعان الدوسري) أصل التحقيق: رسالتا دكتوراة نوقشت بالجامعة الإسلامية، كلية الشريعة، قسم أصول الفقه ١٤١٥ھ الناشر: مكتبة الرشد ناشرون الطبعة: الأولى، ١٤٢٦ھ، ٢٠٠٥م ج 2 ص 105

واستشهار احتجاج الصحابة بالعمومات في الوقايع مما لا ينكر كما احتجوا بعموم قوله تعالى "الزانية والزاني"، و"السارق والسارقة" و"من قتل مظلوما"، "وذروا ما بقي من الربا"، حتى استدلوا بقوله تعالى "يوصيكم الله في اولادكم" على ارث فاطمة حتى نقل ابوبكر قوله عليه السلام نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة.[1]

واقعات میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمومات سے استدلال کا مشہور ہونا ان امور میں سے ہے جن پر انکار نہیں کیا گیا، جیسا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمودات "الزانية والزاني والسارق والسارقة ومن قتل مظلوما وذروا ما بقي من الربا" سے استدلال کیا یہاں تک کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان "يوصيكم الله في اولادكم" سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وراثت پر استدلال کیا حتی کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" نقل کیا۔

نوٹ: یہاں جو لوگ صرف اپنی خطا کو درست ثابت کرنے کے لیے یہ شگوفے چھوڑ رہے ہیں کہ سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا نے **مخصص سن رکھا تھا اور وہ اس میں تاویل کرتی تھیں**۔ انہیں چاہیے کہ کسی سے اجماع کی تعریف پڑھ لیں کہ ایک مجتہد بھی کسی معنی کی دلالت پر متفق نہ ہو تو اس معنی کی دلالت پر اجماع نہیں ہوتا۔ اس سے مخصص کی دلالت پر جو اجماع بیان کیا گیا ہے اس کا انکار ہو جائے گا۔ تمہارا یہ قول بھی اجماع کے خلاف ہے اس پر بھی رجوع کریں۔ اور اگر یہ کہتے ہیں کہ وہ مجتہدہ نہیں تھیں اس لیے ان کا اختلاف اجماع کے متحقق ہونے میں مضر نہیں، تو پھر بھی اپنی جان نہیں بچا سکتے کیونکہ غیر مجتہد کسی شرعی مسئلہ میں خطا کرے تو وہ مطلق خطا ہوتی ہے، خطاء اجتہادی نہیں ہوتی۔ تو تمہاری اتنے سالوں سے کی جانے والی تاویل کا فریب بھی خود ہی چاک ہو جاتا ہے۔

اور سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر اسلاف (صحابہ) کے اجماع کے بعد اگر کسی نے کوئی ایسا تفرد لکھ بھی دیا ہو، تو ائمہ جس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کر رہے ہیں تو اس کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ تفرد ہی مہجور ہے۔

---

[1] الانوار فی شرح المنار فی أصول الفقه علی مذہب ابی حنیفة المؤلف: الشیخ الامام العلامه شیخ الإسلام اکمل الدین البابرتی الحنفی (المتوفی: 786ھ) (مخطوطة) ص 49

۵۔امام قاضی ملا شمس الدین محمد بن حمزۃ بن محمد الفنّاری الرومی الحنفی

امام اکمل الدین البابرتی کے شاگرد رشید شیخ الاسلام قاضی ملا شمس الدین محمد بن حمزۃ بن محمد الفنّاری الرومی الحنفی (متوفی: 834ھ) فصول البدائع فی أصول الشرائع میں لکھتے ہیں:

لنا في حجيته أولا احتجاج الصحابة وغيرهم به حتى شاع ولم ينكر فكان إجماعا احتجاج فاطمة رضي الله عنها في ميراثها من أبيها على أبي بكر بعموم آية الميراث وقد خص منه صور الموانع فقرره وعدل إلى قوله عليه السلام "نحن معاشر الأنبياء لا نورث".[1]

ہمارے نزدیک عام کی حجیت میں پہلی دلیل صحابہ کرام اوران کے علاوہ افراد کاعام سے استدلال کرنا ہے یہاں تک کہ وہ مشہور ہوگیااور اس کاانکار نہ کیاگیالہذاوہ اجماع ہے۔حضرت فاطمہ کااپنے والد گرامی سے اپنی وراثت پر حضرت ابو بکر پر آیت میراث کے عموم سے استدلال کرناحالانکہ اس سے بعض ممانعت کی صورتیں خاص کردی گئی تھیں پھر حضرت ابو بکر نے اس (استدلال) کو برقرار رکھا اورآپ ﷺ کے فرمان "نحن معاشر الأنبياء لا نورث" کی طرف عدول فرمایا۔

علامہ فناری حنفی تو بالکل واضح فرمارہے ہیں: "فقرره" کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے اس (استدلال) کوبرقرار رکھا۔

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ تو سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کو خطا قرار نہیں دیتے بلکہ اسے درست و صواب قرار دیتے ہیں۔مگر چودہ سو سال بعد ایک شخص اٹھ کر نہ صرف سیدہ پاک کو خطاپر کہہ رہاہے، بلکہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جس استدلال کو درست سمجھتے ہوئے برقرار رکھا اس کا بھی خطاپر ہونالازم آرہاہے، بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا خطاپر ہونالازم آرہاہے۔اور طرفہ تماشہ تو یہ ہے کہ اسے دین کی خدمت بھی کہہ رہاہے۔

---

[1] فصول البدائع في أصول الشرائع المؤلف: محمد بن حمزة بن محمد، شمس الدين الفناري (أو الفَنَري) الرومي (المتوفى: 834ھ) المحقق: محمد حسين محمد حسن إسماعيل الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان (الطبعة: الأولى، 2006 م)، 1427ھ ج 2 ص 61، ج 2 ص 55 نسخہ قدیم انڈیانا یونیورسٹی لائبر یری بلیومنگٹین

٦۔ امام عبد اللطیف الشہیر بابن الملک الکرمانی کی اجماع صحابہ کی تائید

عبد اللطیف بن عبد العزیز بن امین الدین بن فرشتا الکرمانی، المعروف بابن ملک الحنفی (المتوفی: 854ھ) "شرح منار الانوار" میں لکھتے ہیں:

"(لکنه لا یسقط الاحتجاج به) أی بالعام بعد ما خص کما روی ان فاطمة احتجت علی ابی بکر فی میراثها بعموم قوله تعالی (یوصیکم الله فی اولادکم) مع ان الکافر والقاتل خصا منه فلم ینکر احد احتجاجها من الصحابة وعدل أبوبکر رضی الله عنه فی حرمانها الی الاحتجاج بقوله علیه السلام (نحن معاشر الأنبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة)".[1]

(لیکن نہیں ساقط ہوتا دلیل پکڑنا اس کے ساتھ) یعنی عام کے ساتھ اس کی تخصیص ہو جانے کے بعد جیسا کہ روایت کیا گیا بے شک سیدہ کائنات رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالی کے فرمان (یوصیکم الله فی اولادکم) کے عموم کے ساتھ حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ پر اپنے حق میراث میں دلیل پکڑی، باوجود اس کے کہ بے شک کافر اور قاتل کو اس فرمان سے خاص کیا گیا کسی ایک نے بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کا انکار نہیں کیا۔ اور حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو حصہ نہ دینے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (نحن معاشر الأنبیاء لا نورث ما ترکناه صدقة) کے استدلال کی طرف عدول کیا۔

یہ بالکل واضح ہے کہ فدک کا سوال کرتے ہوئے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا استدلال قرآن کے عموم سے تھا اور جب مانگ رہیں تھیں تو عموم قرآن سے استدلال کر رہی تھیں جو کہ درست و صواب تھا۔ اور اس کے صواب ہونے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہو چکا ہے۔ لیکن جب مخصص سنا تو اسے تسلیم کیا اور پھر کبھی اس پر بات ہی نہیں کی۔ مخصص سننے سے پہلے نہ مانگنا خطا تھا، نہ " لا نورث ما ترکناه صدقة" سن کر اسے مخصص تسلیم کرنا خطا تھا، دونوں ہی درست و صواب افعال تھے۔

[1] شرح منار الانوار في أصول الفقه المؤلف: مولی عبد اللطیف الشهیر بابن الملک الحنفی (المتوفی: 854ھ) دار الکتب العلمیه الطبعة 1308ھ ص 78

۷۔امام محمد بن الحسن بدخشی کا سیدہ پاک کے عموم سے استدلال پر اجماع صحابہ کی تائید

امام محمد بن الحسن البدخشی الحنفی (المتوفی: 922ھ) "منہاج العقول" میں ان صیغوں کو بیان کرتے ہوئے جو عموم کا معنی دیتے ہیں لکھتے ہیں:

> كالجمع المضاف نحو قوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ} [النساء: 11]، فإن فاطمة احتجت بعمومه على أبي بكر رضي الله عنهما في توريثها فدك والعوالي، موضعين كانا لرسول الله صلى الله عليه وسلم ولم ينكر عليها احد من الصحابة بل عدل أبوبكر إلى تخصيصه بقوله عليه السلام: "نحن معاشر الأنبياء".[1]
>
> جیسے جمع مضاف مثل اللہ تبارک وتعالی کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ} کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اس کے عموم سے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ پر فدک اور عوالی کی میراث میں حجت پکڑی یہ دونوں جگہیں تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ رضی اللہ عنہا پر صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے بھی انکار نہ کیا بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تخصیص کے لئے فرمان رسول "نحن معاشر الانبیاء" کی طرف عدول کیا۔

ایسے ہی ازواج مطہرات نے بھی وراثت کے مطالبے کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے رابطہ کر لیا تھا لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے انہیں وہ روایت جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت بی بی پاک رضی اللہ عنہا کو جواب میں سنائی تھی، اس کا علم ہو گیا اس لئے انہوں نے پیغام ترک کر دیا۔[2] لہذا ازواج مطہرات و دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو روایت ہے وہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے سن کر ہی ہے یا ممکن ہے چند صحابہ نے ان کے علاوہ براہ راست سرکار دوعالم سے بھی سن رکھی ہو، مگر عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں سنی تھی۔ سب نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی روایت کو قبول کیا کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ لہذا فقہاء نے اس کے مخصص ہونے کے استدلال کے درست ہونے پر بھی صحابہ کا اجماع لکھا ہے۔

---

[1] شرح البدخشي منهاج العقول، شرح الأسنوي نهاية السول المؤلف: محمد بن الحسن البدخشي، عبد الرحيم الأسنوي دار الفكر ج 2 ص 400

[2] عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا: أَنَّ أَزْوَاجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَرَدْنَ أَنْ يَبْعَثْنَ عُثْمَانَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ يَسْأَلْنَهُ مِيرَاثَهُنَّ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: أَلَيْسَ قَدْ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لاَ نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ(بخاری 6730)

روافض کا اعتراض اور اس کا جواب

وراثت کا معاملہ اہل بیت کے متعلق تھا آپ ﷺ کی وراثت انہیں نہ ملنا ہوتی تو ان افراد کو بتاتے جن کے متعلق وراثت کا حکم تھا۔

جواب: رسول اللہ ﷺ پر احکام شریعت ایک ایک فرد تک براہ راست پہنچانا واجب نہ تھا بلکہ بعض تک پہنچا دینا کافی تھا۔ جب کوئی حکم نازل ہوتا تو بعض کو آگاہ فرما دیتے اور باقیوں تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہنچاتے رہتے، خواتین کے متعلق کتنے ہی احکام مرد صحابہ کی ذریعے پہنچے اور کتنے ہی مردوں کے متعلق احکام امہات المؤمنین کے ذریعے پہنچے۔ ہو سکتا ہے جب وراثت کے متعلق آیت کا مخصص بیان کیا ہو اس موقع پر آپ کے پاس صرف سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یا دیگر صحابہ رضی اللہ عنہما ہوں اہل بیت کے افراد نہ ہوں۔ اور جب ضرورت پیش آئی تو اس فرمان مصطفیٰ کی اطلاع اہل بیت رضی اللہ عنہم کو بھی دے دی گئی۔

۸۔ امام علی بن سلطان محمد المعروف ملا علی قاری کی اجماع صحابہ کی تائید

اسی طرح الامام العلامہ الفقیہ ملا علی القاری علی بن سلطان محمد الھروی الحنفی (المتوفی: 1014ھ) بھی اپنی کتاب "توضيح المباني وتنقيح المعاني شرح مختصر المنار" میں لکھتے ہیں:

لا يسقط الاحتجاج بالعام بعد ما خص كما روى أن فاطمة رضي الله عنها احتجت على أبي بكر رضي الله عنه في ميراثها بعموم قوله تعالى (يوصيكم الله في اولادكم) مع ان الكافر والقاتل خصا منه فلم ينكر أحد احتجاجها من الصحابة. وعدل أبوبكر رضي الله عنه في حرمانها الى الاحتجاج بقوله عليه السلام (نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة) رواه الخلفاء الأربعة وابن عوف وابن أبي وقاص والزبير والعباس والأزواج الطاهرات التسع رضي الله عنهم.[1]

عام مخصوص البعض سے استدلال ساقط نہیں ہوتا جیسا کہ مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی وراثت کے معاملے میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے فرمان (یوصیکم اللہ فی اولادکم) کے

[1] توضيح المباني وتنقيح المعاني شرح مختصر المنار المولف: ملا على القارى على بن سلطان محمد الهروى الحنفى (المتوفى: 1014ھ) دار صادر الطبعة الاولى 1427ھ، ص 162

عموم سے استدلال کیا حالانکہ کافر و قاتل کو اس (عام) سے خاص کر دیا گیا تھا، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی اس پر اعتراض نہیں کیا، اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے وارث نہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان (نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة) سے استدلال کی طرف عدول کیا۔ اس روایت کو خلفاء اربعہ، ابن عوف، ابن زبیر، ابن ابی وقاص، زبیر، عباس اور نو ازواج مطہرات نے روایت کیا۔

اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ جتنی روایات اس کے مخصص کے متعلق صحاح ستہ میں ہیں، یہ سب خبر واحد ہیں اور احناف کے نزدیک خبر واحد سے قرآن کے عام غیر مخصوص البعض کی تخصیص درست نہیں؟ تو آپ اس کا جواب دیتے ہیں:

والجواب: أن حرمان الكافر من الميراث خص بقوله تعالى (ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا) (النساء 141) على أنه يمكن أن النبي صلى الله عليه وسلم خص آية الميراث وقت النزول بإذن ربه لا برأيه.[1]

جواب یہ ہے کہ میراث سے کافر کے محروم ہونے کی تخصیص اس آیت مبارکہ (ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلا) سے ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میراث کی آیت کی تخصیص اللہ تعالیٰ کے اذن سے نزول کے وقت کی ہو نہ کہ اپنی رائے سے۔

لہٰذا جب پہلے تخصیص ہو چکی ہو تو مزید تخصیص خبر واحد سے کرنا جائز ہے جیسا کہ مفصل بیان کیا جا چکا ہے۔

۹۔ محمد عبد الرحمٰن عید المحلاوی الحنفی کی اجماع صحابہ کی تائید

محمد عبد الرحمٰن عید المحلاوی الحنفی (المتوفی 1341ھ) اپنی تصنیف "تسهيل الوصول الى علم الاصول" میں لکھتے ہیں:

" ويحتج بالعام بعد التخصيص كما روى أن فاطمة رضى الله عنها احتجت على أبي بكر في ميراثها بعموم قوله تعالى (يوصيكم الله في اولادكم) مع ان الكافر والقاتل خصا منه فلم ينكر

[1] توضيح المباني وتنقيح المعاني شرح مختصر المنار المولف: ملا علی القاری علی بن سلطان محمد الهروی الحنفی (المتوفى: 1014ھ) دار صادر الطبعة الاولى 1427ھ ص 162

أحد احتجاجها من الصحابة. وعدل أبوبكر رضي الله عنه في حرمانها الى الاحتجاج بقوله عليه السلام (نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة)".[1]

اور تخصیص کے بعد عام سے استدلال کیا جائے گا جیسا کہ مروی ہے کہ سیدہ فاطمہ نے اپنی وراثت کے معاملے میں حضرت صدیق اکبر پر اللہ تعالیٰ کے فرمان (یوصیکم اللہ في أولادکم) کے عموم سے استدلال کیا حالانکہ کافر و قاتل کو اس سے خاص کیا جا چکا تھا پھر بھی صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی آپ کے استدلال پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی ممانعت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث ما ترکناہ صدقة" کی طرف عدول کیا۔

یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قضیۂ فدک میں سیدہ زہراء کے عموم سے استدلال کے درست ہونے پر اور حضرت سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیان کردہ حدیث پاک کے مخصص ہونے پر، ہر دو پر اجماع صحابہ تھا۔ اب یہ دونوں استدلال کسی کے انکار نہ کرنے کے یعنی اجماع سکوتی کے باعث حد تواتر اور قطعیت تک پہنچتے ہیں۔

نوٹ:

جب دونوں مسائل پر علماء نے اجماع کی تصریح کی ہے تو اگر روایت سے یا تفردات سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ مخصص ہونے پر اجماع نہیں ہوا تھا تو ان روایات و تفردات کی تاویل کی جائے گی۔ اور اسی طرح عموم سے استدلال کے درست ہونے پر اجماع کی معتبر و مسلم تصریحات کے بعد اگر کوئی تفرد ملتا بھی ہے اس کی بھی تاویل کی جائے گی۔

فقہاء احناف کے علاوہ دیگر کثیر تعداد میں فقہاء نے نہ صرف احناف کی تائید کی ہے بلکہ استدلال کے درست ہونے پر اجماع کی تصریح بھی کی ہے۔

---

[1] تسھیل الوصول الی علم الاصول المولف: محمد عبد الرحمن عید المحلاوي الحنفي (المتوفی 1341ھ) المکتبة المکیة الطبعة الاولی 1428ھ، ج1 ص 127

دیگر فقہاء کی سیدہ پاک کے استدلالِ عموم کے درست ہونے پر اجماع کی تصریح

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحاب کی تصریح کرنے والے احناف کے علاوہ دیگر فقہاء۔

1. امام قاضی ابو بکر محمد بن الطیب الباقلانی المالکی (المتوفی:403ھ) ''التقریب والإرشاد''،
2. امام قاضی ابویعلی، محمد بن الحسین بن محمد بن خلف ابن الفراء الحنبلی (المتوفی:458ھ) ''العدة في أصول الفقه''،
3. امام ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن الکَلْوَذانی الحنبلی (المتوفی:510ھ) ''التمهيد في أصول الفقه''،
4. امام علامۃ البحر ابو الوفاء علی بن عقیل بن محمد بن عقیل بغدادی ظفری حنبلی (المتوفی:513ھ) ''الوَاضِح في أُصُولِ الفِقه''،
5. ابو حامد امام غزالی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی:505ھ) ''المستصفى''،
6. امام ابو عمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس دوینی اِسنائی، المعروف ابن الحاجب المالکی (المتوفی: 646ھ) ''مختصر منتهى السول والأمل في علمي الأصول والجدل المعروف مختصر ابن حاجب''،
7. امام ابو القاسم محمود بن عبد الرحمن ابن احمد بن محمد، ابو الثناء، شمس الدین الاَصفہانی الشافعی (المتوفی: 749ھ) ''بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب''،
8. امام قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر البیضاوی (المتوفی:685ھ) ''منهاج الوصول الى علم الأصول''،
9. قطب الاَقطاب سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے شاگرد رشید اور فقہی علوم کے وارث ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی (المتوفی:620ھ) ''روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل''،
10. ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابی الفتح بن ابی الفضل البعلی الحنبلی (المتوفی:709ھ) ''تلخيص روضة الناظر وجنة المناظر''،
11. امام صفی الدین محمد بن عبد الرحیم الاَرموی الھندی الشافعی (م:715ھ) ''نِهاية الوصول في دَرَاية الأصول''،

12. امام نجم الدین ابو الربیع سلیمان بن عبد القوی بن الکریم الطوفی الصرصری الحنبلی، (التوفی:716ھ) ''شرح مختصر الروضۃ''،
13. امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی الشافعی (التوفی:631ھ) ''الإحکام فی أصول الأحکام''،
14. امام ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی، (التوفی:772ھ) ''نِھایۃُ السُّول فی شرحِ منھاجِ الوُصول''،
15. امام کمال الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمن المعروف ابن امام الکاملیۃ الشافعی (التوفی:874ھ) ''تیسیر الوصول إلی منھاج الأصول من المنقول والمعقول (المختصر)''
16. امام علاء الدین أبو الحسن علی بن سلیمان المرداوی الدمشقی الصالحی الحنبلی (م:885ھ) ''التحبیر شرح التحریر فی أصول الفقہ''،
17. علامہ محمد بن اسماعیل الأمیر الصنعانی (م:1182ھ) ''إجابۃُ السائلِ شرحُ بُغْیَۃِ الآملِ''،

ان کے علاوہ بھی دیگر کئی علماء آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ لکھتے ہیں۔

۱۰۔ امام ابو بکر الباقلانی، استدلال زہراء پاک کے صواب ہونے پر اجماع صحابہ کے مؤید

مالکی فقہاء میں سے امام قاضی ابو بکر محمد بن الطیب بن محمد بن جعفر بن القاسم الباقلانی البصری، الملقب بشیخ السنۃ، ولسان الأمۃ (م:403ھ) کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ بھی اپنی کتاب ''التقریب والإرشاد'' میں لکھتے ہیں:

> وقالوا وکذلك فلم ینکر أبو بکر ولا غیرہ تعلق فاطمة بنت رسول الله صلی الله علیه وسلم ورضی عنها عند مطالبتها بفدك بعموم قوله تعالی: (یوصیکم الله فی أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین) وقوله: ''أیرث أباك ولا أرث الله''[1] فلم یرد التعلق بالعموم، ولکن أخبرها أنه مخصوص فیمن عدا الأنبیاء صلوات الله علیهم وسلامه بقوله صلی الله علیه وسلم: ''نحن معاشر الأنبیاء لا نورث ما ترکنا فهو صدقة'' فی أمثال هذا مما تعلقوا فیه بالعموم یطول

[1] محقق نسخہ ڈاکٹر عبد الحمید بن علی اس کے حوالے سے لکھتے ہیں: هکذا لفظ الحدیث فی المخطوط. ولم اعثر علی لفظه ولا معناه فیما رجعت له من کتب السنة. ولم یتناقل هذا الحدیث الاصولیون فی کتبهم. (مصادر میں ''لا ارث ابی'' کے الفاظ ملتے ہیں۔)

تتبعه فوجب لذلك القضاء على أن القول بالعموم إجماع من الصحابة رضوان الله عليهم. وأوضح دلالة على بناء هذه الألفاظ للعموم والاستغراق.[1]

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور نے اس بات کا انکار کیا جب سیدہ زہراء پاک نے اپنے فدک کے مطالبہ کو اللہ تعالی کے فرمان (یوصیکم الله في أولادکم للذکر مثل حظ الأنثیین) کے عموم سے منسلک فرمایا۔ اور آپ رضی اللہ عنہا کا قول، کیا آپ تو اپنے اباء کے وارث ہوں اور جن کے لیے اللہ نے وراثت رکھی ہو وہ نہ ہوں، اسے عموم سے متعلق کرنے پر رد نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ رضی اللہ عنہا کو بتایا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما ترکنا فهو صدقة" سے انبیاء صلوات اللہ علیہم کے علاوہ دیگر کے لیے مخصوص ہے۔ اس قسم کی مثالیں جن میں عموم سے متعلق کیا گیا ایک لمبی فہرست ہے اقتضاء یہ واجب کرتی ہے کہ ان کا عموم کے لیے ہونا صحابہ کے اجماع سے ہے۔ اور بہت واضح دلالت کرتا ہے کہ ان الفاظ کی بنا عموم واستغراق کے لیے ہے۔

۱۱۔ امام قاضی ابو یعلی بغدادی حنبلی، استدلال سیدہ زہرا کے صواب ہونے پر اجماع صحابہ

اسی طرح حنبلی فقہاء میں سے امام قاضی ابو یعلی، محمد بن الحسین بن محمد بن خلف ابن الفراء الحنبلی (المتوفی: 458ھ) بھی کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ اپنی کتاب ''العدة في أصول الفقه'' میں لغت کے اندر عموم کے لیے صیغوں کی وضع ہونے اور ان کی دلالت استغراق الجنس کے لیے ہونے پر دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وكذلك مطالبة فاطمة أبا بكر رضي الله عنهما بالميراث من النبي صلى الله عليه وسلم، واحتجاجها بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ}؛ فأقرها على العموم، وقابلها بقوله: ''لا نورث ما تركنا صدقة''.[2]

---

1. التقريب والإرشاد (الصغير) المؤلف: القاضي أبو بكر محمد بن الطيب الباقلاني (م:۴۰۳ھ) قدم له وحققه وعلق عليه: د. عبد الحميد بن علي أبو زنيد الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان الطبعة: الثانية، ۱۴۱۸ھ ۱۹۹۸م ج 3 ص 40
2. العدة في أصول الفقه المؤلف: القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين بن محمد بن خلف ابن الفراء (المتوفى: 458ھ) المملكة العربية السعودية الطبعة الثالثة 1414ھ ج 2 ص 493

اور اسی طرح حضرت فاطمہ کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہما سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وراثت کا مطالبہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُم اللهِ فِي أَوْلَادكُم للذّكر مثل حَظّ الْأُنْثَيَيْنِ} سے استدلال کرنا پھر حضرت ابو بکر کا اس آیت کو عموم پر بر قرار رکھ کر آپ کی دلیل کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان "لانورث ما ترکنا صدقة" پیش کرنا ہے۔

قاضی ابو یعلی اس کی بالکل واضح تصریح فرما رہے ہیں " فأقرها على العموم" یعنی ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کا استدلال درست قرار دیتے ہوئے اسے بر قرار رکھا اسے خطا نہیں کہا۔ چودہ سو سال بعد شاید کسی کو ابو بکر رضی اللہ عنہ سے زیادہ دین کی فہم آگئی ہے کہ جس استدلال کو ابو بکر رضی اللہ عنہ خطا نہیں کہتے، بلکہ اسے درست و صواب سمجھتے ہیں۔ آج اسے خطا کہا جارہا ہے۔ قاضی ابو یعلی سیدہ پاک کے استدلال کے درست و صواب ہونے کے حوالے سے مزید لکھتے ہیں:

"فالدلالة على أنه حقيقة في الباقي: ما روى أن فاطمة رضى الله عنها احتجت بقول الله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ}؛ فلم ينكر أحد احتجاجها بهذه الآية، وإن كان قد خص منها: الولد الكافر، والرقيق، والقاتل؛ وإنما خصوا منها ميراث النبى صلى الله عليه وسلم بسنة خاصة، فدل على أن تخصيص العموم لا يمنع من الاحتجاج به فيما لم يخص منه". [1]

پس اس پر دلالت کہ باقی میں یہ حقیقت پر ہے، یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُم اللهِ فِي أَوْلَادكُم للذّكر مثل حَظّ الْأُنْثَيَيْنِ} سے حجت پکڑی تو کسی ایک نے بھی اس آیت کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہا کے احتجاج کا رد نہیں کیا اگرچہ اس سے ولد کافر، رقیق، اور قاتل مخصوص کئے جاچکے تھے، اور انہوں نے اس سے میراث نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک خاص سنت کے ساتھ خاص کی پس یہ دلیل ہوئی اس بات پر کہ عموم کی تخصیص ہونے کے بعد اس عموم کے ساتھ جو مخصوص نہیں ان پر حجت پکڑنا منع نہیں۔

---

1 العدة في أصول الفقه المؤلف: القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين بن محمد بن خلف ابن الفراء (المتوفى: 458هـ) المملكة العربية السعودية الطبعة الثالثة 1414هـ ج 2 ص 541

یعنی اس کو نہ صرف حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ درست سمجھتے تھے بلکہ کسی صحابی نے بھی انکار نہ کیا تو تمام صحابہ کا اس کے درست ہونے پر اجماع ہو گیا۔ اس آیت میں حکم عموم کے لیے ہی تھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں کی رائے یہی تھی کی آیت میں جو رب کا فرمان ہے یہ عموم کے لیے ہے، انبیاء کرام علیہم السلام کی جو تخصیص کی گئی ہے وہ حدیث پاک سے تھی جس کی خبر حضرت ابو بکر کے پاس تھی اور سیدہ پاک نے حضرت ابو بکر سے سن کر آپ سے اتفاق کر لیا تھا۔

۱۲۔ امام ابو الخطاب کلوَذانی حنبلی کی اجماع صحابہ کی تائید

الشیخ الامام ابو الخطاب محفوظ بن احمد بن الحسن الکَلْوَذانی الحنبلی (المتوفی: 510ھ) اپنی کتاب ”التمهيد في أصول الفقه“ میں عموم کی بحث میں لکھتے ہیں:

”وعن فاطمة عليها السلام أنها جاءت إلى أبي بكر عليه السلام فطالبته ميراثها من أبيها واحتجت بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ} فقال لها أبو بكر: سمعت أباك يقول: ”نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة“ فلم يرد العموم وإنما ذكر التخصيص“. [1]

حضرت فاطمہ علیہا السلام سے مروی ہے کہ وہ حضرت ابو بکر علیہ السلام کی طرف آئیں (پیغام بھیجا) تو آپ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی کی طرف سے ہونے والی اپنی وراثت کا مطالبہ کیا، اور آپ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ} سے استدلال کیا۔ تو ان سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آپ کے والد گرامی سے سنا کہ انہوں نے فرمایا "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" تو انہوں نے (آیت کے) عموم کا رد نہیں کیا اور صرف تخصیص کا ذکر کیا۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

لنا أن فاطمة عليها السلام طلبت ميراثها من أبيها عليه السلام واحتجت بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الأُنْثَيَيْنِ}. ولم ينكر عليها أبو بكر ولا غيره من

---

[1] التمهيد في أصول الفقه المؤلف: محفوظ بن أحمد بن الحسن أَبو الخطاب الكَلْوَذاني الحنبلي (المتوفى: 510هـ) الناشر: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى الطبعة: الأولى، 1406هـ ج 2 ص 10

الصحابة رضی الله عنهم الاحتجاج بهذه الآية، وهی مخصوصة فإن الولد الكافر والقاتل والعبد (لا يرث).[1]

ہماری دلیل یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی کی طرف سے ہونے والی اپنی وراثت کا مطالبہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُم اللهُ فِي أَوْلَادِكُم لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} سے استدلال کیا اور نہ ہی حضرت ابو بکر اور نہ ہی ان کے علاوہ صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی اس آیت سے استدلال پر اعتراض کیا۔ حالانکہ وہ آیت مخصوص ہے کیونکہ ولد کافر اور قاتل اور غلام وارث نہیں ہوتے۔

۱۳۔ امام ابو الوفاء، ابن عقیل حنبلی کی اجماع صحابہ کی تائید

امام علامۃ البحر، ابو الوفاء، علی بن عقیل بن محمد بن عقیل بغدادی ظفری حنبلی (المتوفی: 513ھ) اپنی کتاب "الوَاضِح فی أُصُولِ الفِقه" میں عام کی تخصیص ہو جانے کے بعد بھی اس کے استدلال کے درست ہونے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"العمومُ إذا دخلَه التخصيصُ لم يصر مجملاً، ويصح الاحتجاجُ به فيما بقيَ من لفظه وبه قالَ أصحابُ أبي حنيفةَ، والمعتزلةُ".

عموم پر جب تخصیص داخل ہو جائے تو وہ مجمل نہیں رہتا اور اس لفظ کے ضمن میں جو باقی رہیں ان میں اس عموم سے استدلال جائز ہے اور یہی کہنا ہے امام ابو حنیفہ کے اصحاب اور معتزلہ کا۔

اپنے مذھب کے دلائل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمنها: أنَّ فاطمةَ بنتَ النبی صلی الله عليه وسلم وعليها السلام احتجت على أبي بكرٍ الصديقِ بقوله [تعالى]: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] وإن كانت الآيةُ مخصوصةً في القاتلِ والكافرِ والرقيقِ، ولم ينكر احتجاجَها هو، ولا أحدٌ من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم[2]

---

1 التمهيد في أصول الفقه المؤلف: محفوظ بن أحمد بن الحسن أَبُو الخطاب الكَلْوَذَاني الحنبلي (المتوفى: 510هـ) الناشر: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى الطبعة: الأولى، 1406هـج 2 ص 144

2 الوَاضِح في أُصُولِ الفِقه المؤلف: أبو الوفاء، علي بن عقيل بن محمد بن عقيل البغدادي الظفري، (المتوفى: 513هـ) الناشر: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة: الأولى، 1420هـج 4 ص71

ان دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ بے شک سیدہ فاطمہ بنت نبی ﷺ وعلیھا السلام نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} سے استدلال کیا اگرچہ یہ آیت قاتل و کافر اور غلام کے حق میں مخصوص تھی اور ان کے اس استدلال پر نہ آپ رضی اللہ عنہ نے اور نہ ہی دیگر اصحاب رسول اللہ ﷺ میں سے کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے کوئی اعتراض کیا۔

یہاں "ھو" ضمیر کا مرجع ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں کہ انہوں نے بھی استدلال کے درست وصواب ہونے کا انکار نہیں کیا، اور نہ ہی کسی صحابی نے انکار کیا۔

آپ اپنی کتاب کے دوسرے مقام پر سیدہ پاک کے استدلال کے درست ہونے پر تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کرتے ہیں، آپ عموم کی بحث میں لکھتے ہیں:

فی دلائلنا من إجماعِ الصحابةِ على ذلك قولاً وعملاً..... ومنها: احتجاجُ فاطمةَ بنتِ رسولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم، وسلامُه عليها بعمومِ آية المواريثِ: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} [النساء: 11] على أبي بكرٍ الصدّيق لما مَنعها ميراثَها من أبيها، فلم يُنكر احتجاجَها بالآية، بل عَدلَ إلى ما رواه عن النبى صلى الله عليه وسلم من دليلِ التخصيص، وقوله: "نحنُ مَعاشِرَ الأنبياء لا نُورَث، ما تَركنا صَدَقة"[1]

اس مسئلہ پر صحابہ کرام کے قولی و عملی اجماع ہونے پر ہمارے دلائل کے بیان میں.... ان دلیلوں میں سے ایک فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ، وسلام اللہ علیھا کا آیت مواریث {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} سے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ پر استدلال کرنا کیونکہ جب انہوں نے آپ رضی اللہ عنہا کے اپنے والد گرامی سے ان کی (فدک میں) وراثت سے منع کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے سیدہ کے اس آیت سے استدلال پر اعتراض نہیں کیا بلکہ اس حدیث کی طرف عدول کیا ہے، جو آپ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے تخصیص کی دلیل روایت کی، اور وہ آپ ﷺ کا فرمان "نحنُ مَعاشِرَ الأنبياء لا نُورَث، ما تَركنا صَدَقة"۔

---

[1] الواَضِح في أصُولِ الفِقه المؤلف: أبو الوفاء، علي بن عقيل بن محمد بن عقيل البغدادي الظفري، (المتوفى: 513هـ) الناشر: مؤسسة الرسالة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، لبنان الطبعة: الأولى، 1420هـ ج 3 ص 317

۱۴۔ ابو حامد امام غزالی الشافعی کے نزدیک اجماع صحابہ کی دلیل عمدہ دلیل

ابو حامد امام غزالی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی: 505ھ) اپنی کتاب المستصفیٰ میں لکھتے ہیں:

الدَّلِيلُ الْخَامِسُ وَهُوَ عُمْدَتُهُمْ: إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ فَإِنَّهُمْ، وَأَهْلُ اللُّغَةِ بِأَجْمَعِهِمْ أَجْرَوْا أَلْفَاظَ الْكِتَابِ، وَالسُّنَّةِ عَلَى الْعُمُومِ إِلَّا مَا دَلَّ الدَّلِيلُ عَلَى تَخْصِيصِهِ، وَإِنَّهُمْ كَانُوا يَطْلُبُونَ دَلِيلَ الْخُصُوصِ لَا دَلِيلَ الْعُمُومِ فَعَمِلُوا بِقَوْلِ اللهِ تَعَالَى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] وَاسْتَدَلُّوا بِهِ عَلَى إِرْثِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، حَتَّى نَقَلَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ"[1]

پانچویں دلیل اور وہ ان کے دلائل میں سے اعلیٰ دلیل ہے: اجماع صحابہ ہے کیونکہ انہوں نے اور اہل لغت نے بالاتفاق کتاب اللہ اور سنت کے الفاظ کو عموم پر رکھا ہے مگر یہ کہ کوئی دلیل اس کی تخصیص پر دلالت کرے اور وہ تخصیص کی دلیل طلب کیا کرتے تھے نہ کہ عموم کی دلیل، پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} پر عمل کیا اوراس سے صحابہ نے وراثت فاطمہ پر استدلال کیا حتی کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ" نقل کی۔

۱۵۔ امام ابن حاجب مالکی، زہراء پاک کا استدلال صواب ہونے پر اجماع صحابہ

ابو عمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس دوینی اِسنائی، المعروف ابن الحاجب المالکی (المتوفی: 646ھ) اپنی معروف کتاب "مختصر منتهى السول والأمل في علمي الأصول والجدل المعروف مختصر ابن حاجب" میں عموم کی بحث میں لکھتے ہیں:

(مَسْأَلَةٌ) الشَّافِعِيُّ وَالْمُحَقِّقُونَ: لِلْعُمُومِ صِيغَةٌ وَالْخِلَافُ فِي عُمُومِهَا وَخُصُوصِهَا كَمَا فِي الْأَمْرِ. وَقِيلَ بِالْوَقْفِ (فِي) الْأَخْبَارِ لَا الْأَمْرِ وَالنَّهْيِ. وَالْوَقْفُ إِمَّا عَلَى مَعْنَى لَا نَدْرِي، وَإِمَّا نَعْلَمُ أَنَّهُ وُضِعَ وَلَا نَدْرِي، أَحَقِيقَةٌ أَمْ مَجَازٌ، وَهِيَ أَسْمَاءُ الشَّرْطِ وَالِاسْتِفْهَامِ وَالْمَوْصُولَاتِ وَالْجُمُوعِ الْمُعَرَّفَةِ تَعْرِيفَ جِنْسٍ، وَالْمُضَافَةِ، وَاسْمِ الْجِنْسِ كَذَلِكَ، وَالنَّكِرَةِ فِي النَّفْيِ.

---

[1] المستصفى المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: 505هـ) تحقيق: محمد عبد السلام عبد الشافي الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الأولى، 1413هـ 1993م ج1 ص 229

لَنَا: الْقَطْعُ فِي: لَا تَضْرِبْ أَحَدًا. وَأَيْضًا: لَمْ يَزَلِ الْعُلَمَاءُ تَسْتَدِلُّ بِمِثْلِ (وَالسَّارِقُ) وَ (الزَّانِيَةُ)، {يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11]. "وَكَاحْتِجَاجِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِي قِتَالِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَانِعِي الزَّكَاةِ: "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. [فَإِذَا قَالُوهَا حَقَنُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ]". وَكَذَلِكَ: "الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ" "وَنَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ". **وَشَاعَ وَذَاعَ وَلَمْ يُنْكِرْهُ أَحَدٌ.**[1]

مسئلہ: امام شافعی اور محققین کے نزدیک: عموم کے لیے صیغہ ہوتا ہے اور اس صیغہ کے عموم اور خصوص میں اختلاف ہے جس طرح کہ امر میں۔ اور کہا گیا ہے کہ اخبار میں توقف ہے نہ کہ امر و نہی میں۔ اور توقف اس اعتبار سے ہے کہ وہ ایسے معنی پر ہے جو ہم نہیں جانتے، یا ہم جانتے ہیں کہ اس کی وضع ہوئی مگر اس کے حقیقت یا مجاز ہونے کے بارے میں ہم نہیں جانتے، اور وہ اسماء شرط، استفہام، موصولات، وہ جمع جو معرف ہو الف لام جنسی کے ساتھ، وہ جمع جو مضاف ہو، اسی طرح اسم جنس اور نکرہ تحت النفی۔

ہمارے نزدیک لاتضرب احد میں جزم ہے اور یہ بھی کہ ہمارے علماء ہمیشہ سے (وَالسَّارِقُ) اور (الزَّانِيَةُ)، {يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} کی مثل سے استدلال کرتے رہے ہیں اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مانعین زکوۃ کے خلاف قتال کرنے کے فیصلہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا "أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ. [فَإِذَا قَالُوهَا حَقَنُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ" سے استدلال کرنا اور اسی طرح "الْأَئِمَّةُ مِنْ قُرَيْشٍ". اور "نَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ" اور (یہ) پھیل گیا اور عام ہو گیا حالانکہ **کسی ایک نے بھی اس کا انکار نہ کیا۔**

۱۶۔ امام شمس الدین الأصفهانی الشافعی، استدلال کے صواب ہونے پر اجماع کے قائل

امام ابو القاسم محمود بن عبد الرحمن ابن احمد بن محمد، ابو الثناء، شمس الدین الأصفهانی الشافعی (المتوفی: 749ھ) امام ابن حاجب کی کتاب کی شرح بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب میں عام کی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور محققین کا موقف یہی ہے کہ عام کے مخصوص صیغے ہوتے ہیں اور وہ عموم میں بطور

---

[1] مختصر منتهى السول والأمل في علمي الأصول والجدل مختصر ابن الحاجب المالكي المولف: أبو عمرو عثمان بن عمر بن أبي بكر بن يونس الدو يني الإسنائي، الفقيه المالكي المعروف ابن الحاجب (المتوفى: 646ھ) دار ابن حزم الطبعة الاولى 1427، ص 703

حقیقت مستعمل ہیں البتہ وہ صیغے جب بھی عموم کے علاوہ معنی میں استعمال ہوں تو وہ بطور مجاز ہی ہوں گے اور ایک ضعیف قول یہ بھی ہے کہ اخبار میں وہ ان صیغوں کے بارے میں توقف ہے امر و نہی میں نہیں پھر توقف میں بھی دو طرح کے احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ان صیغوں کی وضع عموم کے لیے ہے یا نہیں؟ معلوم نہیں اور توقف کا دوسرا احتمال یہ ہے کہ ان کی وضع تو عموم کے لیے ہے لیکن ان صیغوں کا عموم میں استعمال حقیقتاً ہوتا ہے یا مجازاً یہ معلوم نہیں۔ اور عموم کے لیے استعمال ہونے والے صیغوں میں ''اسماء شرطیه مِثْلَ مَنْ دَخَلَ دَارِی فَهُوَ حُرٌّ أَوْ طَالِقٌ'' اور موصولات، جمع مذکر و مونث سالم یا مکسر، قلت یا کثرت جو الف لام جنسی کے ساتھ معرف ہو یا وہ جمع جو مضاف ہو، اسم جنس محلی بالف لام جنسی اور نکرہ جو سیاق نفی میں آئے۔ یہ تمام صیغے عموم کے لیے آتے ہیں پھر فرماتے ہیں کہ ماتن نے لکھا ہے کہ نکرہ جو سیاق نفی میں ہو وہ حقیقاً عموم کے لیے ہوتا ہے اور مفرد معرف بلام الجنس بھی اس کے لیے مختلف آیات و روایات سے صحابہ کرام کے استدلالات کی مثالیں پیش کیں جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ صحابہ ان صیغوں کو عموم ہی کے لیے سمجھتے تھے اور اس کے عموم سے استدلال بھی کرتے تھے جس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کا ان صیغوں کے عموم پر اجماع تھا اور اسی کے ساتھ جمع جو مضاف ہو اس کے حقیقتاً عام ہونے پر لکھتے ہیں کہ:

أَنَّ الْمُفْرَدَ الْمُعَرَّفَ بِلَامِ الْجِنْسِ وَالْجَمْعَ الْمُضَافَ عَامٌّ حَقِيقَةً بِأَنَّ الْعُلَمَاءَ لَمْ يَزَالُوا يَسْتَدِلُّونَ عَلَى الْعُمُومِ بِمِثْلِ (السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ) وَمِثْلِ (الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي) وَمِثْلِ (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) . وَشَاعَ اسْتِدْلَالُهُمْ بِهَا عَلَى الْعُمُومِ وَذَاعَ، وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ فَيَكُونُ ذَلِكَ إِجْمَاعًا عَلَى أَنَّ الْمُفْرَدَ الْمُعَرَّفَ بِلَامِ الْجِنْسِ، وَالْجَمْعَ الْمُضَافَ عَامٌّ حَقِيقَةً.[1]

بے شک مفرد معرف بلام الجنس اور جمع مضاف حقیقتاً عام ہیں، کیونکہ ہمیشہ علماء (السَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ) وَمِثْلِ (الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي) وَمِثْلِ (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) سے عموم پر استدلال کرتے رہے۔ ان کے اس سے عموم پر استدلال مشہور و معروف ہو گئے، اور ان پر کسی (مجتہد) نے انکار نہ کیا، تو لہٰذا اس بات پر اجماع ہو گیا کہ مفرد معرف بلام الجنس اور جمع مضاف حقیقتاً عام ہیں۔

---

[1] بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمود بن عبد الرحمن (أبي القاسم) ابن أحمد بن محمد، أبو الثناء، شمس الدين الأصفهاني (المتوفى: 749هـ) المحقق: محمد مظهر بقا الناشر: دار المدني، السعودية الطبعة: الأولى، 1406هـ / 1986م ج2 ص 116

آگے دلائل دیتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

وَاحْتَجَّ أَيْضًا حِينَ طَلَبَتْ فَاطِمَةُ مِيرَاثَ الرَّسُولِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ: "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ؛ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" وَلَمْ يُنْكِرْ أَحَدٌ هَذِهِ الِاحْتِجَاجَاتِ، وَشَاعَ وَذَاعَ. فَيَكُونُ إِجْمَاعًا عَلَى أَنَّ الْجَمْعَ الْمُعَرَّفَ بِلَامِ الْجِنْسِ وَالْجَمْعَ الْمُضَافَ عَامٌّ.[1]

اور جس وقت سیدہ فاطمہ نے وراثت رسول کا مطالبہ کیا تو انہوں (ابو بکر رضی اللہ عنہ) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ؛ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ" سے بھی استدلال کیا اور کسی ایک نے بھی نے (مذکورہ) استدلالات کا انکار نہیں کیا اور یہ عام ہوئے اور پھیل گئے تو جمع جو معرف بلام الجنس ہو یا مضاف ہو اس کے عام ہونے پر اجماع ثابت ہوا۔

یعنی بی بی پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے استدلال کے بھی درست ہونے پر اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم ہے۔

۱۶۔ امام ناصر الدین بیضاوی شافعی بھی اجماع کے مؤید

امام قاضی ناصر الدین عبد اللہ بن عمر البیضاوی (المتوفی: 685ھ) اپنی کتاب "منهاج الوصول الي علم الأصول" میں لکھتے ہیں:

"استدلال الصحابة رضى الله عنهم بعموم ذلك فى مثل (الزانية والزانى) (يوصيكم الله فى اولادكم) "أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله الا الله"، "الأئمة من قريش"، "نحن معاشر الأنبياء لا نورث" شائعا من غير نكير".[2]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا (الزانية والزانى) (يوصيكم الله فى اولادكم) "أمرت أن أقاتل الناس حتى يقولوا لا إله الا الله"، "الأئمة من قريش"، "نحن معاشر الأنبياء لا نورث" کی مثل میں ان کے عموم پر استدلال بغیر کسی اعتراض کے مشہور تھا۔

جب بات کے مشہور ہو جانے کے باوجود کسی صحابی نے استدلال پر انکار و اعتراض نہ کیا تو اجماع سکوتی ہو گیا۔

---

[1] بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمود بن عبد الرحمن (أبي القاسم) ابن أحمد بن محمد، أبو الثناء، شمس الدين الأصفهاني (المتوفى: 749هـ) المحقق: محمد مظهر بقا الناشر: دار المدني، السعودية الطبعة: الأولى، 1406هـ / 1986م ج 2 ص 116

[2] منهاج الوصول الي علم الأصول المولف: قاضى ناصر الدين عبد الله بن عمر البيضاوى (المتوفى: 685هـ) دار ابن حزم الطبعة الأولى 1429هـ ص 122

۱۷۔ابن قدامہ حنبلی، عموم سے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ

قطب الأقطاب سیدنا غوث اعظم کے شاگرد رشید اور فقہی وارث ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ حنبلی (المتوفی: 620ھ) فقہ حنبلی کی معروف کتاب "روضة الناظر وجنة المناظر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل" میں اپنے مذہب کی دلیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"ولنا دليلان أحدهما: إجماع الصحابة رضی اللہ عنهم فإنهم مع أهل اللغة بأجمعهم، أجروا ألفاظ الكتاب والسنة على العموم، إلا ما دل على تخصيصه دليل؛ فإنهم كانوا يطلبون دليل الخصوص، لا دليل العموم: فعملوا بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُم} واستدلوا به على إرث فاطمة رضی اللہ عنہا حتى نقل أبوبكر، رضی اللہ عنہ: "نحنُ معاشِرَ الأَنْبِيَاءِ لا نُورَثُ، ما تَرَكْنَاه صَدَقة".[1]

اور ہماری دو دلیلیں ہیں ان میں سے ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کیونکہ وہ اہل لغت سمیت متفقہ طور پر کتاب اللہ و سنت رسول اللہ کے الفاظ کو عموم پر رکھتے ہیں سوائے اس کہ اس کی تخصیص پر کوئی دلیل دلالت کرے کیونکہ وہ خصوص کی دلیل طلب کرتے تھے نہ کہ عموم کی پس اسی وجہ سے انہوں نے عمل کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُم} پر اور اسی کے ذریعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وراثت پر استدلال کیا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے "نحنُ معاشِرَ الأَنْبِيَاءِ لا نُورَثُ، ما تَرَكْنَاه صَدَقة" نقل کیا۔

آپ کی عبارت اس معنی میں بالکل ظاہر ہے کہ "يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُم" سے سیدہ پاک کی وراثت کے درست ہونے کا استدلال تمام صحابہ کا تھا کہ "اولادکم" عموم کے لیے ہے اور اس کے تحت آپ بھی وراثت کی حق دار ہیں۔ لہٰذا استدلال درست و صواب تھا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مخصص بیان فرمایا۔

---

[1] روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل المؤلف: أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى: 620ھ) الناشر: مؤسسة الريّان للطباعة والنشر والتوزيع الطبعة: الطبعة الاولى 1419ھ 2002م ج 2 ص 16

۱۸۔ امام ابو عبد اللہ شمس الدین بَعْلی حنبلی بھی اجماع کی مؤید

ابو عبد اللہ شمس الدین محمد بن ابی الفتح بن ابی الفضل البعلی الحنبلی (المتوفی: 709ھ) نے بھی "تلخيص روضة الناظر وجنة المناظر" میں اس کو لکھا ہے:

ولنا: إجماع الصحابة وأهل اللغة على إجراء ألفاظ الكتاب والسنة على العموم، إلا ما دل على تخصيصه دليل؛ فإنهم كانوا يطلبون دليل الخصوص، لا دليل العموم: فعملوا بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُم} (النساء:11)، واستدلوا به على ميراث فاطمة حتى نقل أبو بكر وغيره "نحنُ معاشِرَ الأنْبِيَاءِ لا نُورَثُ، ما ترَكْنَاه صَدَقة".[1]

اور ہماری دلیل صحابہ کرام اور اہل لغت کا کتاب اللہ و سنت کے الفاظ کو عموم پر رکھنے پر اجماع ہے سوائے اس کے کہ اس کی تخصیص پر کوئی دلیل دلالت کرے کیونکہ وہ خصوص کے لیے دلیل طلب کرتے تھے نہ کہ عموم کے لئے: پس اسی وجہ سے انہوں نے عمل کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُم} اور اسی کے ذریعے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وراثت پر استدلال کیا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے "نحنُ معاشِرَ الأنْبِيَاءِ لا نُورَثُ، ما ترَكْنَاه صَدَقة" نقل کیا۔

۱۹۔ امام صفی الدین محمد بن عبد الرحیم الأرموی الھندی بھی اجماع صحابہ کے مؤید

امام صفی الدین محمد بن عبد الرحیم الأرموی الھندی الشافعی (م: 715ھ) اپنی کتاب "نِهاية الوصول في دَرَاية الأصول" میں مخصوص البعض میں بھی عموم کی حجت باقی رہنے کی دلیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

واحتج الأولون بوجوه:

أحدها: الإجماع: وتقريره أن التمسك بالعام المخصوص كان شائعا ذائعا فيما بين الصحابة. روى أن فاطمة رضى الله عنها احتجت على أبي بكر رضى الله عنه حين طلبت ميراثها من أبيها بقوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم}، مع أن الآية مخصوصة بالعبد

---

[1] تلخيص روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه المؤلف: شمس الدين محمد بن أبي الفتح البعلي الحنبلي (المتوفى: 709ھ) دار التدمرية. مطبوعة: 1426ھ ص 456

والقاتل والكافر. ولم ينكر عليها أبو بكر ولا غيرُه من الصحابة رضی اللہ عنهم فی ذلك، بل عدل أبو بكر رضی اللہ عنه فی منعها منه إلى التمسك بقوله عليه السلام: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة". [1]

اس کی ایک دلیل اجماع ہے: اس کی تفصیل یہ ہے کہ عام مخصوص البعض سے تمسک کرنا صحابہ کرام کے درمیان عام اور معروف تھا۔ روایت کیا گیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جب اپنے والد گرامی کی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے میراث طلب کی تو اللہ تعالیٰ کے فرمان {یوصیکم اللہ فی أولادکم} کے عموم سے استدلال کیا اس کے باوجود کہ آیت مبارکہ غلام اور قاتل اور کافر کے ساتھ مخصّص تھی۔ اور نہ ہی حضرت ابو بکر نے آپ کے استدلال کا انکار کیا نہ ہی صحابہ میں سے کسی دوسرے نے اس میں انکار کیا، بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کے منع کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" کی طرف عدول کیا۔

سیدنا ابو بکر کو مخصص کا علم تھا اور علم کے ہوتے ہوئے جب آپ نے سیدہ پاک کے عموم سے استدلال کو خطاء نہیں کہا اور انکار بھی نہیں کیا تو آج کے دور میں اس معاملہ میں سیدہ پاک کو اگر کوئی معاذ اللہ خطاء پر کہتا ہے تو یہ صرف سیدہ پاک کی توہین اور اجماع صحابہ کا انکار ہی نہیں بلکہ سیدنا افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ابو بکر الصدیق کی دینی فہم و فراست اور حق گوئی پر بھی قدغن لگانا ہے۔

۲۰۔ علامہ نجم الدین طوفی صرصری حنبلی کی طرف سے اجماع صحابہ کی تائید

اسی طرح "الروضة الناظر" کی شرح "شرح مختصر الروضة" میں علامہ نجم الدین ابو الربیع سلیمان بن عبد القوی بن الکریم الطوفی الصرصری الحنبلی، (المتوفی: 716ھ) لکھتے ہیں:

"لَنَا"، أَيْ: عَلَى أَنَّ الْأَلْفَاظَ الْمَذْكُورَةَ مَوْضُوعَةٌ لِإِفَادَةِ الْعُمُومِ وُجُوهٌ: أَحَدُهَا: أَنَّ عُلَمَاءَ الْأُمَّةِ مِنَ الصَّحَابَةِ وَغَيْرِهِمْ أَجْمَعُوا عَلَى التَّمَسُّكِ بِعُمُومَاتِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَكَلَامِ الْعَرَبِ مِنَ الْأَلْفَاظِ الْمَذْكُورَةِ، إِلَّا أَنْ يُوجَدَ مُخَصِّصٌ ; فَيَخُصُّونَ بِهِ الْعُمُومَ، وَكَانُوا فِي اجْتِهَادِهِمْ

[1] نِهاية الوصول في دَرَاية الأصول المؤلف: صفي الدين محمد بن عبد الرحيم الأرموي الهندي (۷۱۵ھ) المحقق: د. صالح بن سليمان اليوسف، د. سعد بن سالم السويح أصل التحقيق: رسالتا دكتوراة بجامعة الإمام بالرياض الناشر: المكتبة التجارية بمكة المكرمة الطبعة: الأولى، ۱۴۱۶ھ، ۱۹۹۶م ج 4 ص 489

وَاسْتِدْلَالِهِمْ إِنَّمَا يَطْلُبُونَ دَلِيلَ الْخُصُوصِ لِيَخُصُّوا بِهِ الْعُمُومَ، لَا دَلِيلَ الْعُمُومِ مَعَ وُجُودِ الصِّيَغِ الْمَذْكُورَةِ ; فَكَانُوا يَجْعَلُونَ أَلْفَاظَ الْعُمُومِ الْمَذْكُورَةَ أُسًّا يَعْتَمِدُونَ عَلَيْهِ، فَإِذَا ظَهَرَ لَهُمْ مُخَصِّصٌ، أَعْمَلُوهُ بِحَسَبِهِ، وَهُمْ أَهْلُ اللُّغَةِ ; فَدَلَّ عَلَى أَنَّهُمْ فَهِمُوا مِنْهَا الْعُمُومَ لُغَةً بِالْوَضْعِ، إِذِ الْأَصْلُ عَدَمُ الْقَرَائِنِ الْمُنْضَمَّةِ إِلَيْهِ لِتُفِيدَهُ.

فَمِنْ ذَلِكَ أَنَّهُمُ اسْتَدَلُّوا عَلَى إِرْثِ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا مِنْ أَبِيهَا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بِعُمُومِ قَوْلِهِ عَزَّ وَجَلَّ: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النِّسَاءِ: 11]، حَتَّى رَوَى أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ حَدِيثَ: نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ، فَخَصُّوا بِهِ الْعُمُومَ.[1]

ہماری دلیل یعنی وہ الفاظ مذکورہ جن کی وضع عموم کا فائدہ دینے کے لیے ہے کئی طریقوں سے ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ صحابہ کرام اور ان کے علاوہ امت کے دیگر مجتہدین کا اجماع ہے کہ کتاب اللہ، سنت اور کلام عرب کے مذکورہ الفاظ (جن کی وضع عموم کے لئے ہے) کے عمومات سے استدلال کرنا جائز ہے مگر یہ کہ کوئی مخصص پایا جائے پھر وہ اس مخصص کے ذریعے عموم کی تخصیص کریں گے اور وہ اپنے اجتہادات اور استدلالات میں تخصیص کی دلیل طلب کرتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ عموم کی تخصیص کرسکیں نہ کہ ان صیغوں کے ہوتے ہوئے عموم کی دلیل مانگتے تھے پس وہ عموم کے مذکورہ الفاظ کو بنیاد بنا کر ان پر اعتماد کرتے تھے پھر جب اس کا کوئی مخصص ظاہر ہو جائے تو اس کے مطابق اس پر عمل کرتے تھے اور وہ اہل لغت ہیں اور وہ (یعنی اہل لغت ہونا) دلالت کرتا ہے کہ وہ ان الفاظ سے لغت میں وضع کے اعتبار سے عموم سمجھتے تھے کیونکہ اصل یہ ہے کہ عموم کا فائدہ دینے میں قرائن کا ملا ہونا نہ ہونا ہے۔

تو اسی وجہ سے انہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اپنے والد گرامی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراث ہونے پر اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} سے استدلال کیا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حدیث: "نَحْنُ مَعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَا صَدَقَةٌ" روایت کی تو انہوں نے اس (حدیث) کے ذریعے عموم کی تخصیص کی۔

---

[1] شرحُ مختصرِ الروضة المؤلف: سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى: 716هـ) المحقق: عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، 1407هـ / 1987م ج 2 ص 479

فقہاء احناف کی طرح حنابلہ کے نزدیک بھی تخصیص کے بعد بھی عام کی حجت باقی رہتی ہے یہی حنابلہ کا مختار ہے جیسا کہ ابن القدامہ کی کتاب "الروضۃ" کی شرح کرتے ہوئے علامہ امام نجم الدین ابو الربیع سلیمان بن عبد القوی بن الکریم الطوفی الصرصری (المتوفی: 716ھ) اس کے علاوہ ایک مقام پر بھی لکھتے ہیں:

"لَنَا"، أَيْ: عَلَى الْمَذْهَبِ الْأَوَّلِ، وَهُوَ كَوْنُهُ حُجَّةً بَعْدَ التَّخْصِيصِ مُطْلَقًا، وَجْهَانِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّ الصَّحَابَةَ أَجْمَعُوا عَلَى التَّمَسُّكِ بِالْعُمُومَاتِ، وَأَكْثَرُهَا مَخْصُوصٌ،

ہماری دلیل یعنی مذہب اول پر وہ تخصیص کے بعد عام کا مطلقا حجت ہونا ہے، (اس کی) دو وجوہ ہیں، ان میں سے ایک کہ بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمومات سے استدلال پر اجماع کیا اور ان میں سے اکثر مخصوص ہیں۔

اس کی مثالوں میں لکھتے ہیں:

وَكَاحْتِجَاجِ فَاطِمَةَ عَلَى أَبِي بَكْرٍ فِي مِيرَاثِهَا بِعُمُومِ قَوْلِهِ تَعَالَى: {يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النِّسَاءِ: 11]، مَعَ كَوْنِهِ مَخْصُوصًا بِالْكَافِرِ وَالْقَاتِلِ، وَكَاحْتِجَاجِ الْعُلَمَاءِ عَلَى جَلْدِ الزَّانِيَيْنِ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: {الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ} [النُّورِ: 2] مَعَ أَنَّهُ مَخْصُوصٌ بِالْمُكْرَهَةِ وَالْمَجْنُونِ وَالْجَاهِلِ بِتَحْرِيمِ الزِّنَى إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ مِنْ صُوَرِ احْتِجَاجَاتِهِمْ بِهِ. فَثَبَتَ أَنَّ الْعَامَّ بَعْدَ التَّخْصِيصِ حُجَّةٌ بِالْإِجْمَاعِ الْمَذْكُورِ; فَمَنْ خَالَفَ بَعْدَهُ; فَهُوَ مَحْجُوجٌ بِهِ.[1]

اور جیسا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اپنی میراث کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} سے استدلال کرنا باوجود یہ کہ وہ آیت کافر و قاتل سے مخصوص ہے۔ اور ایسے ہی علماء کرام کا اللہ تعالیٰ کے فرمان: "الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ" کے ذریعے دونوں زنا کرنے والوں کے کوڑوں پر استدلال کرنا، ساتھ اس کے یہ مخصوص ہے مکرہ، مجنون، اور زانی کی حرمت سے جاہل وغیرہ سے، ان صورتوں کے باوجود صحابہ کا اس سے استدلال کرنا۔ پس یہ ثابت ہوا کہ تخصیص کے بعد بھی عام کی حجت اجماع مذکور

---

[1] شرح مختصر الروضة المؤلف: سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى: 716هـ) المحقق: عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، 1407هـ / 1987م. ج 2 ص 526

سے باقی ہے، پس جس نے اس کے بعد اس کی مخالفت کی تو وہ اس دلیل کی وجہ سے مغلوب ہی رہے گا۔

ایسے ہی چند اور مثالیں لکھنے کے بعد لکھتے ہیں:

فَثَبَتَ أَنَّ الْعَامَّ بَعْدَ التَّخْصِيصِ حُجَّةٌ بِالْإِجْمَاعِ الْمَذْكُورِ; فَمَنْ خَالَفَ بَعْدَهُ; فَهُوَ مَحْجُوجٌ بِهِ.[1]
پس یہ ثابت ہوا کہ تخصیص کے بعد بھی عام کی حجت اجماع مذکور سے باقی ہے، پس جس نے اس کے بعد مخالفت کی تو وہ اس دلیل کی وجہ سے مغلوب ہی رہے گا۔

۲۱۔ امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی کے نزدیک بھی صحابہ کا اجماع

معروف شافعی امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی (المتوفی: 631ھ) اپنی کتاب ”الإحکام فی أصول الأحکام“ میں لکھتے ہیں:

"أن لفظ الجمع المعرف للعموم ومنها احتجاج فاطمة على أبي بكر في توريثها من أبيها فدك والعوالي بقوله تعالى {يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين} (النساء 11) ولم ينكر عليها أحد من الصحابة بل عدل أبو بكر رضي الله عنه إلى ما رواه عن النبي صلى الله عليه وسلم إلى دليل التخصيص وهو قوله عليه السلام نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة.[2]
بے شک لفظ جمع جو معرف ہو عموم کے لیے ہوتا ہے اور انہی میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اپنے والد گرامی سے فدک وعوالی میں اپنی وراثت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان {يوصيكم الله في أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين} سے استدلال کرنا ہے اور صحابہ میں سے کسی ایک نے بھی ان پر اعتراض نہیں کیا بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عدول کیا اس کی طرف جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا، دلیل تخصیص کی طرف اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ”نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة“ ہے۔

---

1 شرح مختصر الروضة المؤلف: سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى: 716هـ) المحقق: عبد الله بن عبد المحسن التركي الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الأولى، 1407هـ / 1987م. ج 2 ص 526

2 الإحكام في أصول الأحكام المؤلف: علي بن محمد الآمدي أبو الحسن (المتوفي: 631هـ) تحقيق د. سيد الجميلي الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1404. ج2ص248

ایک دوسرے مقام پر آپ اجماع کی تصریح فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولكن لم قلت بأن التوقف هاهنا بجهة التقدم ولا يخفى أن بيان ذلك مما لا سبيل إليه والمعتمد في ذلك الإجماع والمعقول أما الإجماع فهو أن فاطمة رضي الله عنها احتجت على أبي بكر في ميراثها من أبيها بعموم قوله تعالى {يوصيكم الله في أولادكم4 النساء 11} الآية مع أنه مخصص بالكافر والقاتل ولم ينكر أحد من الصحابة صحة احتجاجها مع ظهوره وشهرته بل عدل أبو بكر في حرمانها إلى الاحتجاج بقوله صلى الله عليه وسلم نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة.[1]

اور لیکن کیوں میں نے کہا کہ یہاں توقف تقدم کی وجہ سے ہے اور اور مخفی نہیں کہ اس کا بیان ان صورتوں میں سے ہے جس کی طرف کوئی راہ نہیں اور اس مسئلہ میں معتمد چیز اجماع اور عقلی دلیل ہے بہر حال اجماع تو وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے استدلال کیا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اپنے والد گرامی سے اپنی وراثت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان (يوصيكم الله في أولادكم) سے، حالانکہ وہ کافر اور قاتل کے ساتھ مخصوص ہے، اور صحابہ کرام میں سے کسی ایک نے بھی مخصص کے مشہور و معروف ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کے صحیح ہونے پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بالا جماع مطالبہ کو درست مانا) بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے (وراثت میں) مستحق نہ ہونے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" سے استدلال کی طرف عدول کیا۔

۲۲۔ امام جمال الدین الإسنوی الشافعی، "مستدَلِ زہراء" کے صواب و صحت پر اجماع صحابہ

امام ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی، (المتوفی: 772ھ) اپنی کتاب "نِهايةُ السُّول في شرحِ منهاجِ الوُصول" میں نہ صرف سیدہ کے مستدل کے درست ہونے کی تصریح فرماتے ہیں، اس پر اجماع صحابہ لکھتے ہیں:

استدلال الصحابة بعموم هذه الصيغة استدلال شائع من غير نكير فكان إجماعا، وبيانه أنهم قد استدلوا بعموم اسم الجنس المحلى بأل كقوله تعالى: {الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي} [النور: 2]

[1] الإحكام في أصول الأحكام المؤلف: علي بن محمد الآمدي أبو الحسن (المتوفي: 631ھ) تحقيق د. سيد الجميلي الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1404. ج2ص287

وبعموم الجمع المضاف، فإن فاطمة احتجت على أبي بكر رضى الله عنهما في توريثها من النبي صلى الله عليه وسلم الأرض المعروفة وهي فدك والعوالي بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] الآية، واستدل أيضا أبوبكر بعمومه فإنه ردعلى فاطمة بقوله صلى الله عليه وسلم: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث، ما تركناه صدقة" وهذا الحديث معزوّ إلى الترمذي في غير جامعه، والثابت في الصحيحين: "لا نورث، ما تركناه صدقة".[1]

اس صیغہ کے عموم سے صحابہ کا استدلال ایسا استدلال ہے جو بغیر کسی اعتراض کے مشہور ہے لہٰذا وہ اجماع ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ انہوں نے اسم جنس جو معرف باللام ہو، کے عموم سے استدلال کیا جیسے رب تعالیٰ کا فرمان {الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي} اور جمع مضاف کے عموم سے استدلال کہ سیدہ فاطمہ نے ایک مشہور زمین فدک اور عوالی کی زمین ہے میں نبی ﷺ سے اپنے وارث ہونے کے معاملہ میں حضرت ابو بکر پر اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} سے استدلال کیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے عموم سے استدلال کیا پس آپ رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کے فرمان "نحن معاشر الأنبياء لا نورث، ما تركناه صدقة" کے ساتھ حضرت فاطمہ (کے استدلال) پر جواب دیا اور یہ حدیث ترمذی کی طرف منسوب ہے جو ان کی جامع کے علاوہ (کتاب) میں ہے اور صحیحین میں "لا نورث، ما تركناه صدقة" ثابت ہے۔

یعنی اس آیت کے مفید عموم ہونے کا استدلال حضرت سیدہ پاک رضی اللہ عنہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دونوں کا تھا، اب اگر اس استدلال کو خطا کہا جاتا ہے تو صرف سیدہ پاک کو ہی صرف خطا پر نہیں کہا جا رہا بلکہ ابو بکر اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو خطا پر کہا جا رہا ہے جنہوں نے اس سے عموم کا معنی لیا۔

۲۳۔ امام کمال الدین المعروف ابن امام الکاملیہ، استدلالِ زہراء صواب واجماع صحابہ

امام کمال الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمن المعروف ابن امام الکاملیہ الشافعی (م:874ھ) عموم کے صیغوں سے جو استدلال کیا جاتا ہے اس کے درست وصواب ہونے پر دلائل بیان کرتے ہوئے تیسیر الوصول إلى منهاج الأصول من المنقول والمعقول "المختصر" میں لکھتے ہیں:

[1] نهاية السول في شرح منهاج الوصول المؤلف: عبد الرحيم بن الحسن بن علي الإسنوي الشافعيّ، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 772هـ) الناشر: دار الكتب العلمية،بيروت،لبنان الطبعة: الأولى 1420هـ 1999م ج1 ص 188

دلیل علی ذلك، وهو استدلال الصحابة (رضی الله عنهم) بعموم ذلك، أی: استدلوا بعموم الصیغ فی الوقائع من غیر إنکار علیهم، وشاع وذاع فیکون إجماعا.
فمنها استدلالهم بعموم الجنس المحلی بأل مثل قوله تعالی: {الزانیة والزانی فاجلدوا}.
ومنها استدلال فاطمة علی أبی بکر (رضی الله عنهما) فی الإرث بقوله تعالی: {یوصیکم الله فی أولادکم} ولم ینکر علیها أبو بکر ولا أحد من الصحابة بل عدل أبو بکر إلی تخصیصه بالحدیث الآتی، فیکون إجماعا منهم علی أن الجمع المضاف، وإن کان جمع فإنه عام.[1]

اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ عموم سے صحابہ کرام کا استدلال ہے یعنی وقائع میں صحابہ عموم کے صیغوں سے استدلال فرماتے بغیر کسی کے ان پر انکار کے، اور یہ عام اور معروف تھالہذا اس پر اجماع تھا۔

اس میں ان کا استدلال عموم الجنس المحلی میں الف الام کے ساتھ۔ مثلا اللہ تعالیٰ کا فرمان: {الزانیة والزانی فاجلدوا} اور اس میں حضرت فاطمہ کا میراث میں ابو بکر پر اللہ تعالیٰ کے فرمان: {یوصیکم الله فی أولادکم} سے استدلال تھا۔ اور ان پر نہ ابو بکر نے انکار کیا اور نہ ہی صحابہ میں سے کسی نے انکار کیا۔ بلکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کی تخصیص کے لیے درج ذیل حدیث کی طرف عدول کیا لہذا ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کا اجماع ہوا کہ جمع مضاف اگرچہ جمع ہے مگر عموم کا فائدہ دیتی ہے۔

۲۴۔ امام علاء الدین المرداوی، زہراء پاک کا استدلال صواب و اجماع صحابہ کے قائل

امام علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان المرداوی الدمشقی الصالحی الحنبلی (م:885ھ) عموم کے لیے استعمال ہونے والے صیغوں کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمع معرف بالإضافة، نحو: عبیدی أحرار، ونسائی طوالق، ونحوهما، وقوله تعالی: {یوصیکم الله فی أولادکم} [النساء: ۱۱]، و {حرمت علیکم أمهاتکم} [النساء: ۲۳]، وهذا

---

[1] تیسیر الوصول إلی منهاج الأصول من المنقول والمعقول "المختصر" المؤلف: کمال الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمن المعروف بـ "ابن إمام الکاملیة" (م:۸۷۴ھ) دراسة وتحقیق: د. عبد الفتاح أحمد قطب الدخمیسی، أستاذ أصول الفقه المساعد بکلیة الشریعة والقانون جامعة الأزهر، طنطا الناشر: دار الفاروق الحدیثة للطباعة والنشر، الطبعة: الأولی، ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲م. ج 3 ص 269

قول أكثر العلماء والصحيح عنهم. قال ابن برهان: القول بعمومها هو قول معظم العلماء. قال ابن الصباغ: هوإجماع أصحابنا.[1]

جمع معرف بالاضافہ جیسا کہ کوئی کہے کہ میرے غلام آزاد ہیں اور کوئی کہے کہ میری عورتیں طلاق والی ہیں اور اسی طرح {یوصیکم اللہ فی أولادکم} [النساء: ١١]، اور {حرمت علیکم أمهاتكم} [النساء: ٢٣]، عموم کے لیے ہیں یہ اکثر علماء کا قول ہے اور یہ ان سے صحیح ہے۔ ابن برہان نے کہاہے کہ ان سے عموم کا قول معظم (بڑے) علماء کا قول ہے۔ ابن صباغ نے کہاہے کہ: ہمارے اصحاب کا اس پر اجماع ہے۔

۲۵۔ علامہ محمد بن اسماعیل الأمیر الصنعانی، صوابِ استدلال واجماع صحابہ کے قائل

علامہ محمد بن اسماعیل الأمیر الصنعانی(م:1182ھ) لکھتے ہیں:

واستدل أيضا بإجماع الصحابة والتابعين ومن بعدهم على أن إفادة صيغ العموم له بنفسها فإنه شاع فيهم الاستدلال بذلك بمثل {والسارق والسارقة} والزاني والزانية {يوصيكم الله في أولادكم} ولم ينكر فكان إجماعا[2]

صحابہ و تابعین اور ان کے بعد کے مجتہدین کے اجماع سے بھی استدلال کیاہے کہ ان صیغوں سے ہی عموم کا افادہ ہوتاہے، اور یہ کہ ان کے درمیان ان سے استدلال کرنا مشہور ہو چکا تھا مثال کے طور پر {والسارق والسارقة} اور الزاني والزانية، {يوصيكم الله في أولادكم} اور ان کا انکار نہیں کیا گیا لہذا اس پر اجماع تھا۔

متقدمین و متاخرین کی کتب کے علاوہ ماضی قریب کے علماء اور دور حاضر کے علماء کی کتب میں بھی سیدہ پاک کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ کے اقوال منقول ہیں۔

---

1 الكتاب: التحبير شرح التحرير في أصول الفقه المؤلف: علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي (م:٨٨٥ھ) دراسة وتحقيق: د. عبد الرحمن الجبرين، د. عوض القرني، د. أحمد السراح أصل التحقيق: ٣ رسائل دكتوراة، قسم أصول الفقه في كلية الشريعة بالرياض الناشر: مكتبة الرشد، السعودية، الرياض الطبعة: الأولى، ١٤٢١ھ ٢٠٠٠ م. ج5 ص358

2 أصول الفقه المسمى إجابةُ السائلِ شرحُ بُغْيَةِ الآملِ المؤلف: محمد بن إسماعيل الأمير الصنعاني (م:1182ھ) المحقق: القاضي حسين بن أحمد السياغي، الدكتور حسن محمد مقبولي الأهدل الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت الطبعة: الثانية، ١٤٠٨ھ ١٩٨٨ م. ص 304

۲۶۔ مناع بن خلیل القطان کے نزدیک بھی صحابہ کا اجماع

مناع بن خلیل القطان (المتوفی:1420ھ) اپنی کتاب "مباحث فی علوم القرآن" میں لکھتے ہیں:

صحة الاحتجاج بالعام بعد تخصيصه فيما بقي:

اختلف العلماء في صحة الاحتجاج بالعام بعد تخصيصه فيما بقي، والمختار عند المحققين صحة الاحتجاج به فيما وراء صور التخصيص1. واستدلوا على ذلك بأدلة إجماعية، وأدلة عقلية.

فمن أدلة الإجماع: أن فاطمة رضي الله عنها احتجت على أبي بكر رضي الله عنه في ميراثها من أبيها بعموم قوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ}، مع أنه مخصَّص بالكافر والقاتل، ولم ينكر أحد من الصحابة صحةَ احتجاجِها مع ظهوره وشهرته، فكان إجماعًا على صحةِ احتجاجِها، ولذا عدل أبو بكر رضي الله عنه في حرمانها إلى الاحتجاج بقوله صلى الله عليه وسلم: "نحن معاشر الأنبياء لا نُورث ... ما تركناه صدقة". [1]

عام کی تخصیص کے بعد باقی ماندہ افراد سے استدلال کا صحیح ہونا

عام کی تخصیص کے بعد باقی ماندہ افراد میں استدلال کے جائز ہونے کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے اور محققین کے نزدیک مختار تخصیص کی صورتوں کے علاوہ باقی میں استدلال کرنا صحیح ہے اور اس پر اجماعی اور عقلی دلیلوں سے استدلال کیا ہے۔

1۔ اجماع کی دلیلوں میں سے یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اپنے والد گرامی سے اپنی وراثت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ} کے عموم سے استدلال کیا باوجودیکہ وہ کافر و قاتل کے ساتھ مخصوص تھی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کے صحیح ہونے کا انکار نہ کیا اس کے ظاہر و مشہور ہونے کے باوجود تو یہ آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کی صحت (صحیح ہونے) پر اجماع ہوا۔ اس لیے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے (وراثت میں) مستحق نہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "نحن معاشر الأنبياء لا نُورث ... ما تركناه صدقة" کی طرف عدول کیا۔

---

[1] مباحث في علوم القرآن المؤلف: مناع بن خليل القطان (المتوفى: 1420هـ) الناشر: مكتبة المعارف وهبة، ص 220

۲۷۔الشیخ محمد حسن ھیتو شافعی کی بھی اجماع صحابہ کی تائید

امام استاذ ابو اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف فیروزآبادی شیرازی شافعی (المتوفی:476ھ) اپنی کتاب ''التبصرة فی أصول الفقه'' میں عموم کے حوالے سے چوتھا مسئلہ ''الْعُمُوم إِذا دخله التَّخْصِيص لم يصر مُجملا وَيصِح الِاحْتِجَاج بِهِ فِيمَا بَقِي من اللَّفْظ''(یعنی عام مخصوص البعض کے باقی افراد سے حجت باقی رہتی ہے) لکھتے ہیں۔اس کی شرح میں محمد حسن ھیتو شافعی، شوافع کے اس اصول کے درست ہونے کی دلیل لکھتے ہیں:

''لنا أَن فَاطِمَة رَضِي الله عَنْهَا احتجت على أبي بكر الصّديق رَضِي الله عَنهُ بقوله تَعَالَى {يُوصِيكُم الله فِي أَوْلَادكُم للذّكر مثل حَظّ الْأُنْثَيَيْنِ} وَلم يُنكر أَبُو بكر وَلَا أحد من الصَّحَابَة احتجاجها بِالْآيَةِ''.[1]

ہماری دلیل یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کے فرمان {يُوصِيكُم الله فِي أَوْلَادكُم للذّكر مثل حَظّ الْأُنْثَيَيْنِ} کے عموم سے استدلال کیااور نہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے اس آیت سے استدلال پر اعتراض کیا۔

۲۹۔عبد الرحمن صابر حسین حمودہ العقبی بھی اجماع صحابہ کے مؤید

عبد الرحمن صابر حسین حمودہ العقبی اپنی کتاب ''السبيل فی أصول الفقه'' میں لکھتے ہیں:

أما الإجماع فهو أن فاطمة رضي الله عنها احتجت على أبي بكر في ميراثها من أبيها بعموم قوله تعالى {يوصيكم الله في أولادكم} (النساء 11) الآية مع أنه مخصص بالكافر والقاتل ولم ينكر أحد من الصحابة صحة احتجاجها مع ظهوره وشهرته بل عدل أبو بكر في حرمانها إلى الاحتجاج بقوله صلى الله عليه وسلم نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة.[2]

بہر حال اجماع وہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پر اپنے والد گرامی سے اپنی وراثت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کے فرمان {يوصيكم الله في أولادكم} (4 النساء 11) الآية عموم سے استدلال کیا ہے حالانکہ وہ کافر و قاتل کے ساتھ مخصوص ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک

---

1 التبصرة في أصول الفقه المؤلف: أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (المتوفى: 476ھ) المحقق: د. محمد حسن هيتو الناشر: دار الفكر – دمشق الطبعة: الأولى، 1403، ص 188

2 كتاب السبيل في أصول الفقه المولف: عبد الرحمن صابر حسين حموده العقبي دار الكتب العلمية، ج1 ص 194

نے بھی آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کے صحیح ہونے کا انکار نہ کیا اس کے ظاہر و مشہور ہونے کے باوجود بلکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان کے (وراثت میں) مستحق نہ ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" سے استدلال کی طرف عدول کیا۔

۳۰۔ڈاکٹر عبد الکریم بن علی بن محمد النملة کا سیدہ کے استدلال پر اجماع کا تفصیلی بیان

ائمہ کرام کے علاوہ معاصر دور کے سعودی علماء بھی اس کا انکار نہیں کرتے جامعہ محمد بن سعود ریاض کلیہ شریعہ کے استاد ڈاکٹر عبد الکریم بن علی بن محمد النملة اپنی کتاب "الْمُهَذَّبُ فی عِلْمِ أُصُولِ الفِقْهِ الْمُقَارَنِ" میں عموم کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

أن للعموم صيغة في اللغة خاصة به، موضوعة له، تدل على العموم حقيقة، ولا تحمل على غيره إلا بقرينة، وهي أدوات الشرط والاستفهام، وكل اسم دخلت عليه "أل" الاستغراقية سواء كانت جمعاً أو مفرداً، وكل نكرة أضيف إلى معرفة، وكل وجميع والنكرة في سياق النفي، والأسماء الموصولة، و"واو" الجمع، ولفظ "سائر" المشتقة من سور المدينة، وسيأتي بيان ذلك. وهذا مذهب جمهور العلماء، وهو الحق عندي؛ لما سيأتي من الأدلة:

الدليل الأول: إجماع الصحابة رضي الله عنهم على أن تلك الصيغ للعموم، بيانه:[1]

کہ عموم کے لئے مخصوص صیغے وضع ہوتے ہیں اور حقیقتاً عموم پر دلالت کرتے ہیں، اور اس کے علاوہ کسی معنی میں استعمال ہونے کے لئے قرینہ کے محتاج ہوتے ہیں، اور یہ ادوات الشرط اور الاستفہام ہیں، اور ہر وہ اسم جس پر "ال" استغراقی داخل ہو چاہے جمع ہو یا مفرد، اور ہر وہ نکرہ جو معرفہ کی طرف مضاف ہو۔ اور کل، جمیع اور نکرہ جب تحت النفی ہو، اور اسماء موصولہ اور "و" جمع، اور لفظ "سائر" جو سور مدینہ سے مشتق ہے اور اس کا بیان آگے آئے گا۔ یہ جمہور علماء کا مذہب ہے اور میرے نزدیک حق ہے جس پر آگے ادلہ آئیں گی:

پہلی دلیل: ان صیغوں کا عموم کے لیے ہونے پر اجماع صحابہ ہے، اس کی مثال۔

آگے ان کی مثالیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ومنها: أن فاطمة بنت النبي صلى الله عليه وسلم قد جاءت إلى أبي بكر تطالبه بميراثها من أبيها محتجة بقوله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾، حيث إن هذا عام يشمل جميع الأولاد

---

[1] الْمُهَذَّبُ في عِلْمِ أُصُولِ الفِقْهِ الْمُقَارَنِ (تحريرٌ لمسائله ودراستها دراسةً نظريّةً تطبيقيّةً) المؤلف: عبد الكريم بن علي بن محمد النملة دار النشر: مكتبة الرشد – الرياض الطبعة الأولى: 1420هـ 1999م ج 4 ص 1469

وأنهم يرثون من آبائهم، فقال لها أبو بكر: إني سمعت الرسول صلى الله عليه وسلم يقول: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة." فهنا لم ينكر عليها الاحتجاج بعموم الآية، وإنما أتى لها بمخصص يخرج أولاد الأنبياء عن بقية الأولاد، ويكون التقدير: أن جميع الأولاد يرثون من آبائهم إلا أولاد الأنبياء، فإنهم لا يرثون أصلاً، ولم ينكر ذلك أي صحابي، فكان إجماعا.[1]

اوران میں سے ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت نبی ﷺ اللہ تعالیٰ کے فرمان (يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) سے استدلال کرتے ہوئے حضرت ابو بکر کے پاس اپنے والد کی طرف سے اپنی وراثت کا مطالبہ لائیں کہ یہ آیت عام ہے جو تمام اولاد کو شامل ہے اوروہ تمام اولادیں اپنے آباء سے وارث ہوتی ہیں تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ میں نے رسول ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة "تو یہاں آپ رضی اللہ عنھا کے عموم آیت سے استدلال پر کسی نے اعتراض نہیں کیا اورآپ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کا مخصص پیش کیا کہ باقی اولادوں میں سے اولاد انبیاء (اس وراثت کے حکم سے) خارج ہے تو تقدیری عبارت کا مفہوم یہ ہو گا کہ تمام اولادیں اپنے آباء سے وارث ہوں گی سوائے انبیاء علیہم السلام کی اولاد کے کہ وہ بالکل بھی وارث نہیں ہو سکتے اور کسی ایک صحابی نے اس پر اعتراض نہیں کیا تو یہ اجماع ہو گیا۔

اسی طرح اس کتاب میں ایک دوسرے مقام پر "هل العام المخصوص حُجَّة في الباقي؟" (کیا عام مخصوص البعض کی حجیت باقی رہتی ہے) اس کے تحت لکھتے ہیں:

أن اللفظ العام إذا دخله التخصيص يبقى حُجَّة فيما لم يُخص مطلقا، أي: سواء كان المخصص متصلاً أو منفصلاً. وهو مذهب جمهور العلماء، وهو الحق؛ لدليلين: الدليل الأول: إجماع الصحابة رضى الله عنهم على الاحتجاج بالعمومات، واكثرها قد خص، فلم يمنعهم خروج بعض الأفراد من أن يستدلوا باللفظ العام على ما بقي بعد التخصيص، ولهذا صور كثيرة: منها: احتجاج فاطمة رضى الله عنها بعموم قوله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ على طلب

[1] الْمُهَذَّبُ في عِلْمِ أُصُولِ الفِقْهِ الْمُقَارَنِ (تحريرٌ لمسائِلِه ودراستها دراسةً نظريَّةً تطبيقيَّةً) المؤلف: عبد الكريم بن علي بن محمد النملة دار النشر: مكتبة الرشد –الرياض الطبعة الأولى: 1420هـ 1999م ج 4 ص 1471

حقها من ميراث أبيها، ولم ينكر عليها أبو بكر ولا غيره من الصحابة ذلك، مع أنه مخصص بالكافر، والقاتل، والعبد، فإنهم قد استدلوا بعموم هذه الآية على ميراث الباقي بعد إخراج هؤلاء الثلاثة.[1]

بے شک لفظ عام جب اس پر تخصیص داخل ہو تو وہ غیر مخصوص میں مطلقا حجت رہتا ہے چاہے مخصص متصل ہو یا منفصل اور یہی جمہور علماء کا مذہب ہے اور وہ دو دلیلوں سے ثابت ہے پہلی دلیل یہ ہے کہ عمومات سے استدلال کرنے پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے اور ان میں سے اکثر کی تخصیص ہو چکی تھی، عام مخصوص سے بعض افراد کے نکلنے نے تخصیص کے بعد کے باقی ماندہ افراد پر لفظ عام کے ذریعے استدلال کرنے سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نہیں روکا۔ اور اس کی کئی صورتیں ہیں ان میں سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا اپنے والد گرامی کی وراثت میں اپنا حق طلب کرنے کے لیے (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) کے عموم سے استدلال کرنا ہے۔ نہ ہی ابو بکر رضی اللہ عنہ اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی اور نے آپ رضی اللہ عنہا کے استدلال کا انکار کیا ساتھ اس کے کہ یہ کافر قاتل اور عبد سے مخصص ہے تحقیق انہوں نے بھی اس آیت کے عموم سے ان تین کو نکالنے کے بعد باقیوں کی وراثت پر ہی استدلال کیا۔

سیدہ پاک کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ اسلاف و اخلاف، متقدمین و متاخرین کے حوالے سے درجنوں علماء نے اپنی کتب اصول میں نقل کیا ہے لیکن یہ تو وہ فقہاء ہیں جن کے نزدیک صیغے سے عموم کا افادہ ہوتا ہے اور ان کے نزدیک حجت کے درست ہونے پر مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہاں ایک اعتراض ہو سکتا ہے:

اب وہ علماء جو عموم کے صیغوں کی حجیت کے لیے دلیل یا قرائن کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں، تو وہ اس مسئلہ میں اجماع کے قائل نہ ہوئے، کیونکہ حقیقی اجماع صحابہ اگر مسلم و مستند اور معتبر ہوتا تو اس کے مستدَل میں بعد کے فقہاء میں اختلاف نہ ہوتا۔ لہذا سیدہ پاک کے مستدل کے صواب ہونے پر اجماع قطعی نہ ہوا۔

اس کے دو جواب ہیں:

---

[1] الْمُهَذَّبُ فِي عِلْمِ أُصُولِ الفِقْهِ الْمُقَارَنِ (تحريرٌ لمسائِله ودراستها دراسةً نظريَّةً تطبيقيَّةً) المؤلف: عبد الكريم بن علي بن محمد النملة دار النشر: مكتبة الرشد – الرياض الطبعة الأولى: 1420هـ 1999م ج 4 ص 1564

پہلا: جو فقہاء صیغوں کے وضع کے اعتبار سے عموم کے لیے قابل حجت ہونے کے لیے دلائل کو ضروری قرار دیتے بھی ہیں تو جب اتنے جید علماء نے اجماع نقل کیا ہے تو ان کا عدم اجماع کا قول لائق التفات ہی نہیں۔

دوسرا: لیکن سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر عموم کے صیغوں کی حجیت کے لیے "دلیل" یا "قرائن" کو ضروری قرار دینے والے علماء بھی اس پر اجماع صحابہ ہونے پر متفق ہیں۔ جیسا کہ امام ابیاری جو کہ ان فقہاء کی رائے کے مؤید ہیں جن کے نزدیک صیغہ کے عموم کے لیے ہونے پر قرینہ یا دلیل کا ہونا ضروری ہے اور اس کے بغیر قابل حجت نہیں۔

۱۳۔ امام علی بن اسماعیل الأبیاری المالکی کا سیدہ کے استدلال پر اجماع کا بیان

امام ابو الحسن علی بن اسماعیل بن علی بن عطیۃ، الصّنھاجی [البلکانی] الأبیاری المالکی، (م:616ھ) نقل کرتے ہیں:

الشبهة الخامسة: تمسكهم بالإجماع، وأن الصحابة رضى الله عنهم تمسكوا بعمومات الكتاب والسنة فى إثبات الأحكام وبنائها عليها، فكانوا يطلبون دليل الخصوص، لا دليل العموم. ففهموا من قوله: {يوصيكم الله فى أولادكم}. ميراث فاطمة، حتى روى أبوبكر رضى الله عنه أن النبى عليه السلام قال: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث". وتمسكوا بآية المواريث، حتى روى لهم: (القاتل [لا يرث]). وكذلك جميع الأحكام. وهذا من أظهر ما يتمسك به أصحاب العموم. ولكن يصح أن يقال: إنما فعلوا ذلك عند ظهور القرائن، وهى غالبة جدا فى هذا الباب. وكل مسلك من الكلام تطرق إليه إمكان، لم يفض إلى القطع.[1]

پانچواں شبہہ: ان کا استدلال اجماع ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآن وسنت کے احکام ثابت کرنے کے لیے عموم سے استدلال کیا کرتے تھے، اور خصوص کی تو دلیل طلب کیا کرتے تھے، عموم کے لیے دلیل طلب نہیں کیا کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فرمان {يوصيكم الله فى أولادكم} سے یہی سمجھا کہ حضرت فاطمہ کے لیے بھی وراثت ہے۔ یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم

[1] التحقيق والبيان في شرح البرهان في أصول الفقه المؤلف: علي بن إسماعيل الأبياري (م:٦١٦ھ) تنبيه: ورد على الغلاف عام الوفاة ٦١٨ھ لكن المحقق رجح في المقدمة أن الوفاة عام ٦١٦ھ دراسة وتحقيق: د. علي بن عبد الرحمن بسام الجزائري، أستاذ بالمعهد الوطني العالي لأصول الدين –الجزائر أصل التحقيق: رسالة دكتوراة الناشر: دار الضياء، الكويت (طبعة خاصة بوزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، دولة قطر) الطبعة: الأولى، ١٤٣٤ھ، ٢٠١٣م ج1 ص 894

ﷺ کے فرمان نحن معاشر الأنبیاء لا نورث کو بیان فرمایا۔ اور آیت مواریث سے عموم پر استدلال کیا یہاں تک کہ ان کے لیے (القاتل [لا یرث]) کو روایت کیا گیا۔ اور ایسے ہی تمام احکام۔ اور یہ تو بہت ہی واضح ہے کہ جس سے صحابہ نے عموم پر استدلال کیا لیکن درست یہ کہ کہا جائے انہوں نے یہ تب کیا جب قرائن ظاہر ہوگئے اور یہ اس باب میں بہت غالب ہے اور کلام کا ہر مسلک جس کی طرف امکان راہ پائے وہ قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا۔

اب جب ان کے سامنے سیدہ پاک کے عموم سے استدلال کے درست ہونے پر صحابہ کے اجماع کی دلیل آئی تو آپ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جن کے نزدیک قرائن یا دلائل کے بغیر عموم کے الفاظ سے حجیت درست نہیں لیکن اس کے باوجود سیدہ پاک کے {یوصیکم اللہ فی أولادکم} سے عموم کے استدلال کے درست نہ ہونے پر کلام نہیں کرتے اور نہ ہی اس پر صحابہ کے اجماع کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی سیدہ زہراء پاک کے استدلال کے درست ہونے کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور اس کے درست ہونے پر اجماع صحابہ کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ امام ابیاری کے نزدیک {یوصیکم اللہ فی أولادکم} کے عموم کے لیے ہونے پر قرائن موجود تھے لہذا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا {یوصیکم اللہ فی أولادکم} سے عموم پر بالقرائن استدلال تھا جو کہ درست تھا اور اس کے درست وصواب ہونے پر اجماع صحابہ بھی تھا۔ یہاں تک کہ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس کا مخصص "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" بیان فرمایا۔

یعنی جمع کے صیغوں کے عموم کے لیے مفید ہونے پر بغیر دلیل یا قرینہ کے عموم پر حجیت کی قطعیت میں تو اجماع صحابہ ہونے میں غیر حنفی اختلاف کا کہہ سکتے ہیں، حالانکہ اس پر حقیقی اجماع ہونے کی وجہ سے ان کا یہ قول ہی مھجور رہے، مگر سیدہ زہراء کے عموم سے استدلال کے درست ہونے اور اس پر صحابہ کا اجماع ہونے کا ان فقہاء کا بھی اتفاق ہے (جو بغیر قرینہ یا دلیل کے عموم سے تمسک درست تسلیم نہیں کرتے، لیکن یہاں وہ بھی بالقرائن استدلال کے درست ہونے اور اجماع صحابہ کے معترف ہیں۔) لہذا سیدہ زہراء پاک کے استدلال کے صواب ہونے پر اجماع صحابہ سب کے نزدیک مسلم بھی ہے، معتبر بھی ہے اور مستند بھی ہے لہذا یہ سب کے نزدیک قطعی ہی ہے۔ لہذا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو "خطا پر تھیں" کہنا اجماع کی قطعی دلیل کا انکار ہے جو کہ گمراہی ہے۔

جب کبھی کسی مسئلہ پر صحابہ کرام کا اجماع ہو چکا ہو تو اس اجماع کے خلاف اگر کسی مجتہد کا قول بھی ملے تو اس کی تاویل کی جاتی ہے یا اسے مھجور و مردود قرار دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت پر

صحابہ کرام کا اجماع تھا لیکن بعض مؤرخین نے ہی نہیں بلکہ بعض محدثین نے بھی حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے بیعت سے انکار کے اقوال بھی جمع کر دیئے ہیں۔ اب ایسے تمام اقوال و روایات کو رد کر دیا جاتا ہے کیونکہ یہ اجماع کے خلاف ہیں۔[1]

---

1 حضرت سعد بن عُبادہ رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی تھی یا نہیں اس میں تفصیلی کلام ہے۔ بخاری شریف کی سقیفہ بنی ساعدہ کی روایات میں آپ کی بیعت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ جب مہاجرین و انصار نے حضرت ابو بکر کی بیعت کرلی تو آپ حضرت سعد کی طرف بڑھے تو کسی نے صدا لگائی کہ "قَتَلتُم سَعدَ بنَ عُبادَةَ" تم نے سعد کو قتل کر دیا (جو بطور کنایہ استعمال کیا گیا کہ سعد کو تم نے چھوڑ دیا)، حضرت عمر نے جواب دیا۔ "أُقتُلُوهُ قَتَلَهُ اللهُ" یہاں بھی کنایہ ہی مراد تھا کہ ان کو چھوڑ دیا گیا۔

اہلسنت کی کتابوں میں ہی مورخین کے علاوہ محدثین نے بھی ایسے اقوال نقل کئے ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت سعد نے شیخین کی بیعت نہیں کی تھی جیسا کہ علامہ بدر الدین عینی اور ابن حجر رحمھما اللہ ذکر فرماتے ہیں:

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "ولم يُبَايِع أبا بَكرٍ ولا عُمَرَ وسَارَ إلى الشامِ فأقامَ بحورانِ إلى أن ماتَ سنة خمس عشرة ولم يَختلِفُوا أنه وَجَدَ ميتاً على مغتسلِه قيل إن قبرَه بالمنيحةِ قريةٌ من غوطةِ دَمشق وهو مشهورٌ يزارُ إلى اليومِ" (عمدة القاري) حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے نہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی اور نہ ہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیعت کی آپ شام تشریف لے گئے اور مقام حوران میں قیام فرمایا یہاں تک کہ پندرہ ہجری کو وفات ہوئی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ آپ کو اپنے غسل خانہ میں فوت پایا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی قبر غوطہ کے ایک گاؤں منیحہ دمشق میں ہے جو کہ مشہور ہے اور آج زیارت گاہ عام ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: تَخَلفَ عن البَيعَةِ وخَرَجَ مِن المَدِينَةِ ولم يَنصرِف إليها إلى أن مَاتَ بالشامِ كما ذَكَرنَاهُ (عمدة القاری) آپ رضی اللہ عنہ بیعت سے رک گئے تھے اور مدینہ طیبہ سے چلے گئے، اور کبھی واپس تشریف نہ لائے، یہاں تک کے آپ کا شام میں ہی انتقال ہو گیا جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے۔

اسی طرح علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ: أَنَّهُ امتَنَعَ مِن بَيعَةِ أَبِي بَكرٍ فِيما يُقالُ وتَوجَّهَ إِلَى الشّامِ فَماتَ بِها، والعُذرُ لَهُ فِي ذَلِكَ أَنَّهُ تَأَوَّلَ أَنَّ لِلأَنصارِ فِي الخِلافَةِ استِحقاقًا فَبَنَى عَلَى ذَلِكَ، وهُوَ مَعذُورٌ وإِن كانَ ما اعتَقَدَهُ مِن ذَلِكَ خَطأً. (فتح الباری شرح صحیح البخاری) بے شک آپ حضرت ابو بکر کی بیعت سے رک گئے جیسا کہ کہا گیا ہے اور آپ شام تشریف لے گئے اور وہیں وصال ہوا اور آپ کی بیعت سے عذر کی وجہ یہ تھی آپ نے اس میں تاویل کی تھی کہ خلافت میں انصار کا حق ہے اور آپ کی رائے اس دلیل کی بنا پر تھی لہذا وہ معذور تھے مگر جو آپ نے اس سے سمجھا وہ عدم صواب تھا۔

اسی کی مثل قول ارشاد الساری میں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بھی نقل کرتے ہیں: "فقِيلَ إنهُ تَخلفَ عَنِ البَيعَةِ وخَرَجَ إلى الشأمِ" (إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری) پس کہا گیا ہے آپ بیعت سے رک گئے تھے اور شام تشریف لے گئے تھے۔

آپ کی وفات کے بارے ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ اپنی مصنفہ "الاستیعاب في معرفة الأصحاب" میں تین قول نقل فرماتے ہیں۔ ایک کے مطابق آپ کی وفات 15 ہجری خلافت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ میں ہوئی، دوسرے کے مطابق 14 ہجری اور تیسرے کے مطابق 11 ہجری خلافت سیدنا صدیق اکبر میں ہوئی (الاستیعاب في معرفۃ الأصحاب) اور آپ کی وفات کے متعلق بھی عجیب روایات ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کو جنات نے تیروں کا نشانہ بنا کر شہید کر دیا اور یہ اشعار پڑھے۔

نَحنُ قَتَلنَا سَيِّدَ الخَزرَجِ سَعدَ بنَ عُبادَه   قَد رَمَينَاهُ بِسَهمَينِ فَلَم نُخطِئ فُؤَادَه

ہم نے خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کر دیا ہے۔۔ ہم نے ان پر دو تیر چلائے اور ان کے دل کا نشانہ لینے میں کوئی غلطی نہیں کی

اس قصہ کو امام حاکم نے مستدرک میں امام عبد الرزاق نے مصنف میں ملا علی قاری نے مرقاۃ میں، علامہ بدر الدین عینی نے عمدۃ القاری میں، علامہ مناوی نے فیض القدیر میں اور علامہ مازری نے المعلم بفوائد مسلم میں نقل کیا ہے۔

حضرت سعد کے بیعت کرنے یا نہ کرنے کے حوالے سے مسئلہ اسلاف میں مختلف فیہ رہا ہے مگر ان تمام روایتوں میں اصح و مفسر وہ روایت ہے جو امام احمد بن حنبل نے اپنی مسند میں نقل فرمائی ہے کہ سقیفہ بنو ساعدہ میں حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَلَقَد عَلِمتَ يَا سَعدُ

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، وَأَنْتَ قَاعِدٌ: ''قُرَيْشٌ وُلَاةُ هَذَا الْأَمْرِ، فَبَرُّ النَّاسِ تَبَعٌ لِبَرِّهِمْ، وَفَاجِرُهُمْ تَبَعٌ لِفَاجِرِهِمْ''. قَالَ: فَقَالَ لَهُ سَعْدٌ: صَدَقْتَ، نَحْنُ الْوُزَرَاءُ، وَأَنْتُمُ الْأُمَرَاءُ. (مسند الإمام أحمد بن حنبل، اس حدیث کے متعلق محدثین نے لکھاہے کہ یہ حدیث مرسل ہونے کی وجہ سے صحیح لغیرہ ہے)
اے سعد بے شک تم جانتے ہو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایااور تم بھی وہاں موجود تھے امر (خلافت) میں قریش امیر ہونگے ان کے نیک لوگ ان کے نیکوکاروں کی اتباع کریں گے اوران کے فاجر، ان کے فاجر کی اتباع کریں گے۔ راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ ہم وزیر ہیں اور آپ امیر (خلفاء) ہیں۔
اس روایت کی روشنی میں یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اپنے موقف سے رجوع فرمالیا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امارت کو تسلیم فرمالیا تھا۔
حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی عدم بیعت کی روایات کے متعلق علامہ ابن حجر الہیتمی لکھتے ہیں کہ: ''وَأَن مَاحُكِيَ من تَخلف سعد بن عبَادَةَ عَنِ الْبَيعَةِ مَرْدُودٌ'' (الصواعق المحرقة) اور جو حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے بیعت نہ کرنے کے حوالے سے حکایت کیا گیاہے مردود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نتیجہ بحث و تمحیص:

اب اجماع صحابہ کے خلاف قول کرنے والے کے لیے کیا حکم ہے؟ مسئلہ "افضلیت پر اجماع کے منکرین" کے لیے جو حکم ہے، کیا یہاں بھی یہی حکم رہے گا یا تبدیل ہو گا؟ کیا سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ کو خطا پر کہنے والوں کے لیے جو حکم بیان کیا جاتا ہے، وہی حکم سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ ہونے کے باوجود آپ رضی اللہ عنہا کو خطا پر کہنے والوں کے لیے بیان کریں گے؟

کیا سیدہ پاک کے استدلال کو خطا پر تھیں کہہ کر یا غلطی ہو گئی کہہ کر بعد میں اس غلطی یا خطا کے لفظ کی خطاء اجتہادی کی تاویل کر کے جائز کہنے والے کیا سیدنا ابو بکر الصدیق کو افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق ماننے والے کے لیے جائز کہیں گے کہ وہ ناصبیوں یا خارجیوں کو جواب دیتے ہوئے یہ کہہ لے کہ جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کو فدک دینے سے انکار کیا تو وہ خطا پر تھے؟ اور حدیث سے مخصص کا استدلال کرنے پر ان سے غلطی ہو گئی۔ اور بعد میں کہے کہ یہاں پر خطا و غلطی سے میری مراد خطاء اجتہادی ہے۔ جو ان کی توہین نہیں، تنقیص نہیں، بلکہ اجر و ثواب ہے؟ یقیناً ہر عالم ربانی کا جواب ہو گا: ہر گز نہیں۔ جب یہاں ایسا قول ممنوع و ناجائز ہے، تو سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے لیے جائز کیوں قرار دیا جارہا ہے؟

نوٹ: جو مسئلہ مجتہد فیہ ہو اس میں قاضی کا فیصلہ اگر خطا پر بھی ہو تو نافذ العمل ہوتا ہے۔ یعنی فیصلہ تو خطا پر ہوتا ہے مگر معتبر ہوتا ہے۔ لیکن اگر قاضی کا فیصلہ اجماع کے خلاف ہو تو، قاضی کا فیصلہ (verdict/ judgment) ہونے کے باوجود نافذ العمل نہیں ہوتا بلکہ مردود ہوتا ہے۔

جیسا کہ علامہ مرغینانی عمداً ذبیحہ پر تسمیہ کے ترک کرنے پر بھی ذبیحہ کی حلت کے شوافع کے مذہب کے جواب میں لکھتے ہیں:

> ولهذا قال أبو يوسف والمشايخ رحمهم الله: إن متروك التسمية عامدا لا يسع فيه الاجتهاد، ولو قضى القاضي بجواز بيعه لا ينفذ لكونه مخالفا للإجماع.[1]

---

1 الهداية في شرح بداية المبتدي المؤلف: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ) المحقق: طلال يوسف الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت – لبنان ج 4 ص 347

(کیونکہ شوافع کا مذہب اجماع کے خلاف ہے) اس لیے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عمدا ترک تسمیہ میں اجتہاد درست نہیں، اور اگر قاضی ایسے ذبیحہ کے بیع کے جواز کا بھی فیصلہ دیتا ہے تو اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کا فیصلہ نافذ ہی نہیں ہو گا۔

ایسے ہی جب قضیۂ فدک میں بی بی پاک کے استدلال کے درست ہونے پر اجماع صحابہ ہے، اب اگر کوئی قاضی بھی اس کے عدم صواب ہونے کا فیصلہ دے، یا کوئی مجتہد یا فقیہ عدم صواب کا قول بھی کرے تو اس کا قول بھی مردود ہو گا۔

نوٹ: فقیر کی نظر سے اس موضوع پر سینکڑوں کتابیں دیکھنے کے باوجود ابھی تک کسی قاضی کا فیصلہ یا فقیہ یا مجتہد کا کوئی ایسا قول نہیں گزرا جس میں بی بی پاک کے عموم سے استدلال کے عدم صواب ہونے کی صراحت کی ہو۔

اہل علم جانتے ہیں جہاں حکم کے لیے استعمال ہونے والے الفاظ کے معنی میں اشتراک ہو، یا خفی ہو، یا وہ مشکل، یا مجمل وغیرہ ہو، تو وہاں معنی کے تعین کے لیے اجتہاد کی حاجت ہوتی ہے۔ یعنی جب معنی کے تعین میں ائمہ مجتہدین کی آراء مختلف ہوں، تو کسی مجتہد کی طرف دلیل کے ساتھ خطاء اجتہادی کی نسبت کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر معنی کے تعین میں اتفاق ہو بلکہ صحابہ کا اس معنی پر اجماع بھی ہو تو اس کو ہرگز خطا کہنا جائز نہیں؛ کیونکہ یہ اجماع کی دلیل شرعی کو خطا کہنا ہے۔

امام احمد بن محمد بن اسحاق الشاشی (م:344ھ) صحابہ کے اجماع سکوتی کے حکم کے بارے میں لکھتے ہیں:

> الإجماع بنص البعض وسكوت الباقين فهو بمنزلة المتواتر۔[1]
> جو اجماع بعض صحابہ کی صراحت اور باقیوں کے سکوت کے ساتھ ہو وہ حدیث متواتر کے مرتبہ میں ہے۔

جب اتنے محققین نے جزم ویقین کے ساتھ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے استدلال کے درست ہونے پر صحابہ کا اجماع نقل کیا ہے۔ تو اس کے بعد اگر کسی کا کوئی تفرد ہو یا کسی نے کوئی احتمال و فرضیہ بیان کیا بھی ہو، تو جزم و

---

[1] أصول الشاشي المؤلف: أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشي أبو علي (م: 344ھ) الناشر: دار الكتاب العربي بيروت (الطبعة: عام 1402ھ) ص 288

یقین سے بیان کئے گئے صریح اقوال کی موجودگی میں ان کے مقابل فرضیہ، احتمال، تمنی و ترجی یا شک والی عبارت ویسے ہی مھجور و مرجوح ہو جاتی ہے۔ الیقین لا یزول بالشك۔ اور صرف اپنی ضد پوری کرنے کے لیے خطا یا خطاء اجتہادی کے قول پر مصر رہنا پیروی ھوائے نفس ہی ہے۔

بلکہ سیدہ زہراء کے عدم سماع مخصص پر بھی جید علماء کی تصریحات موجود ہیں اب ان تصریحات کا اگر کوئی انکار صرف اس لیے کر دیتا ہے کہ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کو خطا پر کہنے کا رستہ کھولا جا سکے بدبختی و بدنصیبی کے سوا کچھ نہیں۔

علماء کرام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالے سے ائمہ کرام سے منسوب یا ان کی کتب میں موجود کسی حدیث وغیرہ کے ضمن میں بیان کیے گئے ایسے تفردات کو عوام میں بیان کرنا ہی ترک کر دیا جس میں ان کی شان میں کمی ہو رہی ہو۔ اور ان ائمہ کے اقوال اور آراء کو کو راجح رکھا جس میں بہتر تاویل کی گئی یا جس سے ان کی شان میں اضافہ ہوتا ہو۔ کیا علماء سے مخفی ہے کہ ہماری کتب میں کیسے کیسے تفردات نقل ہیں، کیا ان سب کو بیان کرنے کی اجازت دیں گے؟

اب سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کی طرف اپنی خطا اور غلطی کی نسبت کو صحیح ثابت کرنے کے لیے رطب و یابس کو اکٹھا کرنا، اس میں جو یار ہنے اور وڈیوز بنا کر تشہیر کرنے والے اپنی اس کوشش کو بارگاہ رسالت میں کس منہ سے پیش کریں گے؟

سیدہ زہراء کا عدم سماع مخصص

رسول اللہ ﷺ کے دور میں ہی قرآن کریم کے حفاظ تو سینکڑوں میں تھے۔ جنہیں پورا قرآن پاک یاد تھا۔ لہذا کلام اللہ سارے کی معرفت تھی، مگر دوسری طرف آپ ﷺ کے دور میں احادیث رسول، آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور تقاریر کی صورت میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دیکھتے یاد رکھتے۔ مگر ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا جو ہر لمحہ آپ ﷺ کے ساتھ رہتا ہو۔ خلوت میں ازواج مطہرات آپ ﷺ کی تعلیمات کی امین تھیں، تو باہر مدینہ پاک میں کئی اصحاب رسول وقتاً فوقتاً آپ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے رہتے۔ جو آپ ﷺ کی صحبت میں ہوتے انہیں تو نئے فرمان سے فوراً آگاہی ہو جاتی۔ باقیوں تک بھی وقت کے ساتھ ساتھ جیسے جیسے اطلاع پہنچتی جاتی وہ بھی آگاہ ہوتے جاتے۔ جس سے بتدریج ان کے علم حدیث میں اضافہ ہوتا رہا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کی عدم وراثت کی حدیث بھی سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تک نہیں پہنچی تھی، جن میں اہل بیت کرام اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنھن بھی تھیں۔ لہذا سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک نہیں متعدد فقہاء نے اپنی کتب میں تصریح فرمائی ہے کہ بی بی پاک رضی اللہ عنہا نے آیت وراثت کی تخصیص کے متعلق فرمان رسول سن ہی نہیں رکھا تھا۔ یہ نقل کرنے والے درج ذیل بڑے بڑے اجل ائمہ ہیں۔

1. شیخ الاسلام بقیۃ المجتہدین امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی الحنفی (م:786ھ) "الردود والنقود"،
2. شیخ الاسلام قاضی محمد بن حمزۃ بن محمد حنفی الفَنّاری الرومی (متوفی:834ھ) "فصول البدائع فی أصول الشرائع"،
3. امام شھاب الدین احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی (م:893 ھ) "الدرر اللوامع فی شرح جمع الجوامع"،
4. امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی (المتوفی:631ھ) "الإحکام فی أصول الأحکام"،
5. امام ابو عمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی الأسنائی المعروف ابن الحاجب (المتوفی: 646ھ) "مختصر ابن حاجب"،
6. امام ابو القاسم محمود بن عبد الرحمن ابن احمد بن محمد، ابو الثناء، شمس الدین الأصفھانی (المتوفی:749ھ) "بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب"،
7. علامہ ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی (المتوفی:774ھ) "تحفۃ الطالب"،

8. امام تاج الدین ابی النصر عبد الوهاب بن علی بن عبد الکافی السبکی (م:646ھ) "رفع الحاجب"،
9. امام صفی الدین محمد بن عبد الرحیم بن محمد الأرموی الهندی الشافعی (م: 715ھ) "نهایة الوصول فی درایة الأصول"،
10. امام القاضی عضد الدین ابو الفضل عبد الرحمن بن رکن الدین احمد الإیجی البکری المطرزی الشیرازی، الصدیقی الشافعی (م:756ھ) "شرح مختصر المنتهی الأصولی"،
11. امام ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی (المتوفی:772ھ) "نهایة السول فی شرح منهاج الوصول"،
12. امام شمس الدین محمد بن مفلح المقدسی الحنبلی (م:763ھ) "أصول الفقه"،
13. امام ابوزکریا یحیی بن موسی الرهونی المالکی (م:773ھ) "تحفة المسؤول"،
14. امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الدائم بن موسی النعیمی العسقلانی البرماوی (م:831ھ) "الفوائد السنیة فی شرح الألفیة"،
15. شیخ المذهب علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان بن احمد بن محمد المرداوی الحنبلی (م:885ھ) "التحبیر شرح التحریر فی أصول الفقه"،
16. امام ابو عبد اللہ الحسین بن علی بن طلحة الرجراجی الشوشاوی المالکی (م: 899ھ) "رفع النقاب عن تنقیح الشهاب"،
17. امام جلال الدین السیوطی الشافعی (م: 911ھ) "الکوکب الساطع"،
18. شیخ الإسلام قاضی القضاة زین الدین ابو یحیی زکریا بن محمد الأنصاری السنیکی المصری الشافعی (م:926ھ) "غایة الوصول الی شرح لب الأصول"،
19. علامہ ابو البقاء تقی الدین محمد بن احمد الفتوحی المعروف بابن النجار الحنبلی (م: 972ھ) "شرح الکوکب المنیر"،
20. امام شمس الدین محمد بن احمد الخطیب الشربینی (م:977ھ) "البدر الطالع فی حل الفاظ جمع الجوامع فی أصول الفقه"،
21. شهاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی الأزهری (م:992ھ) "الآیات البینات علی شرح جمع الجوامع"،
22. عبد اللہ بن شبر اهیم العلوی الشنقیطی (م:1233ھ) "نشر البنود علی مراقی السعود"

ان کے علاوہ کئی اجل ائمہ اور علماء نے اس کی تصریح کی ہے۔

فقہاء کرام کی تصریحات

ا۔ شیخ الاسلام امام محمد بن محمود بن احمد البابرتی الحنفی

شیخ الاسلام بقیۃ المجتہدین امام اکمل الدین محمد بن محمود البابرتی الحنفی (م:786ھ) اپنی کتاب ”الردود والنقود“ میں لکھتے ہیں:

ص۔ مسألة: المختار على المنع جواز تأخير إسماع المخصص الموجود. لنا: أنه أقرب من تأخير العدم.

وأيضا فإن فاطمة سمعت: (يوصيكم) ولم تسمع: " نحن معاشر الأنبياء " وسمعوا: (اقتلوا المشركين) ولم يسمع الأكثر" سنوا بهم سنة أهل الكتاب" إلا بعد حين

ش۔ المانعون من جواز تأخير البيان عن وقت الخطاب إلى وقت الحاجة اختلفوا في جواز تأخير اسماع المخصص الموجود. والمختار جوازه لوجهين:

أحدهما: أن المخصص الموجود وقت الخطاب أقرب من مخصص لم يوجد فيه لإمكان سماعه قبل سماع العام بأن يسمع الشارع غير ذلك المكلف قبل اسماعه فيعرف منه أو بعد سماع العام بالاستكشاف بخلاف مخصص لم يوجد وإذا كان أقرب جاز تأخيره لأن جواز الأبعد يقتضي جواز الأقرب.

الثاني: أنه واقع والوقوع دليل الجواز وذلك لأن فاطمة رضى الله عنها سمعت: (يوصيكم الله في أولادكم) ولم تسمع " نحن معاشر الأنبياء لا نورث " وهو مخصص للآية.

وسمعت الصحابة رضى الله عنهم قوله تعالى (فاقتلوا المشركين) ولم يسمع أكثرهم الحديث المخصص للمجوس وهو قوله عليه السلام " سنوا بهم سنة أهل الكتاب" إلا بعد زمان.[1]

منع پر مختار یہ ہے کہ موجود مخصص کا تاخیر کے ساتھ سنانا جائز ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے معدوم ہونے سے اس کی تاخیر زیادہ قریب ہے۔ اور سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے بھی {یوصیکم} کو سن رکھا تھا، اور نحن معاشر الأنبياء نہیں سنا تھا۔ اور صحابہ نے بھی اللہ تعالیٰ کا

---

1 الردود والنقود شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمد بن محمود بن أحمد البابرتی الحنفي (م:٧٨٦ھ) المحقق: جـ ١ (ضيف الله بن صالح بن عون العمری)، جـ ٢ (ترحيب بن ربيعان الدوسري) أصل التحقيق: رسالتا دكتوراة نوقشت بالجامعة الإسلامية، كلية الشريعة، قسم أصول الفقه ١٤١٥ھ الناشر: مكتبة الرشد ناشرون الطبعة: الأولى، ١٤٢٦ھ، ٢٠٠٥م ج 2 ص 332

فرمان {اقتلوا المشرکین} سن رکھا تھا، اور اکثر نے سنوا بھم سنۃ أھل الکتاب کو نہیں سنا تھا مگر یہ کہ اسے کچھ عرصہ بعد سنا۔

شرح: وقت خطاب سے وقت حاجت تک بیان کی تاخیر سے منع کرنیوالوں کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مخصص موجود کا تاخیر سے سننا جائز ہے (یا نہیں) اور مختار اس کا جواز ہے، دو وجوہ کی وجہ سے:

ان میں سے پہلی وجہ: کہ وقت خطاب میں مخصص موجود زیادہ قریب ہے اس مخصص سے جو (وقت خطاب میں) موجود نہ ہو، کیونکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ مخصص کو عام کے سننے سے پہلے سنا ہو، کہ شارع (علیہ السلام) نے اس مکلف کے غیر کو اس کے سننے سے پہلے (مخصص) سنایا ہو، اور اس (مکلف) نے اس (پہلے سننے والے) سے جان لیا ہو یا عام کے سننے کے بعد سنا کہ جب اسے طلب کیا۔ بخلاف اس مخصص کے جو موجود ہی نہیں۔ چونکہ یہ اقرب تھا تو اس میں تاخیر جائز ہے کیونکہ ابعد میں تاخیر کا جواز اقرب میں تاخیر کے جواز کا تقاضا کرتا ہے۔

دوسری وجہ: یہ (تاخیر سے سننا) واقع ہے، اور وقوع جواز کی دلیل ہے، کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (یوصیکم اللہ فی أولادکم) سنا جبکہ (نحن معاشر الأنبیاء لا نورث) نہیں سنا اور یہ آیت (مذکورہ) کا مخصص ہے۔ اور صحابہ نے بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان {فاقتلوا المشرکین} سن رکھا تھا، اور اکثر نے "سنوا بھم سنۃ أھل الکتاب" کو نہیں سنا تھا مگر یہ کہ اسے کچھ عرصہ بعد سنا۔

۲۔ شیخ الاسلام قاضی محمد بن حمزۃ بن محمد الفنّاری الرومی الحنفی

شیخ الاسلام قاضی محمد بن حمزۃ بن محمد الفنّاری الرومی الحنفی (متوفی: 834ھ) اپنی کتاب "فصول البدائع فی أصول الشرائع" میں لکھتے ہیں:

إذا جوز تأخیر وجودہ فتأخیر إسماع المخصص السمعی للداخل تحت العام بعد إسماع العام أجوز وإذا منع فالمختار جوازہ وھو مذھب النظام وأبی ھاشم خلافا لأبی الھذیل والجبائی.

لنا قیاس الطرد أعنی الدلالۃ الزاما علی المانع فإنہ إذا ثبت جواز التأخیر فی وجودہ ثبت فی إسماعہ بالأولی وقیاس العکس من المانع لأنہ إنما منع فی وجودہ لبعد الاطلاع مع عدمہ فیجوز فی إسماعہ لقربہ مع وجودہ ووقوعہ فلأن فاطمۃ رضی اللہ عنھا سمعت:

{یوصیکم اللہ فی أولادکم} [النساء: ١١] ولم تسمع مخصصه "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" والصحابة سمعوا "اقتلوا المشرکین کافة" مخصصه فی المجوس عند من یقول به "سنوا به سنة أهل الکتاب" إلی زمان خلافة عمر رضی اللہ عنه.[1]

جب (مخصص) کے وجود میں تاخیر جائز ہے (کہ عام پہلے وارد ہو اور مخصص بعد میں تاخیر کے ساتھ) تو وہ مخصص سمعی جو عام کے تحت داخل ہونے والے افراد کو خاص کرتا ہو اس کو تاخیر سے سنانا عام کے سنانے کے بعد بطریق اولی جائز ہے۔ اور اگر منع بھی ہو تو مختار جواز ہے اور یہی مذھب نظام، ابوھاشم کا ہے بخلاف ھذیل اور جبائی کے۔

ہماری (ایک) دلیل قیاس طرد ہے، یعنی مانع پر الزاما دلالت، کیونکہ جب (مخصص) کے وجود میں تاخیر جائز ہے تو اس کے (تاخیر سے) سننے میں بطریق اولی ثابت ہوگی۔ اور (دوسری دلیل) مانع کی قیاس کا عکس ہے، کہ یہ منع مخصص کے وجود میں ہے کہ مخصص کے عدم کی وجہ سے اس پر اطلاع بعید ہے، تو مخصص کے وجود اور قرب کی وجہ سے (تاخیر) سے سننا جائز ہے اور واقع ہے، کیونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (یوصیکم اللہ فی أولادکم) سنا جبکہ اس کا مخصص (نحن معاشر الأنبیاء لا نورث) نہیں سنا۔ اور صحابہ نے بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان {اقتلوا المشرکین} سن رکھا تھا، جبکہ مجوس کے حق میں اس کا مخصص (سنوا بهم سنة أهل الکتاب) کو حضرت عمر کی خلافت تک نہیں سنا۔

حضرت سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے "یُوصِیکُمُ اللہُ فِی أَوْلَادِکُمْ" تو سن رکھا تھا مگر "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" نہیں سنا تھا۔

۳۔ شیخ امام شہاب الدین احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی

امام شہاب الدین احمد بن اسماعیل الکورانی الحنفی (م: 893ھ) اپنی کتاب "الدرر اللوامع فی شرح جمع الجوامع" میں لکھتے ہیں:

فقد اختلفوا فی جواز تأخیر إسماع البیان الموجود، والمختار علی المنع فی تلك المسألة الجواز هنا: لأن تأخیره مع وجوده، أقرب من تأخیره مع عدمه.

---

[1] فصول البدائع في أصول الشرائع المؤلف: محمد بن حمزة بن محمد، شمس الدين الفناري (أو الفَنَري) الرومي (م:٨٣٤ھ) المحقق: محمد حسين محمد حسن إسماعيل الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، ٢٠٠٦ م، ١٤٢٧ھ ج2 ص117

وأيضا: لو لم يجز لم يقع لكنه واقع، فمنه أن فاطمة رضى الله عنها سمعت: {يوصيكم الله} [النساء: ١١] ولم تسمع قوله صلى الله عليه وسلم: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث".[1]

مخصص موجود کو تاخیر سے سنانے کے جواز میں اختلاف ہے اور مختار جواز ہے، کیونکہ مخصص کی موجودگی کے ساتھ تاخیر زیادہ قریب ہے عدم کے ساتھ تاخیر سے۔ اور اگر جائز نہ ہوتا تو واقع نہ ہوتا حالانکہ واقع ہے، ان میں سے ایک سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا (یوصیکم الله) سنا ہوا تھا اور (نحن معاشر الأنبياء لا نورث) نہیں سنا تھا۔

۴۔ امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی

معروف شافعی امام ابو الحسن علی بن محمد الآمدی (المتوفی: 631ھ) مخصص کے تاخیر کے ساتھ سماع کے جواز کی دلیل بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "الإحكام في أصول الأحكام" میں لکھتے ہیں:

الذين اتفقوا على امتناع تأخير البيان إلى وقت الحاجة اختلفوا في جواز إسماع الله للمكلف العام دون إسماعه للدليل المخصص له فذهب الجبائي وأبو الهذيل إلى امتناع ذلك في الدليل المخصص السمعي وأجازا أن يسمعه العام المخصص بدليل العقل وإن لم يعلم السامع دلالته على التخصيص وذهب أبو هاشم والنظام وأبو الحسين البصري إلى جواز إسماع العام من لم يعرف الدليل المخصص له وسواء كان المخصص سمعيا أو عقليا وهو الحق لوجهين.

وہ حضرات کہ جنہوں نے حاجت کے وقت تک بیان کے مؤخر ہونے کو ممتنع قرار دیا انہوں نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ اللہ کا مکلف کو عام کی دلیل مخصص سنائے بغیر عام سنانا ممکن ہے؟ جبائی اور ابو الهذیل دلیل مخصص سمعی کی صورت میں اس کے ممتنع ہونے کی طرف گئے ہیں اور ان دونوں حضرات نے اس عام کے سنانے کو ممکن قرار دیا ہے جو دلیل عقلی کے ساتھ مخصص ہو اگرچہ سامع اس کی تخصیص پر دلالت سے ناواقف ہو اور ابو ہاشم، نظام اور ابو الحسین البصری نے

---

[1] الدرر اللوامع في شرح جمع الجوامع المؤلف: شهاب الدين أحمد بن إسماعيل الكوراني (٨١٢، ٨٩٣هـ) المحقق: سعيد بن غالب كامل المجيدي أصل التحقيق: رسالة دكتوراة بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة الناشر: الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية عام النشر: ١٤٢٩هـ، ٢٠٠٨م. ج 2 ص 459

اس شخص کو عام سنانا جائز قرار دیا ہے جو عام کے مخصص کی دلیل نہ پہچانتا ہو چاہے وہ دلیل مخصص سمعی ہو یا عقلی اور دو دلیلوں کی بنیاد پر یہی حق (صواب) ہے

الأول إنا قد بينا جواز تأخير المخصص عن الخطاب إذا كان سمعيا مع أن عدم سماعه لعدمه فى نفسه أتم من عدم سماعه مع وجوده فى نفسه فإذا جاز تأخير المخصص فجواز تأخير إسماعه مع وجوده أولى

پہلی دلیل تحقیق ہم بیان کر چکے ہیں کہ مخصص کا خطاب سے مؤخر ہونا ممکن ہے جبکہ وہ دلیل سمعی ہو باوجودیکہ اس کا نہ سننا اس کے فی نفسہٖ موجود نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ اس سے تام ہے کہ اس کا نہ سننا اس کے فی نفسہٖ موجود ہونے کے باوصف ہو پس جب مخصص کی تاخیر جائز ہے تو اس کے موجود ہونے کے باوجود اس کا نہ سنانا بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

الثانى هو أن وقوع ذلك يدل على جوازه ودليله إسماع فاطمة قوله تعالى {يوصيكم الله فى أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين}(4 النساء 11) مع أنها لم تسمع بقوله نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة إلا بعد حين.[1]

دوسری دلیل وہ اس کا واقع ہونا ہے جو اس کے جائز ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اس کی دلیل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رب تعالیٰ کا فرمان "يوصيكم الله فى أولادكم للذكر مثل حظ الأنثيين" سننا ہے ساتھ آپ نے پہلے سے نہیں سن رکھا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" مگر کچھ عرصہ بعد سنا۔

۵۔علامہ ابن الحاجب مالکی

مالکی فقیہ ابو عمرو عثمان بن عمر بن ابی بکر بن یونس الدوینی الأسنائی المعروف ابن الحاجب (المتوفی: 646ھ) "مختصر ابن حاجب" میں لکھتے ہیں:

(مَسْأَلَةٌ) الْمُخْتَارُ، عَلَى الْمَنْعِ: جَوَازُ تَأْخِيرِ إِسْمَاعِ الْمُخَصِّصِ الْمَوْجُودِ. لَنَا: أَنَّهُ أَقْرَبُ مِنْ تَأْخِيرِهِ مَعَ الْعَدَمِ. وَأَيْضًا: فَإِنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا سَمِعَتْ (يُوصِيكُمُ اللهُ) وَلَمْ تَسْمَعْ: نَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ.

[1] الإحكام في أصول الأحكام المؤلف: علي بن محمد الآمدي أبو الحسن (المتوفي: 631ھ) تحقيق د. سيد الجميلي الناشر دار الكتاب العربي سنة النشر 1404. ج 3 ص 55

منع پر مختار یہ ہے: موجود مخصص کا تاخیر سے اسماع جائز ہے ہمارے نزدیک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے "يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" تو سن رکھا تھا مگر "نَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ" نہیں سنا تھا۔

۶۔ امام ابو القاسم شمس الدین الأصفهانی

اس کی شرح بیان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب میں امام ابو القاسم محمود بن عبد الرحمن ابن احمد بن محمد، ابو الثناء شمس الدین الأصفهانی (المتوفی: 749ھ) اپنی کتاب "بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب" میں لکھتے ہیں:

أَنَّ تَأْخِيرَ إِسْمَاعِ الْمُخَصِّصِ وَاقِعٌ، وَالْوُقُوعُ دَلِيلُ الْجَوَازِ. وَإِنَّمَا قُلْنَا: إِنَّهُ وَاقِعٌ ; لِأَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا سَمِعَتْ {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] وَلَمْ تَسْمَعْ "نَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ" وَهُوَ مُخَصِّصٌ لِلْآيَةِ.[1]

تاخیر کے ساتھ مخصص کا سننا واقع ہے، اور وقوع جواز کی دلیل ہے اور بے شک ہم کہتے ہیں یہ واقع ہے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے "يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ" تو سن رکھا تھا مگر "نَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ" نہیں سنا تھا جو آیت کے لیے مخصص ہے۔

۷۔ ابو الفداء علامہ ابن کثیر

علامہ ابن حاجب کی اس بات کا ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی الدمشقی (المتوفی: 774ھ) نے بھی رد نہیں کیا بلکہ اس کو "تحفة الطالب" میں برقرار رکھا ہے آپ نقل فرماتے ہیں:

قَوْله وَأَيْضًا فَإِن فَاطِمَة سَمِعت {يُوصِيكُم الله} وَلم تسمع نَحن معاشر الانبياء تقدم هَذَا الحَدِيث فِي الْعُمُوم[2]

بے شک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے "يُوصِيكُمُ اللهُ" تو سن رکھا تھا مگر "نَحْنُ مُعَاشِرَ الْأَنْبِيَاءِ" نہیں سنا تھا، یہ حدیث عموم (کی بحث) میں گزر چکی ہے۔

---

[1] بيان المختصر شرحُ مختصرِ ابنِ الحاجب المؤلف: محمود بن عبد الرحمن (أبي القاسم) ابن أحمد بن محمد، أبو الثناء، شمس الدين الأصفهاني (المتوفى: 749هـ) المحقق: محمد مظهر بقا الناشر: دار المدني، السعودية الطبعة: الأولى، 1406هـ / 1986م ج2 ص 407

[2] تحفة الطالب بمعرفة أحاديث مختصَرِ ابنِ الحاجبِ المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي الدمشقي (المتوفى: 774هـ) الناشر: دار ابن حزم الطبعة: الثانية، 1416 ص 288

۸۔ تاج الدین ابی النصر عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی السبکی

اور ایسے ہی اس کی ایک مشہور شرح "رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب" میں تاج الدین ابی النصر عبد الوھاب بن علی بن عبد الکافی السبکی (م:646ھ) نے بھی اس کو برقرار رکھا ہے۔ آپ اس کے تحت ہی رفع الحاجب میں لکھتے ہیں:

أن القائل بإسماع المخصص يشترط إسماعه الموجودين كلهم، ولا يكتفي بإسماع البعض، ولولا ذلك لما صح الاستدلال أن فاطمة لم تسمع مخصص (يوصيكم الله) [سورة النساء: الآية 11] رضي الله عنها.[1]

اس بات کا قائل کے مخصص کے لیے موجودین میں سے ہر ایک کا سنانا شرط ہے، بعض کا اسماع کافی نہیں، اگر ایسے نہ ہوتا (یعنی تاخیر سے سماع کا جواز) تو استدلال درست کیوں ہوتا کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (یوصیکم اللہ) کا مخصص نہیں سن رکھا تھا۔

آگے مزید لکھتے ہیں:

فإن فاطمة رضي الله عنها سمعت: (يوصيكم الله في أولادكم) [سورة النساء: الآية 11].....، ولم تسمع ما قدمناه في أول العموم من قوله (صلى الله عليه وسلم): نحن معاشر الأنبياء لا نورث إلى أن روي لها بعد حين.[2]

بے شک فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (یوصیکم اللہ فی أولادکم) سن رکھا تھا، اور جیسے ہم عموم کے آغاز میں بیان کر چکے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" کو نہیں سن رکھا تھا اسے آپ کو کچھ عرصہ بعد روایت کیا گیا۔

---

1 رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب المؤلف: تاج الدين أبي النصر عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي السبكي(570 –646هـ) تحقيق: علي محمد معوض، عادل أحمد عبد الموجود دار النشر: عالم الكتب، لبنان / بيروت، 1999 م، 1419هـ الطبعة: الأولى ج 3 ص 439

2 رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب المؤلف: تاج الدين أبي النصر عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي السبكي(570 –646هـ) تحقيق: علي محمد معوض، عادل أحمد عبد الموجود دار النشر: عالم الكتب، لبنان / بيروت، 1999 م، 1419هـ الطبعة: الأولى ج 3 ص 440

۹۔ امام صفی الدین محمد بن عبد الرحیم بن محمد الأرموی الھندی الشافعی

امام صفی الدین محمد بن عبد الرحیم بن محمد الأرموی الھندی الشافعی (م: 715ھ) "نهاية الوصول فی دراية الأصول" میں اس کی صراحت فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا نے "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" والی روایت سرکار دوعالم کے پردہ فرمانے کے بعد سنی تھی آپ لکھتے ہیں:

احتج الجمهور بوجوه:

أحدها: أنه وقع ذلك فإن فاطمة وكثيرا من الصحابة رضی الله عنهم سمعوا قوله تعالى: }يوصيكم الله فی أولادكم{ الآية مع أنهم ما سمعوا قوله عليه السلام: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" إلا بعد وفاته. وكذلك سمع الأكثر منهم قوله تعالى: }وقاتلوا المشركين كافة{ ولم يسمع قوله عليه السلام فی حق المجوسی: "سنوا بهم سنة أهل الكتاب" إلى زمان عمر رضی الله عنه، وفی الجملة لا حاجة إلى تعداد الصور، فإن العلم بوقوع ذلك يكاد أن يكون ضروريا، والمنصف من نفسه يعلم ذلك من حيث إنه كثير ما يسمع العام ولم يسمع جميع مخصصاته فی تلك الساعة، ولو سئل أكثر علماء كل عصر عن ذلك لأخبر به فإنكار جوازه مكابرة للضروريات.

وثانيها: أنه يجوز أن يسمع المكلف المنسوخ من غير أن يسمع الناسخ بدليل الوقوع فإن كثيرا من الصحابة رضی الله عنهم سمعوا قوله عليه السلام: "إنما الماء من الماء"، ولم يسمعوا قوله عليه السلام: "إذا التقى الختانان وجب الغسل"، وكذا سمعوا، أو علموا ما يدل على جواز المخابرة ولم يسمعوا نهيه عليه السلام عنها حتى قال عبد الله بن عمر رضی الله عنهما: (كنا نخابر أربعين سنة حتى روى لنا رافع بن خديج رضی الله عنه نهيه عليه السلام عنها) وإذا جاز ذلك فی الناسخ والمنسوخ، فلأن يجوز فی العام وتخصصه بطريق الأولى، إذ المحذور فيه أقل.[1]

جمہور نے کئی وجوہ سے دلیل پکڑی ہے:

---

[1] نهاية الوصول في دراية الأصول المؤلف: صفي الدين محمد بن عبد الرحيم الأرموي الهندي (٧١٥هـ) المحقق: د. صالح بن سليمان اليوسف، د.سعد بن سالم السويح أصل التحقيق: رسالتا دكتوراة بجامعة الإمام بالرياض الناشر: المكتبة التجارية بمكة المكرمة الطبعة: الأولى، ١٤١٦هـ، ١٩٩٦م ج 5 ص 1969

پہلی دلیل: یہ (تاخیر سے سماعت) سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے لیے واقع ہے، کہ انہوں نے (یوصیکم اللہ فی أولادکم) سنا اور اس کے ساتھ (نحن معاشر الأنبياء لا نورث ما ترکناه صدقة) نہیں سنا مگر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد۔ اور اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان {وقاتلوا المشرکین کافة} سن رکھا تھا، اور مجوسی کے حق میں (سنوا بهم سنة أهل الكتاب) کو عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک نہیں سنا تھا۔

الحاصل ان صورتوں کی تعداد کی ضرورت نہیں کیونکہ ان کے وقوع کا علم قریب ہے کہ علم ضروری ہو، اور انصاف پسند جانتا ہے کہ ایسا بہت ہے کہ عام کو سنا گیا مگر اس کے سارے مخصصات کو اسی لمحہ نہیں سن پایا، اور اگر ہر زمانہ کے علماء سے اس کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ اس کی خبر دیتے، لہذا اس کے جواز کا انکار ضروریات کا مکابرہ اور نہ ماننا ہے۔

دوسری دلیل:

یہ بھی جائز ہے کہ مکلف منسوخ سنے اور اس کا ناسخ نہ سنے، اس کی دلیل بھی وقوع ہے کہ کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے (إنما الماء من الماء) سنا اور (إذا التقى الختانان وجب الغسل) نہیں سنا، ایسے ہی مخابرہ کے جواز کا سنا اور جانا مگر اس سے ممانعت کو نہ سنا، یہاں تک کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی (کنا نخابر أربعین سنة حتی روی لنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنه نهیه علیه السلام عنها) اور جب ناسخ و منسوخ میں ایسا جائز ہے تو عام اور اس کے مخصص میں بطریق اولی جائز ہے کیونکہ اس میں محذور اقل ہے۔

آپ اپنی ایک دوسری کتاب "الفائق فی أصول الفقه" میں بھی نقل کرتے ہیں:

لنا: (أ) أن فاطمة وكثيرا من الصحابة رضى الله عنهم سمعوا: {يوصيكم الله} [النساء: آية ١١]، ولم يسمعوا قوله عليه السلام: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث"، إلا بعد وفاته، وكذا سمعوا: {فاقتلوا المشركين} [التوبة: آية ٥]، ولم يسمعوا: (سنوا بهم سنة أهل الكتاب) إلا بعد مدة، والعلم بوقوع ذلك في السلف والخلف بعد الاستقراء ضروري.

(ب) القياس على جواز إسماع المنسوخ بدون ناسخه، بل أولى، إذ المحذور فيه أقل، وحكم الأصل ثابت وفاقا، فإن منع على الشذوذ، فيستدل بسماعهم قوله: "إنما الماء من الماء". [1]

---

[1] الفائق في أصول الفقه المؤلف: صفي الدين محمد بن عبد الرحيم بن محمد الأرموي الهندي الشافعي (م:٧١٥ھ) المحقق: محمود نصار الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان (الطبعة: الأولى، ١٤٢٦ھ ٢٠٠٥م) ج1 ص 400

ہماری پہلی دلیل:

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم نے {یوصیکم اللہ فی أولادکم} کو سن رکھا تھا، اور "نحن معاشر الأنبیاء" نہیں سنا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد۔ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان {فاقتلوا المشرکین} سن رکھا تھا، اور اکثر نے "سنوا بهم سنة أهل الكتاب" کو نہیں سنا تھا مگر یہ کہ اسے کچھ عرصہ بعد سنا۔ اور سلف وخلف میں استقراء کے بعد اس کے وقوع کا علم ضروری ہو جاتا ہے۔

دوسری دلیل:

منسوخ کے سننے اور ناسخ کے نہ سننے کے جواز پر قیاس ہے، بلکہ یہ (مخصص میں تاخیر) اولی ہے کہ اس میں محذور اقل ہے اور اصل کا حکم بالاتفاق ثابت ہے اور منع شاذ ہے، (منسوخ میں تاخیر) سے سماعت کی دلیل "إنما الماء من الماء" ہے

۱۰۔ امام عضد الدین عبد الرحمن الإیجی الشافعی

امام القاضی عضد الدین ابو الفضل عبد الرحمن بن رکن الدین احمد بن عبد الغفار بن احمد الإیجی البکری المطرزی الشیرازی، الصدیقی، الشافعی (م:756ھ) جو کہ خود حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خاندان سے ہیں "شرح مختصر المنتهى الأصولي" میں لکھتے ہیں:

أن فاطمة رضي الله عنها سمعت قوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم} [النساء: ١١]، وهو عام ولم تسمع مخصِّصه، وهو قوله صلى الله عليه وسلم: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث" إلا بعد حين.). [1]

---

[1] شرح [مختصر المنتهى الأصولي للإمام أبي عمرو عثمان ابن الحاجب المالكي (المتوفى ٦٤٦هـ)] المؤلف: عضد الدين عبد الرحمن الإيجي (م:٧٥٦هـ) وعلى المختصر والشرح / حاشية سعد الدين التفتازاني (م:٧٩١هـ) وحاشية السيد الشريف الجرجاني (م:٨١٦هـ)، وعلى حاشية الجرجاني / حاشية الشيخ حسن الهروي الفناري (م:٨٨٦هـ) وعلى المختصر وشرحه وحاشية السعد والجرجاني / حاشية الشيخ محمد أبو الفضل الوراقي الجيزاوي (م:١٣٤٦هـ) المحقق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان الطبعة: الأولى، ١٤٢٤هـ ٢٠٠٤م ج 3 ص 142

بے شک فاطمہ نے اللہ تعالیٰ کا فرمان {یوصیکم اللہ فی أولادکم} سن رکھا تھا اور یہ حکم عام تھا، اور اس کا مخصص نہیں سن رکھا تھا وہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" کچھ عرصہ بعد سنا۔

۱۱۔ امام ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی

امام ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی، (المتوفى: 772ھ) اپنی کتاب "نہایة السول فی شرح منہاج الوصول" میں مخصص کے تاخیر سے نزول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فإذا نزل فهل يجوز إسماعه للمكلف بدون إسماعه، أي إسماع العام بدون إسماع الخاص، فيه مذهبان الصحيح الجواز، وصححه أيضا في المحصول؛ لأن فاطمة سمعت: {يُوصِيكُمُ اللهُ} الآية ولم تسمع: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث".[1]

اگر (مخصص تاخیر سے) نازل ہو تو کیا جائز ہے مکلف کو اس (عام) کا سنانا بغیر اس (خاص) کے سنانے کے، یعنی عام کا سنانا خاص کے سنانے کے بغیر، اس میں دو مذہب ہیں صحیح جواز کا ہے، محصول میں امام رازی نے بھی اسے ہی صحیح قرار دیا ہے کیونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے "یُوصِیکُمُ اللہُ" تو سن رکھا تھا مگر "نحن معاشر الأنبیاء لا نورث" نہیں سنا تھا۔

۱۲۔ امام شمس الدین محمد بن مفلح المقدسی الحنبلی

امام شمس الدین محمد بن مُفلح المقدسی الحنبلی (م: 763ھ) اپنی تصنیف "أصول الفقه" میں لکھتے ہیں:

وسمعت فاطمة: (يوصيكم الله في أولادكم) ولم تسمع المخصص. وسمع الصحابة الأمر بقتل الكفار إلى الجزية، ولم يأخذ عمر الجزية من المجوس حتى شهد عبد الرحمن بن عوف: أنه عليه السلام أخذها منهم. رواه البخاري.[2]

---

[1] نهاية السول في شرح منهاج الوصول المؤلف: عبد الرحيم بن الحسن بن علي الإسنوي الشافعيّ، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 772هـ) الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت-لبنان الطبعة: الأولى 1420هـ 1999م ج 1 ص 235

[2] أصول الفقه المؤلف: شمس الدين محمد بن مفلح المقدسي الحنبلي (٧١٢، ٧٦٣هـ) حققه وعلق عليه وقدم له: الدكتور فهد بن محمد السَّدَحَان الناشر: مكتبة العبيكان الطبعة: الأولى، ١٤٢٠هـ ١٩٩٩م ج 3 ص 1035

اور فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (يوصيكم الله في أولادكم) سن رکھا تھا۔ اور اس کا مخصص نہیں سنا ہوا تھا۔ اور صحابہ نے جزیہ دینے تک کفار کو قتل کرنے کا حکم سن رکھا تھا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وقت تک مجوسیوں سے جزیہ نہ لیا یہاں تک کہ حضرت عبد الرحمن بن عوف نے گواہی دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جزیہ لیا تھا۔ جسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

۱۳۔ امام ابوزکریا یحییٰ بن موسی الرھونی

امام ابوزکریا یحییٰ بن موسی الرھونی المالکی (م:773ھ) اپنی کتاب "تحفة المسؤول" میں لکھتے ہیں:

لنا: أن تأخير إسماعه مع وجوده أقرب من تأخيره مع عدمه، والدال على منع الأبعد لا يدل على منع الأقرب، والأصل عدم دليل منع هذا بخصوصه. وأيضا: لو لم يجز لم يقع، وقد وقع، فإن فاطمة سمعت {يوصيكم الله في أولادكم} وهو عام، [ولم تسمع مخصصه وهو: "إنا معاشر الأنبياء لا نورث". وسمع الصحابة {فاقتلوا المشركين} ولم يسمع أكثرهم] مخصصه، وهو قوله عليه السلام في المجوس: "سنوا بهم سنة أهل الكتاب"، إلا بعد حين، ولو ادعى الضرورة ما أبعد؛ إذ ليس كلما سمعوا العام سمع جميعهم الخاص.[1]

ہمارا موقف یہ ہے کہ: باجود مخصص کے موجود ہونے کے اس کا تاخیر سے سنانا زیادہ قریب ہے اس کے عدم سے۔ اور دور (عدم) کا منع قریب (تاخیر) کے منع پر دلالت نہیں کرتا۔ اور بالخصوص اس کے منع پر دلیل ہی نہیں۔ اس کے علاوہ اگر (تاخیر سے سنانا) جائز نہ ہوتا تو واقع نہ ہوتا حالانکہ واقع ہوا ہے، سیدہ فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے {يوصيكم الله في أولادكم} سنا تھا جو کہ عام ہے اور اس کا مخصص نہیں سنا جو کہ "إنا معاشر الأنبياء لا نورث" ہے اسی طرح صحابہ نے (فاقتلوا المشركين) سنا اور اکثر نے اس کا مخصص نہیں سنا تھا، اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مجوس کے بارے میں یہ قول ہے (سنوا بهم سنة أهل الكتاب) جب سنا بھی تو کافی عرصہ بعد۔ اور اگر

---

1 تحفة المسؤول في شرح مختصر منتهى السول المؤلف: أبو زكر يا يحيى بن موسى الرهوني (م:۷۷۳ھ) المحقق: جـ ۱، ۲ (الدكتور الهادي بن الحسين شبيلي)، جـ ۳، ۴ (يوسف الأخضر القيم) الناشر: دار البحوث للدراسات الإسلامية وإحياء التراث، دبي، الإمارات الطبعة: الأولى، ۱۴۲۲ھ، ۲۰۰۲م ج 3 ص 302

کوئی ضرورت (سماع) کا دعوی کرے تو اتنا دور (سننا) نہ جاتا، کیونکہ کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ جب سب نے عام کو سنا تو سب نے خاص کو بھی سنا ہو۔

۱۴۔ امام شمس الدین محمد بن عبد الدائم البِرماوی الشافعی

امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الدائم بن موسی النعیمی العسقلانی البِرماوی، (م: 831ھ) اپنی کتاب "الفوائد السنية في شرح الألفية" میں لکھتے ہیں:

السابع: إذا قلنا بالمنع من تأخير البيان، فالمختار عند ابن الحاجب وغيره جواز تأخير إسماع المخصص الموجود. وهو رأى أبي هاشم والنظام وأبي الحسين.

وقال الجبائي وأبو الهذيل: [ممتنع] في الدليل المخصص السمعي دون العقلي.

وعلى الأول: فمن ليس موجودا حال نزول المخصص، لا يشترط إسماعه؛ لعدم إمكانه.

ويجب تعميم الموجودين بالإسماع، ولا يكفي البعض؛ ولذلك استدل بأن فاطمة رضي الله عنها سمعت آية: {يوصيكم الله} [النساء: ۱۱] ولم تسمع: "إنا معاشر الأنبياء لا نورث".[1]

ساتویں وجہ: بیان کی تاخیر کی وجہ سے جب ہم منع کا کہتے ہیں، تو ابن حاجب وغیرہ کے نزدیک مختار مخصص موجود کا تاخیر سے سنانا جائز ہے، اور یہی رائے ابوہاشم، نظام اور ابوالحسین کی ہے۔ اور جبائی اور ابوالهذیل کہتے ہیں کہ سمعی دلیل مخصص میں ممتنع ہے، عقلی میں نہیں۔

پہلی صورت پر یہ اعتراض ہوگا کہ جو مخصص کے نزول کے وقت موجود ہی نہیں تو اس کا سنانا شرط نہیں کیونکہ (اس کی عدم موجودگی کی وجہ سے) اس کا سنانا ممکن ہی نہیں۔ اور تمام موجودین کو سنانا واجب ہوگا، بعض کافی نہیں ہونگے۔

اور اس کے لئے (مجوزین کی طرف سے) دلیل یہ پکڑی گئی ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آیت (یوصیکم اللہ) سنی ہوئی تھی اور مخصص (إنا معاشر الأنبياء لا نورث) نہیں سنا تھا۔

---

1 الفوائد السنية في شرح الألفية المؤلف: البرماوي شمس الدين محمد بن عبد الدائم (۷٦۳، ۸۳۱ھ) المحقق: عبد الله رمضان موسى الناشر: مكتبة التوعية الإسلامية للتحقيق والنشر والبحث العلمي، الجيزة، مصر [طبعة خاصة بمكتبة دار النصيحة، المدينة النبوية، السعودية] الطبعة: الأولى، ۱۴۳٦ھ، ۲۰۱۵م ج 4 ص 1776

۱۵۔ شیخ المَذہَب علاء الدین المَرداوی الحنبلی

شیخ المُذہَب علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان بن احمد بن محمد المَرداوی الحنبلی (المتوفی: 885ھ)، ''التحبیر شرح التحریر فی أصول الفقه''میں لکھتے ہیں:

قَوْله: {فعلى الْمَنْع، قَالَ أَصْحَابنَا، وَالْأَكْثَر: يجوز تَأْخِير إسماع الْمُخَصّص الْمَوْجُود وَمنعه الجبائي، وَأَبُو الْهُذيْل، ووافقا على الْمُخَصّص الْعقلِيّ}. يجوز على الْمَنْع من جَوَاز التَّأْخِير تَأْخِير إسماع الْمُخَصّص الْمَوْجُود عندنَا، وَعند عَامَّة الْعلمَاء.

وَمنعه أَبُو الْهُذيْل، والجبائي، ووافقا على الْمُخَصّص الْعقلِيّ.

اسْتدلَّ للصحيح بِأَنَّهُ مُحْتَمل سَمَاعه بِخِلَاف الْمَعْدُوم، وَسمعت فَاطِمَة رَضِي الله عَنْهَا {يُوصِيكُم الله فِي أَوْلَادكُم} [النِّسَاء: 11] وَلم تسمع الْمُخَصّص، وسمع الصحابة الأمر بقتل الكفار إلى الجزية، ولم يأخذ عمر الجزية من المجوس حتى شهد عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه أنه صلى الله عليه وسلم أخذها منهم. رواه البخاري.[1]

قولہ: {اگر منع کا قول کیا جائے تو بھی ہمارے اصحاب اور اکثر کا قول ہے کہ موجود مخصص کا تاخیر سے سنانا جائز ہے۔ جبائی اور ابو الھذیل اس کو منع رکھتے ہیں، اگرچہ دونوں کے ساتھ مخصص عقلی میں اتفاق ہے}۔ مخصص کا تاخیر سے وارد ہونا منع بھی ہو تو بھی مخصص موجود کا تاخیر سے سنانا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اور ایسا ہی اکثر علماء کے نزدیک (بھی جائز ہے)۔

تاخیر سے سماع کو ابو الھذیل اور جبائی منع کرتے ہیں، اگرچہ ان دونوں کے ساتھ مخصص عقلی میں اتفاق ہے (کہ مخصص عقلی مؤخر نہیں ہوتا)۔

صحیح قول کے لیے یہ دلیل پکڑی گئی ہے کہ معدوم کے مقابلہ میں (موجود) کا (تاخیر) سے سننے کا احتمال ہے۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (یوصیکم اللہ فی أولادکم) سنا اور اس کا مخصص نہ سنا۔ اور صحابہ نے کفار کے قتل کا جزیہ قبول کرنے تک (حکم) سنا اور حضرت عمر نے مجوس سے جزیہ نہ لیا جب تک عبد الرحمن بن عوف نے یہ گواہی نہ دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ قبول کیا تھا۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔

---

[1] التحبير شرح التحرير في أصول الفقه المؤلف: علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي (م:۸۸۵ھ) دراسة وتحقيق: د. عبد الرحمن الجبرين، د. عوض القرني، د. أحمد السراح أصل التحقيق: ۳ رسائل دكتوراة، قسم أصول الفقه في كلية الشريعة بالرياض الناشر: مكتبة الرشد، السعودية، الرياض (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ) ج 6 ص 830

۱۶۔ امام ابو عبد اللہ الحسین بن علی بن طلحۃ الرجراجی الشوشاوی المالکی

امام ابو عبد اللہ الحسین بن علی بن طلحۃ الرجراجی الشوشاوی المالکی (م: 899ھ) اپنی تصنیف ”رفع النِّقاب عن تنقيح الشهاب“ میں لکھتے ہیں:

أن بعض الناس يسمعون العام ولا يسمعون مخصصه إلا بعد حين، كما روى أن فاطمة رضى الله عنها سمعت قوله تعالى: {يوصيكم الله فى أولادكم} ولم تسمع قوله عليه السلام: "نحن معاشر الأنبياء لا نورث" إلا بعد حين.[1]

بعض لوگ عام سن لیتے ہیں اور اس کا مخصص ایک زمانہ تک نہیں سن پاتے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے (يوصيكم الله فى أولادكم) سنا اور (نحن معاشر الأنبياء لا نورث) ایک زمانہ تک نہیں سنا۔

۱۷۔ امام جلال الدین السیوطی الشافعی

امام جلال الدین السیوطی الشافعی (م: 911ھ) اپنی کتاب ”الکوکب الساطع“ میں لکھتے ہیں:

وقد وقع أن بعض الصحابة لم يسمع المخصص السمعى إلا بعد حين. منهم فاطمة رضى الله عنها بنت رسول الله طلبت ميراثها من تركه رسول الله صلى الله عليه وسلم لعموم قوله تعالى: (يوصيكم الله فى اولادكم) [الآية النساء:11]. فاحتج عليها ابوبكر بما رواه من قوله صلى الله عليه وسلم (لا نورث ما تركناه صدقة).[2]

اور یہ واقع ہے کہ بعض صحابہ نے سمعی مخصص کو نہیں سنا مگر کچھ عرصہ بعد، ان میں سے سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہیں کہ آپ نے اپنی میراث طلب کی جو رسول اللہ ﷺ نے چھوڑی تھی، آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول (يوصيكم الله فى اولادكم) کے عموم سے استدلال کیا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ ﷺ کے قول (لا نورث ما تركناه صدقة) سے اس کا جواب دیا۔

---

[1] رفع النِّقاب عن تنقيح الشهاب المؤلف: أبو عبد الله الحسين بن علي بن طلحة الرجراجي الشوشاوي المالكي (م: 899هـ) المحقق: جـ ١، ٢، ٣ (د أحمد بن محمد السراح)، جـ ٤، ٥، ٦ (د عبد الرحمن بن عبد الله الجبرين) أصل التحقيق: رسالتا ماجستير في أصول الفقه، كلية الشريعة، بالرياض الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية الطبعة: (الأولى، ١٤٢٥هـ ٢٠٠٤م). ج 4 ص 375

[2] الكوكب الساطع للسيوطي المولف: جلال الدين السيوطي (م: 911هـ) دار ابن الجوزي (1431هـ) ص 240. شرح الكوكب الساطع. مكتبة الايمان للطبع والنشر والتوزيع (1420هـ)، ج1 ص 575

۱۸۔ شیخ الإسلام قاضی القضاۃ زین الدین الأنصاری السُنیکی المصری الشافعی

شیخ الِاسلام قاضی القضاۃ زین الدین ابو یحییٰ زکریا بن محمد بن زکریا الأنصاری السُنیکی المصری الشافعی (المتوفی:926ھ) اپنی کتاب "غایۃ الوصول الی شرح لب الأصول" میں بھی یہی لکھتے ہیں:

أن بعض الصحابة لم يسمع المخصص السمعي إلا بعد حين منهم فاطمة بنت النبيّ صلى الله عليه وسلّم طلبت ميراثها مما تركه أبوها لعموم قوله تعالى {يوصيكم الله في أولادكم} فاحتج عليها أبوبكر رضي الله عنه بما رواه لها من خبر الصحيحين "لا نورث ما تركناه صدقة".[1]

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مخصص سمعی تاخیر سے سنا ان میں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت النبی صلی اللہ علیہ وسلم جنھوں نے اپنے باباجان کی چھوڑی ہوئی میراث رب تعالیٰ کے فرمان ""یوصیکم الله فی أولادکم" کے عموم سے طلب کی جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحیحین کی روایت "لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" کو آپ پر بطور دلیل پیش کیا۔

۱۹۔ علامہ ابو البقاء تقی الدین المعروف بابن النجار

علامہ ابو البقاء تقی الدین محمد بن احمد بن عبد العزیز بن علی الفتوحی المعروف بابن النجار الحنبلی (المتوفی: 972ھ) اپنی شرح "الکوکب المنیر" میں تحریر فرماتے ہیں:

يَجُوزُ تَأْخِيرُ إسْمَاعِ مُخَصِّصٍ مَوْجُودٍ عِنْدَنَا وَعِنْدَ عَامَّةِ الْعُلَمَاءِ وَمَنَعَهُ أَبُو الْهُذَيْلِ وَالْجُبَّائِيُّ. وَوَافَقَا عَلَى الْمُخَصِّصِ الْعَقْلِيِّ. وَاسْتَدَلَّ الْمُجَوِّزُونَ بِأَنَّهُ يُحْتَمَلُ سَمَاعُهُ، بِخِلافِ الْمَعْدُومِ. وَسَمِعَتْ فَاطِمَةُ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُمْ} وَلَمْ تَسْمَعِ الْمُخَصِّصَ. وسمع الصحابة الأمر بقتل الكفار إلى الجزية، ولم يأخذ عمر الجزية من المجوسي حتى شهد عبد الرحمن بن عوف رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذها منهم(رواه البخاري) "ويجب اعتقاد العموم، والعمل به في الحال" يعني قبل البحث عن مخصص عند أكثر أصحابنا.[2]

---

1 غايةُ الوصول الي شرح لُبِّ الأُصول المؤلف: شيخ الإسلام زكريا الأنصاري (المتوفي 926ه) الناشر دار الضيا كويت 1438ه. ص 481

2 شرح الكوكب المنير ـ المختبر المبتكر شرح المختصر المؤلف: تقي الدين أبو البقاء محمد بن أحمد الفتوحي المعروف بابن النجار الحنبلي (م: ۹۷۲ه) الناشر: مكتبة العبيكان الطبعة: الطبعة (الثانية ۱۴۱۸ه ۱۹۹۷م). ج 3 ص 457

موجود مخصص کا تاخیر سے سنانا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اور ایسا ہی اکثر علماء کے نزدیک بھی جائز ہے ابو الھذیل اور جبائی اسے منع رکھتے ہیں مگر ان دونوں کے ساتھ مخصص عقلی میں موافقت ہے۔ جواز کے قائلین کا استدلال ہے کہ مخصص موجود کے سننے کا احتمال ہے بخلاف معدوم کے۔ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہانے (یوصیکم اللہ في أولادکم) سنا اور اس کا مخصص نہ سنا۔ اور صحابہ نے کفار کے قتل کا جزیہ قبول کرنے تک (حکم) سنا اور حضرت عمر نے مجوس سے جزیہ نہ لیا جب تک عبد الرحمن بن عوف نے یہ گواہی نہ دی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے جزیہ قبول کیا تھا۔ اور عموم کا اعتقاد واجب ہے اور فی الحال اس پر عمل بھی، یعنی مخصص کی تلاش سے قبل ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک۔

۲۰۔ امام شمس الدین محمد بن احمد الخطیب الشربینی

امام شمس الدین محمد بن احمد الخطیب الشربینی (متوفی: 977ھ) اپنی کتاب ”البدر الطالع فی حل الفاظ جمع الجوامع فی أصول الفقه“ میں لکھتے ہیں:

وقد وقع أن بعض الصحابة لم يسمع المخصص السمعي إلا بعد حين، منهم السيدة فاطمة بنت النبي صلى الله عليه وسلم طلبت ميراثها مما تركه أبوها صلى الله عليه وسلم لعموم قوله تعالى عز ذكره يوصيكم الله في اولادكم فاحتج عليها ابوبكر بما رواه لها من خبر الصحيحين لا نورث ما تركناه صدقة[1]

اور یہ واقع ہے کہ بعض صحابہ نے سمعی مخصص کو نہیں سنا مگر کچھ عرصہ بعد، جیسا کہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہیں کہ آپ نے اپنی میراث طلب کی جو رسول اللہ ﷺ نے چھوڑی تھی، آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول (یوصیکم اللہ فی اولادکم) کے عموم سے استدلال کیا تو آپ رضی اللہ عنہا کو سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس روایت (لا نورث ما ترکناہ صدقة) سے جواب دیا جسے بعد میں صحیحین میں روایت کیا گیا۔

[1] البدر الطالع في حل الفاظ جمع الجوامع في أصول الفقه المؤلف: شمس الدين محمد بن أحمد الخطيب الشربيني الشافعي(م: 977ھ) دار الرسالة للنشر والتوزيع (1429ھ) ج1 ص642

۲۱۔ امام شہاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی

شہاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی الأزھری (م:992ھ) اپنی کتاب ''الآیات البینات علی شرح جمع الجوامع'' میں لکھتے ہیں:

وقد وقع أن بعض الصحابة لم يسمع المخصص السمعي إلا بعد حين، منهم فاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم طلبت ميراثها مما تركه صلى الله عليه وسلم لعموم قوله تعالى يوصيكم الله في اولادكم فاحتج عليها ابوبكر رضي الله عنه بما رواه لها من قوله صلى الله عليه وسلم لا نورث ما تركناه صدقة.[1]

یہ بھی وارد ہے کہ بعض صحابہ نے سمعی مخصص کو نہیں سنا مگر کچھ عرصہ بعد، ان میں سے سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہیں کہ آپ نے اپنی میراث طلب کی جو رسول اللہ ﷺ نے چھوڑی تھی، آپ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے قول (یوصیکم اللہ فی اولادکم) کے عموم سے استدلال کیا تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کے قول (لا نورث ما ترکناہ صدقۃ) سے دلیل پکڑی۔

۲۲۔ علامہ عبد اللہ بن ابراھیم العلوی الشنقیطی المالکی

عبد اللہ بن ابراھیم العلوی الشنقیطی (م:1233ھ) ''نشر البنود علی مراقی السعود'' میں لکھتے ہیں:

ودليل الجواز والوقوع ان بعض الصحابة لم يسمع المخصص السمعي الا بعد حين كفاطمة رضي الله تعالى عنها طلبت ميراثها منه صلى الله عليه وسلم لعموم قوله تعالى يوصيكم الله في اولادكم فاحتج عليها ابوبكر رضي الله عنه بقوله عليه السلام لا نورث ما تركناه صدقة.[2]

جواز اور وقوع کی دلیل یہ ہے کہ بعض صحابہ نے سمعی مخصص کو نہیں سنا مگر کچھ عرصہ بعد، جیسا کہ سیدہ فاطمہ بنت رسول اللہ ﷺ ہیں کہ آپ نے اپنی میراث طلب کی جو رسول اللہ ﷺ نے چھوڑی تھی، آپ نے اللہ تعالیٰ کے قول (یوصیکم اللہ فی اولادکم) کے عموم سے استدلال کیا

---

1 الآيات البينات على شرح جمع الجوامع المؤلف: شهاب الدين أحمد بن قاسم الصباغ العبادي الشافعي الأزهري (م:992ھ) دار الكتب العلمية (تاريخ النشر 1433ھ 2012م) ج 3 ص 172

2 نشر البنود على مراقي السعود المولف: سيدي عبد الله بن إبراهيم العلوي الشنقيطي، اللجنة المشتركة لنشر التراث الإسلامي بين حكومة المملكة المغربية والامارات العربية المتحدة، تاريخ الإنشاء: 23 سبتمبر 2007 ج 1 ص 285

تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ پر رسول اللہ ﷺ کے قول (لا نورث ما ترکناہ صدقۃ) سے اس کا جواب دیا۔

۲۳۔ حسن بن محمد بن محمود العطار الشافعی

حسن بن محمد بن محمود العطار الشافعی (المتوفی:1250ھ) "حاشیۃ العطار علی شرح الجلال المحلی" علی جمع الجوامع میں امام جلال الدین المحلی (المتوفی864ھ) کی جمع الجوامع کی شرح کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

أَنَّ بَعْضَ الصَّحَابَةِ لَمْ يَسْمَعْ الْمُخَصِّصَ السَّمْعِيَّ إلَّا بَعْدَ حِينٍ مِنْهُمْ فَاطِمَةُ بِنْتُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَبَتْ مِيرَاثَهَا مِمَّا تَرَكَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمُومِ قَوْله تَعَالَى {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ} [النساء: 11] فَاحْتَجَّ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمَا رَوَاهُ لَهَا مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ"[1]

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مخصص سمعی تاخیر سے سنا ان میں سے فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت النبی ﷺ بھی ہیں جنھوں نے اپنے بابا جان کی چھوڑی ہوئی میراث رب تعالیٰ کے فرمان "یوصیکم اللہ في أولادکم" کے عموم سے طلب کی جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے صحیحین کی روایت "لا نورث ما ترکناہ صدقۃ" کو آپ پر بطور دلیل پیش کیا۔

۲۴۔ حسن بن عمر بن عبد اللہ السیناونی المالکی

جامعہ زیتونیہ تیونس کے استاد حسن بن عمر بن عبد اللہ السیناونی المالکی (المتوفی: بعد 1347ھ) اپنی کتاب "الأصل الجامع لإیضاح الدرر المنظومۃ فی سلك جمع الجوامع" میں لکھتے ہیں:

ان بعض الصحابة لم يسمع المخصص السمعي الا بعد حين كان فاطمة رضى الله تعالى عنها طلبت ميراثها منه صلى الله عليه وسلم لعموم قوله تعالى {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ}

---

[1] حاشية العطار على شرح الجلال المحلي على جمع الجوامع المؤلف: حسن بن محمد بن محمود العطار الشافعي (المتوفى: 1250هـ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ. ج2 ص 106

فَاحْتَجَّ عَلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِمَا رَوَاهُ لَهَا بِقَوْلِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ {لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ}[1]

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مخصص سمعی تاخیر سے سنا جیسا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میراث رب تعالیٰ کے فرمان "یوصیکم اللہ فی أولادکم" کے عموم سے طلب کی جس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے روایت "لا نورث ما ترکناہ صدقة" کو آپ پر بطور دلیل پیش کیا۔

۲۵۔ محمد بن حسین بن حسن الجیزانی

جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے فاضل محمد بن حسین بن حسن الجیزانی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ "معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة" میں بیان کی بحث "لا يشترط في البيان أن يعلمه جميع المكلفين الموجودين في وقته، بل يجوز أن يجهله بعضهم" کے تحت حاشیہ میں لکھتے ہیں:

أن فاطمة رضي الله عنها لم تعلم بقوله صلى الله عليه وسلم: "لا نورث، ما تركناه صدقة"، الذي بين قوله تعالى: {يوصيكم الله في أولادكم} وخصصه.[2]

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول (لا نورث، ما ترکناہ صدقة) کا علم نہ تھا جو کہ (یوصیکم اللہ فی أولادکم) کا بیان اور اس کی تخصیص کرتا ہے۔

۲۶۔ ابو المنذر محمود بن محمد بن مصطفی بن عبد اللطیف المِنیاوی

اس دور کے علماء مصر میں سے ابو المنذر محمود بن محمد بن مصطفی بن عبد اللطیف المنیاوی مصری اپنی کتاب "المعتصر من شرح مختصر الأصول من علم الأصول" میں لکھتے ہیں:

ليس من شرط البيان أن يعلمه جميع المكلفين الموجودين في وقته بل يجوز أن يكون بعضهم جاهلا به، ومثال ذلك أن النبي صلى الله عليه وسلم بين أن عموم قوله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [النساء: 11]، لا يتناول الأنبياء بقوله: "إنا معاشر الأنبياء لا نورث" فلا يقدح في هذا

---

1 الأصل الجامع لإيضاح الدرر المنظومة في سلك جمع الجوامع المؤلف: حسن بن عمر بن عبد الله السيناوني المالكي (المتوفى: بعد 1347هـ) الناشر: مطبعة النهضة، تونس الطبعة: الأولى، 1928م ج 2 ص 40

2 معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة المؤلف: محمَّد بنْ حسَيْن بن حَسنْ الجيزاني الناشر: دار ابن الجوزي الطبعة: (الطبعة الخامسة، 1427هـ) ص 391

البيان أن فاطمة رضى الله عنها لم تعلم به وجاءت إلى أبي بكر تطلب ميراثها منه صلى الله عليه وسلم[1]

بیان کی شرط سے یہ نہیں ہے کہ اس وقت کے موجود تمام مکلفین اس کو جانتے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض اس سے ناواقف ہوں اوراس کی مثال کہ نبی ﷺ نے واضع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) کا عموم انبیاء کو شامل نہیں ہے اپنے فرمان ”إنا معاشر الأنبياء لا نورث“ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، تو اس بیان میں یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کو نہیں جانتی تھیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آپ ﷺ کی طرف سے اپنی وراثت طلب کرنے کے لئے آئیں۔

اسی طرح آپ کی ایک دوسری کتاب ”الشرح الکبیر الأصول“ میں بھی یہی عبارت موجود ہے:

ليس من شرط البيان أن يعلمه جميع المكلفين الموجودين في وقته بل يجوز أن يكون بعضهم جاهلا به، ومثال ذلك أن النبي صلى الله عليه وسلم بين أن عموم قوله تعالى: ﴿يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ [النساء: 11]، لا يتناول الأنبياء بقوله: ”إنا معاشر الأنبياء لا نورث“ فلا يقدح في هذا البيان أن فاطمة رضى الله عنها لم تعلم به وجاءت إلى أبي بكر تطلب ميراثها منه صلى الله عليه وسلم.[2]

یہ بیان کی شرط سے نہیں ہے کہ اس وقت کے موجود تمام مکلفین اس کو جانتے ہوں بلکہ ممکن ہے کہ ان میں سے بعض اس سے ناواقف ہوں اوراس کی مثال کہ نبی ﷺ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان (يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلَادِكُمْ) کا عموم انبیاء کو شامل نہیں ہے آپ کے فرمان ”إنا معاشر الأنبياء لا نورث“، تو اس بیان میں اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اس کو نہیں جانتی تھیں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں آپ ﷺ کی طرف سے اپنی وراثت طلب کرنے کے لئے۔

---

1 المعتصر من شرح مختصر الأصول من علم الأصول المؤلف: أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفى بن عبد اللطيف المنياوي الناشر: المكتبة الشاملة، مصر الطبعة: الثانية، 1432هـ 2011م ج 1 ص 148

2 الشرح الكبير لمختصر الأصول من علم الأصول المؤلف: أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفى بن عبد اللطيف المنياوي الناشر: المكتبة الشاملة، مصر الطبعة: الأولى، 1432هـ 2011م ج1 ص 319

اتنے حوالوں پر اکتفاء کیا جاتا ہے کیونکہ قاری کی تسلی و تشفی کے لیے یہ کافی ہونگے کہ عموم سے استدلال کے وقت سیدہ پاک رضی اللہ عنہا تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان "إنا معاشر الأنبیاء لا نورث" کی اطلاع نہیں پہنچی تھی لہذا جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی تو آپ نے ان سے اتفاق کیا جیسا کہ مخاصم نے بھی اقرار کیا ہے کہ **"صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے اپنے باباجان کی حدیث سن کر سر تسلیم خم کر لیا"**۔ اس صورت میں مخصص سننے سے پہلے اسے حکم عام سمجھنا کسی قسم کی خطا یا غلطی نہیں تھی۔ نہ مطلق، نہ ہی اجتہادی، بلکہ آپ کا استدلال درست و صواب تھا۔

خلاصۂ بحث و تحقیق

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا مطالبۂ فدک میں استدلال عمومِ قرآن سے ہونے پر صحابہ کرام کے اجماع کی تصریح اور سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا آپ کے اس استدلال کو برقرار رکھنے، اس کو رد نہ فرمانے کی تصریح اجل ائمہ کرام و فقہاء عظام چاہے وہ فقہ حنفی سے ہوں یا کسی دوسری فقہ سے کثیر تعداد نے فرمائی ہے۔

فقہاء کرام نے تو جمع کی اضافت جب معرفہ کی طرف ہو تو اس کے عموم کا فائدہ دینے پر اجماع نقل کیا ہے۔ جیسا کہ امام بابرتی حنفی، امام اصفہانی شافعی، امام اسنوی شافعی، امام کمال الدین ابن امام الکاملیہ وغیرہ کے حوالے سے نقل کیا جا چکا ہے۔ لیکن بعض فقہاء کا موقف ہے کہ جمع کے الفاظ جب معرفہ کی طرف مضاف ہوں تو اس وقت ان سے عموم کا فائدہ لینے کے لیے قرائن کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے باوجود سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے عموم سے استدلال کے درست ہونے پر اجماع کے یہ بھی مؤید ہیں؛ کیونکہ ان کے مقتداء علامہ ابیاری مالکی نے اجماع کا انکار کرنے کے بجائے فرمایا: یہاں سیدہ پاک رضی اللہ عنہا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آیت میراث کو جو عموم پر محمول کیا تو اس پر قرائن تھے۔ لہٰذا ان فقہاء (جن کے نزدیک عموم سے استدلال کے لئے قرائن ہونا ضروری ہے) کے ہاں بھی سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے مطالبہ فدک پر اجماع صحابہ ثابت ہے۔

سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا مطالبہ فدک مخصص کے سماع سے قبل تھا اس کی بھی کئی ائمہ کرام جیسا کہ علامہ بابرتی حنفی، علامہ فناری رومی حنفی، اور درجنوں ائمہ کرام کی تصریحات موجود ہیں کہ آیت میراث تو آپ رضی اللہ عنہا نے سن رکھی تھی، مگر اس کا مخصص حدیث رسول، مطالبہ سے پہلے نہیں سنی تھی۔ اور مخصص سننے سے پہلے عموم پر عمل درست اور جائز ہوتا ہے خطا یا ناجائز نہیں جس کی تفصیل اگلے باب میں بیان ہوگی۔

باب پنجم

قبل از سماعِ مخصص عین فدک میں تصرف کا حکم

(فقہی واصولی بحث)

سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا مخصص سننے سے پہلے شریعت کے اصولوں کی روشنی میں اگر فدک کو وراثت سمجھ کر اس کے عین میں بھی تصرف فرمالیتیں تو وہ بھی درست و جائز عمل ہوتا، کسی قسم کی خطا نہ ہوتا۔ جہاں تک بات اس کی منفعت کے تصرف کی ہے تو وہ مخصص سننے کے بعد بھی جائز تھا۔ کیونکہ وراثت رسول کے صدقہ اور عام صدقات واجبہ میں آل رسول کے لیے ان دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

صدقۂ زکوٰۃ اور صدقۂ وراثت رسول میں فرق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وراثت اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی وراثت کو حدیث مبارک میں صدقہ فرمایا گیا ہے۔ فدک کا مطالبہ وراثت رسول کا مطالبہ تھا۔ یہاں قائل نے یہ سمجھا کہ یہ صدقہ بھی صدقہ زکوٰۃ کی طرح ہے، تو اس کا کھانا بھی صدقہ زکوٰۃ کی طرح آل رسول پر منع ہے، لہٰذا اس کے لقمہ کو لقمۂ حرام قرار دے دیا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ وراثت رسول کے صدقہ میں اور صدقہ زکوٰۃ یا دیگر صدقات واجبہ میں فرق ہے صدقہ زکوٰۃ (صدقات واجبہ) کا نہ مالک آل رسول کو بنایا جاسکتا ہے اور نہ اس کی منفعت میں سے کھلایا جاسکتا ہے۔[1] لیکن دوسری طرف فدک میں خود سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ تھا جس پر شیخین رضی اللہ عنہما کا عمل رہا، کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں فدک کی منفعت سے آل رسول کو بھی حصہ دیا جاتا تھا اسی طرح دیا جائیگا۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں اس کا انتظام بھی حضرت علی وعباس رضی اللہ عنہما کے حوالے کر دیا تھا۔ ممانعت صرف عین کے

[1] جب تک ملک بدلنے سے حکم نہ بدل جائے جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے: عن عائشة رضی الله عنها: أنها أرادت أن تشتری بریرة وأنهم اشترطوا ولاءها فذکر للنبی صلی الله علیه و سلم فقال النبی صلی الله علیه و سلم (اشتریها فأعتقیها فإنما الولاء لمن أعتق). وأهدی لها لحم فقیل للنبی صلی الله علیه و سلم هذا تصدق علی بریرة فقال النبی صلی الله علیه و سلم (هو لها صدقة ولنا هدیة) (صحیح بخاری ج ۲ ص ۹۱۰)

تصرف وملکیت کی تھی منفعت کے تصرف وملکیت کی نہ تھی، منفعت کے جواز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے۔ اب اس کے مال سے کھانے کو بھی لقمہ حرام سمجھ لینا دیگر بہت سی غلطیوں کی طرح غلطی ہے۔

اگر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی مخصص نہ سن رکھا ہوتا، بلکہ کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے سنا ہوتا اور وہ صحابی رضی اللہ عنہ سیدہ زہراء رضی اللہ عنہا کے مطالبہ کے وقت موجود نہ ہوتے، اور حضرت سیدنا ابو بکر آیت کے عموم پر عمل کرتے ہوئے جیسے آیت کے عموم کا مقتضیٰ تھا، انہیں دے دیتے اور سیدہ اس کے عین میں بھی تصرف کر دیتیں۔ تو فقہاء احناف نے جو اصول بیان کئے ہیں اور جمہور فقہاء بھی ان کے مؤید ہیں۔ ان کی روشنی میں یہ تصرف بھی عموم قرآن پر مخصص کی آگاہی سے پہلے عمل کرنے کی صورت میں جائز ہوتا، اسے ناجائز و خطا نہیں کہہ سکتے تھے۔ لیکن یہاں تو سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے عین میں تصرف کیا ہی نہیں تھا تو پھر خطا کیسے؟

آگاہیٔ مخصص سے قبل عموم قرآن پر عمل (فقہاء احناف کے ارشادات)

ا۔ قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الهندی

مدارس دینیہ میں اصول فقہ پر پڑھائے جانے والے آخری متن مسلم الثبوت میں امام العلوم العقلیہ علامہ قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الهندی البہاری ملقب بفاضل خان (م:1119ھ) احناف کا ایک اصول بیان کرتے ہیں: "**یجوز العمل بالعام قبل البحث عن المخصص**"،[1] مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل کرنا جائز ہے۔ یعنی جو نص عموم پر دلالت کر رہی ہو اس کے مخصص کی تلاش سے پہلے اس حکم کے عموم پر عمل کرنا جائز ہے یہ عمل کرنا کسی قسم کی خطا یا ناجائز کام نہیں کہ جس کی تاویل خطاء اجتہادی سے کی جائے۔

مذکورہ مسئلہ میں بی بی پاک ہوں یا صحابہ کرام جنہوں نے مخصص کی تلاش سے پہلے نص کے عموم پر عمل کیا۔ چہ جائیکہ اس کا مخصص بھی آچکا تھا لیکن یہ لوگ ابھی اس سے آگاہ نہیں ہوئے تھے، تو ان کا یہ فعل حرام و ناجائز نہیں ہوگا، بلکہ نص کے عموم پر عمل ہونے کی وجہ سے جائز و صواب تھا۔ احناف کا مختار یہی ہے۔ جس کی مؤید دیگر کئی فقہاء کی تصریحات بھی ہیں۔ بلکہ وہ احکام جو منسوخ ہو چکے ہوں ان کے "ناسخ" کی اطلاع پہنچنے سے پہلے کسی صحابی نے منسوخ حکم پر عمل کر لیا تو ان کے اس عمل کے حوالے سے بھی احناف کا "مختار" ان کے اس عمل کا جائز و درست ہونا ہے۔ اور اس کے مؤید بھی کئی دیگر فقہاء ہیں۔ اور اس کے درست ہونے پر دور

---

[1] مسلم الثبوت المؤلف: قاضي محب الله بن عبد الشكور الهندي (م: 1119ھ) طبع بالمطبعة المصرية بكفر الطماعين ج1 ص200

رسالت کے کئی شواہد موجود ہیں کہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسی صورتحال میں صحابہ کے ایسے اعمال پر نکیر نہیں فرمائی۔ اور نہ ہی ان کے اعادہ یا قضا کا حکم دیا۔ جو اس صورتحال میں کیے جانے والے اعمال کے صواب ہونے پر دلالت کرتا ہے اس کی تفصیل ان شاء اللہ آگے آئے گی۔[1]

اوپر احناف کے بیان کردہ قاعدہ "**یجوز العمل بالعام قبل البحث عن المخصص**" کے تحت احناف کی اور دیگر محققین فقہاء کی تصریحات درج ذیل ہیں۔

۲۔ علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاری

علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاری، الھندی (م:1225ھ) "فواتح الرحموت" میں اسی قاعدہ کی وضاحت میں احناف کا مذہب بیان کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں کہ " **والحنفية يوجبون العمل به قبل بحث (عن المخصص)" اور** فقہاء احناف مخصص کی تلاش سے قبل عام پر عمل واجب قرار دیتے ہیں۔

یعنی مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے، یعنی اگر حکم موقت ہو تو وقت ختم ہونے سے پہلے (مخصص کی تلاش سے پہلے ہی) اس عموم پر عمل کرنا واجب ہے۔

عجیب اندھیر نگری ہے فقہاء احناف تو مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل جائز و واجب لکھتے ہوں لیکن آج کوئی حنفی اٹھے اور اسے خطا قرار دے دے، مزید تعجب ان حنفیوں پر بھی ہے جو اس کے قول خطا کو درست سمجھ رہے ہیں!

متقدمین میں صرف حنفی ہی اس کے قائل نہ تھے۔ بلکہ متقدمین کے ہاں یہ متفق علیہ اصول تھا۔ متاخرین میں سے جس نے مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل سے منع کیا ان کے جواب میں علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاری، الھندی (م:1225) لکھتے ہیں:

> سيدة النساء فاطمة الزهراء رضى الله عنها تمسكت بما ظنته عاما فى الميراث مع عدم البحث والسؤال عن المخصص ثم ظهر المخصص ظهور الشمس على نصف النهار وبالجملة

---

[1] مخصص، مقید یا استثناء کی اصطلاحات متاخرین فقہاء کی ہیں متقدمین ان سب کو نسخ سے تعبیر کرتے تھے اسی لیے کہ متقدمین کے نزدیک حکم میں جزوی تبدیلی یا بعض کے حق میں حکم کی تبدیلی بھی نسخ شمار ہوتی تھی لہذا انہوں نے منسوخ آیات کی تعداد سینکڑوں میں بیان کی ہے لیکن متاخرین نے ان میں سے مخصص، مقید اور استثناء وغیرہ جزوی تبدیلی کے لیے نسخ کی اصطلاح کے بجائے مخصص و استثناء وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ اور صرف ان آیات الاحکام کو منسوخ شمار کیا ہے جن کے احکام بالکلیہ منسوخ ہوگئے ہوں، یعنی مکمل حکم بدل گیا ہو۔ تو ان آیات کی تعداد الاتقان میں علامہ جلال الدین سیوطی نے 20 بیان کی ہے اور شاہ ولی اللہ نے ان میں بھی مزید تطبیق کی صورت پیدا کرتے ہوئے حجۃ البالغہ اور الفوز الکبیر میں پانچ بیان کی ہے۔

لم ینقل عن واحد من الصحابة قط التوقف العام إلى البحث عن المخصص **ولا إنكار واحد منهم في المناظرات على من تمسك بالعام قبل البحث عن المخصص** وكذا في القرن الثاني والثالث **والحنفية يوجبون العمل به قبل البحث** واستقر هذا المذهب إلى الآن.[1]

یعنی سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے میراث کے بارے میں اس دلیل کو لیا جسے عام سمجھا اور مخصص کی تلاش یا اس کے بارے میں سوال کئے بغیر، پھر مخصص ایسے ظاہر ہوا جیسے نصف النہار میں سورج۔ ان تمام کے بارے میں کسی صحابی سے یہ منقول نہیں کہ عام پر عمل موقوف ہو گا جب تک مخصص کی تلاش نہ کی جائے۔ اور نہ ہی کسی سے یہ منقول ہے کہ مناظرات میں جس نے مخصص کی تلاش سے پہلے عام سے تمسک کیا ہو، اس پر انکار کیا گیا ہو۔ اسی طرح قرن ثانی اور ثالث میں بھی تھا۔ اور احناف (مخصص) کی تلاش سے قبل عام پر عمل واجب رکھتے ہیں، اور آج تک یہی مذہب ہے۔

یعنی مخصص کی تلاش سے پہلے عموم سے تمسک و عمل نہ صرف صحابہ کے درمیان متفق علیہ تھا بلکہ دوسری تیسری صدی میں بھی کوئی اس اصول کا منکر نہیں تھا بلکہ جہاں مناظرات کی بھی صورت پیدا ہوتی تب بھی مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کرنے پر کوئی انکار نہ کرتا تھا۔ لہذا جب اس قاعدہ پر عمل ہوتا دیکھ کر نہ صحابہ میں سے کسی نے انکار کیا، نہ ہی دوسری تیسری صدی میں کوئی مجتہد منکر رہا، تو اس قاعدہ کے درست ہونے پر بھی صحابہ کا اجماع ہو گیا۔ اور تین صدیوں تک مجتہدین اس اصول کی بالاجماع تائید کرتے رہے۔ اور صاحب فواتح الرحموت کہتے ہیں کہ اب (ان کے زمانے) تک احناف کا یہی مذہب ہے۔

جس مسئلہ پر اجماع صحابہ و متقدمین ہو اس کے خلاف اگر متاخرین میں سے کوئی قول کرتا بھی ہے تو وہ قول ہی مھجور و مردود ہو گا یا اس قول کی تاویل کی جائے گی۔ بعض علماء سے عدم توجہ سے اس کے خلاف اجماع نقل ہو گیا جیسا کہ امام غزالی اور ان کے متبعین کے بارے میں کہا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت میں خود شوافع کا بھی اس مسئلہ میں اختلاف ہے اور امام غزالی سے پہلے شافعی المذہب فقہاء نے بھی عمل کے جواز پر اتفاق نقل کیا ہے۔ امام غزالی و جوینی وغیرہ کا قول اس مسئلہ میں ان کے عدم علم کی طرف مشیر ہے یا اس کی درست تاویل وہ ہے جو شافعی امام

---

[1] فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلى محمد بن نظام الدين الأنصاري، الهندي (م: 1225) دار الكتب العلمية (الطبعة الأولى 1323ھ) ج 1 ص 254

شہاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی الأزہری (م:992ھ) نے ''الآیات البینات علی شرح جمع الجوامع'' میں کی ہے جس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

عدم معرفت کی وجہ سے کسی مسئلہ میں اجماع کا اشتباہ

اجماع نقل ہونے میں ایک دو عالموں سے خطا ہو جانا یا اجماع سے کسی عالم کا لاعلم ہونا اہل علم کے ہاں کوئی انہونی یا ناممکن بات نہیں ہے اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

غلام کی شہادت کی قبولیت اور عدم قبولیت پر نادر اقوال منقول ہیں اور اس مسئلہ پر دو مختلف اجماع نقل کیے گئے ہیں جو کہ ایک دوسرے کی نقیض ہیں۔ ابن مازہ بخاری حنفی فرماتے ہیں:

أن الصحابة أجمعوا على عدم قبول شهادة العبد.[1]

بے شک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم غلام کی گواہی کے قابل قبول نہ ہونے پر جمع (متفق) تھے۔

دوسری طرف ابن قیم جوزی لکھتے ہیں:

وَقَدْ حَكَى الْإِمَامُ أَحْمَدُ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ إجْمَاعَ الصَّحَابَةِ عَلَى شَهَادَتِهِ فَقَالَ: مَا عَلِمْتُ أَحَدًا رَدَّ شَهَادَةَ الْعَبْدِ.[2]

امام احمد بن حنبل نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے غلام کی گواہی کی قبولیت پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع کی حکایت فرمائی ہے۔ اور فرمایا میں کسی ایک کو بھی نہیں جانتا جس نے غلام کی گواہی رد کی ہو۔

اس حوالے سے منقول مختلف اقوال کے بارے میں ''الجوہر النقی'' میں علامہ ابو بکر احمد بن الحسین بن علی البیہقی (م:458ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو يَحْيَى السَّاجِيُّ رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ وَالْحَسَنِ وَالنَّخَعِيِّ وَالزُّهْرِيِّ وَمُجَاهِدٍ وَعَطَاءٍ: لاَ تَجُوزُ شَهَادَةُ الْعَبِيدِ. وَقَالَ الْبُخَارِيُّ رَحِمَهُ اللهُ فِي التَّرْجَمَةِ قَالَ أَنَسٌ: شَهَادَةُ الْعَبْدِ جَائِزَةٌ إِذَا كَانَ

---

1 المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى: 616ھ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة: (الأولى، 1424ھ) ج 8 ص 78، دار الكتب العلمية (سنة النشر 1421ھ) ج 3 ص 507

2 إعلام الموقعين عن رب العالمين المؤلف: محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى: 751ھ) دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة: الأولى، 1411ھ) ج 1 ص 129

عَدْلاً وَأَجَازَهَا شُرَيْحٌ وَزُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ: شَهَادَتُهُ جَائِزَةٌ إِلاَّ الْعَبْدَ لِسَيِّدِهِ. وَأَجَازَهَا الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ. وَقَالَ شُرَيْحٌ: كُلُّكُمْ بَنُو عَبِيدٍ وَإِمَاءٍ.[1]

ابو یحییٰ ساجی فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حسن اور نخعی اور زہری اور مجاہد اور عطاء سے مروی ہے کہ غلام کی گواہی جائز نہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ میں فرمایا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں غلام کی گواہی جائز ہے اگر وہ عادل ہو۔ حضرت شریح اور زرارہ بن اوفی نے بھی جائز قرار دیا ہے۔ اور ابن سیرین فرماتے ہیں کہ غلام کی گواہی اپنے آقا کے علاوہ کے لیے جائز ہے۔ اور حضرت حسن اور ابراہیم حقیر شی میں جائز قرار دیتے ہیں اور شریح نے کہا تم سب غلاموں اور لونڈیوں کی اولاد ہو۔

اسی طرح امام بخاری نقل فرماتے ہیں:

وَقَالَ أَنَسٌ شَهَادَةُ الْعَبْدِ جَائِزَةٌ إِذَا كَانَ عَدْلًا وَأَجَازَهُ شُرَيْحٌ وَزُرَارَةُ بْنُ أَوْفَى وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ شَهَادَتُهُ جَائِزَةٌ إِلَّا الْعَبْدَ لِسَيِّدِهِ وَأَجَازَهُ الْحَسَنُ وَإِبْرَاهِيمُ فِي الشَّيْءِ التَّافِهِ وَقَالَ شُرَيْحٌ كُلُّكُمْ بَنُو عَبِيدٍ وَإِمَاءٍ.[2]

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غلام کی گواہی جائز ہے اگر وہ عادل ہو۔ اور حضرت شریح اور زرارہ بن اوفی اس کی (گواہی) جائز قرار دیتے ہیں۔ اور ابن سرین فرماتے ہیں کہ غلام کی گواہی اپنے آقا کے علاوہ میں جائز ہے۔ اور حسن اور ابراہیم حقیر شی میں جائز قرار دیتے ہیں اور شریح نے کہا تم سب غلام اور لونڈیاں ہو۔

اسی طرح ''معرفة السنن والآثار'' میں ہے۔

قال أحمد: وقال أبو يحيى: روى عن علي، والحسن، والنخعي، والزهري، ومجاهد، وعطاء، ''لا يجوز شهادة العبيد'' قال: قال أنس بن مالك: ''أرى أن تقبل شهادة العبد إذا كان عدلا في الحقوق بين الناس'' قال ابن المنذر: وروى قبول شهادة العبد عن علي بن أبي طالب، وقاله أنس بن مالك قال: ''ما علمت أن أحدا رد شهادة العبد''[3]

---

1 السنن الكبرى وفي ذيله الجوهر النقي المؤلف: أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي (458هـ) مؤلف الجوهر النقي: علاء الدين علي بن عثمان المارديني الشهير بابن التركماني المحقق: الناشر: مجلس دائرة المعارف النظامية الكائنة في الهند ببلدة حيدر آباد الطبعة: الطبعة: الأولى – 1344هـ ج 10 ص 161

2 بخاري (2659)

3 معرفة السنن والآثار أحمد بن الحسين بن علي البيهقي أبو بكر؛ دار الوعي، حلب؛ سنة النشر: 1412هـ ج 15 ص 432

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ابو یحییٰ نے فرمایا حضرت علی، حسن، نخعی، زہری، مجاہد، عطاء سے مروی ہے کہ غلام کی گواہی جائز نہیں فرمایا: آپ فرماتے ہیں کہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ میری رائے میں اگر غلام عادل ہو تو اس کی گواہی حقوق العباد میں قبول کی جائے گی۔ ابن منذر فرماتے ہیں حضرت علی المرتضی سے غلام کی گواہی قبول کرنا روایت کیا گیا ہے۔ اور آپ نے کہا حضرت انس نے فرمایا۔ میں کسی ایک کو بھی نہیں جانتا جس نے غلام کی گواہی کو رد کیا ہو۔

یعنی کسی ایک سے عدم توجہ کی وجہ سے ایک بات نقل ہو گئی، تو عدم تحقیق کی وجہ سے کئی علماء نے بعد میں اسی کو نقل کر دیا۔

علامہ ابن نجار فرماتے ہیں:

وقد ذکر بعض أصحاب الشافعی انه لا یعلم لمن ردّ شھادۃ العبد مستنداً أو وجھاً.[1]

اور بے شک بعض اصحاب شوافع نے ذکر کیا ہے کہ وہ نہیں جانتے جس نے غلام کی گواہی رد کی ہے وہ مستند ہو یا اس کی کوئی وجہ ہو۔

علامہ علاء الدین المرداوی، علامہ ابن قدامہ حنبلی کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں:

فإن عندنا شھادۃ العبد مقبولۃ فی کل شیء إلا فی الحدود والقصاص علی خلاف فیه لکن لو مثل بقضائه ونحوه صح.[2]

بے شک ہمارے نزدیک غلام کی گواہی تمام معاملات میں مقبول ہے مگر حدود و قصاص میں اختلاف ہے۔ لیکن اگر قضا اس کے مثل وغیرہ میں ہو تو صحیح ہے۔

شوافع میں سے ہی محقق وفقیہ امام تقی الدین سبکی شافعی خود ہی اس کا محاکمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں:

قلت: واتفقوا علی أنه غیر واقع، وما ذکر من قول الإمام الشافعی: أجمعوا علی شھادۃ العبد، وما روی عن أنس أجمعوا علی قبولھم، فالذی نقل عن أنس لم یصح عنه. وبالجملة ھو اختلاف فی نقل الإجماع.[3]

---

1. شرح الكوكب المنير المؤلف: تقي الدين أبو البقاء محمد بن أحمد بن عبد العزيز بن علي الفتوحي المعروف بابن النجار (المتوفى: 972هـ) المحقق: محمد الزحيلي ونزيه حماد الناشر: مكتبة العبيكان الطبعة: الطبعة الثانية (1418هـ) ج 4 ص 168
2. التحبير شرح التحرير في أصول الفقه المؤلف: علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي (المتوفى: 885هـ) الناشر: مكتبة الرشد، السعودية / الرياض الطبعة: الأولى، 1421هـ) ص 3388
3. رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب تاج الدين أبي النصر عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي السبكي (570 -646هـ) عالم الكتب، لبنان / بيروت، (1419هـ) ج 2ص 240

میں کہتا ہوں ان کا اتفاق اس پر ہے کہ یہ واقع نہیں ہوتی اور جو امام شافعی کا قول غلام کی گواہی پر اجماع ذکر کیا گیا ہے، اور جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے گواہی کی قبولیت پر اجماع ہے، پس جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ صحیح نہیں اور یہ تمام اختلاف اجماع کے نقل ہونے پر ہے۔

اس کے علاوہ اس کی بھی کئی مثالیں ہیں کہ اجماع سے علماء کا ایک طبقہ لاعلم رہا جس کی ایک مشہور مثال کتب فقہ میں ذبیحہ پر عمداً ترک تسمیہ کی حرمت کی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذبیحہ پر عمداً ترک تسمیہ سے اس کے حرام ہونے پر اجماع تھا اس اجماع سے لاعلم ہونے کی وجہ سے فقہاء شوافع اس کی حلت کے قائل ہیں۔ ویسے تو فقہاء کے اجتہاد کی وجہ سے مقلد کو اس پر چھوڑ دیا جاتا ہے لیکن اجماع کے خلاف اجتہاد بھی ہو تو اس کا انکار کیا جاتا ہے، اسی لیے اگر شافعی قاضی عمداً ترک تسمیہ والے ذبیحہ کی حلت کا فیصلہ بھی دے تو اس فیصلے کو مسترد کیا جائے گا۔ قاضی کا فیصلہ نافذ العمل نہیں ہو گا، جیسا کہ علامہ مرغینانی "ھدایہ" میں لکھتے ہیں: "إن متروك التسمية عامدا لا يسع فيه الاجتهاد، ولو قضى القاضي بجواز بيعه لا ينفذ لكونه مخالفا للإجماع"[1] ترک تسمیہ میں اجتہاد درست نہیں، اور اگر قاضی ایسے ذبیحہ کے بیع کے جواز کا بھی فیصلہ دیتا ہے تو اجماع کے خلاف ہونے کی وجہ سے اس کا فیصلہ نافذ ہی نہیں ہو گا۔

بعض شوافع سے جو مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے منع پر اجماع نقل ہوا ہے، اس کا رد نہ صرف خود شوافع کے محققین فقہاء کر رہے ہیں، بلکہ اس مذہب کو بھی غیر مختار اور مرجوح بیان کر رہے ہیں۔ جس پر ان شاء اللہ آگے شوافع فقہاء کے دلائل اور تصریحات بیان ہوں گی۔ لہذا جو ان سے پہلے کے فقہاء جواز پر اتفاق نقل کر چکے ہیں، وہی معتبر و مستند ہے بعد والوں کا نقل قابل اعتبار نہیں۔

۳۔ امام ابن امیر حاج الحنفی کی تحقیق

امام ابو عبد اللہ، شمس الدین محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن امیر حاج الحنفی (المتوفی: 879ھ) اپنی کتاب "التقریر والتحبیر" میں فرماتے ہیں: مطلق اجماع تو دور خود شوافع کا بھی اس مسئلہ پر اجماع نہیں ہے امام غزالی سے پہلے کے علماء نے اس کے خلاف یعنی "عمل کے جواز" پر اتفاق نقل کیا ہے آپ فرماتے ہیں: بعض علماء

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي المؤلف: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ) المحقق: طلال يوسف الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت – لبنان ج 4 ص 347

نے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے کہ عام پر اس وقت تک عمل نہ کیا جائے جب تک مخصص کے عدم کا یقین نہ ہو کیونکہ جو بھی عام ہے اس کی تخصیص ہوئی ہے۔ آپ مزید لکھتے ہیں: "فَإِنَّهَا لَمْ يُنْقَلْ فِيهَا الْإِجْمَاعُ عَلَى ذَلِكَ بَلْ نَقَلُوا فِيهَا الْخِلَافَ كَمَا عَلِمْت". [1] اس پر اجماع منقول نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف منقول ہے (مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل کرنا جائز ہے) جیسا کہ تم جانتے ہو۔

جن ائمہ نے اجماع نقل کیا ہے ان میں امام غزالی، آمدی اور ابن حاجب کے نام لیے جاتے ہیں۔ ان کا یہ قول اپنے ہی امام امام ابو بکر محمد بن عبد اللہ البغدادی الصّیرفی الشافعی (م330ھ) [2] کے قول سے عدم آگاہی کی وجہ سے ہے آپ نے فرمایا: "**يُتَمَسَّكُ بِهِ ابْتِدَاءً مَا لَمْ يَظْهَرْ مُخَصِّصٌ**" کہ عام پر ابتداء سے ہی عمل ہو گا جب تک مخصص ظاہر نہ ہو۔

آگے چل کر امام ابن امیر حاج اپنی بات کی تائید میں شوافع میں سے ہی ایک محقق فقیہ و امام کی تصریح بیان کرتے ہیں:

قَالَ الشَّيْخُ تَاجُ الدِّينِ السُّبْكِيُّ دَعْوَى الْإِجْمَاعِ عَلَى أَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ الْبَحْثِ مَمْنُوعَةٌ فَالْمَسْأَلَةُ مَشْهُورَةٌ بِالْخِلَافِ بَيْنَ أَئِمَّتِنَا حَكَاهُ الْأُسْتَاذُ أَبُو إِسْحَاقَ الْإِسْفَرَايِينِيّ [3] وَالشَّيْخُ أَبُو إِسْحَاقَ الشِّيرَازِيُّ [4] وَمَنْ يَطُولُ تَعْدَادُهُ، وَعَلَيْهِ جَرَى الْإِمَامُ الرَّازِيّ وَأَتْبَاعُهُ. وَقَدَحَ الْفَاضِلُ الْأَبْهَرِيُّ فِيهِ أَيْضًا مَعَ مُخَالَفَةِ الصَّيْرَفِيِّ بِأَنَّهُ إنْ كَانَ فِي عَصْرِهِ فَكَيْفَ يَنْعَقِدُ مَعَ مُخَالَفَتِهِ وَهُوَ مِنْ أَهْلِ الْإِجْمَاعِ، وَلَوْ كَانَ قَبْلَهُ لَعَرَفَهُ فَلَمْ يُخَالِفْهُ لِأَنَّهُ أَقْعَدُ بِمَعْرِفَتِهِ وَإِنْ كَانَ بَعْدَهُ لَمْ يُخَالِفْهُ مِنْ بَعْدِ ابْنِ الْحَاجِبِ الْحَاكِي لَهُ لَكِنْ خَالَفَهُ كَثِيرٌ مِنْ الْعُلَمَاءِ الْمُحَقِّقِينَ كَمُصَنِّفِي الْحَاصِلِ وَالتَّحْصِيلِ وَالْمِنْهَاجِ فَإِنَّهُمْ اخْتَارُوا جَوَازَ الْعَمَلِ بِهِ وَالتَّمَسُّكَ بِهِ مَا لَمْ يَظْهَرْ مُخَصِّصٌ وَأَسْنَدُوا إيجَابَ طَلَبِهِ إلَى ابْنِ سُرَيْجٍ. [5]

---

1 التقریر والتحبیر ج 1 ص209

2 أبو بكر الصيرفي هو الشيخ محمد بن عبد الله البغدادي الصّيرفي الشافعي. (م:330ه) نسبته إلى الصّيرفي، وهو من يصرف الدنانير والدراهم. عالم دين في الفقه الشافعي.

3 الأستاذ، أبو إسحاق، إبراهيم بن محمد بن إبراهيم بن مهران، الإسفرايينى الأصولي الشافعي (م 418ه)

4 أبو اسحاق إبراهيم بن علي الشيرازي، شيخ الشافعية في وقته، ولا يزال يعد من أهم شيوخها، الإمام الفقيه، ولد بفيروزآباد في بلاد فارس سنة 393ه، والمتوفى ببغداد سنة 476ه.

5 التقرير والتحبير المؤلف: أبو عبد الله، شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن أمير حاج و يقال له ابن الموقت الحنفي (المتوفى: 879ه) الناشر: دار الكتب العلمية (الطبعة: الثانية، 1403ه، 1983م) ج 1 ص209

شیخ تاج الدین سبکی شافعی فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع کا دعوی کرنا (کہ عام پر مخصص تلاش کرنے سے قبل عمل نہ کیا جائے) ممنوع ہے کیونکہ یہ مسئلہ تو مشہور ہے کہ اس میں ہمارے ائمہ (شوافع) کے درمیان اختلاف ہے (تو اجماع کیسا؟) یہی بات استاد ابو اسحاق ابراھیم بن محمد بن ابراھیم بن مھران الِاسفرایینی الأصولی الشافعی (م 418ھ) اور شیخ ابو اسحاق ابراھیم بن علی الشیرازی الشافعی (م 476ھ) اور دیگر کثیر أئمہ نے کی ہے اور اسی پر شیخ الاسلام امام رازی (المتوفی: 606ھ) اور ان کے متبعین ہیں فاضل ابہری نے بھی امام صیرفی کے ساتھ اختلاف کے باجود اجماع پر نقد کیا ہے کہ اگر اجماع امام صیرفی کی دور میں ہوا ہو تو ان کی مخالفت کے باوجود کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ وہ خود اہل اجماع میں سے ہیں اگر ان سے پہلے ہوا ہوتا تو امام صیرفی کو علم ہوتا اور اس کی مخالفت نہ کرتے کیونکہ انھیں اس کی زیادہ معرفت ہوتی اور اگر ان کے بعد میں ہوتا تو ابن حاجب کے بعد اس کی مخالفت نہ کرتے اس کی حکایت کرتے۔ مگر کثیر علماء محققین مثلا مصنفین "حاصل" اور "تحصیل" اور "المنہاج" نے بھی اختلاف کیا ہے، **"فَإِنَّهُمْ اخْتَارُوا جَوَازَ الْعَمَلِ بِهِ وَالتَّمَسُّكَ بِهِ مَا لَمْ يَظْهَرْ مُخَصِّصٌ"۔ "انھوں نے جب تک مخصص ظاہر نہ ہو اس سے تمسک اور اس پر عمل کے جائز ہونے کو اختیار فرمایا ہے"۔** اور انہوں نے اسے طلب کرنے کو ابن سریج (ابو العباس احمد بن عمر بن سُریج البغدادی (م: 306ھ)) سے منسوب کیا ہے۔

یعنی شوافع میں سے جو محققین علماء وفقہاء ہیں وہ اس اصول میں احناف کی تائید کرتے ہیں کہ "مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل کرنا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے"۔ اور ممانعت پر اجماع کسی دور میں بھی نہیں ہوا، نہ صیرفی سے پہلے، نہ ان کے دور میں، نہ بعد میں۔

فاضل ابہری کا موقف تو امام صیرفی سے مختلف تھا۔ لیکن اس کے باوجود امام غزالی وغیرہ جنھوں نے اس پر اجماع نقل کیا ہے ان کی مخالفت کرتے ہیں کہ شوافع میں بھی یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے اجماع کہاں ہے؟ اور فقہاء میں سے محققین کی ایک بڑی تعداد اس موقف کی ہی مخالف ہے وہ تو عموم پر عمل درست سمجھتے ہیں۔

امام ابن امیر حاج مزید لکھتے ہیں:

امام سبکی فرماتے ہیں کہ امام ابو بکر الصیرفی کا جو قول ہم نے مذکورہ علماء سے نقل کیا: "**يَجِبُ اعْتِقَادُ الْعُمُومِ فِي الْحَالِ، وَالْعَمَلُ بِمُقْتَضَاهُ**" کہ فی الحال عام کے عموم کا اعتقاد رکھنا اور اس کے مقتضیٰ پر

عمل کرنا واجب ہے۔ امام قاضی ابو الطیب، امام الحرمین، ابن السمعانی نے بھی ان سے یہی قول نقل کیا ہے اور اسی پر اقتصار کیا ہے۔ **فاضل شمس الدین کرمانی**(م:786ھ) **نے جب الصیرفی کا قول نقل کیا تو فرمایا: "وَهُوَ مُوَافِقٌ لِمَا فِي رِسَالَةِ الشَّافِعِيِّ، وَالْكَلَامُ إذَا كَانَ عَامًّا ظَاهِرًا كَانَ عَلَى عُمُومِهِ وَظُهُورِهِ حَتَّى يَأْتِيَ دَلَالَةٌ عَلَى خِلَافِ ذَلِكَ".**[1] **کہ یہ (عمل کے جواز کا قول) امام شافعی کا "رسالہ" میں جو موقف ہے اس کے موافق ہے۔ اور کلام جب عام ظاہر ہو تو وہ اپنے عموم اور ظہور پر ہو گا جب تک کوئی دلیل اس کے خلاف نہ آئے۔** (یعنی امام شافعی کا موقف بھی مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے جواز کا ہی تھا۔)

ابن امیر حاج مزید لکھتے ہیں: تیسری بات:

امام شمس الدین کرمانی (م:786ھ) فرماتے ہیں کہ اصل اختلاف اس میں ہے کہ تخصیص عام پر عمل کرنے سے مانع ہے یا عام پر عمل کرنے کے لیے تخصیص کا عدم شرط ہے، تو صیرفی (م:330ھ) کے نزدیک تخصیص مانع ہے، لہذا عام پر عمل ہو گا جب تک مانع نہ آئے، کیونکہ اصل یہ ہے کہ مانع معدوم ہو۔ اور ابن سریج (م:306ھ) کہتے ہیں کہ تخصیص کا عدم شرط ہے لہذا عام پر عمل کرنے سے پہلے شرط کی تحقیق ضروری ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں:

حَكَى الْأُسْتَاذُ أَبُو إِسْحَاقَ الْإِسْفَرَايِينِيّ الِاتِّفَاقَ عَلَى التَّمَسُّكِ بِالْعَامِّ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبَحْثِ عَنْ الْمُخَصِّصِ لِتَأَكُّدِ انْتِفَاءِ احْتِمَالِ الْمُخَصِّصِ.[2]

یعنی استاد ابو اسحاق ابراھیم بن محمد بن ابراھیم بن مھران، الإسفرایینی الأصولی الشافعی (م:418ھ) نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں مخصص کی تلاش سے قبل عام پر عمل تھا کیونکہ اس وقت مخصص کا احتمال نہ تھا۔

آگے مزید بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر عام پر عمل کرنے سے پہلے مخصص کی تلاش ضروری ہو تو اس کے تلاش کی مدت کیا ہو گی، اگرچہ اس میں اختلاف ہے مگر زیادہ سے زیادہ اتنی بحث کی جائے کہ غالب

---

[1] التقرير والتحبير المؤلف: أبو عبد الله، شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن أمير حاج و يقال له ابن الموقت الحنفي (المتوفى: 879هـ) الناشر: دار الكتب العلمية (الطبعة: الثانية، 1403هـ 1983م) ج 1 ص 209

[2] التقرير والتحبير المؤلف: أبو عبد الله، شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن أمير حاج و يقال له ابن الموقت الحنفي (المتوفى: 879هـ) الناشر: دار الكتب العلمية (الطبعة: الثانية، 1403هـ 1983م) ج 1 ص 210

گمان ہو جائے کہ مخصص معدوم ہے۔ قاضی ابو بکر تو یقین کی بات کرتے ہیں لیکن اگر یقین کو شرط رکھا جائے تو اکثر عمومات جو اتفاقاً معمول بہا ہیں پر عمل باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ یقین حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔

پھر ابن امیر حاج فرماتے ہیں:

ثُمَّ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ لَمْ أَقِفْ فِيمَا وَصَلَ النَّاظِرُ الْقَاصِرُ إلَيْهِ مِنْ كُتُبِ الْحَنَفِيَّةِ عَلَى صَرِيحٍ لَهُمْ فِيهَا **نَعَمْ أُصُولُهُمْ تُوَافِقُ مَا ذَهَبَ إلَيْهِ الصَّيْرَفِيُّ وَلَا سِيَّمَا مَا ذَهَبَ إلَيْهِ مُعْظَمُهُمْ الْقَائِلُونَ بِأَنَّ مُوجِبَهُ قَطْعِيٌّ كَمُوجِبِ الْخَاصِّ وَاَللَّهُ سُبْحَانَهُ أَعْلَمُ.** [1]

یعنی اس مسئلہ میں میری تحقیق کے مطابق (متقدمین) احناف کا کوئی صریح قول نہیں ہاں احناف کے اصول امام صیرفی کے قول کے موافق ہیں۔ خصوصاً بڑے بڑے ائمہ احناف اس طرف گئے ہیں کہ عام کا موجب قطعی ہے جیسے خاص کا موجب قطعی ہے۔ واللہ سبحانہ أعلم

یعنی ان الفاظ میں اصول کی صراحت تو متقدمین احناف کی کتب میں نہیں ہے لیکن دیگر الفاظ سے جو اصول متقدمین کی کتب میں بیان ہوئے ہیں ان سے اسی کی تائید ہوتی ہے جو امام صیرفی نے کہا ہے کہ مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل ہو گا۔ اسی کو مد نظر رکھتے ہوئے علامہ محب اللہ بہاری نے "یجوز العمل بالعام قبل البحث عن المخصص" کو نقل کیا ہے۔

آگے قیاس کی بحث میں لکھتے ہیں:

وَقَدْ عُرِفَ فِيمَا سَلَفَ مَا فِي وُجُوبِ الْبَحْثِ عَنْ الْمُخَصِّصِ قَبْلَ الْعَمَلِ بِالْعَامِّ مِنْ الْمَقَالِ وَأَنَّ مُقْتَضَى كَلَامِ مَشَايِخِنَا عَدَمُه. [2]

عام پر عمل کرنے سے پہلے مخصص کی تلاش کے وجوب پر اسلاف میں اختلاف معروف ہے اور بے شک ہمارے مشائخ کے کلام کا مقتضی اس کے عدم (یعنی مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے جواز) کا ہے۔

---

[1] التقرير والتحبير المؤلف: أبو عبد الله، شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن أمير حاج و يقال له ابن الموقت الحنفي (المتوفى: 879ھ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الثانية، 1403ھ 1983م

[2] التقرير والتحبير المؤلف: أبو عبد الله، شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن أمير حاج و يقال له ابن الموقت الحنفي (المتوفى: 879ھ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الثانية، 1403ھ 1983م

۴۔ امام محمد امین بن محمود البخاری امیر بادشاہ الحنفی

محمد امین بن محمود البخاری المعروف بأمیر بادشاہ الحنفی (المتوفی: 972ھ) اپنی کتاب "تیسیر التحریر" میں بھی اس اختلاف کو ذکر کر کے احناف و محققین کا مختار "جواز" بیان کرتے ہیں:

(نقل الْإِجْمَاع على منع الْعَمَل بِالْعَام قبل الْبَحْث عَن الْمُخَصّص) وَمن ناقليه الْغَزالِيّ والآمدي وَابْن الْحَاجِب (وَهُوَ) أَي النَّقْل الْمَذْكُور صِحَّته (إِمَّا لعدم اعْتِبَار قَول الصَّيْرَفِي) وَهُوَ أَنه يتَمَسَّك بِهِ ابْتِدَاء مَا لم يظْهر مُخَصص (لقَوْل إِمَام الْحَرَمَيْنِ أَنه) أَي قَول الصَّيْرَفِي (لَيْسَ من مبَاحث الْعُقَلَاء، بل صدر عَن غباوة وعناد، وَأما لتأويله) أَي قَول الصَّيْرَفِي[1] كَمَا ذكر الْعَلامَة الشِّيرَازِيّ[2] (بِوُجُوب اعْتِقَاد الْعُمُوم قبل ظُهُور الْمُخَصّص، فَإِن ظهر) الْمُخَصّص (تغير) اعْتِقَاد الْعُمُوم (وَإِلَّا) أَي وَإِن لم يظْهر (اسْتمرّ) اعْتِقَاد الْعُمُوم، وَاعْترض عَلَيْهِ المُصَنّف رَحمَه الله بقوله (وَقد يُقَال الْفرق) بَين الِاعْتِقَاد وَالْعَمَل بِإِيجَاب الِاعْتِقَاد قبل الْبَحْث وَعدم تَجْوِيز الْعَمَل قبله (تحكم) كَيفَ والاعتقاد إِنَّمَا هُوَ للْعَمَل.[3]

اس بات پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مخصص کی تلاش سے قبل عام پر عمل منع ہے۔ اس کے ناقل امام غزالی (م:505ھ)، آمدی (م:631ھ) اور ابن الحاجب (م:646ھ) ہیں۔ اگر یہ مذکورہ نقل صحیح ہو تو اس کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ انہوں نے امام صیرفی (م:330ھ) کے قول (**يتَمَسَّك بِهِ ابْتِدَاء مَا لم يظْهر مُخَصص**) کا اعتبار نہیں کیا، امام الحرمین جوینی (م:478ھ) کے قول کی وجہ سے کہ صیرفی کا قول عقلاء کے مباحث سے نہیں۔ یا جیسا کہ علامہ شیرازی نے نقل کیا ہے انہوں نے (صیرفی) کے قول کی تاویل کی ہے کہ مخصص کے ظہور سے قبل عموم کا اعتقاد رکھا جائیگا، اگر مخصص ظاہر ہو تو متغیر ہو جائیگا و گرنہ اپنے عموم پر مستمر ہو گا۔ اس پر مصنف (ماتن کتاب امام کمال الدین ابن الہمام) نے اعتراض کیا ہے کہ یہ فرق اعتقاد و عمل کے درمیان تحکم

---

1 أبو بكر الصيرفي هو الشيخ محمد بن عبد الله البغدادي الصّيرفي الشافعي. (م، 330هـ 942م). نسبته إلى الصّيرفي، وهو من يصرف الدنانير والدراهم. عالم دين في الفقه الشافعي.

2 أبو اسحاق إبراهيم بن علي الشيرازي، شيخ الشافعية في وقته، ولا يزال يعد من أهم شيوخها، الإمام الفقيه، ولد بفيروزآباد في بلاد فارس سنة 393هـ، والمتوفى ببغداد سنة 476هـ

3 تيسير التحرير المؤلف: محمد أمين بن محمود البخاري المعروف بأمير بادشاه الحنفي (المتوفى: 972هـ) الناشر: مصطفى البابي الحلبي = مصر (۱۳۵۱هـ = ۱۹۳۲م) وصورته: دار الكتب العلمية = بيروت (۱۴۰۳هـ = ۱۹۸۳م)، ودار الفكر = بيروت (۱۴۱۷هـ = ۱۹۹۶م) ج1 ص231

ہے، کیونکہ اعتقاد تو عمل کے لیے ہی ہوتا ہے۔ لہذا ان کی یہ تاویل درست نہیں کیونکہ جب عموم پر اعتقاد ہو گا تو یہ اعتقاد عمل کے لیے ہوتا ہے لہذا اس پر عمل بھی ہو گا۔[1]

مخصص کی آگاہی سے قبل عموم قرآن پر عمل پر احناف کے مؤید دیگر فقہا

۵۔ امام زکریا الانصاری الشافعی کا مختار ائمہ احناف و امام صیرفی کا قول ہے

امام زین الدین ابو یحییٰ زکریا بن محمد بن احمد بن زکریا الأنصاری، السنیکی (م 926ھ) امر کے صیغہ کے حوالے سے "لب الوصول" کے متن (وأنه يجب اعتقاد الوجوب بها قبل البحث) کی شرح میں لکھتے ہیں:

"يجب على الأصح اعتقاد عموم العام حتى يتمسك به قبل البحث عن المخصص، كما سيأتي"[2]

اصح یہی ہے کہ عام کے عموم کا اعتقاد واجب ہے، مخصص کی بحث و تلاش سے قبل اسی پر عمل ہو گا، جیسے آگے چل کر آئیگا۔

آگے اس حوالے سے لکھتے ہیں:

كذا قاله الشيخ أبو حامد. (ويعمل بالعام ولو بعد وفاة النبي) صلى الله عليه وسلّم. (قبل البحث عن المخصص)، لأن الأصل عدمه ولأن احتماله مرجوح وظاهر العموم راجح والعمل بالراجح واجب، وقيل لا يعمل به بعد وفاته قبل البحث لاحتمال التخصيص، وعليه يكفي في البحث عن ذلك الظن بأن لا مخصص على الأصح.[3]

اسی طرح شیخ ابو حامد[4] نے کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد بھی مخصص کی تلاش سے قبل عام پر عمل ہو گا، کیونکہ مخصص میں اصل عدم ہی ہے اور مخصص کا احتمال مرجوح ہے اور

---

1 امام جوینی کے قول سے جو شبہ پیدا ہوتا ہے اس کی درست تعبیر کیا ہو گی اس قول کا جواب خود شافعی امام، امام شہاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی الازہری (م:992ھ) اپنی کتاب الآیات البینات میں دیتے ہیں جو کہ آگے موجود ہے۔

2 غاية الوصول في شرح لب الأصول المؤلف: زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي (المتوفى: 926هـ) الناشر: دار الكتب العربية الكبرى، مصر (أصحابها: مصطفى البابي الحلبي وأخويه) ج1ص68

3 غاية الوصول في شرح لب الأصول المؤلف: زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي (المتوفى: 926هـ) الناشر: دار الكتب العربية الكبرى، مصر (أصحابها: مصطفى البابي الحلبي وأخويه) ج1ص79

4 أبو حامد الإسفرايني أحمد بن أبي طاهر محمد بن أحمد الإسفرايني الفقيه الشافعي (م 406هـ)

راجح پر عمل کرنا واجب ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد تلاش سے قبل عمل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ احتمال ہے کہ تخصیص ہوئی ہو، اگر یہ قول لیا جائے تو بھی اتنی تلاش کافی ہے کہ ظن غالب ہو جائے کہ مخصص نہیں، یہی اَصح قول ہے۔

اسی طرح اپنی کتاب میں اجتہاد کی بحث میں بھی یہی لکھتے ہیں:

(وليبحث عن المعارض) كالمخصص والمقيد والناسخ، والقرينة الصارفة للفظ عن ظاهره ليسلم ما يستنبطه من تطرق الخدش إليه لولم يبحث، وهذا أولى لا واجب ليوافق ما مر من أنه يتمسك بالعام قبل البحث عن المخصص على الأصح.[1]

(معارض کو تلاش کرے) جیسا کہ مخصص، مقید، ناسخ اور لفظ کے لئے کوئی قرینہ ہو جو اس کو ظاہر سے پھیر رہا ہے، تاکہ وہ اس سے جس کا استنباط کر رہا ہے شک سے سلامت رہے اگر وہ تلاش نہیں کرتا۔ اور یہ بھی اولیٰ ہے واجب نہیں تاکہ موافق رہے اس کے جو گزر چکا ہے کہ "اصح قول کے مطابق مخصص کی تلاش سے پہلے عام سے تمسک کریں گے۔

یعنی مخصص تلاش کرنا اولیٰ ہے، واجب نہیں کہ اگر نہ کیا تو عمل کرنا خطا یا ناجائز نہ ہو گا۔

٦۔ امام علامہ جلال الدین المحلی الشافعی کا مختار بھی احناف کا مذہب

امام علامہ جلال الدین المحلی (م:864ھ) اپنی کتاب "البدر الطالع فی حل جمع الجوامع" (شرح الجلال المحلی) میں اسی مذہب کو اصح لکھتے ہیں:

"هَلْ يَجِبُ اعْتِقَادُ عُمُومِهِ حَتَّى يُتَمَسَّكَ بِهِ قَبْلَ الْبَحْثِ عَنْ الْمُخَصِّصِ الْأَصَحُّ نَعَمْ كَمَا سَيَأْتِي".[2]

کیا عام کے عموم کا اعتقاد مخصص کی تلاش سے قبل واجب ہے کہ اس پر عمل کیا جائے؟ میرے نزدیک یہی اصح ہے جیسا آگے آئیگا۔

---

1 غاية الوصول في شرح لب الأصول المؤلف: زكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصاري، زين الدين أبو يحيى السنيكي (المتوفى: 926ھ) الناشر: دار الكتب العربية الكبرى، مصر (أصحابها: مصطفى البابي الحلبي وأخويه) ج1 ص156

2 البدر الطالع في حل جمع الجوامع مؤلف: جلال الدين محمد بن احمد المحلي الشافعي مؤسسة الرسالة ناشرون دمشق (الطبة أولى 1426ھ) ج1 ص312

آگے عام کی بحث میں تفصیل سے لکھتے ہیں: اور اس بات کی تائید بھی کرتے ہیں کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی ظاہری حیات میں مخصص کی تلاش سے پہلے عام سے تمسک پر اتفاق تھا اسی طرح آپ کے وصال کے بعد بھی ابن سریج کے علاوہ سب کا اتفاق تھا:

(وَيُتَمَسَّكُ بِالْعَامِّ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبَحْثِ عَنِ الْمُخَصِّصِ وَكَذَا بَعْدَ الْوَفَاةِ خِلَافًا لِابْنِ سُرَيْجٍ ثُمَّ يَكْفِي فِي الْبَحْثِ الظَّنُّ خِلَافًا لِلْقَاضِي)

رسول اللہ ﷺ کی حیات میں مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل ہوتا تھا۔ اور ایسے ہی آپ کی وصال کے بعد اس پر عمل رہا۔ سوائے ابن سریج [1] کے اس پر سب مجتہدین کا اتفاق رہا ہے۔ اور قاضی ابو بکر الباقلانی کے علاوہ باقیوں کے نزدیک تلاش میں ظن کا ہونا کافی ہے۔

یعنی امام جلال الدین المحلی شافعی کی تحقیق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل جائز تھا، کوئی بھی شخص عدم جواز کا قائل نہیں تھا۔ اور ایسے ہی آپ ﷺ کے وصال کے بعد ہوتا رہا، سوائے ابن سریج کے کوئی بھی عدم جواز کا قائل نہیں تھا۔ بعد میں جن لوگوں نے ابن سریج کی پیروی کی ہے کہ مخصص کو تلاش کیا جائے گا۔ تو ان کے نزدیک بھی مخصص نہ ہونے کا ظن ہی عمل کے جواز کے لیے کافی تھا۔ سوائے قاضی ابو بکر باقلانی کے کیونکہ ان کے نزدیک ظن کافی نہیں بلکہ نہ ہونے کا قطعی یقین ہو۔ امام باقلانی کے قول کا رد ابن امیر حاج کے حوالے سے گزر چکا ہے کہ اگر یقین کو شرط رکھا جائے، تو اکثر عمومات جو بالاتفاق معمول بہا ہیں، ان پر عمل باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ قطعی یقین حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں۔

اس کی شرح میں امام جلال الدین المحلی لکھتے ہیں:

(وَيُتَمَسَّكُ بِالْعَامِّ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الْبَحْثِ عَنِ الْمُخَصِّصِ) اتِّفَاقًا كَمَا قَالَهُ الْأُسْتَاذُ أَبُو إِسْحَاقَ الْإِسْفَرَايِينِيّ (وَكَذَا بَعْدَ الْوَفَاةِ خِلَافًا لِابْنِ سُرَيْجٍ) وَمَنْ تَبِعَهُ فِي قَوْلِهِ لَا يُتَمَسَّكُ بِهِ قَبْلَ الْبَحْثِ لِاحْتِمَالِ الْمُخَصِّصِ. وَأُجِيبَ بِأَنَّ الْأَصْلَ عَدَمُهُ. وَهَذَا الِاحْتِمَالُ مُنْتَفٍ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّ التَّمَسُّكَ بِالْعَامِّ إِذْ ذَاكَ بِحَسَبِ الْوَاقِعِ فِيمَا وَرَدَ لِأَجْلِهِ مِنَ الْوَقَائِعِ وَهُوَ قَطْعِيُّ الدُّخُولِ لَكِنَّ عِنْدَ الْأَكْثَرِ كَمَا سَيَأْتِي.

---

[1] ابن سریج اپنے قول پر جو دلیل پیش کرتے ہیں اس کا رد امام رازی نے بھی اپنی کتاب محصول میں کیا ہے۔ ابن سريج هو: أبو العباس أحمد بن عمر بن سريج البغدادي فقيه محدث سمع أبا داود والحسن الزعفراني والطبراني، توفي سنة ٣٠٦ھ.

وَمَا نَقَلَهُ الْآمِدِيُّ وَغَيْرُهُ مِنْ الِاتِّفَاقِ عَلَى مَا قَالَهُ ابْنُ سُرَيْجٍ مَدْفُوعٌ بِحِكَايَةِ الْأُسْتَاذِ وَالشَّيْخِ أَبِي إِسْحَاقَ الشِّيرَازِيِّ الْخِلَافَ فِيهِ وَعَلَيْهِ جَرَى الْإِمَامُ الرَّازِيّ وَغَيْرُهُ وَمَالَ إِلَى التَّمَسُّكِ قَبْلَ الْبَحْثِ وَاخْتَارَهُ الْبَيْضَاوِيُّ وَغَيْرُهُ وَتَبِعَهُمْ الْمُصَنِّفُ وَهُوَ قَوْلُ الصَّيْرَفِيِّ كَمَا نَقَلَهُ عَنِ الْإِمَامِ الرَّازِيّ وغيره.

وَاخْتَصَرَ الْآمِدِيُّ وَغَيْرُهُ فِي النَّقْلِ عَنِ الصَّيْرَفِيِّ عَلَى وُجُوبِ اعْتِقَادِ الْعُمُومِ قَبْلَ الْبَحْثِ عَلَى الْمُخَصِّصِ.

وَعَلَى قَوْلِ ابْنِ سُرَيْجٍ لَوْ اقْتَضَى الْعَامُّ عَمَلًا مُؤَقَّتًا وَضَاقَ الْوَقْتُ عَنْ الْبَحْثِ هَلْ يُعْمَلُ بِالْعُمُومِ احْتِيَاطًا أَوْ لَا؟ خِلَافٌ حَكَاهُ الْمُصَنِّفُ عَنْ حِكَايَةِ ابْنِ الصَّبَّاغِ وَذَكَرَهُ هُنَا أَوَّلًا قَوْلِهِ "وَثَالِثُهَا إِنْ ضَاقَ الْوَقْتُ" ثُمَّ تَرَكَهُ لِأَنَّهُ لَيْس خِلَافًا فِي أَصْلِ الْمَسْأَلَةِ.

(ثُمَّ يَكْفِي فِي الْبَحْثِ) عَلَى قَوْلِ ابْنُ سُرَيْجٍ (الظَّنُّ) بِأَنْ لَا مُخَصِّصَ.

(خِلَافًا لِلْقَاضِي) أَبِي بَكْرٍ الْبَاقِلَّانِيِّ فِي قَوْلِهِ لَا بُدَّ مِنْ الْقَطْعِ قَالَ وَيَحْصُلُ بِتَكْرِيرِ النَّظَرِ وَالْبَحْثِ وَاشْتِهَارِ كَلَامِ الْأَئِمَّةِ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَذْكُرَ أَحَدٌ مِنْهُمْ مُخَصِّصًا.[1]

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں مخصص کی تلاش سے پہلے بالاتفاق عام پر عمل ہوتا رہا جیسا کہ استاد ابو اسحاق اسفرائینی نے کہا ہے۔ اور ایسا ہی وفات کے بعد معاملہ رہا ہے سوائے ابن سریج اور اس کے متبعین کے، کیونکہ ان کے نزدیک مخصص کا احتمال ہے لہذا مخصص کی تلاش سے قبل عمل نہ ہوگا۔ انہیں یہ جواب دیا گیا کہ اصل مخصص نہ ہونا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں تو یہ احتمال نہیں ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں عام پر عمل بحسب الواقع تھا اور جس کے لیے وقائع میں وارد ہوتا تھا، اور یہ اکثر کے نزدیک قطعی الدخول ہے جیسا کہ آگے چل کر آئیگا۔

---

1 البدر الطالع في حل جمع الجوامع مؤلف: جلال الدين محمد بن احمد المحلي الشافعي مؤسسة الرسالة ناشرون دمشق (الطبة أولى 1426ھ) ج1 ص371

آمدی وغیرہ نے ابن سریج کے قول پر جو اتفاق نقل کیا ہے وہ استاد اور ابو اسحاق الشیرازی کے اختلاف سے مدفوع ہے۔ اور انہی کے قول پر امام رازی وغیرہ کا عمل تھا۔ اور (مخصص کی) تلاش سے قبل عام پر تمسک کی طرف ان کا میلان ہے۔ اور علامہ بیضاوی وغیرہ نے بھی اس کو اختیار کیا ہے اور مصنف (امام تاج الدین سبکی مصنف جمع الجوامع) نے بھی ان کی اتباع کی ہے اور یہی صیرفی کا قول ہے جیسا کہ امام رازی وغیرہ نے ان سے نقل کیا۔

آمدی وغیرہ نے صیرفی سے نقل کرنے میں مختصر بیان کیا کہ مخصص کی تلاش سے پہلے عموم کا اعتقاد واجب ہے۔

ابن سریج کے قول پر (تفصیل یوں ہوگی) کہ اگر عام مؤقتا عمل کو چاہے اور مخصص کو تلاش کرنے میں وقت تنگ ہو تو کیا احتیاطا عموم پر عمل ہوگا یا نہیں؟ مصنف نے ابن الصباغ [1] کی حکایت سے اختلاف نقل کیا ہے۔ یہاں پر پہلے اپنے قول کو نقل کیا" وثالثها ان ضاق الوقت" سے پھر اسے چھوڑ دیا کیونکہ یہ اصل مسئلہ میں اختلاف ہی نہیں ہے۔(یعنی مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل ہو چاہے وقت تنگ ہو یا نہ ہو)

ابن سریج کے قول کے مطابق مخصص کی تلاش میں مخصص نہ ہونے کا ظن ہی کافی ہے۔

بخلاف قاضی ابو بکر الباقلانی کے کہ یقین ہونا ضروری ہے۔ فرماتے ہیں کہ نظر و بحث (تلاش) کے تکرار (بار بار) اور آئمہ کے کلام کی شہرت سے یقین ہو گا کہ کسی نے مخصص ذکر نہیں کیا۔

قاضی ابو بکر الباقلانی کے علاوہ دیگر جن ائمہ نے امام ابن سریج کی پیروی کی ہے مثلا: امام الحرمین، امام غزالی، آمدی اور ابن الحاجب وغیرہ جنہوں نے مخصص کی تلاش کے بغیر عام پر عمل کرنا ممنوع ہے کا قول کیا بھی ہے ان کے نزدیک بھی مخصص نہ ہونے کا ظن ہونا کافی ہے، اس کا یقین ہونا ضروری نہیں۔

---

[1] عبد السيد بن محمد بن عبد الواحد بن أحمد بن جعفر أبن الصباغ البغدادي، أبو نصر، الشهير ابن الصباغ فقيه شافعي (متوفی:477ھ)

امام الحرمین امام جوینی وغزالی وغیرہ کے کلام سے پیدا ہونے والا شبہ

امام جوینی شافعی (م:478ھ) وغیرہ کے امام صیرفی شافعی (م:330ھ) کے قول پر اعتراض سے یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید امام جوینی وغیرہ امام صیرفی کے مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے وجوب کے بھی مخالف ہیں، اس کی وضاحت اور صحیح مراد بیان کرتے ہوئے امام شہاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی الأزھری لکھتے ہیں۔

۷۔ امام شہاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی

امام شہاب الدین احمد بن قاسم الصباغ العبادی الشافعی الأزھری (م:992ھ) اپنی کتاب ''الآیات البینات'' میں لکھتے ہیں:

قوله: (وما نقله الأمدی وغيره من الاتفاق وعلى ما قاله ابن سريج مدفوع بحكاية الأستاذ والشيخ أبي إسحق الخلاف فيه) اعترضه الكمال بأنهما إنما حكياه عن الصيرفي ومن حكى الاتفاق لم يعتد بقوله الصيرفي بعد علمه به فقد قال إمام الحرمين في البرهان بعد حكاية قول الصيرفي: وهذا عندنا غير معدود من مباحث العقلاء ومضطرب العلماء وإنما هو قول صدر عن غباوة واستمرار في عناد إلى آخر ما أطال به الكمال. وأقول: قال المصنف في شرح المنهاج: هل يجوز أن يستدل بالعام قبل البحث عن المخصص؟ فيه مذهبان: أحدهما الجواز وهو قول الصيرفي وإليه مال الإمام. والثاني المنع وهو قول أبي العباس بن سريج. واعلم أن إثبات الخلاف في هذه المسألة على هذا الوجه هو إيراد الإمام يعني الرازي وجمهور أتباعه، وادعى جمع من المتأخرين أن ذلك غير معروف بل باطل محتجين بأن الذي قاله الغزالي فمن بعده كالآمدي وغيره أنه لا يجوز التمسك بالعام قبل البحث عن للخصص إجماعاً قالوا: وليس خلاف الصيرفي إلا في وجوب اعتقاد عمومه قبل دخول وقت العمل به، وإذا ظهر مخصص تغير الاعتقاد. هكذا نقله عنه إمام الحرمين ثم الآمدي وغيره. واشتهرت هذه المقالة حتى تولعت الألسن بأن هذا المكان من غلطات الامام. وأنا أقول: قد سبق الإمام لهذا النقل الثقة الثبت الشيخ أبو إسحق الشيرازي فقال في شرح اللمع ما نصه: إذا وردت هذه الألفاظ الموضوعة للعموم هل يجب اعتقاد عمومها عند سماعها والمبادرة إلى العمل بمقتضاها أو يتوقف فيها؟ اختلف أصحابنا فقال أبو بكر

الصیرفی یجب اعتقاد عمومها فی الحال عند سماعها والعمل بموجبها انتهی. وکذلك الأستاذ أبو إسحق فی أصوله الذی انتخبه والذی أیده الله ولفظه: قیل یلزم وقیل لا یلزم ویعرض علی الأصول الممهدة لجواز أن یکون فیها ما یخصصه. وأفاد الأستاذ أن الخلاف لیس إلا فیما بعد وفاة النبی صلی الله علیه وسلم، أما إذا ورد فی عهده وجبت المبادرة إلی الفعل علی عمومه. وقد بان بهذین النقلین أن ما نقله الإمام غیر مستنکر وهو أولی وأوجه من القول بإیجاب اعتقاد العموم علی جزم. ثم حین ظهور المخصص یتغیر الاعتقاد فإنه مذهب فی غایة السقوط لا وجه له ولا حصل تحته. قال إمام الحرمین: إنه عندنا غیر محدود من مباحث العقلاء ومضطرب العلماء، قال وإنما هو قول صدر عن غباوة واستمرار فی عناد انتهی وهذا بخلاف القول بالعمل بالعام ابتداء فإنه ذو وجه ظاهر وجیه انتهی کلام المصنف فی شرح المنهاج باختصار وهو مصرح کما نری بأن الذی حکاه الأستاذ والشیخ أبو إسحق عن الصیرفی هو العمل بالعام وإن الذی رده فی البرهان لیس هو هذا بل هو وجوب اعتقاد العموم علی جزم وهو کذلك فإن هذا الذی فی البرهان ولفظه مسألة إذا وردت الصیغة الظاهرة فی اقتضاء العموم ولم یدخل وقت العمل بموجبها فقد قال أبو بکر الصیرفی من أئمة الاصول یجب علی المتعبدین اعتقاد العموم فیها علی جزم ثم إن کان الأمر علی ما اعتقدوه فذاك وإن تبین الخصوص تغیر العقد وهذا غیر معدود عندنا من مباحث العقلاء الخ انتهی وحینئذ فاستدلال الکمال علی أن من حکی الاتفاق لم یعتد بقول الصیرفی بقوله فقد قال إمام الحرمین الخ فی غیر محله لأن الذی قاله إمام الحرمین إنما هو رد القول بوجوب الاعتقاد علی جزم لا القول بوجوب العمل الذی حکاه عن الصیرفی هذان الأستاذان الجلیلان ووافقهما الفخر واتباعه وأین أحدهما من الآخر علی أنه لو صح عدم اعتداد حاکی الاتفاق عورض باعتداد هذین الاستاذین ومن وافقهما فلله در هذا الشارح.[1]

قولہ (مخصص ہونے کے احتمال کی وجہ سے عموم پر عمل نہیں کیا جائے گا): جو آمدی وغیرہ نے اتفاق نقل کیا ہے اور اس کے بارے میں جو ابن سریج نے کہا ہے وہ دفع ہو جاتا ہے جو اس کے خلاف استاذ ابو اسحاق اسفرایینی الشافعی (م: 418ھ) اور شیخ ابو اسحاق شیرازی الشافعی (م:

---

[1] الآیات البینات علی شرح جمع الجوامع المؤلف: شهاب الدین أحمد بن قاسم الصباغ العبادي الشافعي الأزهري (م:992ھ) دار الکتب العلمیة (تاریخ النشر 1433ھ 2012م) ج 3 ص 27

476ھ) نے حکایت کیا ہے امام کمال الدین ابن ھمام نے اعتراض کیا ہے کہ ان دونوں نے اسے ابو بکر الصیرفی الشافعی (م:330ھ) سے حکایت کیا ہے اور جنہوں نے (مخصص کی تلاش سے پہلے عمل نہ کرنے کے اتفاق کی) حکایت کی انہوں نے امام صیرفی کے قول (**یتَمَسَّك بِهِ ابْتِدَاء مَا لم يظْهَر مُخَصِص**) کا علم ہونے کے بعد اعتبار نہیں کیا، امام الحرمین جوینی (م:478ھ) نے برھان میں امام صیرفی کے قول کی حکایت کرنے کے بعد کہا ہے صیرفی کا یہ قول ہمارے نزدیک عقلاء کے مباحث سے ہی شمار نہیں، اور فرمایا کہ یہ ایسا قول ہے جو (غباوۃ) عدم توجہ سے صادر ہوا اور پھر عناد سے جاری رہا، الخ اس پر امام کمال الدین نے تفصیلی کلام کیا۔

أقول:

مصنف علیہ الرحمۃ شرح منہاج میں فرماتے ہیں کہ: کیا مخصص کی تلاش سے قبل عام کے ساتھ حجت پکڑنا جائز ہے؟ تو اس میں دو مذہب ہیں:

ان میں سے ایک جواز کا ہے، یہ قول امام صیرفی کا ہے اور اسی طرف امام (رازی) کا بھی میلان ہے۔ اور دوسرا منع کا ہے، اور یہ قول ابو العباس بن سریج کا ہے۔

یہ بات علم میں ہو کہ اس مسئلہ میں اس وجہ پر اختلاف کا اثبات امام رازی اور ان کے جمہور اتباع کا وارد کیا ہوا ہے۔ متاخرین کی ایک جماعت نے یہ دعوی بھی کیا ہے کہ یہ (اختلاف) غیر معروف بلکہ باطل ہے۔ اور حجت یہ بنائی ہے کہ امام غزالی اور ان کے بعد آمدی وغیرہ نے کہا ہے کہ مخصص کی تلاش سے قبل تمسک بالعام اجماعا جائز نہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ صیرفی کا اختلاف اس بات میں ہے کہ عام پر وقتِ عمل کے دخول سے قبل اس کے عموم کا اعتقاد واجب ہے۔ اور جب مخصص ظاہر ہو تو اعتقاد متغیر ہو جائے گا۔ ایسا ہی ان سے امام الحرمین اور آمدی نے نقل کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: امام سے پہلے یہ بات (الثقۃ الثبت) شیخ ابو اسحاق شیرازی فیروز آبادی (م476ھ) نے نقل کی ہے، اللمع کی شرح میں کہا، جس کی نص ہے: جب یہ الفاظ وارد ہوں جو عموم کے لیے وضع ہوتے ہیں، کیا ان کے سننے سے ان کے عموم کا اعتقاد اور اس کے مقتضی کے مطابق عمل کی طرف سرعت واجب ہے یا اس میں توقف کیا جائے گا؟ اس میں ہمارے اصحاب کا اختلاف ہے تو ابو بکر الصیرفی کہتے ہیں کہ ان (الفاظ) کی سماع کے ساتھ فی الحال عموم کا اعتقاد رکھنا اور اس کے موجب پر عمل کرنا واجب ہے۔ انتھی۔

اور ایسا ہی استاذ ابو اسحاق اسفر ائینی (م: 418ھ) نے اپنے اصول میں جن کا انہوں نے انتخاب کیا اور اللہ نے مدد کی کہا، جس کی نص ہے: کہا گیا ہے ایسا لازم ہے اور کہا گیا ہے کہ لازم نہیں، (بلکہ ان الفاظ کو) اصول پر پیش کیا جائیگا کہ ایسا ممکن ہے کہ ان میں ایسی شی ہو جو ان (الفاظ) کی تخصیص کرے۔ اور استاد نے یہ فائدہ بتایا ہے کہ یہ اختلاف نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد ہے۔ اور جب ان کے عہد مبارک میں وارد ہوں تو ان کے عموم پر عمل کی طرف جلدی کرنا واجب ہے۔ ان دو نقول سے ظاہر ہوا کہ امام نے جو نقل کیا ہے وہ مستنکر نہیں (ناپسندیدہ نہیں) اور وہ اولی اور زیادہ قابل توجہ ہے اس قول سے کہ علی الیقین عموم کا اعتقاد واجب ہے۔ پھر جب مخصص ظاہر ہو جائے تو اعتقاد متغیر ہو جائے گا، مذھب غایۃ السقوط میں ہے اس کی کوئی وجہ نہیں اس سے کچھ حاصل بھی نہیں۔ امام الحرمین فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے نزدیک عقلاء کے مباحث سے ہی شمار نہیں، اور فرمایا کہ یہ ایسا قول ہے جو (غباوۃ) عدم توجہ سے صادر ہوا اور پھر عناد سے جاری رہا، انتھی۔ اور یہ (قول) "ابتداء عام پر عمل" کے قول کے خلاف ہے کیونکہ اس کی اچھی توجیہ ظاہر ہے۔ انتھی کلام المصنف فی شرح المنھاج باختصار۔۔۔

اور یہ کلام جیسا کہ تو دیکھتا ہے مصرح ہے کہ جو (قول) **استاذ و شیخ ابو اسحاق نے صیرفی سے حکایت کیا وہ عام پر عمل ہے اور جو برھان میں رد کیا وہ یہ (قول) نہیں بلکہ وہ علی الیقین عموم کے اعتقاد کے وجوب (کا قول)** ہے۔ اور وہ ایسا ہی ہے کیونکہ جو برھان میں ہے جس کے الفاظ ہیں، مسئلہ: جب کوئی صیغہ وارد ہو جو عموم کے تقاضا میں ظاہر ہو اور اس کے موجب کے مطابق عمل کا وقت داخل نہ ہو تو اصول کے آئمہ میں سے ابو بکر الصیرفی نے کہا ہے کہ متعبدین پر اس کے عموم کا اعتقاد علی الیقین واجب ہے پھر اگر معاملہ ان کے اعتقاد کے مطابق ہو تو ٹھیک اور اگر خصوص آجائے تو (عقد) اعتقاد متغیر ہو جائے گا، اور یہ ہمارے نزدیک عقلاء کے مباحث سے شمار نہیں الخ انتھی۔ اور اس وقت "امام کمال الدین ابن ھمام" کا استدلال اس پر ہے کہ جس نے اتفاق کی حکایت کی ہے اس نے صیرفی کی بات کا اعتبار نہیں کیا اس قول کے ساتھ کہ امام الحرمین نے کہا الخ۔

اس کے علاوہ محل میں **کیونکہ جو امام الحرمین نے کہا کہ یہ علی الیقین اعتقاد کے وجوب کے قول کا رد ہے نہ کہ وجوب العمل کا جسے ان دو عظیم الشان اساتذہ نے صیرفی سے نقل کیا ہے** اور ان کی موافقت امام فخر (الدین رازی) اور ان کے متبعین نے کی ہے، اور ایک قول کہاں اور دوسرا

کہاں ؟ علاوہ ازیں اگر اتفاق حکایت کرنے والے پر عدم اعتبار صحیح ہو تو اس کا تعارض ان دو عظیم اساتذہ کے اعتبار سے اور جنہوں نے ان کی موافقت کی ہے ان سے ہو گا۔ اللہ اس شارح پر رحمت فرمائے۔

۸۔ امام ابو اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف الشیرازی

امام صیرفی کے جس قول پر ساری بحث ہے اس کی تصریح امام ابو اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف الشیرازی (المتوفی:476ھ) اپنی کتاب میں "التبصرة فی أصول الفقه" کے "مَسْأَلَة 4" کے تحت لکھتے ہیں:

إِذا ورد لفظ من أَلْفَاظ الْعُمُوم لم يجز اعْتِقَاد عُمُومه حَتَّى يُنظَر فِي الْأُصُولِ فَإِن لم يجد مَا يَخُصُّهُ اعْتقد عُمُومه فِي قَول أبي الْعَبَّاس **وَقَالَ أَبُو بكر الصَّيْرَفِي يعْتَقد فِي الْحَال عُمُومه.**[1]

اگر لفظ عموم کے الفاظ میں سے وارد ہو تو اس وقت تک اس عموم کا اعتقاد جائز نہیں جب اصول میں نہ دیکھ لیا جائے اگر اس کا مخصص نہ ملے تو اس کے عموم کا اعتقاد ہو گا ابو عباس کے قول کے مطابق اور ابو بکر صیرفی نے کہا ہے کہ اسی وقت اس کے عموم کا اعتقاد ہو گا۔

اس میں بھی اعتقاد کا اختلاف ہے عمل کا نہیں کہ عمل جائز ہو گا یا نہیں۔

۹۔ امام قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الھندی

احناف کی اصول فقہ میں سب سے معتبر مانی جانے والی کتاب "مسلم الثبوت" میں امام العلوم العقلیہ علامہ قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الھندی البھاری ملقب بفاضل خان (م:1119ھ) اس بحث میں امام غزالی وغیرہ کے جواب میں شوافع کی طرف سے بھی اس کا رد اور احناف کا موقف لکھتے ہیں:

فإن الأستاذ وأبا اسحق الشيرازي والإمام الرازي حكوا الخلاف بل الاستاذ حكى الاتفاق على التمسك به قبل البحث في حياته صلى الله عليه وسلم كما في التيسير لنا ما تقدم أنه قطعي فلا يتوقف على عدم احتمال المعارض كسائر القواطع.[2]

---

1 التبصرة في أصول الفقه المؤلف: أبو اسحاق إبراهيم بن علي بن يوسف الشيرازي (المتوفى: 476هـ) ص 120

2 مسلم الثبوت المؤلف: قاضي محبّ الله بن عبد الشكور الهندي (م: 1119هـ) طبع بالمطبعة المصرية بكفر الطماعين ج1 ص201

استاذ ابو اسحاق الشیرازی اور امام رازی نے اختلاف کی حکایت کی ہے، بلکہ استاذ (ابو اسحاق الاسفرینی (م: 418ھ)) نے اس پر اتفاق نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں (مخصص) کے تلاش سے پہلے عام پر ہی عمل تھا جیسا کہ "التیسیر" میں ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا حکم گزر چکا ہے کہ معارض کے عدم احتمال کی وجہ سے توقف نہیں کیا جائے گا جیسا کہ تمام قواطع میں ہوتا ہے۔

۱۰۔ امام استاذ ابو اسحاق الاسفرینی

شوافع میں سے ہی استاذ ابو اسحاق الاسفرینی (م418ھ) کے حوالے سے جیسا کہ "مسلم الثبوت" کی عبارت میں گزر گیا ہے "فواتح الرحموت" میں علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاری مزید وضاحت کرتے ہوئے تین صدیوں تک اس اصول پر اتفاق بھی نقل کرتے ہیں:

(بل الاستاذ حكى الاتفاق على التمسك به قبل البحث) عن المخصص (في حياته صلى الله عليه وآله وأصحابه وأزواجه أجمعين وسلم كما في التيسير)[1]

یعنی استاذ ابو اسحاق الاسفرینی (م418ھ) نے اس بات پر اتفاق نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیات میں مخصص کی تلاش سے قبل عام پر تمسک ہو گا جیسا کہ التیسیر میں ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ کی حیات کے بعد عام پر عمل کے بارے میں لکھتے ہیں کہ کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کا بھی توقف نہیں ہے:

لم ينقل عن واحد من الصحابة قط التوقف العام إلى البحث عن المخصص ولا إنكار واحد منهم في المناظرات على من تمسك بالعام قبل البحث عن المخصص وكذا في القرن الثاني والثالث والحنفية يوجبون العمل به قبل البحث واستقر هذا المذهب إلى الآن.[2]

---

1 فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلى محمد بن نظام الدين الأنصاري، الهندي (م: 1225) دار الكتب العلمية (الطبعة الأولى 1323ھ) ج1 ص254

2 فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلى محمد بن نظام الدين الأنصاري، الهندي (م: 1225) دار الكتب العلمية (الطبعة الأولى 1323ھ) ج1 ص254

یہ کسی صحابی سے یہ قطعاً (کبھی بھی) منقول نہیں کہ عام پر عمل موقوف ہو گا جب تک مخصص کی تلاش نہ کی جائے۔ اور نہ ہی کسی سے یہ منقول ہے کہ مناظرات میں جس نے عام پر تمسک کیا ہو اس پر انکار کیا گیا ہو۔ اسی طرح قرن ثانی اور ثالث میں بھی تھا۔ اور احناف بحث (مخصص) سے قبل عام پر عمل واجب رکھتے ہیں، اور آج تک یہی مذھب ہے۔

۱۱۔ امام ابو محمد موفق الدین ابن قدامہ الحنبلی

غوث الزماں قطب الاقطاب کے شاگرد رشید ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الحنبلی (المتوفی: 620ھ) بھی صحابہ کرام کا اجماع نقل کرتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول کے الفاظ کو عموم پر ہی رکھتے تھے، اس کے مخصص کی دلیل تو طلب کرتے تھے عموم کے لیے دلیل طلب نہیں کرتے تھے اور اس کی مثال میں آپ اپنی معروف کتاب "روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل" میں اپنے مذہب کی دلیل بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ولنا دليلان أحدهما: إجماع الصحابة رضي الله عنهم فإنهم مع أهل اللغة بأجمعهم، أجروا ألفاظ الكتاب والسنة على العموم، إلا ما دل على تخصيصه دليل؛ فإنهم كانوا يطلبون دليل الخصوص، لا دليل العموم: فعملوا بقوله تعالى: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُم} واستدلوا به على إرث فاطمة رضي الله عنها حتى نقل أبو بكر، رضي الله عنه: "نحنُ معاشِرَ الأَنْبِيَاءِ لا نُورَثُ، ما تَرَكْنَاه صَدَقة".[1]

اور ہماری دو دلیلیں ہیں ان میں سے ایک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کیونکہ وہ اہل لغت سمیت متفقہ طور پر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے الفاظ کو عموم پر رکھتے ہیں، سوائے اس کے کہ اس کی تخصیص پر کوئی دلیل دلالت کرے، کیونکہ وہ خصوص کی دلیل طلب کرتے تھے، نہ کہ عموم کی: پس اسی وجہ سے انہوں نے عمل کیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: {يُوصِيكُمُ اللهُ فِي أَوْلادِكُم} پر اور اسی کے ذریعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وراثت پر استدلال کیا یہاں تک کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے "نحنُ معاشِرَ الأَنْبِيَاءِ لا نُورَثُ، ما تَرَكْنَاه صَدَقة" نقل کیا۔

---

[1] روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل المؤلف: أبو محمد موفق الدين عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة المقدسي ثم الدمشقي الحنبلي، الشهير بابن قدامة المقدسي (المتوفى: 620ھ) الناشر: مؤسسة الريّان للطباعة والنشر والتوزيع الطبعة: الطبعة الاولى 1419ھ-2002م ج 2 ص 16

امام ابن قدامۃ الحنبلی اپنی کتاب "روضۃ الناظر" میں مزید لکھتے ہیں:

اللفظ العام یجب اعتقاد عمومه فی الحال[1]، فی قول أبی بکر[2]، والقاضی[3]. وقال أبو الخطاب: لا یجب حتی یبحث فلا یجد ما یخصصه. قال[4]: وقد أومأ إلیه[5] فی روایة صالح[6] وأبی الحارث[7]. وقال القاضی: فیه روایتان.[8] وعن الحنفیة: کقول أبی بکر[9] وعنهم: أنه إن سمع من النبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ علی طریق تعلیم الحکم، فالواجب اعتقاد عمومه، وإن سمعه من غیره فلا[10] وعن الشافعیة کالمذهبین.[11][12]

لفظ عام کے عموم کا اعتقاد واجب ہے۔ یہ ابو بکر عبد العزیز الخلال اور قاضی ابو یعلی کا قول ہے۔ ابو الخطاب فرماتے ہیں کہ یہ واجب نہیں جب تک مخصص تلاش نہ کیا جائے۔ ابو خطاب فرماتے ہیں کہ امام احمد نے بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے یہ آپ سے صالح اور ابو الحارث کی روایت ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ اس میں آپ سے دو روایتیں ہیں۔ اور احناف سے ابو بکر عبد العزیز الخلال کے قول کی طرح بھی منقول ہے اور یہ بھی منقول ہے کہ اگر یہ رسول اللہ ﷺ سے بطریق تعلیم کے سنا ہو تو عموم کا اعتقاد واجب ہے اور اگر کسی اور سے سنا ہو تو پھر نہیں۔ اور شوافع

---

1 کما یجب العمل به قبل البحث عن المخصص.

2 هو: عبد العزیز بن جعفر، المعروف بـ"غلام الخلال"

3 أبو یعلی کما فی العدة "2/ 525."

4 أي: أبو الخطاب

5 أي: الإمام أحمد.

6 هو: صالح بن أحمد بن حنبل الشیبانی، أبو الفضل، أکبر أولاد الإمام أحمد، أخذ عن والده وعن کثیر من علماء عصره، کان کریمًا فاضلًا، صدوقًا ثقة، تولی القضاء بطرسوس ثم بأصبهان. ولد سنة "203ھ" وتوفی بأصبهان سنة "266ھ" انظر فی ترجمته: طبقات الحنابلة "1/ 176،173" والإنصاف "12/ 286".

7 هو: إبراهیم بن الحارث بن مصعب بن الولید بن عبادة بن الصامت، من أهل طرسوس، ومن کبار أصحاب الإمام أحمد، ومن المکرمین عنده، نقل عن الإمام أحمد کثیراً من المسائل. انظر فی ترجمته: طبقات الحنابلة "1/ 94"، خلاصة تذهیب الکمال للخزرجی "1/ 42 ."

8 انظر: العدة "2/ 525".

9 أي: یجب اعتقاد عمومه والعمل به قبل البحث عن المخصص.

10 وهذه روایة أخری عن الحنفیة. یراجع: کشف الأسرار "1/ 291".

11 أي: أن البعض یری اعتقاد العموم والعمل به قبل البحث عن المخصص، والبعض یری وجوب البحث عن المخصص.

12 روضة الناظر وجنة المناظر فی أصول الفقه علی مذهب الإمام أحمد بن حنبل المؤلف: أبو محمد موفق الدین عبد الله بن أحمد بن محمد بن قدامة الجماعیلی المقدسی ثم الدمشقی الحنبلی، الشهیر بابن قدامة المقدسی (المتوفی: 620ھ) الناشر: مؤسسة الریّان للطباعة والنشر والتوزیع الطبعة: الطبعة الثانیة 1423ھ-2002م ج2ص57

سے دو طرح سے مذہب نقل ہوا ہے۔ (یعنی بعض کے نزدیک مخصص کی تلاش سے پہلے عموم کا اعتقاد بھی اور اس پر عمل بھی ہو گا اور بعض کے نزدیک مخصص کی تلاش ضروری ہے)

اور جن کے نزدیک تلاش واجب بھی ہے تو اتنی کافی ہے کہ جس سے مخصص نہ ہونے کا ظن حاصل ہو جائے۔ اس کے نہ ہونے کا یقین ہونے تک تلاش کرنا واجب نہیں۔

۱۲۔ امام قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین الفراء البغدادی الحنبلی

امام قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین الفراء البغدادی الحنبلی (م458ھ) امام احمد بن حنبل کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

مسألة: إذا ورد لفظ العموم الدال بمجرده على استغراق الجنس، فهل يجب العمل بموجبه واعتقاد عمومه في الحال قبل البحث عن دليل يخصه أم لا؟

فيه روايتان:

إحداهما يجب العمل بموجبه[1] في الحال[2]، وهذا ظاهر كلام أحمد رحمه الله...... وهو اختيار أبي بكر من أصحابنا، ذكر[3] في أول كتاب التنبيه فقال: وإذا ورد الخطاب من الله تعالى أو من الرسول بحكم عام أو خاص، حكم بوروده على عمومه، حتى ترد الدلالة على تخصيصه أو تخصيص بعضه.[4]

جب وارد ہو لفظ عموم جو دلالت کرے صرف جنس کے استغراق پر کیا اس کے موجب پر عمل کرنا اور اس کے عموم کا اعتقاد فی الحال رکھنا واجب ہے کسی ایسی دلیل پر بحث کرنے سے پہلے جو اس کو خاص کرے یا نہیں؟

اس میں دو روایتیں ہیں:

---

1 في الأصل: "بموجبها."

2 واختار هذه الرواية من الحنابلة: ابن عقيل وأبو بكر عبد العزيز والحلواني وابن قدامة. راجع: "المسودة" ص "109"، و"روضة الناظر" ص "126."

3 هكذا في الأصل، ولعل الصواب: "ذكره."

4 العدة في أصول الفقه المؤلف: القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين بن محمد بن خلف ابن الفراء (المتوفى: 458ھ) الناشر: جامعة الملك محمد بن سعود الإسلامية الطبعة: الثانية 1410ھ 1990م ج1 ص 525

ایک یہ کہ اس کے موجب پر عمل فی الحال کرنا واجب اور امام احمد بن حنبل کے ظاہر کلام سے بھی یہی سمجھ آتا ہے ہمارے اصحاب میں سے ابو بکر عبد العزیز الخلال کا بھی یہی مختار ہے، جسے کتاب التنبیہ کے اول میں ذکر کیا اور فرمایا: اور جب وارد ہو خطاب ذات باری تعالی کے طرف سے یا رسول اللہ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے عمومی حکم کے ساتھ یا خاص تو اس کے عموم کا حکم ہی ہو گا یہاں تک کہ اس کو یا اس کے بعض کو کوئی دلیل خاص نہ کر دے۔

مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے درست ہونے کا مذہب صرف احناف کا ہی نہیں بلکہ جمہور کا بھی ہے جیسا کہ علامہ شنقیطی مالکی نے صراحت کی۔

۱۳۔علامہ محمد الأمین بن محمد المختار بن عبد القادر الجکنی الشنقیطی المالکی

محمد الأمین بن محمد المختار بن عبد القادر الجکنی الشنقیطی مالکی (المتوفی: 1393ھ) ''مُذَکِّرۃ فی أصول الفقہ''میں لکھتے ہیں:

حاصله: أن التحقيق ومذهب الجمهور وجوب اعتقاد العموم والعمل من غير توقف على البحث عن المخصص لأن اللفظ موضوع للعموم فيجب العمل بمقتضاه فان اطلع على مخصص عمل به، وقيل لا يجوز اعتقاد عمومه ولا العمل به حتى يبحث عن المخصص بحثاً يغلب به على الظن عدم وجوده لأنه قبل البحث محتمل للتخصيص.

قلت: وقد قدمنا إن الظاهر يجب العمل به حتى يوجد دليل صارف عنه، ولا شك أن العموم ظاهر في شمول جميع الأفراد كما لا يخفى.[1]

خلاصہ کلام یہ ہے: کہ تحقیق اور جمہور کا مذہب یہ کہ عموم پر اعتقاد رکھنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، اور یہ بات مخصص کی تلاش پر موقوف نہیں۔یعنی عمل اور اعتقاد رکھنے میں توقف نہ ہو گا۔ کیونکہ لفظ عموم کے لیے وضع ہے تو اس کے مقتضی پر عمل کرنا واجب ہے۔ پھر اگر مخصص پر اطلاع ہو تو اس کے مطابق عمل ہو گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (عام پر) عمل اور اعتقاد مخصص کی

---

[1] مُذكِّرة في أصول الفقه المؤلف: محمد الأمين بن محمد المختار بن عبد القادر الجكني الشنقيطي مالكی(المتوفى: 1393ھ) الناشر: مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة(الطبعة: الخامسة، ٢٠٠١م) ص261

تلاش سے قبل جائز نہیں۔ جب تک اتنی تلاش نہ ہو کہ ظن غالب ہو کہ مخصص موجود نہیں کیونکہ تلاش سے قبل مخصص کا احتمال ہے۔
میں کہتا ہوں کہ پہلے یہ بات گزر گئی ہے کہ ظاہر یہ ہے کہ عام پر عمل کرنا واجب ہے جب تک کوئی ایسی دلیل نہ ملے جو اس سے پھیرنے والی ہو۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ عموم تمام افراد کے شامل ہونے میں ظاہر ہے۔ اور اس میں کوئی خفاء نہیں۔

۱۴۔ امام علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان المرداوی الحنبلی

مخصص کی تلاش سے پہلے جن ائمہ کے ہاں عموم پر عمل جائز ہے اس کے حوالے سے علاء الدین ابو الحسن علی بن سلیمان المرِداوی الدمشقی الصالحی الحنبلی (المتوفی: 885ھ) "التحبیر شرح التحریر فی أصول الفقه" میں لکھتے ہیں:

{أَحْمد وَأَكْثر أَصْحَابه، والمالكية، والصيرفي، والسرخسي: يجب اعْتِقَاد الْعُمُوم، وَالْعَمَل بِهِ فِي الْحَال}.
وَهَذَا قَول أَكثر أَصْحَابنَا، مِنْهُم: أَبُو بكر، وَالْقَاضِي، وَابْن عقيل، والموفق، وَابْن حمدَان، والطوفي، والمالكية، والصيرفي، والسرخسي، وَأَبُو الْمَعَالِي، وَغَيرهم. وَقَال الْجِرْجَانِيّ: يجب اعْتِقَاد الْعُمُوم، وَالْعَمَل بِهِ قبل الْبَحْث عَن مُخَصص {إِن سَمعه من النَّبِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ على طَرِيق تَعْلِيم الحكم}، وَإِلَّا فَلَا يمْنَع بَيَان تَأْخِير التَّخْصِيص مِنْهُ.
رد: يجوز، ثمَّ الرَّاوِي عَنهُ مثله.[1]

امام احمد اور ان کے اکثر اصحاب، تمام مالکیہ ائمہ، صیرفی اور سرخسی کا مذہب یہ ہے کہ عموم کا اعتقاد اور اس پر عمل فی الحال واجب ہے۔ اور یہی ہمارے اکثر اصحاب کا قول ہے۔ جن میں ابو بکر غلام الخلال، اور قاضی ابو یعلی، اور ابن عقیل، اور الموفق (ابن قدامہ)، اور ابن حمدان، اور نجم الدین الطوفی الحنبلی اور تمام مالکیہ، اور الصیرفی، اور شمس الائمہ السرخسی اور ابو المعالی الحنفی وغیرھم ہیں۔ اور جرجانی فرماتے ہیں: عام کے عموم پر اعتقاد اور اس پر عمل مخصص کی تلاش سے

---

[1] التحبير شرح التحرير في أصول الفقه المؤلف: علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي (المتوفى: 885هـ) المحقق: د. عبد الرحمن الجبرين، د. عوض القرني، د. أحمد السراح الناشر: مكتبة الرشد، السعودية / الرياض الطبعة: الأولى، 1421هـ 2000م ص 2836

قبل واجب ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ سے بطریق تعلیم حکم سنا ہو، وگرنہ اس کا بیان تخصیص کی تاخیر سے منع نہیں ہے۔

یہ قول مردود ہے (بلکہ بطریق تعلیم الحکم نہ سنا ہو تب بھی) جائز ہے پھر اس کا راوی بھی اس کے ہم مثل ہو۔

امام مرداوی کے کلام سے ظاہر ہے کہ عموم کا اعتقاد و عمل واجب ہے کیونکہ ''عمل'' کا عطف واجب پر ہے کہ اسکا اعتقاد بھی واجب ہے اور فی الحال عمل بھی واجب ہے۔ اور جو ائمہ عمل کو صرف جائز نہیں بلکہ واجب قرار دیتے ہیں، وہ حنابلہ میں سے خود امام احمد بن حنبل اور ان کے اکثر اصحاب ہیں، جن میں سے ابو بکر عبد العزیزی بن غلام حلال، قاضی ابو یعلی، ابن عقیل، موفق الدین ابن قدامہ، ابن حمدان اور نجم الدین طوفی الحنبلی ہیں اور تمام مالکی ائمہ، اور شوافع میں سے الصیرفی (اور ان کے متبعین) احناف میں امام سرخسی اور ابو المعالی وغیرہ سے ایسے ہی منقول ہے۔

آپ مزید تفصیلی بحث کرنے کے بعد تنبیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تَنْبِيه: تابعنا فِي حِكَايَة الْخلاف كثيرا من الْعلمَاء، بل **مَذْهَب أَحْمد وَأَصْحَابه، والمالكية، وَكثير من الْعلمَاء كَمَا تقدم وجوب اعْتِقَاد الْعُمُوم، وَالْعَمَل بِهِ قبل الْبَحْث عَن مُخَصص كَمَا تقدم.** وَحكى الكوراني وَابْن الْحَاجِب فِي "مُخْتَصره" وَغَيرهمَا الْإِجْمَاع على أَنه لَا يجوز الْعَمَل بِالْعَام قبل الْبَحْث عَن الْمُخَصّص، وَجعلُوا الْخلاف فِي اعْتِقَاد الْعُمُوم فِي الْعَام بعد وُرُوده، وَقبل وَقت الْعَمَل بِهِ.

قَالَ الْبرمَاوِيّ بعد حِكَايَة الْخلاف: هَكَذَا أورد الْخلاف الرَّازِيّ وَأَتْبَاعه وَسبقه إِلَى ذَلِك الْأُسْتَاذ أَبُو إِسْحَاق الإِسْفِرَايِينِيّ، وَأَبُو إِسْحَاق الشِّيرَازِيّ، وَغَيرهمَا، لَكِن اقْتصر أَبُو الطّيب، وَأَبُو الْمَعَالِي، وَابْن السَّمْعَانِيّ فِي **النَّقْل عَن الصَّيْرَفِي على وجوب اعْتِقَاد الْعُمُوم فِي الْحَال قبل الْبَحْث، وَصرح غَيرهم عَنهُ بِأَنَّهُ قَالَ: يجب الِاعْتِقَاد وَالْعَمَل.**

وَلَك أَن تَقول: إِن دخل وَقت الْعَمَل لزم من وجوب الِاعْتِقَاد وجوب الْعَمَل فَلذَلِك اكْتفى من اقْتصر على وجوب الِاعْتِقَاد بذلك.

وَأما الْغَزالِيّ، ثمَّ الْآمِدِيّ، وَابْن الْحَاجِب فحكوا الْخلاف على وَجه آخر، وَهُوَ أَنه يمْتَنع الْعَمَل قبل الْبَحْث قطعا، وَإِنَّمَا الْخلاف فِي كَونه يَكْفِي الظَّن وَهُوَ قَول الْأَكْثَر أَو لَا بُد من الْقطع؟ قَالَ: وَيحصل ذَلِك بتكرير النّظر، والبحث عَن اشتهار كَلَام الْأَئِمَّة.

قَالُوا: وَلَيْسَ خلاف الصَّيْرَفِي إِلَّافِي اعْتِقَادِ عُمُومه قبل دُخُول وَقت الْعَمَل بِهِ، وَإِذا ظهر مُخَصص تعين الِاعْتِقَاد.

وَمِنْهُم من جمع بَين الطريقتين بِأَنَّهُمَا مَسْأَلَتَانِ: وجوب الْعَمَل وَهُوَ مَحل الْقطع، واعتقاد الْعُمُوم، وَهُوَ مَحل الْخلاف.

وَفِيه نظر، فَإِن ذَلِك إِن كَانَ قبل دُخُول وَقت الْعَمَل فقد جعلُوا مَحل خلاف الصَّيْرَفِي فِيهِ، وَإِن كَانَ بعد دُخُول وَقت الْعَمَل فقد سبق أَنه لَا معنى لاعْتِقَاده إِلَّا وجوب الْعَمَل بِهِ. انْتهى.[1]

تنبیہ: اختلاف کی حکایت میں ہم نے کثیر علماء کی متابعت کی ہے۔ بلکہ **امام احمد اور آپ کے اصحاب، مالکیہ اور کثیر علماء کا مذہب ہے جیسا کہ گزر چکا ہے کہ مخصص کی تلاش سے پہلے عموم کا اعتقاد اور عمل واجب ہے۔** جیسا پہلے گزر چکا ہے۔ کورانی اور ابن الحاجب وغیرہ نے اپنی مختصر میں حکایت کی ہے کہ مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل ناجائز ہونے میں اجماع ہے۔ اور انہوں نے اختلاف کو اس بحث میں رکھا ہے کہ عام کے آنے کے بعد عموم کا اعتقاد رکھا جائے گا یا نہیں اور اس پر عمل کرنے کے وقت سے پہلے۔

برماوی اس اختلاف کو بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں: ایسا ہی اختلاف امام رازی اور اس کے اتباع نے ذکر کیا ہے۔ اور اس سے قبل استاد ابو اسحاق اسفر ایینی اور ابو اسحاق شیر ازی وغیر ھمانے ذکر کیا ہے۔ لیکن ابو الطیب، ابو المعالی، ابن سمعانی نے صیرفی سے نقل کرنے میں اس بات پر اقتصار کیا ہے کہ **تلاش سے قبل فی الحال عموم کا اعتقاد واجب ہے۔ اور ان کے غیر نے صیرفی سے نقل میں یہ تصریح کی ہے کہ اعتقاد و عمل دونوں واجب ہیں۔**

اور آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر عمل کرنے کا وقت داخل ہو گیا تو اعتقاد کے وجوب سے عمل واجب ہو گا اس لیے جنہوں نے وجوب اعتقاد پر اقتصار کیا انہوں نے اس بات پر اکتفا کیا ہے۔

اور امام غزالی، پھر آمدی اور ابن الحاجب نے ایک اور وجہ پر اختلاف کی حکایت کی ہے، اور وہ یہ ہے کہ بحث سے پہلے عمل قطعاً منع ہے اور اختلاف اس میں ہے کہ کیا ظن کافی ہے اور یہی اکثر کا

---

[1] التحبير شرح التحرير في أصول الفقه المؤلف: علاء الدين أبو الحسن علي بن سليمان المرداوي الدمشقي الصالحي الحنبلي (المتوفى: 885هـ) المحقق: د. عبد الرحمن الجبرين، د. عوض القرني، د. أحمد السراح الناشر: مكتبة الرشد، السعودية / الرياض (الطبعة: الأولى، 1421هـ 2000م) ص2841

قول ہے یا یقین ضروری ہے، کہتے ہیں کہ یہ (یقین) بار بار نظر کرنے سے اور ائمہ کے کلام مشہور ہونے سے حاصل ہو گا۔

کہتے ہیں: اور امام الصیرفی کا اختلاف صرف اس میں ہے کہ عمل کا وقت داخل ہونے قبل اس کے عموم کا اعتقاد رکھا جائے، اور جب مخصص ظاہر ہو جائے تو اعتقاد متعین ہو جائے گا۔

ان میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے دونوں طریقوں کو جمع کیا ہے کہ یہ دو مسئلے ہیں: **عمل کا واجب ہونا قطعی ہے اور عموم کا (یقینی) اعتقاد ہونا محل اختلاف ہے۔**

اس میں نظر ہے۔ اور اگر عمل کا وقت داخل ہونے پہلے ہو تو امام الصیرفی کا اختلاف ہے، اور عمل کا وقت داخل ہونے کے بعد ہو تو گزر چکا ہے کہ اب اعتقاد کا کوئی معنی نہیں بلکہ اس پر عمل واجب ہو گا۔ انتھی۔

۱۵۔ امام فخر الدین الرازی

امام فخر الدین ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسین الرازی الشافعی (المتوفی:606ھ) کے نزدیک بھی امام صیرفی کا ہی مذہب راجح ہے کیونکہ آپ اپنی کتاب "المحصول فی علم أصول الفقه" میں امام صیرفی اور ابن سریج دونوں کی آراء اور دلائل نقل کرتے ہیں لیکن ابن سریج کے دلائل کو رد کر دیتے ہیں اور صیرفی کے دلائل کا رد نہیں کرتے آپ لکھتے ہیں:

قال ابن سريج لا يجوز التمسكُ بالعام ما لم يُستَقصَ فی طلب المخصص فإذا لم يُوجد ذلك المخصصُ فحينئذ يجوز التمسكُ به فی إثبات الحكم.

وقال الصيرفی يجوز التمسكُ به ابتداء ما لم تظهر دلالةٌ مخصِّصةٌ.

واحتج الصيرفی بأمرين:

أحدهما:

لو لم يجز التمسك بالعام إلا بعدَ طلبِ أنه هل وجدَ مخصصٌ أم لا لما جاز التمسكُ بالحقيقة إلا بعد طلب أنه هل وجد ما يقتضِی صرفَ اللفظ عن الحقيقة إلى المجاز وهذا باطلٌ فذاك مثلُهُ.

بيانُ الملازمةِ: أنه لو لم يجز التمسُّك بالعام إلا بعد طلب المخصصِ. لكان ذلكَ: لأجل الاحترازِ عن الخطأ المحتملِ، وهذا المعنى قائم في التمسكِ بحقيقة اللفظ فيجبُ اشتراكُهما في الحكم.

بيانُ أن التمسكَ بالحقيقة لا يتوقَّفُ على طلب ما يُوجبُ العدولَ إلى المجاز. هو: أن ذلك غيرُ واجبٍ في العرفِ؛ بدليلِ أنهم يحملون الألفاظَ على ظواهرها. من غيرِ بحثٍ عن أنه هل وُجدَ ما يُوجبُ العدولَ، أم لا؟ وإذا وجب ذلك. في العرف: وجب أيضا في الشرعِ لقوله صلى الله عليه وسلم ما رأه المسلمونَ حسناً فهو عند اللهِ حسنٌ.

وثانيهما:

أن الأصلَ عدمُ التخصيص، وهذا يُوجبُ ظنَّ عدمِ المخصصِ: فيكفي في إثبات ظنِّ الحكمِ.

واحتج ابنُ سريج:

أن بتقدير قيامِ المخصصِ لا يكونُ العمومُ حجةً في صورةِ التخصيصِ. فقبلَ البحثِ عن وجودِ المخصصِ. يجوز أن يكونَ العمومُ حجةً وأن لا يكونَ.

والأصل: أن لا يكونَ حجةً: إبقاءً للشيءِ على حكم الأصل.

والجوابُ:

أن ظن كونِه حجةً. أقوى من ظن كونه غيرَ حجةٍ؛ لأن إجراءَهُ على العموم أولى من حمله على التخصيص.

ولما ظهر هذا القدرُ من التفاوتِ: كفى ذلك في ثبوتِ الظنِ.

فرعٌ:

إذا قلنا: يجبُ نفيُ المخصصِ. فذاك مما لا سبيلَ إليه إلا بأن يجتهدَ في الطلبِ، ثم لا يجد، لكن الاستدلالَ بعدمِ الوجدانِ على عدم الوجودِ، لا يورثُ إلا الظنَّ الضعيفَ والله أعلم[1]

آٹھواں مسئلہ:

1 المحصول المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606هـ) دراسة وتحقيق: الدكتور طه جابر فياض العلواني الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الثالثة، 1418هـ 1997م) ج3ص23

ابن سریج فرماتے ہیں: عام سے تمسک اس وقت تک جائز نہیں جب تک مخصص کی طلب میں مکمل کوشش نہ کرے پھر جب مخصص نہ پایا جائے تو اس وقت عام سے تمسک جائز ہو گا حکم کے ثابت کرنے کے لیے۔

صیرفی فرماتے ہیں: کہ ابتداً عام سے تمسک جائز ہے جب تک اس کا مخصص ظاہر نہ ہو جائے صیرفی نے دو امور سے حجت قائم کی ہے۔

ایک ان دو میں سے یہ ہے کہ اگر عام سے تمسک جائز نہ ہو جب تک اس کے مخصص کی تلاش نہ کی جائے کہ آیا کوئی مخصص ہے یا نہیں؟ تو پھر حقیقی معنی (حقیقت) پر بھی اس وقت تک تمسک جائز نہ ہو گا جب تک اس بات کی تلاش نہ کی جائے آیا کوئی ایسی چیز ہے جس نے لفظ کو اپنی حقیقت سے مجاز کی طرف پھیر دیا ہے؟ اور یہ بالکل باطل ہے۔ تو وہ مسئلہ بھی اس طرح ہے۔

دونوں میں ملازمہ کا بیان:

اگر عام سے تمسک مخصص کی طلب سے پہلے جائز نہ ہو تو اس کی وجہ یا تو یہ ہو گی کہ ممکنہ خطا سے احتراز (بچنا) ہو جائے اور یہی معنی لفظ کی حقیقت پر تمسک میں بھی ہے تو حکم میں دونوں (مسائل) برابر ہوئے۔

اس بات کا بیان کہ حقیقت پر تمسک اس پر موقوف نہیں کہ یہ تلاش کیا جائے کہ آیا عدول الی المجاز پایا گیا ہے یا نہیں، وہ یہ ہے کہ عرف میں ایسی کوئی بات واجب نہیں۔ دلیل یہ ہے کہ (اہل عرف) الفاظ کو اپنے ظاہر پر ہی محمول کرتے ہیں اور یہ کوئی نہیں دیکھتے کہ آیا ایسی کوئی دلیل ہے کہ اس نے لفظ کو مجاز کی طرف پھیر دیا ہو۔

اور جب یہ (الفاظ کو ان کے ظاہر پر محمول کرنا) عرف میں واجب ہے تو شرع میں بھی واجب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مسلمان جب کسی کام کو اچھا جانیں، تو وہ عند اللہ بھی اچھا ہوتا ہے۔

دوسری دلیل:

اصل عدم تخصیص ہے یہ عدم مخصص کے ظن کو واجب کرتا ہے۔ پس یہ ظن حکم کے اثبات میں کافی ہے۔

ابن سریج نے یہ دلیل قائم کی ہے کہ:

اس تقدیر پر کہ مخصص قائم ہو (اور تخصیص کی صورت میں تو عام حجت نہیں) تو مخصص کے وجود کو تلاش کرنے سے قبل جائز ہے کہ عموم حجت ہو اور نہ بھی ہو۔

اور اصل یہ ہے کہ حجت نہ ہو۔ شیء کو اصل حکم پر ہی باقی رکھا جاتا ہے۔

جواب:

یہ ظن کہ (عموم) حجت ہے اس ظن سے قوی تر ہے کہ حجت نہیں کیونکہ لفظ کو عموم پر جاری رکھنا اولیٰ ہے اس بات سے کہ اس کو تخصیص پر محمول کیا جائے

اور جب اس قدر تفاوت ظاہر ہو تو یہ ثبوت ظن کے لیے کافی ہے،

فرعٌ:

جب ہم نے کہا مخصص کا انکار واجب (ضروری) ہے، یہ وہ چیز ہے جسے حاصل کرنے کا کوئی طریقہ نہیں سوائے اس کے کہ تلاش کرنے کی کوشش کے جائے پھر اسے نہ ملے، لیکن (عدم وجدان) نہ ملنے کو عدم وجود پر دلالت کرنا نہیں فائدہ دیتا مگر ظن ضعیف (کمزور) کا، واللہ اعلم۔

امام رازی کا یہ کلام آپ رحمۃ اللہ علیہ کے میلان پر بھی دال ہے کہ آپ کے نزدیک صیرفی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہی راجح ہے، جیسا کہ ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی (المتوفی: 772ھ) "التمھید فی تخریج الفروع علی الأصول" میں امام رازی کی رائے بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَاعْلَم أَن الإِمَام فَخر الدّين قد حكى الْخلاف فِي الْمَحْصُول والمنتخب على كَيْفيَّة أُخْرَى مُخَالفَة للطريقة الْمَشْهُورَة الَّتِي قدمناها فَقَالَ جوز الصَّيْرَفِي التَّمَسُّك بِالْعَام قبل الْبَحْث عَن الْمُخَصّص وَمنعه ابْن سُرَيج وَلم يرجح مِنْهُمَا شَيْئا هُنَا لكنه أجَاب عَن دَلِيل ابْن سُرَيج وَسكت عَن دَلِيل الصَّيْرَفِي فأشعر كَلَامه بِالْجَوَازِ[1]

امام فخر الدین رازی نے "المحصول" اور "المنتخب" میں اس اختلاف کو ایک اور کیفیت سے بیان کیا ہے جو کہ ہمارے مشہور طریقہ سے مختلف ہے جو ہم نے سابقہ ذکر کیا کے مخالف ہے، تو فرمایا صیرفی نے مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر تمسک کو جائز رکھا ہے اور ابن سریج نے منع کیا ہے اور یہاں پر ان میں سے کسی کی بات کو ترجیح نہیں دی۔ لیکن آپ نے ابن سریج کی دلیل کا رد کیا اور صیرفی کی دلیل پر خاموش رہے، تو آپ کا کلام (مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے) جواز کی خبر دیتا ہے۔

یعنی امام رازی مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے جواز کے قائل تھے۔

---

[1] التمهيد في تخريج الفروع على الأصول المؤلف: عبد الرحيم بن الحسن بن علي الإسنوي الشافعيّ، أبو محمد، (المتوفى: 772هـ) المحقق: د. محمد حسن هيتو الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت (الطبعة: الأولى، 1400) ص 365

١٦۔ امام ابو عبد اللہ الجرجانی الحنفی

امام محمد بن یحیٰ ابو عبد اللہ الجرجانی الحنفی (م398ھ) کی یہ بات قاضی ابو یعلی نے اپنی کتاب ''العدة فی أصول الفقه'' میں نقل کی آپ لکھتے ہیں:

واختلف أصحاب أبي حنيفة :فحكى أبو عبد الله الجرجاني[1] في كتابه: أن السامع متى سمعه من رسول الله صلى الله عليه وسلم على طريق تعليم الحكم؛ فالواجب اعتقاد عمومه. وإن سمعه من غيره؛ لزمه التثبت وطلب ما يقتضي تخصيصه، فإن فقده حمل اللفظ على مقتضاه في العموم.[2]

امام ابو حنیفہ کے اصحاب میں (علی طریق تعلیم الحکم نہ سنے تو) اختلاف ہے، ابو عبد اللہ الجرجانی اپنی کتاب میں نقل کرتے ہیں کہ: سامع جب رسول اللہ ﷺ سے تعلیم حکم کے طریق پر خود سنے تو اس کے عموم کا اعتقاد واجب ہے، اور اگر غیر سے سنے تو تثبت لازم ہے کہ جو دلیل اس کے تخصیص کی مقتضٰی ہے وہ طلب کرے۔ اگر ایسی کوئی دلیل نہ ہو تو پھر لفظ کو اس کے مقتضٰی عموم پر ہی محمول کرے۔

امام جرجانی کی یہ رائے جو حنابلہ میں سے سب سے پہلے قاضی ابو یعلی حنبلی نے ''العدة'' میں نقل کی ہے اس کے بعد دیگر کئی حنبلی ائمہ نے اپنی کتب میں نقل کر دی ہے۔ کتب احناف میں تلاش کے باوجود امام جرجانی کے حوالے سے یہ رائے نہیں مل سکی، مصنف نے کس مصدر سے لی ہے اس تک رسائی نہ ہو سکی، لیکن کتب احناف میں ''اصول السرخسی'' 1\132، ''اصول البزدوی مع الشرح'' 1\291، ''فتح الغفار'' 1\86، ''مسلم الثبوت'' 1\200، ''التقریر والتحبیر''، ''تیسیر التحریر'' اور ''فواتح الرحموت'' وغیرہ میں جو ائمہ احناف نے نقل کیا ہے وہ **مطلق ہی ہے۔ ''تعلیم الحکم'' کو آپ ﷺ سے سننے یا غیر سے سننے سے مقید نہیں کیا گیا۔** جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور عام غیر مخصوص البعض سے اعتقاد بھی واجب ہے اور یہ خاص کی طرح قطعی ہوتا ہے، مخصوص البعض میں بھی جن افراد کی تخصیص نہیں کی گئی، ان پر بھی عمل واجب ہے۔

---

1 محمد بن يحيى أَبو عبد الله الْجرجانِي الحنفي (م:398ھ)

2 العدة المؤلف: القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين بن محمد بن خلف ابن الفراء (المتوفى: 458ھ) ج1 ص 528

یا امام جرجانی کا فرمان ان کے بارے میں بھی ہو سکتا ہے جن کا ثبوت قطعی نہ ہو، کیونکہ جب براہ راست رسول اللہ ﷺ سے حدیث سنی تو حکم قطعی الثبوت ہو گیا، آپ کے علاوہ کسی ایک سے سنی تو ظنی الثبوت ہوا، تو ظنی الثبوت حکم میں مخصص کو تلاش کرے اور قطعی الثبوت میں اسی وقت سے عموم کا (قطعی) اعتقاد رکھے (یہاں تک کہ مخصص نہ آجائے)۔

جرجانی کی یہ بات امام الکلوذانی الحنبلی نے بھی اپنی کتاب التمہید میں نقل کی ہے فرماتے ہیں:

مسألة: إذا ورد لفظ عموم لم يجب على السامع اعتقاد عمومه والعمل به قبل أن يبحث فلا يجد ما يخصه، وقد أومأ إليه في رواية صالح وأبي الحارث. وقال شيخنا وأبو بكر، يجب اعتقاد عمومه في الحال قبل البحث.واختلف الحنفية فقال الجرجاني: من سمعه من الرسول صلى الله عليه وسلم على طريق تعليم الحكم، فالواجب اعتقاد عمومه في الحال، وإن سمعه من غيره فكما قلنا أولا.[1]

مسئلہ: جب عموم کا لفظ وارد ہو تو سامع پر اس کا مخصص تلاش کرنے سے قبل اس کے عموم کا اعتقاد اور اس پر عمل واجب نہیں۔ تلاش کرے مگر ملا نہیں۔ اسی طرف صالح اور ابو حارث کی روایت میں اشارہ کیا ہے۔ ہمارے شیخ اور ابو بکر عبد العزیز الخلال فرماتے ہیں کہ فی الحال تلاش سے قبل عموم کا اعتقاد واجب ہے۔ اور احناف کا اختلاف ہے، جرجانی فرماتے ہیں کہ جس نے رسول اللہ ﷺ سے بطریق تعلیم حکم سنا ہو تو فی الحال اس کے عموم کا اعتقاد واجب ہے اور اگر کسی اور سے سنا ہو تو جیسے ہم نے پہلے کہا اسی طرح ہے۔

صالح اور ابو حارث کی روایت میں جو اشارہ ہے وہ تلاش سے پہلے عدم وجوب کا ہے، عمل کے عدم جواز کا نہیں، یعنی تلاش سے پہلے اعقاد و عمل واجب نہیں، اس پر عمل کے جواز کی ممانعت نہیں۔ یعنی تلاش سے پہلے بھی عمل جائز ہے واجب نہیں۔ لیکن ابو بکر الخلال کے نزدیک اعتقاد بھی واجب ہے۔ اور اعتقاد ہوتا ہی عمل کے لیے ہے۔ اور اگر بالفرض امام جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کوئی قول کیا بھی تھا تو سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کے استدلال کے خلاف بھی نہیں بنتا کیونکہ آیت میراث "بطریق تعلیم الحکم"ہی ہے (حکم قرآن ہونے کی وجہ سے قطعی الثبوت بھی ہے)۔ اور ایسی کوئی نص نہیں کہ آپ رضی اللہ عنہا نے یہ آیت کسی غیر سے سنی تھی۔ (اس کی بعض

---

[1] التمهيد في أصول الفقه المؤلف: محفوظ بن أحمد بن الحسن أَبُو الخطاب الكَلْوَذَاني الحنبلي (المتوفى: 510هـ) الناشر: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى (الطبعة: الأولى، 1406هـ)، ج 2 ص 66

آیات کی دلالت تو ظنی ہے مگر ثبوت ایک ایک لفظ کا قطعی ہی ہے)۔ ہاں اس کا مخصص غیر سے سنا تھا، جس کے درجنوں حوالے گزر چکے ہیں۔

۱۷۔ امام خلیل بن کیکلدی العلائی الدمشقی

امام صلاح الدین ابو سعید خلیل بن کَیکَلدی العَلَائی الشافعی (المتوفی: 761ھ) اپنی کتاب تلقیح الفهوم فی تنقیح صیغ العموم میں لکھتے ہیں:

أن الأصل عدم التخصيص، وهذا يوجب ظن عدمه، فيكفي في إثبات ظن الحكم، وبعبارة أخرى احتمال الخصوص مرجوح، وظاهر صيغة العموم راجح، والعمل بالراجح واجب.[1]

اصل عدم تخصیص ہے، اور یہ عدم ظن کو ثابت کرتی ہے، تو ظن کے حکم کے ثبوت کے لئے یہ کافی ہے، اور دوسری عبارت کے ساتھ **احتمال خصوص مرجوح ہے، اور عموم کے صیغہ کا ظاہر راجح ہے، اور راجح پر عمل واجب ہے۔**

۱۸۔ امام ابو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ بن بہادر الزرکشی

ابو عبد اللہ بدر الدین محمد بن عبد اللہ بن بہادر الزرکشی الشافعی (المتوفی: 794ھ) البحر المحیط فی أصول الفقه میں لکھتے ہیں:

[مَسْأَلَةٌ وُجُوبُ الْعَمَلِ بِالْحَقِيقَةِ]

وَحُكْمُ الْحَقِيقَةِ وُجُوبُ الْعَمَلِ بِهَا عِنْدَ اسْتِعْمَالِ اللَّفْظِ فِي حَقِيقَةٍ مِنْ غَيْرِ بَحْثٍ عَنْ الْمَجَازِ، وَادَّعَى بَعْضُهُمْ فِيهِ الْإِجْمَاعَ، وَأَنَّهُ لَا يَتَخَرَّجُ عَلَى الْخِلَافِ الْآتِي فِي الْعَامِّ مِنْ الْعَمَلِ بِهِ قَبْلَ الْبَحْثِ عَنْ الْمُخَصَّصِ، وَلَعَلَّ الْفَرْقَ أَنَّ احْتِمَالَ وُجُودِ الْمُخَصَّصِ أَقْوَى؛ إذْ مَا مِنْ عَامٍّ إلَّا وَقَدْ تَطَرَّقَ إلَيْهِ التَّخْصِيصُ كَمَا قَالَهُ إمَامُ الْحَرَمَيْنِ. لَكِنْ صَرَّحَ الْقَرَافِيُّ بِأَنَّ الْمَسْأَلَتَيْنِ عَلَى السَّوَاءِ فِي جَرَيَانِ الْخِلَافِ.[2]

---

[1] تلقيح الفهوم في تنقيح صيغ العموم المؤلف صلاح الدين أبو سعيد خليل بن كيكلدي العلائي (المتوفى: 761ھ) شركة دار الارقم بن ابي الارقم (الطبعة الأولى 1418ھ) ص 239

[2] البحر المحيط في أصول الفقه المؤلف: أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشي (المتوفى: 794ھ) الناشر وزارة الاوقاف و الشئون الاسلامية الكويت الطبعة الثانية 1413ھ) ج 2 ص 154

یعنی **حقیقت کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل واجب ہے** جب لفظ کا استعمال حقیقت میں ہو، مجاز کی بحث نہیں ہو گی۔ بعض نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے۔ **عام کے اندر بھی اس قاعدہ سے خروج نہ ہو گا، عام پر مخصص کی بحث سے قبل عمل ہو گا۔** دونوں میں فرق یہ ہو سکتا ہے کہ مخصص کا وجود (مجاز سے) قوی ہوتا ہے کیونکہ جو بھی عام ہو اس کی تخصیص ہوتی ہے جیسا کہ امام الحرمین نے کہا، لیکن امام شہاب الدین قرافی مالکی (المتوفی:684ھ) نے تصریح کی ہے کہ دونوں مسائل اختلاف کے حوالہ سے برابر ہیں۔

امام الحرمین کے جواب میں امام قرافی کی رائے کو بیان کر کے اس میں اپنا راجح بیان فرما دیا ہے۔ دونوں اس مسئلہ میں برابر ہیں، تو دونوں میں بعض کے نزدیک مجاز و مخصص کی تلاش سے پہلے حقیقت و عموم پر بالاجماع عمل کیا جائے گا۔ ایسے ہی اپنی کتاب ”البحر المحیط فی أصول الفقه“ میں امام صیرفی سے جو بعض فقہاء نے مذہب نقل کیا ہے۔ کیا واقعی امام صیرفی نے ایسا ہی کہا ہے اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

فقد قَالَ أَبُو بَكْرٍ الصَّيْرَفِيُّ: يَجِبُ عَلَى الْمُتَعَبِّدِينَ اعْتِقَادُ عُمُومِهَا عَلَى جَزْمٍ، ثُمَّ إنْ كَانَ الْأَمْرُ عَلَى مَا اعْتَقَدُوهُ فَذَاكَ، وَإِنْ تَبَيَّنَ الْخُصُوصُ تَغَيَّرَ الْعَقْدُ انْتَهَى.

وَالصَّوَابُ فِي النَّقْلِ عَنْهُ إطْلَاقُ الْعُمُومِ سَوَاءٌ قَبْلَ حُضُورِ وَقْتِ الْعَمَلِ بِهِ أَوْ بَعْدَهُ؛ بَلْ هُوَ مُصَرِّحٌ بِالْعَمَلِ بِهِ قَبْلَ الْبَحْثِ عَنْ الْمُخَصِّصِ، وَنَقَلَ ذَلِكَ أَيْضًا فِي كِتَابِهِ "الْبَيَانِ فِي أُصُولِ الْفِقْهِ" وَكَذَلِكَ نَقَلَهُ عَنْهُ الْجُمْهُورُ كَمَا سَبَقَ التَّصْرِيحُ بِهِ فِي كَلَامِهِمْ، وَلَمْ يُقَيِّدْ أَحَدٌ مِنْهُمْ النَّقْلَ عَنْهُ بِهَذِهِ الْحَالَةِ.[1]

ابو بکر الصیرفی نے فرمایا ہے کہ متعبدین پر اس کے عام ہونے کا یقینی اعتقاد رکھنا واجب ہے، پھر اگر امر ایسے ہو جیسا انہوں نے اعتقاد کیا تو ٹھیک اور اگر مخصص ظاہر ہو جائے تو اعتقاد تبدیل ہو جائے گا انتھی۔

صیرفی سے نقل صحیح یہ ہے کہ عموم مطلقا ہے چاہے عمل کرنے کے وقت سے پہلے ہو یا بعد میں بلکہ اس بات کی تصریح ہے کہ اس عام پر عمل مخصص کی تلاش سے پہلے ہو گا۔ ایسے ہی ان سے ان کی کتاب ”البیان فی اصول الفقه“ میں نقل ہے اور ایسے ہی جمہور نے ان سے نقل کیا ہے، جیسا کہ

---

1 البحر المحيط في أصول الفقه بدر الدين محمد بن بهادر بن عبد الله الزركشي (م 794ھ) الناشر وزارة الاوقاف و الشئون الاسلامية الكويت الطبعة الثانية 1413ھ) ج 3 ص 45

ان کے کلام میں اس کی تصریح گزر چکی ہے، اور جس نے بھی ان سے نقل کیا تو کسی نے بھی اس حالت میں مقید نہیں کیا۔

اسی طرح آپ اپنی ایک اور تصنیف "تشنیف المسامع بجمع الجوامع" میں مخصص کی تلاش سے پہلے عموم پر عمل کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"والمذهب وجوب العمل به حتى يبلغه التخصيص، لأن الأصل عدم المخصص، ولأن احتمال الخصوص مرجوح، وظاهر خصوصِ [1] صيغةِ العموم راجح، والعمل بالراجح واجب بالإجماع"، وكما نقول في المنسوخ سواء. [2]

اور مذھب اس پر عمل کے وجوب کا ہے یہاں تک کہ اس تک تخصیص پہنچ جائے، کیونکہ اس میں اصل عدمِ مخصص ہے، کیونکہ خصوص کا احتمال مرجوح ہے، اور صیغہ عموم (پر بھی) خاص کے ظاہر (کی طرح عمل) راجح ہوتا ہے، اور بالاجماع راجح پر عمل واجب ہے، اور جیسا کہ ہم منسوخ میں کہتے ہیں کہ ایسے ہی ہے۔

یعنی اب شوافع کا بھی راجح یہی ہے کہ مخصص کی تلاش سے پہلے نہ صرف عموم پر عمل ہو گا بلکہ اس پر بالاجماع عمل واجب ہے۔

---

[1] **نقل عبارت میں سہو:** ڈاکٹر سید عبد العزیز اور ڈاکٹر عبد اللہ ربیع جن دو افراد نے اس کتاب پر تحقیق کی ہے، انہوں نے دو نسخوں سے استفادہ کرنے کا ذکر آغاز کتاب میں کیا ہے۔ جن میں سے ایک شیخ احمد بن عثمان السعدی کے خط سے ہے جو کہ سن ۸۳۹ھ میں نقل کیا گیا۔ اور دار الکتب مصریہ رقم نمبر ۴۷۹ میکرو فلم نمبر ۱۳۹۲۸ کے تحت محفوظ ہے۔ اس کے تحت عبارت میں **خصوص کا لفظ نہیں ہے** جس سے عبارت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ یعنی "**صیغہ عموم کا ظاہر راجح ہے**" جو کہ درست بھی ہے۔ اس کے علاوہ ایک دوسرا نسخہ ہے جس سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی عبارت نقل کر دی گئی۔ جو کہ مکتبہ ازھریہ میں حوالہ نمبر ۱۵۷ کے تحت موجود ہے اس میں خصوص کا لفظ اضافی ہے۔ یہ نسخہ کس سے نقل ہے؟ اس کے نہ ہی ناقل کا ذکر ہے، اور نہ سن کا اس کے علاوہ یہ نسخہ اول سے لے کر اوامر نھی کے آغاز تک ناقص ہے۔ (ملخص: تشنیف ص 93)

علامہ محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسنی، الکحلانی ثم الصنعانی، ابو ابراھیم، عز الدین، المعروف کأسلافه بالأمیر (المتوفى: 1182ھ) نے اپنی کتاب "أصول الفقه المسمى إجابة السائل شرح بغية الآمل" میں علامہ زرکشی کا حوالہ دیا تو **اسی نسخہ کی عبارت نقل کی جس میں خصوص کا لفظ نہیں ہے:** قَالَ الزَّرْكَشِيّ "الْوَاجِب الْعَمَل بِالْعَام حَتَّى يبلغهُ الْمُخَصّص لِأَن الأَصْل عدم الْمُخَصّص وَلِأَن احْتِمَال الْخُصُوص مَرْجُوح **وَظَاهر صِيغَة الْعُمُوم رَاجِح** وَالْعَمَل بالراجح وَاجِب بِالْإِجْمَاع". امام زرکشی فرماتے ہیں: عام پر عمل واجب ہے جب تک مخصص نہ ہو کیونکہ مخصص میں اصل عدم ہے، اور خصوص کا احتمال بھی مرجوح ہے اور عموم کے صیغہ کا ظاہر راجح ہے۔ اور بالاجماع راجح پر عمل واجب ہے۔

[2] تشنيف المسامع بجمع الجوامع لتاج الدين السبكي المؤلف: بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر بن عبد الله الزركشي (م: ۷۹۴ھ) الناشر: مكتبة قرطبة للبحث العلمي وإحياء التراث = توزيع المكتبة المكية الطبعة: الأولى 1418ھ) ج 2 ص 728

۱۹۔ امام ابو بکر محمد بن علی بن اسماعیل القَفَّالُ الشَّاشی

اسی طرح امام زرکشی امام **ابو بکر محمد بن علی بن اسماعیل الشاشی** المعروف القفال الشاشی (م: 365ھ)[1] کے حوالے سے نقل کرتے ہیں:

وَقَالَ الْقَفَّالُ الشَّاشِيُّ فِي أُصُولِهِ:

إِذَا وَرَدَ الْخِطَابُ مُجَرَّدًا مِنْ دَلَالَةٍ تَقْتَرِنُ بِهِ، فَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُخَاطَبِ قَبْلَ النَّظَرِ أَنْ يَعْتَقِدَ مَا حَصَلَ عِنْدَهُ مِنْ ظَاهِرِ اللَّفْظِ، فَإِنَّهُ حَقٌّ وَلَا يَعْتَقِدُ انْصِرَافَهُ إِلَى عُمُومٍ وَلَا إِلَى خُصُوصٍ؛ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَجُوزُ اعْتِقَادُ الشَّيْءِ عَلَى مَا هُوَ بِهِ، وَلَيْسَ عِنْدَهُ قَبْلَ النَّظَرِ فِي هَذَا أَكْثَرُ مِنْ اللَّفْظِ الْعَامِّ۔ انْتَهَى.[2]

علامہ قفال شاشی اصول میں فرماتے ہیں کہ:

جب خطاب کے ساتھ کوئی دلالت ملی ہوئی نہ ہو تو مخاطب پر نظر سے پہلے واجب ہے ظاہر لفظ سے جو اسے سمجھ آئے اسی کا اعتقاد رکھے کیونکہ یہی حق ہے۔ اور نہ ہی اس کے عموم اور نہ ہی اس کے خصوص کی طرف پھیرنے کا اعتقاد رکھے؛ کیونکہ بے شک کسی شی کو اس معنی پر رکھنا جس پر وہ ہے جائز ہے۔ اور نظر سے پہلے مخاطب کے پاس لفظ عام سے زیادہ کچھ نہیں۔ انتھی

علامہ زرکشی امام ابو بکر الصیرفی کے کلام کی وضاحت کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَالَّذِي أَقُولُهُ: إِنَّ كُلَّ آيَةٍ سُمِعَتْ مِنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَمْرٍ أَوْ نَهْيٍ وَكَانَ الْكَلَامُ قَدْ تَمَّ وَلَمْ يَتَعَقَّبْهُ وَيُقَارِنْهُ بِمَا يَقْتَضِي تَخْصِيصَهُ، فَعَلَى السَّامِعِ اعْتِقَادُ مَا سَمِعَ حَتَّى يَعْلَمَ خِلَافَهُ، ثُمَّ احْتَجَّ عَلَى ذَلِكَ بِأُمُورٍ مِنْهَا قَوْله تَعَالَى: {وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ} [الأحقاف: 29]، قَالَ: فَلَمَّا سَمِعُوا عِنْدَ انْقِضَائِهِ أَثْنَى عَلَيْهِمْ عِنْدَ التَّقَضِّي بِالِانْصِرَافِ، وَلَمْ يَتَوَقَّفُوا لِلسُّؤَالِ وَلَا غَيْرِهِ، فَلَمَّا آمَنُوا بِهِ لَزِمَهُمْ حُكْمُ مَا سَمِعُوا حَتَّى يَعْلَمُوا أَنَّ اللهَ أَزَالَ حُكْمَهُ وَأَبْقَى

---

1 شوافع ائمہ میں قفال نام سے معروف ایک اور امام بھی ہیں جنھیں قفال صغیر کہا جاتا ہے ان کا نام ابو بکر عبد اللہ بن احمد بن عبد اللہ (م: 417ھ) المعروف بالقفال المروزی، والقفال الصغیر ہے۔

2 البحر المحيط في أصول الفقه المؤلف: بدر الدين محمد بن بهادر بن عبد الله الزركشي (م 794ھ) وزارة الاقاف كو يت (1413ھ) ج 3 ص 38

تِلَاوَتَهُ. وَظَاهِرُ كَلَامِ الصَّيْرَفِيِّ أَنَّ الشَّافِعِيَّ يَقُولُ ذَلِكَ، فَإِنَّ مِنْ جُمْلَةِ مَا احْتَجَّ بِهِ عَلَى هَذَا أَنَّ الشَّافِعِيَّ احْتَجَّ عَلَى خُصُوصِهِ بِقَوْلِهِ: رُبَّمَا حَضَرَ الرَّجُلُ مِنَ الصَّحَابَةِ قَدْ سَمِعَ الْجَوَابَ، وَلَمْ يَسْمَعْ السُّؤَالَ وَالْكَلَامُ يَخْرُجُ عَلَى السَّبَبِ، فَيَحْكِي مَا سَمِعَ، وَعَلَى كُلِّ إِنْسَانٍ أَنْ يَحْكِيَ مَا سَمِعَ حَتَّى يَعْلَمَ خِلَافَهُ، فَإِذَا كَانَ هَذَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِحَيْثُ يَكُونُ الْجَوَازُ مُمْكِنًا مِنَ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَالصَّحَابَةُ يَسْمَعُونَ ذَلِكَ، وَيُمْكِنُهُمْ سُؤَالُهُ فَيُجِيبُهُمْ، فَهُوَ فِي غَيْرِهِمْ أَوْلَى.
ثُمَّ قَالَ: بَابُ الْإِبَانَةِ عَنِ الْعَامِّ يَسْمَعُ مِنْ غَيْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي عَصْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهَلُمَّ جَرًّا إِلَى وَقْتِنَا هَذَا. فَنَقُولُ: كُلُّ آيَةٍ أَوْ سُنَّةٍ وَرَدَتْ عَلَيْنَا، فَالْوَاجِبُ عَلَيْنَا اعْتِقَادُ مَا سَمِعْنَا حَتَّى نَعْلَمَ خِلَافَهُ مِنْ خُصُوصٍ أَوْ نَسْخٍ، وَعِلَّتُنَا فِيهِ مَا اعْتَلَلْنَا مِنْ أَمْرِ مُعَاذٍ وَغَيْرِهِ مِنْ عُمَّالِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، وَمَنْ لَمْ يَلْقَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، بَلْ اعْتَقَدُوا مَا سَمِعُوا مِنْهُ وَعَمِلُوا بِهِ، لِأَنَّهُ لَوْ جَازَ التَّوَقُّفُ لِاحْتِمَالِ الْخُصُوصِ لَجَازَ التَّوَقُّفُ عَمَّا عَلِمْنَاهُ ثَانِيًا، وَاحْتَمَلَ فِي مَنْعِهِ، وَهَذَا يُؤَدِّي إِلَى تَرْكِ الْفَرَائِضِ.[1]

ابو بکر الصیرفی کہتے ہیں: ہر وہ آیت جو رسول اللہ ﷺ سے امر یا نہی کی سنی جائے اور کلام مکمل ہو اس کے بعد کوئی ایسی بات نہ ہو جو اس کی تخصیص کو چاہے تو سامع پر اس سنے ہوئے کا اعتقاد رکھنا لازم ہے جب تک اس کے خلاف کا علم نہ ہو جائے۔ اس پر دلائل: اللہ تعالی کا ارشاد ہے: {وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوهُ قَالُوا أَنْصِتُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا إِلَى قَوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ} فرماتے ہیں: کہ جب جنات نے کلام سنا اور واپس ہو گئے سوال وغیرہ کے لیے نہ رکے تو ایمان کے بعد جو انہوں نے سنا اس پر عمل کرنا لازم تھا جب تک انہیں یہ علم نہ ہو کہ اس کی تلاوت باقی ہے مگر حکم رب نے منسوخ کر دیا۔ اور امام صیرفی کے کلام کے ظاہر پر امام شافعی کا قول ہے۔ بالجملہ اس پر دلیل یہ ہے کہ امام شافعی نے اس کے خصوص پر دلیل بنائی ہے، فرماتے ہیں: بسا اوقات صحابہ میں سے کوئی شخص اس وقت آتا کہ جواب سن پاتا اور سوال نہیں۔ اور کلام سبب کے تحت ہی ہوتا ہے تو جیسا سنتا ویسے حکایت کر دیتا۔ اور ہر انسان پر لازم ہے کہ وہ وہی حکایت کرے جو اس نے سنا ہو جب تک اس کے خلاف نہ سنے۔ جب ایسا نبی کریم ﷺ

[1] البحر المحيط في أصول الفقه المؤلف: بدر الدين محمد بن بهادر بن عبد الله الزركشي (م 794ھ) لوزارة الاقاف کو یت (1413ھ) ج 3 ص 38

کے کلام میں ممکن ہے اور سننے والے بھی صحابہ رضی اللہ عنہم تھے، اور ان کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب بھی ممکن تھا تو ان کے غیر میں (یہ احتمال) بطریق اولیٰ ہے۔

ثم قال:

اس عام کا بیان جو غیر نبی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سنا جائے، ہمارے وقت تک۔ تو ہم کہتے ہیں: ہر آیت یا سنت جو ہم تک پہنچے پس ہم پر واجب ہے کہ ہم نے جو سنا اس کا عقیدہ رکھیں جب تک اس کے خلاف (خصوص یا نسخ) کا علم نہ ہو۔ اور اس میں ہماری علت وہی ہے جو ہم نے حضرت معاذ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر عمال (یا جن کی آپ سے ملاقات نہیں) کے معاملہ میں بیان کر دی۔ تو انہوں نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس کا اعتقاد رکھا اور اس پر عمل کیا، کیونکہ توقف اگر جائز ہوتا کسی خصوص کے احتمال کی وجہ سے تو دوسری مرتبہ علم میں آنے کے بعد بھی توقف جائز ہوتا، اور اس پر عمل سے مانع ہوتا، اور یہ بات فرائض کے ترک تک لے جانے والی ہے.

اس پر تفصیلی بحث لکھنے کے بعد اس سے حاصل ہونے والے فوائد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وَقَدِ اسْتَفَدْنَا مِنْ جُمْلَةِ كَلَامِهِ أَنَّ لِلْمَسْأَلَةِ أَحْوَالًا: أَحَدُهَا: أَنْ يُخَاطِبَ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ بِاللَّفْظِ الْعَامِّ فَعَلَى الْمُخَاطَبِ الْعَمَلُ بِمُقْتَضَاهُ حَتَّى يَعْلَمَ خِلَافَهُ. ثَانِيهَا: أَنْ يَقُولَ ذَلِكَ لَا عَلَى جِهَةِ الْخِطَابِ لَهُ فَعَلَى السَّامِعِ اعْتِقَادُ عُمُومِهِ. ثَالِثُهَا: أَنْ يَسْمَعَ الْعَامَّ مِنْ غَيْرِ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي عَصْرِهِ أَوْ بَعْدَهُ، فَالْحُكْمُ فِيهِ كَذَلِكَ.[1]

سابقہ کلام سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ میں احوال ہیں: ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لفظ عام سے خطاب فرمائیں تو مخاطب پر اس کے مقتضی کے مطابق عمل کرنا لازم ہے جب تک اس کے خلاف کا علم نہ ہو۔ دوسرا یہ کہ یہ اس کے لئے بطور خطاب کے نہ ہو، تو سامع پر ہے کہ اس کے عموم کا اعتقاد رکھے۔ تیسرا یہ کہ لفظ عام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر سے سنے چاہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہو یا اس کے بعد تو اس میں بھی یہی حکم ہے۔

---

[1] البحر المحيط في أصول الفقه المؤلف: بدر الدين محمد بن بهادر بن عبد الله الزركشي (م 794ھ) لوزارة الاقاف کو یت (1413ھ) ج 3 ص 38

۲۰۔امام تقی الدین ابو البقاء محمد بن احمد الفتوحی المعروف بابن النجار الحنبلی بھی جواز کے قائل

امام تقی الدین ابو البقاء محمد بن احمد بن عبد العزیز بن علی الفتوحی المعروف بابن النجار الحنبلی (المتوفی: 972ھ)شرح"الکوکب المنیر"میں تحریر کرتے ہیں:

"وَيَجِبُ اعْتِقَادُ الْعُمُومِ، وَالْعَمَلُ بِهِ فِي الْحَالِ "يَعْنِي قَبْلَ الْبَحْثِ عَنْ مُخَصِّصٍ عِنْدَ أَكْثَرِ أَصْحَابِنَا[1]".[2]

ہمارے اکثر اصحاب کے نزدیک مخصص کی تلاش سے قبل فی الحال عام کے عموم کا اعتقاد اور اس پر عمل واجب ہے۔

۲۱۔امام ابو العباس شہاب الدین احمد بن ادریس المالکی الشہیر بالقرافی بھی جواز کے قائل

ابو العباس شہاب الدین احمد بن ادریس بن عبد الرحمن المالکی الشہیر بالقرافی (المتوفی: 684ھ) اپنی کتاب"الفروق = أنوار البروق في أنواء الفروق"میں لکھتے ہیں:

وَاخْتَلَفُوا فِي كَوْنِ الْبَحْثِ عَنْ الْمُعَارِضِ كَالْمُخَصَّصِ وَالْمُقَيِّدِ وَالنَّاسِخِ وَعَنْ اللَّفْظِ هَلْ مَعَهُ قَرِينَةٌ تَصْرِفُهُ عَنْ ظَاهِرِهِ لِيَسْلَمَ مَا يَسْتَنْبِطُهُ عَنْ تَطَرُّقِ الْخَدْشِ إلَيْهِ لَوْ لَمْ يَبْحَثْ وَاجِبًا أَوْ أَوْلَى فَيَجُوزُ لَهُ أَنْ يَتَمَسَّكَ بِالْعَامِّ قَبْلَ الْبَحْثِ عَنْ الْمُخَصِّصِ عَلَى الْأَصَحِّ.[3]

اختلاف کیا ہے فقہاء نے معارض کی مقدار میں جیسا کے مخصص اور مقید اور ناسخ اور اوراسی طرح اس میں بھی کہ کسی لفظ کے ساتھ کوئی ایسا قرینہ ہے جو اسے ظاہر معنی سے پھیر تا ہو تاکہ وہ اس سے جس کا استنباط کر رہا ہے شک سے سلامت رہے اگر وہ تلاش نہیں کر تا تو واجب ہے یا اولیٰ تو اصح قول کے مطابق مخصص کی تلاش سے پہلے اس کے لیے عام سے تمسک جائز ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مختار بھی مخصص کی تلاش سے پہلے عموم سے تمسک کے جواز کا ہے۔

---

1 انظر المسودة ص109، العدة 525/2، روضة الناظر ص242، مختصر الطوفي ص105 الرسالة للشافعي ص295، 322، 341.

2 شرح الكوكب المنير المؤلف: تقي الدين أبو البقاء محمد بن أحمد بن عبد العز يز بن علي الفتوحي المعروف بابن النجار الحنبلي (المتوفى: 972ھ) المحقق: محمد الزحيلي ونز يه حماد الناشر: مكتبة العبيكان الطبعة: الطبعة الثانية 1418ھ 1997 مـ

3 الفروق ومعه إدرار الشروق على أنواء الفروق لابن الشاط وتهذيب الفروق للمكي الفروق ـ أنوار البروق في أنواء الفروق المؤلف: أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدر يس بن عبد الرحمن المالكي الشهير بالقرافي (المتوفى: 684ھ) الناشر: عالم الكتب ج2 ص186

۲۲۔امام شہاب الدین ابی العباس احمد بن قاسم العبادی

اس کی موافقت کرتے ہوئے امام شہاب الدین ابی العباس احمد بن قاسم العبادی الشافعی (م:994ھ) لکھتے ہیں:

(ولیبحث عن المعارض) کالمخصص والمقید والناسخ (و) عن (اللفظ هل معه قرینة) تصرفه عن ظاهره أي عن القرینة الصارفة لیسلم ما یستنبطه عن تطرق الخدش إلیه لو لم یبحث، وهذا أولى لا واجب لیوافق ما تقدم من أنه یتمسك بالعام قبل البحث عن المخصص على الأصح.[1]

معارض کی تلاش کی جائے جیسے مخصص، مقید، ناسخ اور کیا لفظ کے ساتھ قرینہ ہے جو اسے اپنے ظاہر سے پھیرنے والا ہے یعنی ایسا قرینہ جو صارفہ ہو تاکہ اس سے استنباط مخدوش نہ ہو اگر تلاش نہ کیا جائے۔ اور ایسا کرنا اولی ہے واجب نہیں تاکہ ماقبل کے ساتھ موافق ہو جائے کہ عام کے ساتھ مخصص کی تلاش سے قبل اصح قول کے مطابق تمسک کیا جائیگا۔

امام شہاب الدین العبادی کے نزدیک بھی مخصص کی تلاش سے پہلے عموم سے تمسک کرنا ہی اصح ہے۔ جہاں اتنے بڑے بڑے ائمہ اس پر عمل کرنے کو واجب، جائز اور اصح لکھ رہے ہوں، اور ان میں سے ایک بڑی تعداد نے اپنے قول کے درست ہونے پر سیدہ پاک کے استدلال کو ہی پیش کیا ہے۔ یعنی اس مسئلہ کو لکھتے وقت جس جس کو سیدہ پاک کا استدلال مستحضر تھا تو اس نے اسے اپنی دلیل بنالیا کہ ہمارے مذھب کے درست ہونے کی دلیل ہی یہ ہے کہ بضعۂ رسول نے یہ استدلال و عمل کیا لہذا یہ درست ہے اور صحابہ میں سے کسی نے اس کا انکار نہیں کیا تو یہی درست عمل ہے۔ جن چند ایک نے ان سے اختلاف بھی کیا ہے تو اس کی وجہ یہی نظر آتی ہے کہ ان کی توجہ سیدہ پاک کے استدلال کی طرف نہیں ہوئی اور اس کے درست ہونے پر صحابہ کے اجماع سے لاعلم رہے، اس وجہ سے ان لوگوں سے تسامح ہو گیا۔ کیونکہ ان میں سے بھی کسی نے بھی سیدہ پاک کے استدلال کے صواب ہونے کا رد نہیں کیا۔ واللہ اعلم بالصواب

---

[1] الآیات البینات على شرح جمع الجوامع المؤلف: شهاب الدین أبي العباس أحمدبن قاسم العبادي(م:994ه) دار الکتب العلمیة،ج4ص342

۲۳۔ امام محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسنی، الکحلانی ثم الصنعانی

محمد بن اسماعیل بن صلاح بن محمد الحسنی، الکحلانی ثم الصنعانی، ابو ابراھیم، عز الدین، المعروف کأسلافہ بالأمیر (المتوفی: 1182ھ) علامہ شوکانی انہیں مجتہد مطلق لکھتے ہیں یہ اپنی کتاب "أصول الفقه المسمى إجابة السائل شرح بغية الآمل" میں لکھتے ہیں:

وَقد ذهب جمَاعَة من محققي الشَّافِعِيَّة كالرازي وَأَتْبَاعه والسبكي والبرماوي[1] وَغَيرهم إِلَى أَنه يجب الْعَمَل بِالْعَام من دون بحث عَن مخصصه قَالُوا لِأَنَّهُ ظَاهر فِي الِاسْتِغْرَاق وَهُوَ حَقِيقَة كَمَا عرفت فَيجب الْعَمَل بِالظَّاهِرِ حَتَّى يرد مَا يُغَيِّرهُ وَقَول من قَالَ لَا يعْمل بِهِ حَتَّى يبْحَث عَن مخصصه لِأَنَّهُ قد كثر للعام ذَلِك أَي التَّخْصِيص حَتَّى قيل مَا من عَام إِلَّا وَقد خص إِلَّا مثل {وَالله بِكُل شَيْء عليم} لَا يُوجب عدم الْعَمَل بِالْعَام لجَوَاز وجود مُخَصص وَإِلَّا لزم أَن لَا يعْمل بِالْحَقِيقَةِ حَتَّى يبْحَث عَن مجازها لِكَثْرَة الْمجَاز وَهَذَا بَاطِل عِنْد اكثر الْعلمَاء۔۔۔۔ قَالَ الزَّرْكَشِيّ "الْوَاجِب الْعَمَل بِالْعَام حَتَّى يبلغهُ الْمُخَصّص لِأَن الأَصْل عدم الْمُخَصّص وَلِأَن احْتِمَال الْخُصُوص مَرْجُوح وَظَاهر صِيغَة الْعُمُوم رَاجِح وَالْعَمَل بالراجح وَاجِب بِالْإِجْمَاع".

قلت وَهَذَا هُوَ الَّذِي نختاره ونعمل بِهِ ونراه الْحق لما علم من اسْتِدْلَال الصَّحَابَة وَمن بعدهمْ بِالْعَام من غير بحث عَن مخصصه وَهِي قضايا كَثِيرَة[2]

شوافع کے محققین کی ایک جماعت مثلاً امام رازی اور ان کے اتباع، امام سبکی، امام برماوی وغیرھم کا مذھب یہ ہے کہ مخصص کی تلاش کے بغیر عام پر عمل واجب ہے۔ فرماتے ہیں کہ یہ استغراق میں ظاہر ہے اور حقیقت ہے تو ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے جب تک کوئی دلیل اس کے تغیر پر وارد نہ ہو۔ اور جس نے کہا کہ عام پر عمل نہ ہو گا جب تک مخصص تلاش نہ کیا جائے، کیونکہ عام کی تخصیص زیادہ ہے حتی کہ مشہور ہو گیا (ما من عام الا وقد خص) سوائے (والله بکل شيئ عليم) کے۔ عام پر عدم عمل (عمل نہ کرنا) واجب نہیں اس وجہ سے کہ مخصص کا وجود ممکن

---

1 أبو عبد الله شمس الدين محمد بن عبد الدائم بن موسى بن عبد الدائم النعيمي العسقلاني البِرْماوي المصري (م831ھ)

2 أصول الفقه المسمى إجابة السائل شرح بغية الآمل المؤلف: محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى: 1182ھ) المحقق: القاضي حسين بن أحمد السياغي والدكتور حسن محمد مقبولي الأهدل الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت الطبعة: الأولى، 1986

ہے۔ وگرنہ یہ لازم آئیگا کہ حقیقت پر عمل منع ہے جب تک مجاز معلوم نہ ہو مجاز کی کثرت کی وجہ سے۔ اور یہ اکثر علماء کے نزدیک باطل ہے۔۔۔۔۔۔ امام زرکشی فرماتے ہیں: **عام پر عمل واجب ہے جب تک مخصص نہ ہو کیونکہ مخصص میں اصل عدم ہے، اور خصوص کا احتمال بھی مرجوح ہے اور عموم کے صیغہ کا ظاہر راجح ہے۔ اور بالاجماع راجح پر عمل واجب ہے۔**

قلت: یہی ہمارا مختار ہے اور اسی پر عمل ہے اور اسی کو حق جانتے ہیں کیونکہ صحابہ اور ان کے بعد لوگوں نے مخصص کی تلاش کے بغیر عام سے استدلال کیا ہے۔ اس کی کثیر مثالیں ہیں۔

امام زرکشی شافعی کے نزدیک بھی **خصوص کے ظاہر ہونے سے پہلے عموم پر عمل راجح ہے، اور بالاجماع راجح پر عمل واجب ہے۔**

علامہ صنعانی کا مختار بھی مخصص کی تلاش کے بغیر عموم پر عمل کے درست ہونے کا ہے۔

۲۴۔ محمَّد بنُ حسَیْن بن حَسَنُ الجیزانی

ائمہ احناف و دیگر فقہاء کا بیان کردہ یہ اصول اتنا واضح تھا اس کی صحت تسلیم کرتے ہوئے دور حاضر کے سعودی علماء میں سے محمَّد بنُ حسَیْن بن حَسَنُ الجیزانی[1] اپنی کتاب "معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة" میں لکھتے ہیں:

القاعدة الأولى: وجوب حمل الألفاظ العامة وإجرائها على العموم، واعتقاد عمومها في الحال من غير بحث عن مخصص.

قال الشنقيطي: حاصله: أن التحقيق ومذهب الجمهور وجوب اعتقاد العموم والعمل به من غير توقف على البحث عن المخصص؛ لأن اللفظ موضوع للعموم فيجب العمل بمقتضاه، فإن اطلع على مخصص عمل به.[2]

---

[1] دكتور محمد بن حسين الجيزاني أستاذ أصول الفقه في الجامعة الإسلامية بالمدينة النبوية الدكتوراه عنوان الرسالة: منهج أهل السنة والجماعة في تحرير أصول الفقه

[2] معالم أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة المؤلف: محمَّد بنُ حسَيْن بن حَسنُ الجيزاني الناشر: دار ابن الجوزي الطبعة: الطبعة الخامسة، 1427ه

پہلا قاعدہ: الفاظ عامہ کو عموم پر جاری کرنا واجب ہے اور فی الحال مخصص کی تلاش کے بغیر ان کے عموم کا ہی اعتقاد رکھا جائیگا۔
شنقیطی کہتے ہیں: الحاصل: تحقیق اور مذھب جمہور یہ ہے کہ عام کے عموم کا اعتقاد اور عمل (دونوں) واجب ہیں مخصص کو تلاش کرنے پر توقف کے بغیر۔ کیونکہ لفظ عموم کے لیے وضع ہے تو اسی کے مقتضیٰ پر عمل ہوگا، اگر کسی مخصص پر مطلع ہو تو پھر اس پر عمل کیا جائیگا۔

۲۵۔ دکتور عبد الکریم بن علی بن محمد النملۃ

ایسے ہی سعودیہ کے ایک اور عالم جامعہ ریاض کے استاد الدکتور عبد الکریم بن علی بن محمد النملۃ "الْمُهَذَّبُ فِي عِلْمِ أُصُولِ الفِقْهِ الْمُقَارَنِ" (تحريرٌ لمسائِلِه ودراستها دراسةً نظريَّةً تطبيقيَّةً) میں لکھتے ہیں:

المطلب الواحد والعشرون هل يجب اعتقاد عموم اللفظ قبل البحث عن المخصص؟
اکیسواں مطلب: کیا مخصص کی تلاش سے قبل لفظ کے عموم کا اعتقاد واجب ہے؟ اس کا تفصیلی جواب لکھتے ہیں:
اختلف في ذلك على مذهبين:
المذهب الأول: أنه يجب اعتقاد عموم اللفظ في حال علمنا به، وإذا اعتقد عمومه وجب العمل بذلك، إذا جاء وقت العمل به، قبل البحث عن المخصص، وفي حين عملنا به فإن وجدنا مخصِّصا تركنا العام واعتقدنا المخصص وما بقي بعد التخصيص إن بقي شيء وإن لم نجد المخصِّص له نستمر في العمل بالعام.
أي: يجب اعتقاد عموم اللفظ قبل ظهور المخصِّص، فإذا ظهر المخصَّص تغير ذلك الاعتقاد.
وهو مذهب أبي بكر الصيرفي، وهو ظاهر كلام الإمام أحمد، واختاره كثير من الحنابلة كأبي يعلى، وتلميذه ابن عقيل، وابن قدامة، وأبي بكر عبد العزيز بن جعفر "غلام الخلال"، وبعض الحنفية. وهو الحق عندي.[1]
اس میں دو مذاہب ہیں:
پہلا مذھب: کہ لفظ کے عموم کو جیسا ہم نے جانا اس کا اعتقاد واجب ہے اور جب اعتقاد واجب ہے تو اس پر عمل بھی واجب ہے جب اس پر عمل کا وقت آئے مخصص کی تلاش سے قبل۔ اور جب

[1] الْمُهَذَّبُ في عِلْمِ أُصُولِ الفِقْهِ الْمُقَارَنِ، تحريرٌ لمسائِلِه ودراستها دراسةً نظريّةً تطبيقيّةً(المؤلف: عبد الكريم بن علي بن محمد النملة دار النشر: مكتبة الرشد – الرياض الطبعة الأولى: 1420هـ 1999م ج4ص 1577

مخصص علم میں آئے تو عام کو ترک کر دینگے اور مخصص پر عمل کرینگے۔ اور اگر مخصص نہ ملے تو عام پر عمل جاری رہے گا۔
یعنی مخصص کے ظہور سے قبل لفظ کے عموم کا اعتقاد واجب ہے، اور جب مخصص ظاہر ہو جائے تو یہ اعتقاد بدل جائے گا۔ یہ مذھب ابو بکر الصیرفی کا ہے اور امام احمد کے کلام سے بھی یہی ظاہر ہے، اور اکثر حنابلہ کا بھی یہی قول ہے مثلا ابویعلی، ان کے شاگرد ابن عقیل، ابن قدامۃ، ابو بکر عبد العزیز بن جعفر (جنہیں غلام الخلال بھی کہتے ہیں) اور بعض احناف کا بھی یہی قول ہے۔ اور **یہی میرے نزیک حق ہے۔**
اس کے بعد اس کی صحت پر تفصیل سے دلائل دیئے ہیں، جنھیں طوالت کے پیش نظر ترک کیا جارہا ہے دلچسپی رکھنے والے قارئین اصل کتاب کی طرف رجوع کریں۔

۲۶۔علامہ محمد بن الحسن بن العربی بن محمد الحجوی الثعالبی الجعفری الفاسی

محمد بن الحسن بن العربی بن محمد الحجوی الثعالبی الجعفری الفاسی (المتوفی:1376ھ) ''الفکر السامی فی تاریخ الفقہ الإسلامی'' میں لکھتے ہیں:

وأن العام حجة، وأنه يعمل به قبل البحث عن المخصص.[1]

اور بے شک عام حجت ہے اور مخصص کی تلاش سے پہلے اس پر عمل کیا جائے گا۔

۲۷۔زکریا بن غلام قادر الباکستانی

معاصر علماء میں سے ایک اہل حدیث عالم زکریا بن غلام قادر پاکستانی بھی احناف کے اصول کی تائید اور اسے درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی کتاب ''مِن أصول الفقه على منهجِ أهلِ الحديث'' میں لکھتے ہیں:

القاعدة الثانية: الأصل في العام العمل به على عمومه حتى يوجد المخصص.
إذا ورد النص العام فإن الصحابة كانوا يعملون به على عمومه حتى يطلعوا له على مخصص، وليس أنهم كانوا يتوقفون في النص العام ويبحثون عن المخصص فإن لم يجدوا المخصص عملوا بعد ذلك بالنص العام.

---

[1] الفكر السامي في تاريخ الفقه الإسلامي المؤلف: محمد بن الحسن بن العربيّ بن محمد الحجوي الثعالبي الجعفري الفاسي (المتوفى: 1376هـ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان (الطبعة: الأولى، 1416هـ 1995م) ج1ص 225

فإنه لما نزل قوله تعالى: {الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ} [الأنعام: 82] حملها الصحابة على عمومها حتى قالوا: أينا لم يظلم نفسه، حتى بين لهم النبي صلى الله عليه وسلم أن الظلم هنا ليس على عمومه وإنما المراد به الشرك.

قال الشافعي في الأم "7/269": وكذلك ينبغي لمن سمع الحديث أن يقول به على عمومه وجملته، حتى يجد دلالة يفرق منها فيه. انتهى.

وقال الشنقيطي في المذكرة "217": حاصله أن التحقيق ومذهب الجمهور وجوب اعتقاد العموم والعمل من غير توقف على البحث عن المخصص، لأن اللفظ موضوع للعموم فيجب العمل بمقتضاه، فإن اطلع على مخصص عمل به. انتهى[1]

دوسرا قاعدہ: عام میں اصل یہ ہے کہ اس کے عموم پر عمل ہو گا جب تک کوئی مخصص نہ پایا جائے۔

صحابہ کرام عام نص کے عموم پر عمل کرتے تھے جب تک کسی مخصص پر مطلع نہ ہوتے۔ ایسا نہ تھا کہ توقف کرتے اور مخصص تلاش کرتے۔ اگر وہ مخصص نہ پاتے تو عمل کرتے اس کے نص کے عام پر، کیونکہ جب { الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ } آیت نازل ہوئی تو صحابہ نے اس کو اپنے عموم پر ہی رکھا تو کہا کہ ہم میں سے کس نے اپنے نفس پر ظلم نہیں کیا؟ پھر رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ یہاں ظلم اپنے عموم پر نہیں بلکہ اس سے مراد شرک ہے۔

امام شافعی نے (اپنی کتاب) الأم میں فرمایا ہے: اسی طرح جس نے حدیث سنی ہو تو اسے چاہئے کہ کہے یہ عموم پر ہو گی۔ یہاں تک کہ کوئی دلیل ایسی مل جائے جو اس حکم کو بدل دے۔

علامہ شنقیطی نے درس "217" میں کہا ہے: تحقیق اور جمہور کا مذھب یہ ہے کہ بغیر توقف کے عموم کا اعتقاد بھی رکھا جائیگا اور عمل بھی کیا جائے گا۔ کیونکہ لفظ اپنے مقتضیٰ پر عموم کے لیے وضع کیا گیا ہے، پھر اگر مخصص آیا تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

ان سعودی و سلفی علماء کے آراء بطور حجت بیان نہیں کی جا رہی ہیں ہمارے لیے حجت علامہ قاضی محب اللہ بھاری، فخر الاسلام السرخسی، امام ابن الہمام، امام ابن امیر حاج، امام امیر بادشاہ، امام الصیرفی، امام رازی، امام زرکشی، امام السبکی، امام جلال الدین المحلی، امام قفال شاشی، امام زکریا انصاری، شیخ ابو حامد شافعی، امام

[1] من أصول الفقه على منهج أهل الحديث المؤلف: زكريا بن غلام قادر الباكستاني الناشر: دار الخراز (الطبعة: الطبعة الاولى 1423ھ 2002م) ص 127

بیضاوی، امام احمد بن حنبل، امام قاضی ابو یعلی، امام ابو بکر غلام الخلال، امام شنقیطی، امام ابن قدامہ، امام مرداوی، امام ابن نجار حنبلی، امام قرافی مالکی، امام شہاب الدین العبادی وغیرہ کی آراء ہیں، انہیں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اگر ضد کو ترک کیا جائے تو یہ مسئلہ اتنا پیچیدہ نہیں کہ جو سمجھ نہ آئے کیونکہ جو مسئلہ سعودی اور سلفی علماء کو سمجھ آ سکتا ہے وہ حنفی کو کیوں سمجھ نہیں آئے گا، لیکن نظر انصاف درکار ہے۔

تنسیخ و تخصیص اور ان کے احکامات

ناسخ کے پہنچنے سے پہلے منسوخ پر عمل کا جواز

مخصص، مقید یا استثناء کی اصطلاحات متاخرین فقہاء کی ہیں۔ متقدمین ان سب کو نسخ سے تعبیر کرتے تھے؛ کیونکہ متقدمین کے نزدیک حکم میں جزوی تبدیلی یا بعض کے حق میں حکم کی تبدیلی بھی نسخ شمار ہوتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے منسوخ آیات کی تعداد سینکڑوں میں بیان کی ہے۔ لیکن متاخرین نے ان میں سے مخصص، مقید اور استثناء وغیرہ جزوی تبدیلی کے لیے نسخ کی اصطلاح کے بجائے مخصص واستثناء وغیرہ کی اصطلاحات استعمال کی ہیں۔ صرف ان آیات الاحکام کو منسوخ شمار کیا ہے جو بالکلیہ منسوخ ہوگئی ہوں یعنی مکمل حکم بدل گیا ہو۔ تو اسی وجہ سے ان آیات کی تعداد ''الاتقان'' میں علامہ جلال الدین سیوطی نے ''بیس'' بیان کی ہے اور شاہ ولی اللہ نے ان میں بھی مزید تطبیق کی صورت پیدا کرتے ہوئے حجۃ البالغہ میں ''پانچ'' بیان کی ہیں۔

نسخ و تخصیص میں فرق

بعض فقہاء کے نزدیک نسخ اور تخصیص ایک ہی چیز ہے ایک میں حکم کی مدت کا بیان ہے اور دوسرے میں اس میں جو افراد شامل ہیں ان کے بعض کے لیے حکم کا بیان ہے۔ امام جصاص ایک اعتراض کے جواب میں اس کی وضاحت کرتے ہیں:

فَإِنْ قَالَ (قَائِلٌ): الْفَرْقُ بَيْنَ النَّسْخِ وَالتَّخْصِيصِ أَنَّ فِي النَّسْخِ رَفْعَ الْحُكْمِ بَعْدَ ثُبُوتِهِ، وَالتَّخْصِيصُ بَيَانُ الْمُرَادِ. قِيلَ لَهُ: هَذَا قَوْلُ مَنْ لَا يَدْرِي مَا النَّسْخُ. وَلَا فَرْقَ بَيْنَ النَّسْخِ وَالتَّخْصِيصِ فِي أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيَانٌ إلَّا أَنَّ النَّسْخَ فِيهِ بَيَانُ مُدَّةِ الْحُكْمِ وَالتَّخْصِيصُ بَيَانُ الْحُكْمِ فِي بَعْضِ مَا تَنَاوَلَهُ الِاسْمُ لِأَنَّهُ لَا يَجُوزُ أَنْ يَحْكُمَ اللَّهُ بِشَيْءٍ ثُمَّ يَرْفَعَهُ (لِأَنَّ) هَذَا بَدَاءٌ، وَاللَّهُ يَتَعَالَى عَنْ ذَلِكَ، وَإِنَّمَا يُبَيِّنُ أَنَّ ذَلِكَ الْحُكْمَ كَانَ إلَى هَذِهِ الْمُدَّةِ فَلَا فَرْقَ بَيْنَهُمَا عَلَى مَا ذَكَرْنَا.[1]

---

[1] أصول الفقه المسمى: الفصول في الأصول المؤلف: الإمام أحمد بن علي الرازي الجصاص (م: 370هـ) المحقق: د.عجيل جاسم النشمي الناشر: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية دولة الكويت (الطبعة: الأولى الجزء الأول والثاني: 1405هـ1985م) ج1 ص170

اگر کوئی یہ کہے کہ نسخ اور تخصیص میں فرق ہے کہ نسخ میں حکم کے ثبوت کے بعد اسے اٹھالیا جاتا ہے اور تخصیص میں اس کی مراد کا بیان ہوتا ہے تو اسے جواب دیا جائے گا کہ یہ قول اس کا ہے جسے نسخ کا ادراک نہیں کہ نسخ کیا ہے۔ نسخ اور تخصیص میں کوئی فرق نہیں کیونکہ ان دونوں سے بیان ہوتا ہے مگر یہ کہ نسخ میں حکم کی مدت کا بیان ہوتا ہے اور تخصیص میں جن پر اسم کا اطلاق ہوتا ہے ان میں سے بعض کے لیے حکم کا بیان ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ کسی چیز کا حکم کرے اور اسے اٹھادے کہ (کیونکہ) یہ بداء ہے۔ اور اللہ کی شان اس سے بلند ہے، اس سے صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم اسی مدت کے لیے تھا، اس لیے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے۔

اب تخصیص کے ذریعے جن بعض افراد کے لیے حکم کو منسوخ کیا جاتا ہے جب تک وہ اس سے آگاہ نہیں ہو جاتے ان کے لیے یہ حکم ثابت ہی نہیں ہوتا، وہ اس کے مکلف نہیں ہوتے، اور جس کے لیے جو حکم ثابت ہی نہ ہو یعنی جب تک وہ اس کا مکلف نہ ہو، تو اس پر عمل نہ کرنے پر یا اس کے خلاف کرنے پر وہ خطاو غلطی پر نہیں ہوتا، بلکہ اس کا فعل درست و صواب ہی ہوتا ہے۔

سیدہ زہراء کے حق میں ''لا نورث'' کے ذریعے جس حکم کی تخصیص کی گئی جب تک اس کی اطلاع آپ رضی اللہ عنہا تک نہیں پہنچی تھی تو آپ کے لیے یہ حکم ثابت ہی نہیں تھا، کیونکہ خطاب ''**حسب الوسع**'' ہوتا ہے اور مخاطب کی وسعت میں نہیں کہ علم سے پہلے عمل کرے یہاں آپ کے لیے تخصیص کا علم پہنچنے سے پہلے آپ کے علم میں عموم کا حکم ہی ثابت تھا اور آپ اس وقت تک تخصیص پر عمل کرنے کی مکلف ہی نہیں تھیں لہذا علم آنے سے پہلے عموم پر آپ رضی اللہ عنہا کا عمل درست و جائز تھا۔ آپ نے فدک کے عین میں ابھی تصرف کیا ہی نہیں تھا، اگر عمل (فدک کے عین میں تصرف) بھی کرتیں تو بھی آپ رضی اللہ عنہا کا عمل درست و صواب ہی شمار ہوتا۔

ایسے ہی شارع کی طرف سے ایک حکم بیان کیا گیا ہو اور اس کے ناسخ کا علم ہونے سے پہلے اس پر عمل کرنا نہ صرف جائز بلکہ واجب تھا، جیسا کہ تحویل قبلہ کا مسئلہ ہے ''فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ'' کا حکم نازل ہونے سے پہلے اہل ایمان کے لیے ''مسجد حرام'' کے بجائے ''مسجد اقصیٰ'' کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ لیکن جب مسجد اقصی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنے کا حکم منسوخ ہو گیا، تو جو صحابہ اس موقع پر موجود نہ تھے دوسرے شہروں میں تھے ان تک ناسخ کا علم پہنچنے سے پہلے مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھنا واجب

تھی۔ اب قبلہ منسوخ ہو جانے کے باوجود ناسخ کا علم ہونے سے پہلے جو نمازیں مسجد اقصیٰ کی طرف منہ کر کے پڑھی گئیں تو یہ عمل نہ خطاءِ مطلق تھا، نہ خطاءِ اجتہادی، کیونکہ جہاں خطاء اجتہادی پر آگاہی ہو تو قرار نہیں، بلکہ سابقہ نص پر عمل تھا جو کہ بالکل درست تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک مکلفین پر نسخ کا حکم کب نافذ ہو گا؟

اس پر اتفاق ہے کہ ناسخ جب تک جبریل علیہ السلام کے پاس ہو تو نزول سے پہلے بالاتفاق مکلفین پر پہلے والا حکم ہی نافذ ہو گا۔ اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول ہو مگر ابھی تک امت تک نہیں پہنچا تو کیا امت کے حق میں ناسخ نافذ ہو گا یا نہیں تو بعض شوافع کے نزدیک نافذ ہو گا اور بعض شوافع امام احمد بن حنبل اور احناف کے نزدیک نافذ نہیں ہو گا۔ اور یہی مختار بھی ہے۔

ا۔ شمس الائمہ امام السرخسی

شمس الائمہ محمد بن احمد بن ابی سھل السرخسی (المتوفی: 483ھ) المبسوط میں جس شخص تک نص کا علم نہ پہنچا ہو یا دور صحابہ میں جن تک اس کے ناسخ کا علم نہ پہنچا تو، اس کے بارے میں امام محمد کی تصریح اور احناف کا راجح بیان کرتے ہیں کہ یہ عمل درست و جائز تھا، آپ لکھتے ہیں:

قَالَ: (رَجُلٌ أَسْلَمَ فِي دَارِ الْحَرْبِ فَمَكَثَ فِيهَا شَهْرًا وَلَمْ يُصَلِّ وَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ عَلَيْهِ الصَّلَاةَ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاؤُهَا)، وَقَالَ زُفَرُ رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ قَضَاؤُهَا؛ لِأَنَّ بِقَبُولِ الْإِسْلَامِ صَارَ مُلْتَزِمًا لِمَا هُوَ مِنْ أَحْكَامِهِ وَلَكِنْ قَصُرَ عَنْهُ خِطَابُ الْأَدَاءِ لِجَهْلِهِ بِهِ، وَذَلِكَ غَيْرُ مُسْقِطٍ لِلْقَضَاءِ بَعْدَ تَقَرُّرِ السَّبَبِ الْمُوجِبِ، كَالنَّائِمِ إِذَا انْتَبَهَ بَعْدَ مُضِيِّ وَقْتِ الصَّلَاةِ عَلَيْهِ. وَجْهُ قَوْلِنَا **أَنَّ مَا يَجِبُ بِخِطَابِ الشَّرْعِ لَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ فِي حَقِّ الْمُخَاطَبِ قَبْلَ عِلْمِهِ بِهِ،** أَلَا تَرَى أَنَّ أَهْلَ قُبَاءَ افْتَتَحُوا الصَّلَاةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ بَعْدَ فَرْضِيَّةِ التَّوَجُّهِ إِلَى الْكَعْبَةِ وَجَوَّزَ لَهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْلُغْهُمْ. وَشَرِبَ بَعْضُ الصَّحَابَةِ الْخَمْرَ بَعْدَ نُزُولِ تَحْرِيمِهَا قَبْلَ عِلْمِهِ بِذَلِكَ، وَفِيهِ نَزَلَ قَوْله تَعَالَى {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا} [المائدة: 93] **وَهَذَا لِأَنَّ الْخِطَابَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ وَلَيْسَ فِي وُسْعِ الْمُخَاطَبِ الِائْتِمَارُ قَبْلَ الْعِلْمِ، فَلَوْ ثَبَتَ**

حُكْمُ الْخِطَابِ فِي حَقِّهِ كَانَ فِيهِ مِنْ الْحَرَجِ مَا لَا يَخْفَى، وَلِهَذَا قُلْنَا: إنَّ عَزْلَ الْوَكِيلِ وَالْحَجْرَ عَلَى الْمَأْذُونِ لَا يَثْبُتُ فِي حَقِّهِ مَا لَمْ يَعْلَمْ،[1]

امام محمد نے فرمایا (ایک شخص نے دار حرب میں اسلام قبول کیا اور اس میں ایک مہینہ ٹھہرا رہا اور اس نے نماز نہ پڑھی اور وہ نہیں جانتا تھا کہ اس پر نماز ہے تو اس پر اس کی قضا نہیں ہے) اور امام زفر کہتے ہیں کہ اس پر قضا ہے کیونکہ کہ اسلام قبول کرنے پر اس کے احکام لازم ہو جاتے ہیں لیکن ادا کا خطاب اس کی لاعلمی کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوا، اور یہ وجوب کا سبب ثابت ہونے کے بعد اس کی قضا کے لیے مسقط نہیں ہو گا۔ سونے والے کی طرح جب وہ نماز کا وقت گزرنے کے بعد جاگے۔ ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ **جو چیز شریعت کے خطاب سے واجب ہو تو مخاطب کے علم سے پہلے اس کا حکم اس پر ثابت نہیں ہوتا،** کیا تم نہیں جانتے کہ اہل قباء نے کعبہ کی سمت نماز فرض ہو جانے کے بعد نماز کا آغاز بیت المقدس کی طرف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ ان تک اس کا علم نہیں پہنچا تھا اور بعض صحابہ نے خمر کی حرمت کے بعد ان تک اس کا علم پہنچنے سے پہلے خمر پی تو اس پر رب تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا (جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا) اور یہ **خطاب حسب الوسع ہے اور مخاطب کی وسعت میں نہیں کہ علم سے پہلے عمل کرے،** اگر اس کے حق میں حکم ثابت کرتے ہیں تو اس میں حرج ہے جو مخفی نہیں اور لیے ہم نے کہا اگر وکیل کو معزول کیا اور ماذون کو منع کیا تو یہ حکم ان کے حق میں ثابت نہ ہو گا جب تک وہ اسے جان نہیں لیتے (یعنی ان کا تصرف علم سے پہلے درست ہو گا)

شریعت کا حکم اس کے حق میں اس وقت تک موقوف رہتا ہے جب تک اسے پتہ نہیں چل جاتا یعنی علم پہنچنے سے پہلے وہ اس کا مکلف نہیں ہوتا ہے لہذا جو شخص جب تک کسی حکم کا مکلف نہ ہو تو اس کے نہ کرنے سے یا اس کے خلاف کرنے سے وہ خطا پر نہیں ہوتا بلکہ اس کا عمل درست و صواب ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی اسے خطاء اجتہادی بناتا ہے تو خطاء اجتہادی پر قرار نہیں ہوتا۔ ان پر قضا واجب ہوتی ہے۔

---

[1] المبسوط المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ) الناشر: دار المعرفة – بيروت الطبعة: بدون طبعة (تاريخ النشر: 1414هـ 1993م) ج2ص245

احناف کے نزدیک اس کتاب کے مسائل مفتی بہ ہونے اور قضا میں معتمد ہونے کے حوالے سے علامہ شامی اپنے حاشیہ میں علامہ طرسوسی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: لَا يُعْمَلُ بِمَا يُخَالِفُهُ، وَلَا يُرْكَنُ إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يُفْتَى وَلَا يُعَوَّلُ إِلَّا عَلَيْهِ.[1] اس کتاب کے مخالف قول پر عمل نہیں کیا جائیگا اور اسی پر اعتماد کیا جائیگا اور اس کے علاوہ نہ کسی کا اہتمام کیا جائیگا اور نہ فتوی دیا جائیگا۔

۲۔ امام برهان الدين ابن مَازَةَ البخاری الحنفی

امام برهان الدين ابن مَازَةَ البخاری الحنفی (المتوفى:616ھ) بھی اپنی کتاب "المحيط البرهانی" میں شمس الائمہ سرخسی کی مثل ہی لکھتے ہیں:

رجل أسلم في دار الحرب، فمكث فيها شهراً ولم يعلم أن عليه صلاة، فليس عليه قضاؤها، وقال زفر رحمه الله عليه قضاؤها؛ لأن بقبول الإسلام صار ملتزماً أحكام الإسلام، ولكن قصر عنه خطاب الأداء لجهله له، وذلك غير مسقط للقضاء بعد تقرر السبب، كالنائم إذا انتبه بعد مضي وقت الصلاة.

حجتنا: أن ما يجب بخطاب الشرع لا يثبت حكمه في حق المخاطب قبل علمه به، ألا ترى أن أهل قباء افتتحوا الصلاة إلى بيت المقدس بعد فرضية التوجه إلى الكعبة، وجوز ذلك لهم رسول الله عليه السلام، لأنه لم يبلغهم التوجه للكعبة، وكذلك شرب بعض الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين الخمر بعد نزول آية التحريم قبل علمهم، وفيه نزل قوله تعالى: {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّلِحَتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُواْ إِذَا مَا اتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ الصَّلِحَتِ ثُمَّ اتَّقَواْ وَّءَامَنُواْ ثُمَّ اتَّقَواْ وَّأَحْسَنُواْ وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ} (المائدة: 93) والمعنى فيه، وهو أن الخطاب بحسب الوسع وليس في وسع الآدمي الائتمار قبل العلم، فلو ثبت حكم الخطاب في حقه كان فيه من الحرج ما لا يخفى، ولهذا قلنا أن الحجر في حق المأذون والقول في حق الوكيل لا يثبت قبل العلم.[2]

---

1 رد المحتار على الدر المختار المؤلف: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252ھ) الناشر: دار الفكر،بيروت _الطبعة: الثانية، 1412ھ 1992م) ج1 ص 70

2 المحيط البرهاني في الفقه النعماني فقه الإمام أبي حنيفة رضي الله عنه المؤلف: أبو المعالي برهان الدين محمود بن أحمد بن عبد العزيز بن عمر بن مَازَةَ البخاري الحنفي (المتوفى: 616ھ) المحقق: عبد الكريم سامي الجندي الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت – لبنان (الطبعة: الأولى، 1424ھ 2004م) ج2ص 217

ایک شخص نے دار حرب میں اسلام قبول کیا اور اس میں ایک مہینہ ٹھہرا رہا اور وہ نہیں جانتا کہ اس پر نماز ہے تو اس پر اس کی قضا نہیں ہے۔ اور امام زفر کہتے ہیں کہ اس پر قضا ہے کیونکہ کہ اسلام قبول کرنے پر اسلام کے احکام لازم ہو جاتے ہیں لیکن ادا کا خطاب اس کی لاعلمی کی وجہ سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوا، اور یہ وجوب کا سبب ثابت ہونے کے بعد اس کی قضا کے لیے مسقط نہیں ہو گا۔ سونے والے کی طرح جب وہ نماز کا وقت گزرنے کے بعد جاگے۔

ہمارے قول کی دلیل یہ ہے کہ **جو چیز شریعت کے خطاب سے واجب ہو تو مخاطب کے علم سے پہلے اس کا حکم اس پر ثابت نہیں ہوتا** کیا تم نہیں جانتے کہ اہل قباء نے کعبہ کی سمت نماز فرض ہو جانے کے بعد نماز کا آغاز بیت المقدس کی طرف کیا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اس عمل کو جائز قرار دیا۔ (کیونکہ ان تک اس کا علم نہیں پہنچا تھا) اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے خمر کی حرمت کے بعد ان تک اس کا علم پہنچنے سے پہلے خمر پی تو اس پر رب تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا (جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا) اس کا مطلب یہ ہے، اور **یہ خطاب حسب الوسع ہے اور مخاطب کی وسعت میں نہیں کہ علم سے پہلے عمل کرے**، اگر اس کے حق میں حکم ثابت کرتے ہیں تو اس میں حرج ہے جو مخفی نہیں اور اس لیے ہم نے کہا اگر ماذون کو منع کیا اور وکیل کے حق میں قول (معزول کیا) تو ان کے علم سے پہلے ان کے حق میں ثابت نہ ہو گا (یعنی ان کا تصرف علم سے پہلے درست ہو گا)

۳۔ قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الھندی

یہی موقف مسلم الثبوت میں امام العلوم العقلیہ علامہ قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الھندی البہاری ملقب بفاضل خان کا ہے:

مسئلة مذهب الحنفية والحنابلة واختاره ابن الحاجب لا يثبت حكم الناسخ بعد تبليغ جبريل قبل تبليغه عليه السلام إلى الأمة لنا لو ثبت قبل التبليغ كان التبليغ تأخيرا عن وقت الحاجة وواقعة أهل قباء فانهم استداروا وما أعادوا واستدل أوّلا بانه تحريم العمل بالأول والمنسوخ واجب العمل ما لم يعتقد ناسخه حتى لو عمل به لعصى.[1]

---

[1] مسلم الثبوت المؤلف: قاضی محب الله بن عبد الشكور الهندی (م: 1119ھ) طبع بالمطبعة الحسينية المصرية بكفر الطماعين ج2 ص61

مذہب احناف اور حنابلہ اور ابن الحاجب کا مختار یہ ہے کہ ناسخ کا حکم حضرت جبرائیل کی تبلیغ کے بعد اور نبی اکرم ﷺ کی امت کی طرف تبلیغ سے پہلے ثابت نہیں ہوتا۔ ہماری دلیل یہ ہے اگر تبلیغ سے پہلے (حکم کو مکلف کے حق میں) ثابت مانیں تو حاجت کے وقت تبلیغ کا مؤخر ہونا لازم آئے گا۔ اور واقعہ اہل قباء ہے وہ (نماز میں کعبہ کی طرف) پھر گئے تھے اور انہوں نے (نماز کا) اعادہ نہیں کیا اور پہلا استدلال کیا کہ ناسخ کے ثبوت سے پہلے حکم (منسوخ) پر عمل حرام ہو چکا ہے، اور جب تک ناسخ کے ہونے کا اعتقاد نہ ہو منسوخ پر عمل واجب ہے اگر اس (ناسخ) پر عمل کرتا ہے تو گناہگار ہوگا۔

علامہ محب اللہ فرماتے ہیں یعنی جب تک نبی اکرم ﷺ کی طرف سے امت تک شریعت کا حکم نہیں پہنچتا اس وقت تک وہ امت کے حق میں ثابت نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل بیان کرتے ہیں کہ اگر امت کے حق میں تبلیغ سے پہلے حکم ثابت مانیں تو یہ اعتراض ہوگا کہ جب امت کو تبلیغ کی حاجت تھی اس وقت انہیں تبلیغ نہیں کی گئی۔ دوسری دلیل تحویل قبلہ میں اہل قباء کا عمل ہے کہ دوران نماز جب انہیں اطلاع پہنچی تو وہ اسی حال میں کعبہ کی طرف پھر گئے، اور جو نماز بیت المقدس کی طرف حکم پہنچنے سے پہلے پڑھ چکے تھے ان کا اعادہ نہیں فرمایا۔

اس سے ایک تو یہ پتہ چلا کہ جب ناسخ کا حکم ثابت ہو جائے تو مکلف کے لیے منسوخ پر عمل کرنا حرام ہو جاتا ہے اور دوسرا جب تک مکلف کو ناسخ کے ہونے کا اعتقاد نہ ہو تو اس کے لیے منسوخ پر عمل کرنا واجب ہے، اگر وہ منسوخ کو چھوڑ کر ناسخ پر عمل کرتا ہے تو اپنے اعتقاد میں حکم الٰہی کے خلاف کرنے کی وجہ سے گناہگار ہوگا۔ یعنی نفس الامر میں تو اب شارع کا حکم وہ ہے جو ناسخ کا حکم ہے لیکن اس کے علم میں تو پہلا حکم ہی حکم الٰہی ہے اب اگر یہ پہلے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے جو اس کے علم میں حکم الٰہی ہے اب اس کے خلاف کرنے کی وجہ سے عصیان کا مرتکب ہوگا۔

(ناسخ کا حکم اگر بعض تک پہنچ گیا ہو سب کے لیے تو ہو جائے گا مگر جن تک حکم نہیں پہنچا بالفعل ان سے اس وقت عمل مطلوب ہوگا یا اس وقت مکلف ہوں گے جب ان تک حکم پہنچے گا؟) اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

أقول منقوض بما إذا بلغه واحدا فتأمل وأيضا لا نزاع في عدم وجوب الامتثال بل في الثبوت في الذمة فيمكن التدارك كما في النائم لصحة التمكن والعصيان لقصد المخالفة كما في وطء الزوجة بقصد الأجنبية وثانيا لو ثبت لثبت قبل تبليغ جبريل لاحادهما في عدم المكلف

وفیه أن النبی اللہ علیه وسلم علی الأرض من جنس البشر فیمكن بالفحص عنه۔ قالوا حكم تجدد وتعلق وعدم العلم غیر مانع كما إذا بلغ إلی مكلف ما قلنا التمكن معتبر دفعا للتكیف بالمحال وهو یحصل بالتبلیغ إلی واحد بخلاف ما قبله وقد یقال النبی صلی اللہ علیه وسلم ذلك الواحد فیه یحصل التمكن أقول إذا بلغ إلی واحد دل علی حصول زمان التمكن بخلاف ما إذا لم یبلغ وإلا لزم تأخیر التبلیغ الواجب فافهم۔[1]

میں کہتا ہوں کہ (یہ دلیل) اس وقت ٹوٹ جائے گی کہ اگر ایک شخص تک بھی یہ حکم پہنچ جائے، لہذا اس میں تأمل کریں۔ اسی طرح اس میں بھی کسی کا اختلاف نہیں کہ (ناسخ پر علم سے قبل) امتثال واجب نہیں، بلکہ (حکم ناسخ کے) ثبوت فی الذمہ کی بات ہے کہ اس کا تدارک (قضا) کے ساتھ ممکن ہے جیسا کہ نائم میں کہ (ناسخ پر عمل کا) تمکن وقدرت صحیح ہے (اگرچہ بالفعل تمکن حاصل نہ ہو) اور عصیان مخالفت کے قصد کی وجہ سے ہے، جیسے کوئی اجنبیہ کا قصد کرے اور وہ اس کی اپنی زوجہ ہو (تو عصیان اس وجہ سے ہے کہ اس نے اجنبیہ سمجھ کر جماع کیا اگرچہ وہ نفس الامر میں اس کی زوجہ تھی)۔ دوسری بات: کہ اگر (ناسخ کا حکم تبلیغ سے قبل) ثابت ہو جائے تو پھر جبرئیل علیہ السلام کی تبلیغ سے قبل بھی ثابت ہو گا، کیونکہ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ مکلف کو علم نہیں۔ اور اس میں یہ اعتراض ہے کہ نبی کریم ﷺ زمین پر جنس بشر سے ہیں تو تلاش سے ناسخ کا علم ممکن تھا (بخلاف جبرئیل علیہ السلام کی تبلیغ کے تو یہ قیاس مع الفارق ہے)۔ شوافع کہتے ہیں کہ (ناسخ کا) حکم (مکلف کے ساتھ) تجدد اور تعلق ہے، اور عدم علم مانع نہیں جیسے جب یہ کسی مکلف تک پہنچ جائے (تو سب پر اتفاقا واجب ہو گا)۔ ہم کہتے ہیں کہ تمکن (علم) کا اعتبار ہو گا تاکہ محال کے ساتھ تکلیف دینا لازم نہ آئے، اور یہ (تمکن) کسی ایک تک تبلیغ سے حاصل ہو جائے گا بخلاف اس سے ما قبل کے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ ایک نبی کریم ﷺ کی ذات بھی ہو سکتی ہے لہذا تمکن حاصل ہو گا۔ اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جب امت میں سے کسی کو علم پہنچ جائے تو یہ دلالت کریگا کہ تمکن کس وقت حاصل ہوا بخلاف اس کے کہ امت میں سے کسی کو بھی نہ پہنچے وگرنہ یہ لازم آئیگا کہ جو تبلیغ واجب تھی اس میں تاخیر ہوئی۔ لہذا اس میں تدبر کرو۔

---

[1] مسلم الثبوت المؤلف: قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الہندی (م: 1119ھ) طبع بالمطبعة الحسینیة المصریة بکفر الطماعین ج2 ص62

اس کے علاوہ ایک اور اصول کے تحت بھی سیدہ پاک کا عمل خطا نہیں تھا بلکہ درست و صواب تھا۔ **"لِأَنَّ التَّكْلِيفَ بِحَسَبِ الْوُسْعِ"** فقہاء احناف نے اس اصول کے تحت کتنے ہی مسائل کے درست و صواب ہونے کا حکم بیان فرمایا ہے۔

۴۔ امام برہان الدین المرغینانی کی ظاہر دلیل پر وجوب عمل کی تصریح

امام برہان الدین علی بن ابی بکر الفرغانی المرغینانی (المتوفی: 593ھ) کئی مسائل میں حنفیوں کے عمل کو اس اصول کے تحت درست و صواب قرار دیتے ہیں، اسی لیے بجا آوری پر یہ افعال واجب الاعادہ بھی نہیں ہیں۔ مثلا ایک ایسا شخص جو تحویل قبلہ کے حکم سے آگاہ ہے لیکن کسی وقت اس پر سمتِ قبلہ مشتبہ ہو جائے اور اسے بتانے والا کوئی نہ ہو تو وہ جس طرف بھی تحری کر کے یعنی اپنی رائے سے قبلہ کا اندازہ کر کے نماز ادا کرے گا تو اس کی نماز ادا ہو جائے گی چاہے استقبال قبلہ کے بجائے استدبار قبلہ ہی پڑھ لی ہو۔ اسے اس پر قرار رہے گا اگر دوران نماز بھی پتہ چل جائے تو قبلہ کی طرف پھر جائے گا اور استدبار قبلہ پڑھی گئی پہلی رکعتوں کو بھی برقرار رکھا جائے گا۔ امام مرغینانی لکھتے ہیں:

(فَإِنْ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِ الْقِبْلَةُ وَلَيْسَ بِحَضْرَتِهِ مَنْ يَسْأَلُهُ عَنْهَا اجْتَهَدَ وَصَلَّى) "لِأَنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللهِ عَلَيْهِمْ تَحَرَّوْا وَصَلَّوْا وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ رَسُولُ اللهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ"، وَلِأَنَّ الْعَمَلَ بِالدَّلِيلِ الظَّاهِرِ وَاجِبٌ عِنْدَ انْعِدَامِ دَلِيلٍ فَوْقَهُ، وَالِاسْتِخْبَارُ فَوْقَ التَّحَرِّي (فَإِنْ عَلِمَ أَنَّهُ أَخْطَأَ بَعْدَمَا صَلَّى لَا يُعِيدُهَا) وَقَالَ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللهُ: يُعِيدُهَا إذَا اسْتَدْبَرَ لِتَيَقُّنِهِ بِالْخَطَأِ، وَنَحْنُ نَقُولُ: لَيْسَ فِي وُسْعِهِ التَّوَجُّهُ إلَى جِهَةِ التَّحَرِّي **وَالتَّكْلِيفُ مُقَيَّدٌ بِالْوُسْعِ** (وَإِنْ عَلِمَ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ اسْتَدَارَ إلَى الْقِبْلَةِ وَبَنَى عَلَيْهِ) لِأَنَّ أَهْلَ قُبَاءَ لَمَّا سَمِعُوا بِتَحَوُّلِ الْقِبْلَةِ اسْتَدَارُوا كَهَيْئَتِهِمْ فِي الصَّلَاةِ، **وَاسْتَحْسَنَهُ النَّبِيُّ** عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، وَكَذَا إذَا تَحَوَّلَ رَأْيُهُ إلَى جِهَةٍ أُخْرَى تَوَجَّهَ إلَيْهَا لِوُجُوبِ الْعَمَلِ بِالِاجْتِهَادِ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ مِنْ غَيْرِ نَقْضِ الْمُؤَدَّى قَبْلَهُ۔[1]

اگر نمازی پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہاں کوئی بتانے والا بھی موجود نہ ہو جس سے سمت قبلہ کے بارے میں دریافت کرے تو اجتہاد کرے کیونکہ صحابہ نے تحری کر کے نماز پڑھی تھی اور آپ ﷺ نے ان پر کوئی نکیر نہیں فرمائی تھی۔ اس لیے کہ یہ ظاہر دلیل پر عمل کرنا واجب ہے

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي المؤلف: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593هـ) المحقق: طلال يوسف الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت – لبنان ج1ص47

جب اس سے بڑی کوئی دلیل نہ ہو۔ اور معلوم کرنا تحری سے بڑھ کر ہے پھر اگر نماز پڑھنے کے بعد پتہ چلا کہ اس نے قبلہ رخ ہونے میں غلطی کی ہے تو وہ شخص نماز کا اعادہ نہیں کرے گا امام شافعی فرماتے ہیں اگر استدبار قبلہ کر کے نماز پڑھی تھی تو اعادہ کرے گا کیونکہ اسے غلطی کا یقین ہو گیا ہے ہم کہتے ہیں کہ اس کے بس میں صرف تحری کی سمت توجہ کرنا ہے اور **"تکلیف بقدر وسعت"** ہے۔ اور اگر یہ بات دوران نماز معلوم ہو جائے تو قبلہ کی طرف گھوم جائے کیونکہ اہل قباء نے جب تحویل قبلہ کا سنا تو وہ لوگ نماز میں ہی جس ہیئت میں تھے کعبہ کی سمت گھوم گئے اور **نبی اکرم ﷺ نے ان کے اس عمل کی تحسین کی**۔ اور ایسے ہی اس کی رائے دوران نماز کسی دوسری جہت کی طرف پھر جائے تو اس رخ ہو جائے کیونکہ باقی نماز میں اس شخص پر اجتہاد کی رو سے عمل کرنا واجب ہے، پہلے سے ادا کی گئی نماز کو توڑے بغیر۔

تحری کے مسئلہ میں بھی اعادہ صلوٰۃ نہیں حالانکہ اس مسئلہ میں تو مکلف تک حکم پہنچ چکا ہوتا ہے۔ لیکن اسے پہلے سے بتائی گئی قبلہ کی سمت اس وقت اس کے علم میں نہ ہونے کی وجہ سے اپنی رائے (اجتہاد) سے سمت قبلہ اختیار کرتا ہے، کیونکہ اس کے پاس سمت قبلہ کے تعین میں کوئی ظاہر دلیل نہیں ہوتی، جس پر عمل کرتے ہوئے سمت قبلہ اختیار کرے، لہذا اپنی رائے سے ایک سمت اختیار کر کے نماز ادا کر لیتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے اس عمل کو غلط و خطا نہیں کہتے بلکہ اس کا عمل درست و صواب ہوتا ہے۔ تو جس تک مخصص کا علم ہی نہ پہنچا ہو اور مکلف اپنی رائے پر عمل کرنے کے بجائے ظاہر نص پر ہی عمل پیرا ہو تو اس کے عمل کو کیسے خطا یا خطاء اجتہادی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جبکہ اس نے اپنی رائے یا اجتہاد سے وہ کام کیا ہی نہیں۔

کیونکہ تکلیف (مکلف) بقدر استطاعت ہے۔ لہذا یہ اس کی خطا ہی نہیں ہو گی، بلکہ اس کا درست وصواب عمل ہو گا خطاتب ہوتی جب اس کا مکلف ہوتا، جب اس کا مکلف نہیں تو اس کا یہ عمل خطا نہیں۔ کیا اس نماز کا قبلہ رخ نماز کے مقابلے میں کم اجر ہو گا؟ نہیں بلکہ پورا اجر ملے گا۔ اور اسے تحویل قبلہ کے مسئلہ میں صحابہ کے عمل پر قیاس کیا ہے جب تک ان تک ناسخ نہیں پہنچا تھا تو وہ ظاہر نص پر عمل کر رہے تھے جو کہ ان پر واجب تھا۔ ناسخ کے نزول کے بعد ان تک اس نسخ کا علم پہنچے سے پہلے انہوں نے جو رکعتیں ادا کر لیں تھیں ان کا اعادہ نہیں کیا اور ان کے **اس عمل کی نبی اکرم ﷺ نے بھی تحسین فرمائی**۔ لہذا صحابہ کا عمل بھی درست وصواب تھا نہ خطا تھا نہ ہی خطاء اجتہادی تھا۔ نہ باقی صحابہ کے مقابلے میں ان کو اس نماز کا آدھا اجر ملنے کی کوئی دلیل ہے۔ اگر خطاء اجتہادی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ ان کی تحسین نہ فرماتے، کیونکہ اگر خطاء اجتہادی بھی ہو تو اس کا انکار کیا جائے گا، اس کے لیے تحسین و قرار نہیں ہے۔

۵۔امام علاء الدین الکاسانی الحنفی، نسخ کا عدمِ علم "عمل" کو باطل نہیں کرتا

امام مرغینانی کی مثل ہی امام علاء الدین، ابو بکر بن مسعود بن احمد الکاسانی الحنفی (المتوفی: 587ھ) بدائع الصنائع میں نقل فرماتے ہیں کہ **حالت اشتباہ میں قبلہ وہی ہوتا ہے جس طرف متحری کا میلان ہو، چاہے وہ استدبار قبلہ ہی کیوں نہ ہو اس کی نماز قبلہ رخ ہی شمار ہو گی:**

وَلِأَنَّ الصَّلَاةَ الْمُؤَدَّاةَ إلَى جِهَةِ التَّحَرِّي مُؤَدَّاةٌ إلَى الْقِبْلَةِ؛ لِأَنَّهَا هِيَ الْقِبْلَةُ حَالَ الِاشْتِبَاهِ، فَلَا مَعْنَى لِوُجُوبِ الِاسْتِقْبَالِ؛ وَلِأَنَّ تَبَدُّلَ الرَّأْيِ فِي مَعْنَى انْتِسَاخِ النَّصِّ، وَذَا "لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ الْعَمَلِ بِالْمَنْسُوخِ فِي زَمَانِ مَا قَبْلَ النَّسْخِ"، كَذَا هَذَا وَإِنْ كَانَ بَعْدَ الْفَرَاغِ مِنْ الصَّلَاةِ فَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ صَلَّى يَمْنَةً أَوْ يَسْرَةً يُجْزِيهِ وَلَا يَلْزَمُهُ الْإِعَادَةُ بِلَا خِلَافٍ، وَإِنْ ظَهَرَ أَنَّهُ صَلَّى مُسْتَدْبِرَ الْكَعْبَةِ يُجْزِيهِ عِنْدَنَا،[1]

کیونکہ جو نماز تحری سے قبلہ کی طرف پڑھی جائے وہ قبلہ کی طرف پڑھی جانے والی نماز ہی شمار ہوتی ہے کیونکہ حالت اشتباہ میں یہی قبلہ ہے (چاہے استدبار قبلہ ہی ہو)استقبال قبلہ کا کوئی مطلب نہیں اور اس لیے کہ اس معنی میں رائے کا تبدیل ہونا نص کا منسوخ ہونا ہے اور یہ کہ نسخ سے پہلے زمانے کا منسوخ پر کیا جانے والا عمل باطل ثابت نہیں ہو گا۔ ایسے ہی یہاں ہے اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اگر معلوم ہو کہ اس نے دائیں یا بائیں نماز پڑھی ہے تو یہ جائز ہے اور بغیر کسی اختلاف کے اعادہ لازم نہیں ہے، اور اگر پتہ چلا کہ استدبار کعبہ ہی پڑھی ہے پھر بھی ہمارے نزدیک جائز ہے۔

بعض احناف تراخی مخصص کو تخصیص ہی شمار کرتے ہیں جیسا کہ امام ابو نجیم مصری (المتوفی: 970ھ) کنز کی شرح "البحر الرائق" میں بیان کرتے ہیں لیکن احناف کے نزدیک یہ تخصیص نسخ شمار ہوتی ہے۔

لِأَنَّ هَذِهِ الْآيَةَ خَاصَّةٌ مِنْ وَجْهٍ كَمَا أَنَّ تِلْكَ خَاصَّةٌ مِنْ آخَرَ فَالْعَمَلُ بِهَذِهِ الْمُتَأَخِّرَةِ فِي مِقْدَارِ مَا تَنَاوَلَاهُ أَعْنِي الْحَامِلَ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا زَوْجُهَا يَكُونُ تَخْصِيصًا لَهَا بِمَا وَرَاءَ الْحَامِلِ الْمُتَوَفَّى عَنْهَا

---

[1] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع المؤلف: علاء الدين، أبو بكر بن مسعود بن أحمد الكاساني الحنفي (المتوفى: 587هـ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الثانية، 1406هـ 1986م) ج1ص119

زَوْجُهَا وَالْخَاصُّ الْمُتَأَخِّرُ يُخَصِّصُ الْعَامَّ الْمُتَقَدِّمَ، وَهَذَا عَلَى مَذْهَبِ الْمُصَنِّفِ فِي جَوَازِ تَرَاخِي الْمُخَصِّصِ وَعِنْدَ الْحَنَفِيَّةِ هُوَيَكُونُ نَسْخًا لَا تَخْصِيصًا.[1]

یہ آیت (وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ) خاص ہے من وجہ جیسے کہ وہ آیت (وَأُولاتُ الأَحْمَالِ) خاص ہے دوسری وجہ سے، تو اس متاخر پر عمل یعنی حاملہ متوفی عنہا زوجہا اس آیت کی ان میں علاوہ کے لیے تخصیص ہے۔ اور خاص متاخر عام متقدم کی تخصیص کرتا ہے۔ اور یہ مصنف کا مذھب ہے کہ مخصص کی تراخی جائز ہے اور احناف کے نزدیک یہ نسخ ہے تخصیص نہیں۔إذا تراخي دليل التخصيص يكون نسخا لا تخصيصا[2] جب تخصیص کی دلیل متأخر ہو جائے تو یہ نسخ ہوتا ہے تخصیص نہیں۔

اب چاہے نسخ ہو یا تخصیص جن افراد کے لیے حکم منسوخ بھی ہو چکا ہو، وہ مکلف اسی وقت ہوتے ہیں جب حکم سے آگاہ ہو جائیں، جب تک آگاہ نہیں ہوتے وہ حکم ان کے حق میں ثابت ہی نہیں ہوتا۔ لہذا سیدہ زہراء پاک رضی اللہ عنہا بھی جب تک ''لانورث'' کی تخصیص سے مطلع نہیں ہوئی تھیں آپ کے لیے بھی عموم کا حکم ہی ثابت تھا، مخصص ثابت ہی نہیں ہوا تھا، اس لیے آپ اس کی مکلف بھی نہیں تھیں، لہذا علم میں آنے سے پہلے عموم پر آپ کا عمل درست و جائز تھا۔ اگر عمل (فدک کے عین میں تصرف) کرتیں بھی تو آپ کا عمل درست وصواب ہی شمار ہوتا۔ آپ نے تو صرف ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے فدک کا سوال کیا فدک کے عین میں تصرف کا عمل تو ہوا ہی نہیں۔

۶۔امام محمد امین امیر بادشاہ

امام محمد امین امیر بادشاہ (م:972ھ) کی عبارت سے بھی اس اصول کی مزید تفہیم ہوتی ہے آپ ''تیسیر التحریر'' میں لکھتے ہیں:

(ثم قال أبو حنيفة) في رد الشافعي حيث قال: تتناول الأحكام أهل الذمة، فإن الكفر لا يصلح للتخفيف عنهم (ومنع تناول الخطاب إياهم) أي منع الله أن يدخلهم تحت خطابه

1 البحر الرائق شرح كنز الدقائق المؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصري (المتوفى: 970هـ) وفي آخره: تكملة البحر الرائق لمحمد بن حسين بن علي الطوري الحنفي القادري (م:بعد 1138هـ) وبالحاشية: منحة الخالق لابن عابدين الناشر: دار الكتاب الإسلامي الطبعة: الثانية، بدون تاريخ ج4ص146

2 كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوي المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخاري (المتوفى: 730هـ) المحقق: عبد الله محمود محمد عمر الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة: (الطبعة الأولى 1418هـ1997م) ج1ص448

(مكرا بهم واستدراجا لهم) مفعول له للمنع، وهو الأخذ على غرة لا تخفيفا عنهم، وقد يترك الخطاب لشخص عند العلم بأنه لا ينفعه كالطبيب يترك مداواة المريض، ولا يمنعه من التخليط عند يأسه من البرء، وقوله منع يحتمل أن يكون على صيغة الفعل المجهول أو المصدر، والخبر محذوف (فيما يحتمل التبدل) ظرف لمنع التناول فإن الخطاب فيما لا يحتمله تناولهم (خطاب لم يشتهر) بالنسبة إلينا فإنه ترك خطاب ولم ينتشر بعد في ديارنا كما في **قصة أهل قباء حيث تحولوا نحو الكعبة في الصلاة عند بلوغ خبر تحويل القبلة إياهم فإنه لا يتناولهم** وإلا لما بنوا ما بقي من صلاتهم على ما صلوه إلى بيت المقدس بعد نزول الوحي قبل أن يبلغهم الخبر فكما أنه لا يتناولنا في الصورة المذكورة في الدليل الذي يقتضيه لا يتناولهم ما يقتضيه.[1]

امام ابو حنیفہ امام شافعی کے جواب میں فرماتے ہیں کہ: اہل ذمہ کو احکام شامل ہیں کیونکہ کفر ان سے تخفیف کی صلاحیت نہیں رکھتا اور انہیں خطاب میں شامل کرنے سے منع ہے، یعنی اللہ تعالی نے اپنے خطاب میں انہیں داخل نہیں کیا تو یہ ان کے ساتھ خفیہ تدبیر اور استدراج کا معاملہ ہے، (استدراج) منع کا مفعول لہ ہے، اور یہ غفلت میں پکڑنا ہے ان سے تخفیف نہیں، اور کبھی اس شخص سے بھی خطاب نہیں ہوتا جس کے بارے میں یہ علم ہو کہ اسے خطاب کوئی فائدہ نہیں دے گا، جیسے طبیب کبھی مریض کا علاج چھوڑ دیتا ہے اور اس سے پرہیز کو اٹھا دیتا ہے کہ اسے علم ہے کہ یہ ٹھیک ہونے والا نہیں۔ (منع) کا لفظ مجہول بھی ہو سکتا ہے اور مصدر بھی اور خبر محذوف ہے۔ (یہ ترک خطاب) ان معاملات میں جو تبدیل ہونے کا احتمال رکھتے ہوں، کیونکہ جو خطاب یہ احتمال نہیں رکھتے انہیں شامل ہیں، یہ ایسے خطاب ہیں جو مشہور نہیں ہماری نسبت کیونکہ یہ ترک خطاب ہے اور ہمارے دیار میں نہیں پھیلے، جیسے کہ **اہل قباء کے واقعہ میں، کہ وہ کعبہ کی جانب پھرے جب انہیں نماز میں تحویل قبلہ کی خبر پہنچی تو یہ خطاب انہیں شامل نہ تھا** وگرنہ وہ نزول وحی کے بعد اور انہیں پہنچنے سے قبل بیت المقدس کی طرف نماز شروع ہی نہ کرتے۔ تو جیسے صورت مذکورہ میں ہمیں خطاب شامل نہیں ہوتا اس دلیل میں جو اس کا تقاضا کرتا ہے تو انہیں بھی شامل نہیں ہوتا اس دلیل میں جو اس کا تقاضا نہیں کرتا ہے۔

---

[1] تيسير التحرير المؤلف: محمد أمين – المعروف بأمير بادشاه (المتوفى – 972هـ) عدد الأجزاء / 4 دار النشر / دار الفكر الكتاب / موافق للمطبوع) ج 4ص 213

جب تک اہل قباء تک ناسخ کی اطلاع نہیں پہنچی تھی تو اس وقت تک ناسخ کے خطاب میں بالفعل شامل نہیں تھے۔ لہٰذا ان کی قبلہ کی مخالف سمت پڑھی جانے والی نمازیں درست تھیں۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

وأما واقعة أهل قباء وإتيان خبر نسخ القبلة إياهم وهم في الصلاة واستدارتهم إلى الكعبة من غير أن يستأنفوا فتدل على عدم وجوب استقبالها في حقهم قبل العلم.[1]

اہل قباء کے واقعہ میں جب نسخ قبلہ کی خبر ان تک پہنچی تو وہ نماز کی حالت میں تھے اور بغیر کسی اعادہ کے کعبہ کی طرف پھرنا اس پر دلالت کرتا ہے "علم سے پہلے کعبہ کی طرف منہ کرنا ان کے حق میں واجب نہیں تھا"۔

جو چیز واجب و ثابت ہی نہ ہو اس کے ترک پر خطا نہیں ہوتی، اور نہ ہی خطاء اجتہادی ہوتی ہے۔ خطاء اجتہادی تب ہے جب اس پر عمل کرنا واجب تھا اور نص کے سمجھنے میں اپنی رائے سے اس کے خلاف عمل کیا ہو۔ کیونکہ یہ اجتہاد سے کیا ہوتا ہے اس لیے خطاء اجتہادی ہے۔ جب سابقہ نص کے مقتضٰی پر عمل ہو رہا ہو تو اپنی رائے سے کیسے ہو گا؟ لہذا یہ اجتہاد شرعی ہے ہی نہیں۔ اور خطاء اجتہادی ہو تو آگاہی پر قرار نہیں، لیکن یہاں قرار ہے۔

۷۔ شمس الائمہ امام السرخسی

ایسے ہی شمس الائمہ امام ابو بکر محمد بن احمد بن ابی سہل السرخسی (م:490ھ) لکھتے ہیں:

أن أهل قباء كانوا يصلون إلى بيت المقدس بعد ما نزلت فرضية التوجه إلى الكعبة حتى أتاهم آت فأخبرهم واستداروا كهيئتهم **وجوز رسول الله (ص) صلاتهم، لان ذلك كان قبل العلم بالنص الناسخ.**[2]

---

1 تيسير التحرير المؤلف: محمد أمين – المعروف بأمير بادشاه (المتوفى – 972هـ) عدد الأجزاء / 4 دار النشر / دار الفكر الكتاب / موافق للمطبوع

2 المبسوط المؤلف: محمد بن أحمد بن أبي سهل شمس الأئمة السرخسي (المتوفى: 483هـ) الناشر: دار المعرفة – بيروت الطبعة: بدون طبعة تاريخ النشر: 1414هـ 1993م) ج1 ص 321

اہل قباء کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے حکم کی فرضیت کے بعد بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے یہاں تک کہ ایک آنے والے نے ان کے پاس آکر خبر دی تو وہ اسی حال میں (کعبہ) کی طرف پھر گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔ کیونکہ ان کا یہ عمل ناسخ نص کے علم سے پہلے تھا۔

۸۔ علامہ عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاری، الھندی

عبد العلی محمد بن نظام الدین الأنصاری، الھندی (م: 1225ھ) "فواتح الرحموت" میں بیان مذہب کے بعد دلائل کی تفصیل میں لکھتے ہیں:

(لنا) أوّلا (لوثبت قبل التبليغ) على ذمة المكلف (كان التبليغ تأخيرا عن وقت الحاجة) والتزامه لايخلوعن شناعة عظيمة........الخ

(لنا) ثانيا (واقعة أهل قباء فانهم استداروا) حين علموا بالناسخ أثناء صلاة الفجر (وما أعادوا) وقد مرتخريجه وكذا واقعة أهل مسجد بنى حارثة فانهم أيضاً استداروا فى صلاة العصر وما أعادوا كما هوفى صحيح البخارى وغيره ولم ينكر عليهم رسول الله صلى الله عليه وآله وأصحابه وسلم ومن معه من الصحابة فى المسجد الشريف فهذا من قبيل بلوغ الحكم إلى بعض الأمة دون بعض وقد نقلوا الاتفاق فى ثبوت الحكم فى هذه الحالة على الكل وأما ثانيا فلانه **يجوز أن يكون عدم الاعادة بعفو من الشارع الشريف كيف وليس هذا بأدنى من الخطأ فى الاجتهاد كيف وهو معذور ويعتقد ثبوت حكم المنسوخ قطعا وهو فوق الظن الاجتهادى.**[1]

ہماری پہلی دلیل یہ ہے کہ تبلیغ سے قبل اگر حکم ثابت ہو تو تبلیغ وقت حاجت سے مؤخر ہو گی اور اس میں بہت بڑی قباحت لازم آئے گی۔۔۔۔۔الخ

دوسری دلیل یہ ہے کہ اہل قباء کو جب نسخ پہنچی تو انہوں نے فجر کی نماز میں اپنا رخ پھیرا، اور نزول ناسخ کے بعد جو نمازیں پڑھیں ان کا اعادہ نہ کیا۔ اسی طرح مسجد بنی حارثہ والوں نے بھی عصر کی نماز میں رخ پھیرا اور پچھلی نماز کا اعادہ نہ کیا۔ ان پر رسول اللہ ﷺ نے کوئی انکار نہ کیا اور نہ ہی ان کے ساتھ جو صحابہ مسجد میں تھے انہوں نے انکار کیا۔ یہ مثال اس حکم کی ہے جو

[1] فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلي محمد بن نظام الدين الأنصاري، الهندي (م: 1225ھ)

بعض تک پہنچا اور بعض تک نہیں پہنچا حالانکہ اس حالت میں اتفاق ہے کہ پوری امت پر حکم نافذ ہے۔ یہ **بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا اعادہ نہ کرنا شارع علیہ السلام کا عفو ہو، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ یہ اجتہاد میں خطا ہی نہ تھی کیونکہ معذور تھے اور وہ قطعی منسوخ کے ثبوت کا اعتقاد رکھتے تھے (اور اس پر عمل کر رہے تھے) اور یہ ظن اجتہاد سے اعلیٰ ہے۔**

یعنی حکم کے ظاہر پر عمل تھا جو ان کے نزدیک قطعی ثابت شدہ تھا۔ لہذا نہ یہ اجتہاد تھا، اور نہ ہی خطاء اجتہادی۔

جہاں نص اپنے معنی میں ظاہر ہو، اور حقیقت میں اس کا حکم منسوخ ہو چکا ہو جب تک مخاطب تک تنسیخ کی اطلاع نہیں پہنچتی، منسوخ نص کے مقتضی پر جان بوجھ کر اس کے خلاف عمل کرنا خطا و عصیان بیان کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ مکلف اپنے علم میں شارع کی نافرمانی کر رہا ہوتا ہے حالانکہ حقیقت میں پیروی ہوتی ہے، یہ عصیان اپنے علم میں مخالفت کی وجہ سے ہے۔

احناف کے اصول کی مشہور کتاب "مسلم الثبوت" میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا جس پر تفصیلی گفتگو اس کی شرح "فواتح الرحموت" میں ہے، آپ لکھتے ہیں:

(وأيضا لا نزاع) لاحد (في عدم وجوب الامتثال) بالناسخ قبل العلم لانه لا تكليف للغافل عن أحد.

اور اس میں بھی کسی کا بھی اختلاف نہیں کہ علم سے پہلے ناسخ پر عمل کرنا واجب نہیں۔ کیونکہ عدم علم والا مکلف نہیں۔

(بل في الثبوت) لحكم الناسخ (في الذمة فيمكن التدارك) بالقضاء (كما في النائم) فانه لا يجب عليه الامتثال مع شغل ذمته بالواجب (لصحة التمكن) من الفعل وان لم يكن التمكن حاصلا بالفعل وحينئذ لا نسلم أن المنسوخ واجب ثابت في الذمة بل انما الثابت حكم الناسخ وان لم يكن واجب الاداء (والعصيان) بالايتان بحكم الناسخ وترك حكم المنسوخ (لقصد المخالفة) للحكم الالهي الثابت عنده وان لم يكن ثابتا في نفس الأمر (**كما في وطء الزوجة بقصد الاجنبية) فانه يعصى لقصد المخالفة في زعمه وان كانت زوجته في نفس الأمر.**

بلکہ ناسخ کے حکم کے ثبوت میں ہے کہ یہ ذمہ میں واجب ہے تو قضا کے ساتھ اس کا تدارک ممکن ہے جب کہ نائم (سویا ہوا شخص) کیونکہ اس پر عمل کرنا واجب نہیں اگرچہ اس واجب کے ساتھ اس کا ذمہ مشغول ہے کیونکہ اس کا فعل پر تمکن (متمکن ہونا) صحیح ہے اگرچہ یہ تمکن بالفعل

حاصل نہیں اب (اس وضاحت سے) ہم یہ مانتے ہی نہیں کہ منسوخ واجب ہے اور ذمہ میں ثابت ہے بلکہ ثابت ناسخ کا حکم ہے اگرچہ واجب الاداء نہیں اور عصیان (گناہگار) ناسخ کے حکم پر عمل کرنے اور منسوخ کا حکم ترک کر کے اس کے نزدیک جو حکم الٰہی ثابت تھا اس کی مخالفت کا قصد کرنے کی وجہ سے ہے اگرچہ وہ (منسوخ اب) نفس الامر میں ثابت نہیں۔ جیسے کوئی شخص اپنی بیوی کو اجنبیہ سمجھ کر اس کے ساتھ جماع کرے تو یہ گناہگار اس وجہ سے ہے کہ اس نے اپنے گمان میں (حکم الٰہی کی) مخالفت کا قصد کیا اگرچہ نفس الامر میں وہ اس کی زوجہ ہے۔

اس پر مزید دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

(و) استدل (بانه لو ثبت) حكم الناسخ قبل البلوغ إلى الأمة (لثبت قبل تبليغ جبريل) عليه السلام إلى النبي صلى الله عليه و آله و أصحابه و سلم (لاتحادهما في عدم علم المكلف) ولم يكن المانع إلا ذلك (وفيه أن النبي صلى الله عليه) و آله و أصحابه و سلم على الأرض من جنس البشر، فيمكن بالفحص عنه) فهنا التمكن من العلم موجود بخلاف ما قبل تبليغ جبرائيل، فالقياس مع الفارق، وهذا غير واف، لانه لا دخل للتمكن من العلم فيه، إذ مبنى التكليف على العلم بالفعل دون التمكن، وان قيل انه ليس الكلام فيه بل في الثبوت في الذمة، وهو ليس من باب التكليف، قلت فليثبت في الذمة قبل تبليغ جبريل، فلا نسلم بطلان اللازم، لكن ينبغي أن يكون بطلان اللازم مجمعا عليه فافهم، ويمكن أن يقال على الدليل بأن القياس مع الفارق فان النزول على الرسول شرط التكليف ولم يوجد، كيف وقد نزل القرآن في السماء الدنيا قبل بعثة محمد رسول الله صلى الله عليه و آله و أصحابه و سلم بكثير و التوراة قبل بعثة موسى عليه السلام بكثير ولم يثبت أحكامهما في الذمة و ذلك لعدم النزول الينا، فكذا لا يكفي النزول إلى جبريل عليه السلام فتأمل فيه.

و الشافعية (قالوا حكم) الناسخ (تجدد و تعلق) بالمكلف لانه نزل إلى رسول الله صلى الله عليه و آله و أصحابه و سلم، وهو من المكلفين فثبت في الذمة فان قلت: لعل عدم العلم مانع؟ قال (وعدم العلم غير مانع) عن التعلق و الثبوت (كما إذا بلغ إلى مكلف ما) من غير البلوغ إلى الآخرين، فانه يثبت على الكل اتفاقا (قلنا) لا نسلم انه تعلق بالذمة لفقد شرطه إذ (التمكن) من العلم (معتبر) في تعلق التكليف (دفعا للتكيف بالمحال وهو) أي التمكن (يحصل بالتبليغ إلى واحد) من الأمة (بخلاف ما قبله) فان التمكن لا يمكن هناك

وفیه أولا أن التکلیف بالمحال انما یندفع بالعلم بالفعل لا بالتمکن منه فینبغی أن یشترط العلم بالفعل وثانیا قد مر أنه لیس النزاع فی التکلیف بل فی الثبوت فی الذمة وهو لا یستدعی العلم ولا التمکن (وقد یقال) لا بد من البلوغ إلی الواحد لیحصل التمکن، و (النبی صلی الله علیه) وآله وأصحابه (وسلم ذلك الواحد فیه یحصل التمکن) من العلم فقد وجد الشرط (أقول) فی الجواب (إذا بلغ إلی واحد) من الأمة (دل علی حصول زمان التمکن) من العلم بالضرورة (بخلاف ما إذا لم یبلغ) واحدا من الأمة، فانه لم یمر زمان تمکن أصلا (وإلا لزم تأخیر التبلیغ الواجب) عن وقت الحاجة وهو زمان توجه التکلیف ولو أسقط حدیث التمکن واکتفی علی لزوم تأخیر التبلیغ فی الاستناد ومنع علی تعلق الحکم بنفس النزول بل شرط التعلق بالذمة البلوغ إلی واحد دفعا لتأخیر التبلیغ لتم، ولا یتوجه الاشکالان من الأصل، **والأظهر فی الجواب إن یقال: لا نسلم التعلق بذمة المکلف قبل التبلیغ لعدم الفائدة من الأداء** والقضاء کما مر (فافهم) فانه مع وضوحه ینکر.[1]

اور استدلال کیا کہ اگر ناسخ کا حکم امت کی طرف تبلیغ سے قبل ثابت ہو جائے تو پھر جبرائیل علیہ السلام کی تبلیغ الی النبی ﷺ سے قبل بھی ثابت ہو گا، کیونکہ دونوں صورتیں مکلف کے عدم علم میں متحد ہیں۔ اور مانع تو عدم علم ہے (نہ رہے تو حکم ثابت ہے) (اور اس میں یہ بھی اعتراض ہے) کہ نبی کریم ﷺ زمین پر جنس بشر سے ہیں تو تلاش سے ناسخ کا علم ممکن تھا بخلاف جبرئیل علیہ السلام کی تبلیغ کے تو یہ قیاس مع الفارق ہے۔ مگر یہ کافی نہیں کیونکہ اس میں علم پر تمکن کو دخل نہیں کیونکہ تکلیف کا مبنی علم بالفعل پر ہے نہ کہ تمکن پر۔ اگر یہ کہا جائے کہ بات اس میں نہیں بلکہ ثبوت فی الذمہ مراد ہے اور وہ تکلیف کے باب سے نہیں، تو جواب یہ ہے کہ پھر تو جبرائیل کی تبلیغ سے قبل ذمہ میں واجب ہو گا، تو ہمیں لازم کا بطلان تسلیم نہیں، لیکن لازم کا بطلان اتفاقی ہونا چاہیئے، فافہم۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کہا جائے اس دلیل پر کہ یہ قیاس مع الفارق ہے کہ رسول ﷺ پر نزول شرط تکلیف ہے اور وہ ہے نہیں، کیسے ہو سکتا ہے قرآن تو بعثت محمد ﷺ سے بہت پہلے آسمان دنیا پر اور تورات بعثت موسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے آسمان دنیا پر نازل ہو چکی

---

[1] فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلي محمد بن نظام الدين الأنصاري، الهندي (م: 1225ھ) (۲،۱۰۹)

تھی اور اس کے احکام ذمہ میں واجب نہ تھے، وجہ یہ تھی کہ نزول ہماری طرف نہ تھا تو اسی طرح جبرئیل کی طرف بھی نزول کافی نہیں، فتأمل فیہ۔

شوافع کہتے ہیں کہ ناسخ کا حکم مکلف کے ساتھ تجدد اور تعلق ہے، کیونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کی طرف نازل ہوا اور آپ ﷺ مکلفین سے ہیں تو ثابت فی الذمہ ہوا۔ اگر یہ اعتراض ہو کہ شاید عدم علم مانع ہو؟ تو فرمایا کہ عدم علم تعلق اور ثبوت سے مانع نہیں جیسے جب یہ کسی ایک مکلف تک پہنچ جائے اور دیگر تک نہ پہنچے تو سب پر اتفاقا واجب ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ اس کا تعلق ذمہ کے ساتھ ہے کیونکہ شرط مفقود ہے، کہ تمکن علم تعلق تکلیف کے لیے معتبر ہے تاکہ محال کے ساتھ تکلیف دینا لازم نہ آئے اور یہ تمکن امت میں سے کسی ایک تک تبلیغ سے حاصل ہو جائے گا بخلاف اس سے ماقبل کے کہ اس میں تمکن ممکن نہیں۔ اور اس میں یہ اعتراض بھی ہے کہ تکلیف بالمحال علم بالفعل سے دفع ہوگا نہ کہ تمکن علم سے تو چاہیے کہ علم بالفعل شرط رکھی جائے۔ اور دوسرا یہ کہ یہ بات گزر چکی کہ نزاع تکلیف میں نہیں بلکہ ثبوت فی الذمہ میں ہے اور یہ نہ علم چاہتا ہے اور نہ ہی تمکن۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی ایک تک پہنچنا لازم ہے تاکہ تمکن حاصل ہو اور وہ ایک نبی کریم ﷺ کی ذات بھی ہو سکتی ہیں لہذا تمکن علم حاصل ہوگا اور شرط پائی جائے گی۔ اس کے جواب میں کہتا ہوں کہ جب امت میں سے کسی کو علم پہنچ جائے تو یہ دلالت کریگا کہ تمکن علم کا وقت بالضرورہ حاصل ہوا بخلاف اس کے کہ امت میں سے کسی کو بھی نہ پہنچے کیونکہ تمکن کا زمانہ اصلا گزرا ہی نہ ہوگا۔ وگرنہ یہ لازم آئیگا کہ جو تبلیغ واجب تھی اس میں وقت حاجت سے تاخیر ہوئی اور وہ تکلیف کے متوجہ ہونے کا وقت ہے۔ اور اگر تمکن کی بات سرے سے ساقط کر دی جائے اور استناد میں تبلیغ کی تاخیر لازم آنے پر اکتفا کیا جائے اور نفس نزول پر حکم کے تعلق پر منع وارد کیا جائے بلکہ یہ شرط رکھی جائے تعلق بالذمہ تب ہوگا کہ جب کسی ایک تک پہنچ جائے تاکہ تاخیر تبلیغ سے بچا جائے تو (دلیل) تام ہوگی اور جو دو اشکال تھے وہ سرے سے وارد ہی نہ ہونگے۔ اور **جواب میں زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کہا جائے کہ ہم تبلیغ سے قبل ہم مکلف کے ذمہ تعلق تسلیم نہیں کرتے** کہ ادا یا قضا کا کوئی فائدہ نہیں، جیسے گزر چکا ہے، لہذا اس میں تدبر کرو کیونکہ باجود واضح ہونے کے اس کا انکار کیا جائیگا۔

۹۔ امام صدر الشریعہ الاصغر عبید اللہ ابن مسعود

صدر الشریعۃ الأصغر قاضی عبید اللہ ابن مسعود بن تاج الشریعۃ المحبوبی البخاری الحنفی (م:747ھ) فرماتے ہیں:

إذا نزل خطاب، ولم ينتشر بعد في دارنا كما في قصة أهل قباء" فإنهم إذ بلغهم تحويل القبلة وكانوا في الصلاة استداروا إلى الكعبة فاستحسن رسول الله عليه الصلاة والسلام وكانوا يقولون: **كيف صلاتنا إلى بيت المقدس قبل علمنا بالتحويل، فأنزل الله تعالى: {وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ} أي: صلاتكم إلى بيت المقدس** "وقصة تحريم الخمر" {لما نزل تحريم الخمر قال الصحابة يا رسول الله فكيف بإخواننا الذين ماتوا وهم يشربون الخمر، ويأكلون مال الميسر أي: بعد التحريم قبل بلوغ الخطاب إليهم؟ فنزل قوله تعالى: {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا} فأما إذا انتشر التبليغ في ديارنا فقد تم التبليغ فمن جهل هنا يكون لتقصيره كمن لم يطلب الماء في العمرانات فتيمم وكان الماء موجودا لا يصح.[1]

جب خطاب نازل ہوا اور ابھی تک ہمارے بلاد میں مشہور نہ ہو (یعنی ہم تک نہ پہنچے) جیسا کہ اھل قباء کے قصہ میں ہے کیونکہ جب انہیں تحویل قبلہ کی خبر پہنچی اور وہ نماز میں تھے تو کعبہ کی طرف پھر گئے۔ ان کے اس عمل کو رسول اللہ ﷺ نے اچھا جانا اور وہ کہتے تھے **ہماری بیت المقدس کی نماز کا کیا بنا؟ جب ہمیں تحویل کا علم نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی (وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ) یعنی ایمان سے مراد بیت المقدس کی طرف نماز ہے۔** اسی طرح تحریم خمر کے قصہ میں بھی ہے کہ جب شراب کی تحریم نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ ہمارے وہ بھائی جب اس سے پہلے فوت ہوئے اور وہ خمر پیتے تھے، اور میسر کا مال کھاتے تھے۔ یعنی تحریم کے بعد اور ان تک پہنچنے سے پہلے تو یہ آیت نازل ہوئی (لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا) اور جب بلاد میں تبلیغ عام ہو جائے تو تبلیغ مکمل ہوئی اب جاہل رہنا بندے کی تقصیر ہے جیسے کوئی آبادی میں پانی طلب نہ کرے اور پانی موجود ہو تو تیمم صحیح نہیں۔

---

1 شرح التلويح على التوضيح المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني (المتوفى: 793ھ) الناشر: مكتبة صبيح بمصر الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ ج2ص 368

یعنی اس نماز کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوئی، خطاء اجتہادی میں تو ایک اجر صواب کے مقابلے میں کم ہوتا ہے، مصیب کو دو اور مخطی کو ایک اجر ملتا ہے، یہاں تو رب کا وعدہ ہے کہ اس استدبار قبلہ والی نماز پر تمہارے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی پورا پورا ملے گا۔

جب تبلیغ عام ہو جائے جیسا کہ آج کے دور میں تو اب لاعلم رہنا بندے کی تقصیر ہے، لہذا اب عدم علم نہ مواخذہ سے بچائے گا اور نہ ہی شرعی حدود، تعزیر سے۔ لیکن جس دور میں مسئلہ فدک پیش آیا تھا، تب تک ''لا نورث... الخ'' کی نص شائع ہی نہیں ہوئی تھی، کہ اس پر عدم علم کی وجہ سے عمل نہ کرنے کو مذموم کہا جاسکے بلکہ عموم پر عمل کرنا ہی مستحسن تھا۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک کی کئی مثالیں ملتی ہیں بعض صحابہ رضی اللہ عنہم تک ممانعت و حرمت کی تمام نصوص نہیں پہنچی تھیں، جیسا کہ متعہ کے حوالے سے احادیث مبارکہ میں بھی آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک اس کی حرمت سے بعض لوگ لاعلم تھے آپ نے انھیں منع تو کیا مگر جن تک نص نہیں پہنچی تھی کسی کو سزا نہیں دی۔

اس کی شرح میں امام سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی الشافعی ثم الحنفی (المتوفی: 793ھ) لکھتے ہیں:

قوله: ''وأما جهل يصلح عذرا'' كمن أسلم في دار الحرب، ولم يهاجر إلى دار الإسلام فجهله بالأحكام من الصلاة، والصوم، ونحو ذلك يكون عذرا له في الترك حتى لا يجب بعد المهاجرة قضاء مدة اللبث في دار الكفر; لأنه لا بد من سماع الخطاب حقيقة أو تقديرا بشهرته في محله.

عدم علم عذر صحیح ہے جیسے کوئی دارالحرب میں اسلام لائے اور دارالاسلام کی طرف ہجرت نہ کرے تو اس کی لاعلمی نماز روزہ اور اس طرح دیگر احکام سے عذر ہے اور ہجرت کے بعد جتنی مدت وہ دار الحرب میں رہا ان تمام عبادات کی قضا واجب نہیں کیونکہ ضروری ہے کہ خطاب حقیقتاً یا تقدیراً سنا ہوا ہو اپنی جگہ پر مشہور ہونے کی وجہ سے۔

صاحب توضیح صدر الشریعہ آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

قوله: "وقصة تحريم الخمر" هي أن بعض الصحابة كانوا في سفر فشربوا الخمر بعد التحريم لعدم علمهم بحرمتها فنزل {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا}، وعن ابن كيسان أنه لما نزل تحريم الخمر، والميسر قال أبو بكر رضي الله

تعالى عنه يا رسول الله كيف بإخواننا الذين ماتوا، وقد شربوا الخمر، وأكلوا الميسر، وكيف بالغائبين عنا في البلدان لا يشعرون بتحريمها، وهم يطعمونها فنزلت.[1]

تحریم خمر کے قصہ میں بعض افراد سفر میں تھے اور تحریم کے بعد انہوں نے خمر پی کیونکہ انہیں تحریم کا علم نہ تھا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ان پر کچھ گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے چکھا جب ڈریں اور ایمان رکھیں) ابن کیسان کی روایت میں ہے کہ جب تحریم خمر کا حکم نازل ہوا تو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہمارے جن بھائیوں نے خمر پی، اور میسر کا مال کھایا اور فوت ہو چکے ہیں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اور ایسے ہی وہ جو غائب ہیں دیگر علاقوں میں ہیں، اور انہیں اس تحریم کا علم نہیں اور وہ خمر پیتے ہیں اور میسر کا مال کھاتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔

یعنی اس سے لاعلمی کی وجہ سے جو انہوں نے کیا ہے اس پر ان سے کوئی حرج نہیں۔

صاحب تلویح علامہ تفتازانی اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وكذا إذا نزل خطاب، ولم ينتشر بعد في دارنا كما في قصة أهل قباء "فإنهم إذ بلغهم تحويل القبلة وكانوا في الصلاة استداروا إلى الكعبة فاستحسن رسول الله عليه الصلاة والسلام وكانوا يقولون: كيف صلاتنا إلى بيت المقدس قبل علمنا بالتحويل، فأنزل الله تعالى: {وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ} أي: صلاتكم إلى بيت المقدس "وقصة تحريم الخمر" {لما نزل تحريم الخمر قال الصحابة يا رسول الله فكيف بإخواننا الذين ماتوا وهم يشربون الخمر، ويأكلون مال الميسر أي: بعد التحريم قبل بلوغ الخطاب إليهم؟ فنزل قوله تعالى: {لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا}.[2]

خطاب نازل ہو اور ابھی تک خبر ہمارے علاقے میں پھیلی نہ ہو جیسے کہ قباء والوں کا قصہ ہے کیونکہ جب انہیں حکم پہنچا اور وہ نماز میں ہی تھے تو کعبہ کی طرف رخ کیا، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني الشافعي (المتوفى: 793هـ) المحقق: زكريا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: (الطبعة الأولى 1416هـ 1996 م) ج2ص389

[2] شرح التلويح على التوضيح لمتن التنقيح في أصول الفقه المؤلف: سعد الدين مسعود بن عمر التفتازاني الشافعي (المتوفى: 793هـ) المحقق: زكريا عميرات الناشر: دار الكتب العلمية بيروت – لبنان الطبعة: (الطبعة الأولى 1416هـ 1996 م) ج2ص389

نے اچھا قرار دیا، حالانکہ وہ پوچھ رہے تھے کہ تحویل کا علم ہونے سے پہلے ہم نے جو نماز بیت المقدس کی طرف پڑھی اس کا کیا حکم ہے تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: {وَمَا كَانَ اللهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ} یعنی بیت المقدس کے طرف صلاۃ کے اجر و ثواب میں کوئی نقصان نہیں۔ اللہ تعالی نے ان کے اس عمل کے صواب ہونے کی تائید فرمادی۔ علامہ تفتازانی نے پھر تحریم خمر کی مثال بھی دی.....الخ.

یہ صورتیں اجتہاد کی نہیں بلکہ ناسخ کے عدم علم، اور شارع کی طرف سے منصوص حکم پر عمل کی ہیں۔ اجتہاد شرعی تو یہ ہے کہ جس مسئلہ میں نص موجود نہ اس میں اپنی رائے پر مجتہد کا عمل کرنا اجتہاد ہے یہاں تو نص پر عمل ہے۔

شریعت اسلامیہ کا ایک اہم اصول:

سرکار دوعالم ﷺ کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم نے کوئی قول یا فعل کیا ہو یا اس کی اطلاع آپ ﷺ تک پہنچی ہو اور آپ نے اس کا انکار نہ فرمایا ہو، تو یہ ان کے قول و فعل کے درست و صواب ہونے پر دلالت کرتا ہے اور اصطلاح میں اسے حدیث تقریری کہا جاتا ہے۔ اب جن افعال میں آپ نے نکیر نہیں فرمائی تو یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ان میں نہ ہی مطلق خطا ہے نہ ہی اجتہادی خطا ہے۔ کیونکہ خطاء اجتہادی پر انکار کیا جاتا ہے، قرار و تحسین نہیں کی جاتی۔ کیونکہ دور رسالت میں کوئی اپنی رائے یا اجتہاد سے کوئی ایسا اضافی عمل بھی کر دیتا جو قابل مواخذہ نہ بھی ہوتا مگر اس پر لازم بھی نہ ہوتا تو سرکار دوعالم اسے اس پر آگاہ کر دیتے تھے، کہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے غسل کی حاجت پیش آنے پر پانی دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے آپ نے اپنی رائے (اجتہاد) سے جسم کے اضافی حصوں پر ریت مل لی تو آپ رضی اللہ عنہ نے جو سارے جسم پر ریت ملنے کا اضافی عمل کیا اس کی ضرورت نہیں تھی، تو اس پر آپ ﷺ کے علم میں جب یہ بات لائی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس عمل کے بلاضرورت ہونے کی طرف راہنمائی فرمادی۔

قرآن مجید فرقان حمید میں اللہ جل جلالہ نے وضو کے لیے پانی کی عدم دستیابی کی صورت میں اس کا متبادل "فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِّنْهُ"[1] (اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا

---

[1] المائدۃ: 6

(پاک) مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کرو) کا حکم بیان فرما دیا تھا، مگر کیا تیمم صرف وضو کا متبادل ہے یا جنبی کو بھی طہارت میں کفایت کرے گا۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا دور رسالت میں اختلاف ہو گیا تھا اور وصال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک یاد تھا مگر دوسری طرف حضرت عمر الفاروق رضی اللہ عنہ اس واقعہ میں جن کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا تھا ان کو مستحضر نہیں تھا۔ اور یہ اختلاف بعد میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں باقی رہا۔ صحیح مسلم شریف میں حدیث پاک ہے۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ: "أَنَّ رَجُلًا أَتَى عُمَرَ، فَقَالَ: إِنِّي أَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدْ مَاءً، فَقَالَ: لَا تُصَلِّ، فَقَالَ عَمَّارٌ: أَمَا تَذْكُرُ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِذْ أَنَا وَأَنْتَ فِي سَرِيَّةٍ، فَأَجْنَبْنَا فَلَمْ نَجِدْ مَاءً، فَأَمَّا أَنْتَ فَلَمْ تُصَلِّ، وَأَمَّا أَنَا، فَتَمَعَّكْتُ فِي التُّرَابِ وَصَلَّيْتُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَضْرِبَ بِيَدَيْكَ الْأَرْضَ، ثُمَّ تَنْفُخَ، ثُمَّ تَمْسَحَ بِهِمَا وَجْهَكَ، وَكَفَّيْكَ"، فَقَالَ عُمَرُ: اتَّقِ اللهَ يَا عَمَّارُ، قَالَ: إِنْ شِئْتَ لَمْ أُحَدِّثْ بِهِ، قَالَ الْحَكَمُ، وَحَدَّثَنِيهِ ابْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبْزَى، عَنْ أَبِيهِ، مِثْلَ حَدِيثِ ذَرٍّ، قَالَ: وَحَدَّثَنِي سَلَمَةُ، عَنْ ذَرٍّ، فِي هَذَا الإِسْنَادِ الَّذِي ذَكَرَ الْحَكَمُ، فَقَالَ عُمَرُ: نُوَلِّيكَ مَا تَوَلَّيْتَ.[1]

سعید بن عبد الرحمٰن بن ابزی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: مجھے جنابت ہوئی اور پانی نہیں ملا (اب میرے لیے کیا حکم ہے؟)، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نماز نہ پڑھنا۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ کو یاد نہیں، جب میں اور آپ لشکر میں تھے پھر ہم دونوں کو جنابت ہوئی اور پانی نہ ملا، آپ نے تو نماز نہیں پڑھی لیکن میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا اور نماز پڑھ لی (جب اس کا ذکر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تجھے کافی تھا اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارنا پھر ان کو پھونکنا پھر مسح کرنا منہ اور دونوں پہنچوں پر"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے عمار! اللہ سے ڈرو۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے عرض کی اگر آپ کہیں تو میں یہ حدیث بیان نہیں کروں گا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہاری روایت کا بوجھ تمہارے ہی اوپر ہے۔

---

[1] الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري: الناشر: دار الجيل بيروت ج1ص193

اسی قسم کا اختلاف دو اور صحابہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ کے درمیان بھی تھا اس کے حوالے سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نقل فرماتے ہیں۔

عَنْ شَقِيقٍ، قَالَ: كُنْتُ جَالِسًا مَعَ عَبْدِ اللهِ وَأَبِي مُوسَى الْأَشْعَرِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: لَوْ أَنَّ رَجُلًا أَجْنَبَ فَلَمْ يَجِدِ الْمَاءَ شَهْرًا، أَمَا كَانَ يَتَيَمَّمُ وَيُصَلِّي؟ فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ بِهَذِهِ الْآيَةِ؟ فِي سُورَةِ الْمَائِدَةِ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا سورة النساء آية، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: لَوْ رُخِّصَ لَهُمْ فِي هَذَا لَأَوْشَكُوا إِذَا بَرَدَ عَلَيْهِمُ الْمَاءُ أَنْ يَتَيَمَّمُوا الصَّعِيدَ، قُلْتُ: وَإِنَّمَا كَرِهْتُمْ هَذَا لِذَا، قَالَ: نَعَمْ، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ، بَعَثَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي حَاجَةٍ، فَأَجْنَبْتُ فَلَمْ أَجِدِ الْمَاءَ، فَتَمَرَّغْتُ فِي الصَّعِيدِ كَمَا تَمَرَّغُ الدَّابَّةُ، فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: "إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا، فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الْأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ"، فَقَالَ عَبْدُ اللهِ: أَفَلَمْ تَرَ عُمَرَ لَمْ يَقْنَعْ بِقَوْلِ عَمَّارٍ: وَزَادَ يَعْلَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ شَقِيقٍ، كُنْتُ مَعَ عَبْدِ اللهِ، وَأَبِي مُوسَى، فَقَالَ أَبُو مُوسَى: أَلَمْ تَسْمَعْ قَوْلَ عَمَّارٍ لِعُمَرَ، إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَنِي أَنَا وَأَنْتَ فَأَجْنَبْتُ فَتَمَعَّكْتُ بِالصَّعِيدِ، فَأَتَيْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرْنَاهُ، فَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ وَاحِدَةً.[1]

حضرت شقیق بیان کرتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھا۔ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر ایک شخص کو غسل کی حاجت ہو اور مہینہ بھر پانی نہ پائے تو کیا وہ تیمم کر کے نماز نہ پڑھے؟ شقیق کہتے ہیں کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ تیمم نہ کرے اگرچہ وہ ایک مہینہ تک پانی نہ پائے (اور نماز موقوف رکھے) ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس پر کہا کہ پھر سورۃ المائدہ کی اس آیت کا کیا مطلب ہو گا "اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کر لو۔ "عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما بولے کہ اگر لوگوں کو اس کی اجازت دے دی جائے تو جلد ہی یہ حال ہو جائے گا کہ جب ان کو پانی ٹھنڈا معلوم ہو گا تو وہ مٹی سے تیمم ہی کر لیں گے۔ اعمش نے کہا میں نے شقیق سے کہا تو تم نے جنبی کے لیے تیمم اس لیے برا جانا۔ انہوں نے کہاہاں۔ پھر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کیا آپ کو عمار رضی اللہ عنہ کا عمر

[1] الجامع الصحيح المختصر المؤلف: محمد بن إسماعيل أبو عبدالله البخاري الجعفي الناشر: دار ابن كثير، اليمامة، بيروت (الطبعة الثالثة، 1407ھ) ج 1 ص 133

بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ قول معلوم نہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام کے لیے بھیجا تھا۔ سفر میں مجھے غسل کی ضرورت ہو گئی، لیکن پانی نہ ملا۔ اس لیے میں مٹی میں دابہ کی طرح لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لیے صرف اتنا کرنا کافی تھا۔ اور آپ نے اپنے ہاتھوں کو زمین پر ایک مرتبہ مارا پھر ان کو جھاڑ کر بائیں ہاتھ سے داہنے کی پشت کو مل لیا یا بائیں ہاتھ کا داہنے ہاتھ سے مسح کیا۔ پھر دونوں ہاتھوں سے چہرے کا مسح کیا۔ عبد اللہ نے اس کا جواب دیا کہ آپ عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھتے کہ انہوں نے عمار رضی اللہ عنہ کی بات پر قناعت نہیں کی تھی۔ اور یعلیٰ ابن عبید نے اعمش کے واسطہ سے شقیق سے روایت میں یہ زیادتی کی ہے کہ انہوں نے کہا کہ میں عبد اللہ اور ابو موسیٰ کی خدمت میں تھا اور ابو موسیٰ نے فرمایا تھا کہ آپ نے عمر سے عمار کا یہ قول نہیں سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور آپ کو بھیجا۔ پس مجھے غسل کی حاجت ہو گئی اور میں مٹی میں لوٹ پوٹ ہو گیا۔ پھر میں رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صورت حال کے متعلق ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں صرف اتنا ہی کافی تھا اور (آپ نے) اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کا ایک ہی مرتبہ مسح فرمایا۔

اس واقعہ میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا ذاتی علم و عمل ہونے کے باوجود حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا ادب و احترام اور ان کی اطاعت و فرمابرداری کا جذبہ اس قدر تھا کہ عرض کی۔ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ إِنْ شِئْتَ لِمَا جَعَلَ اللهُ عَلَيَّ مِنْ حَقِّكَ لاَ أُحَدِّثُ بِهِ أَحَدًا. [1] اے امیر المؤمنین! اللہ نے آپ کا حق مجھ پر کیا ہے (کہ آپ امیر المؤمنین ہیں اور آپ کا مقام و مرتبہ بلند ہے، میں آپ کی رعیت ہوں اور اطاعت امیر واجب ہے) اگر (بیان کرنا خلاف مصلحت ہے) تو آپ فرمائیں، میں یہ حدیث کسی سے بیان نہیں کروں گا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ جو خود السابقون الاولون میں شامل ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام لانے والے ہیں لیکن اس کے باوجود کیا ہی ادب و احترام والا انداز ہے یعنی آپ امیر المؤمنین ہیں اپنے مقابلے میں آپ کو خطا پر کہتے پھرنا یا آپ کو خطا پر ثابت کرنے کے لیے تقریریں

---

1 الجامع الصحيح المسمى صحيح مسلم المؤلف: أبو الحسين مسلم بن الحجاج بن مسلم القشيري: الناشر: دار الجيل بيروت ص193/1

کرتے پھرنا تو دور کی بات ہے، اگر آپ فرمائیں تو میں یہ روایت بھی کسی سے ذکر نہیں کروں گا، جس سے یہ ظاہر ہو کہ عمار کا موقف صواب اور عمر کا خطا یا خطاء اجتہادی ہے۔

اور آج کے دور میں تو رسول اللہ ﷺ کے جگر پارے کو فدک میں جہاں نہ مطلق خطا ہے اور نہ اجتہادی چلا چلا کر خطا پر کہنا اور پھر اپنی بات کو درست ثابت کرنے اور رسول اللہ ﷺ کے جگر پارہ کو خطا پر ثابت کرنے کے لیے سیمینار پر سیمینار اور کانفرنسیں کی جارہی ہیں اور اسے دین کی خدمت اور جذبہ ایمانی بیان کیا جارہا ہے۔ اللھم لا تجعلنا منھم۔

ناسخ کا حکم پہنچنے سے پہلے امت کے حق میں متحقق نہ ہونے کے حوالے سے شوافع میں سے علامہ آمدی بھی احناف کے مؤید ہیں۔

ناسخ کے علم سے پہلے منسوخ پر ترک عمل سے بالاجماع گنہگار

۱۰۔ امام ابو الحسن الآمدی کی رائے

ابو الحسن سید الدین علی بن ابی علی بن محمد بن سالم الثعلبی الآمدی (المتوفی: 631ھ) نسخ کے حوالے سے ''الإحکام فی أصول الأحکام'' میں نقل کرتے ہیں:

[الْمَسْأَلَةُ السَّابِعَةَ عَشْرَةَ وَرَدَ النَّسْخُ إِلَى النَّبِيِّ علیه السلام وَلَمْ يَبْلُغِ الْأُمَّةَ هَلْ يَتَحَقَّقُ بِذَلِكَ النَّسْخُ فِي حَقِّهِمْ]

الْمَسْأَلَةُ السَّابِعَةَ عَشْرَةَ

لَا نَعْرِفُ خِلَافًا بَيْنَ الْأُمَّةِ فِي أَنَّ النَّاسِخَ إِذَا كَانَ مَعَ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَنْزِلْ بِهِ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَثْبُتْ لَهُ حُكْمٌ فِي حَقِّ الْمُكَلَّفِينَ، بَلْ هُمْ فِي التَّكْلِيفِ بِالْحُكْمِ الْأَوَّلِ عَلَى مَا كَانُوا عَلَيْهِ قَبْلَ إِلْقَاءِ النَّاسِخِ إِلَى جِبْرِيلَ، وَإِنَّمَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا وَرَدَ النَّسْخُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَبْلُغِ الْأُمَّةَ، هَلْ يَتَحَقَّقُ بِذَلِكَ النَّسْخُ فِي حَقِّهِمْ أَوْ لَا؟

فَذَهَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ الشَّافِعِيِّ إِلَى الْإِثْبَاتِ، وَبَعْضُهُمْ إِلَى النَّفْيِ وَبِهِ قَالَ أَصْحَابُ أَبِي حَنِيفَةَ وَالْإِمَامُ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ، وَهُوَ الْمُخْتَارُ.

وَبَيَانُهُ أَنَّ النَّسْخَ لَهُ لَازِمٌ، وَهُوَ ارْتِفَاعُ حُكْمِ الْخِطَابِ السَّابِقِ وَامْتِنَاعُ الْخُرُوجِ بِالْفِعْلِ الْوَاجِبِ أَوَّلًا عَنِ الْعُهْدَةِ، وَلُزُومُ الْإِتْيَانِ بِالْفِعْلِ الْوَاجِبِ النَّاسِخِ وَالْإِثْمُ بِتَرْكِهِ وَالثَّوَابُ عَلَى فِعْلِهِ، وَهَذِهِ اللَّوَازِمُ مُنْتَفِيَةٌ، وَيَلْزَمُ مِنِ انْتِفَاءِ اللَّازِمِ انْتِفَاءُ الْمَلْزُومِ، أَمَّا أَنَّ الْحُكْمَ السَّابِقَ لَمْ يَرْتَفِعْ فَهُوَ أَنَّ الْمُكَلَّفَ يُثَابُ عَلَى فِعْلِهِ وَيَخْرُجُ بِهِ عَنِ الْعُهْدَةِ، **"وَيَأْثَمُ بِتَرْكِهِ لَهُ قَبْلَ بُلُوغِ النَّسْخِ إِلَيْهِ بِالْإِجْمَاعِ"**.

وَلِهَذَا فَإِنَّ أَهْلَ قُبَاءَ لَمَّا بَلَغَهُمْ نَسْخُ التَّوَجُّهِ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ بِالتَّوَجُّهِ إِلَى الْكَعْبَةِ اسْتَدَارُوا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اعْتَدَّ لَهُمْ بِالرَّكَعَاتِ الَّتِي أَتَوْا بِهَا بَعْدَ نُزُولِ النَّسْخِ قَبْلَ عِلْمِهِمْ بِالنَّسْخِ وَلَمْ يُنْكِرْ عَلَيْهِمْ.[1]

(سترہواں مسئلہ: نص رسول اللہ ﷺ تک پہنچی اور امت تک ابھی نہیں پہنچی تو کیا نسخ امت کے حق میں متحقق ہوگی؟)

امت کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ ناسخ جب جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ ہو اور نبی کریم ﷺ تک اسے نہ پہنچایا ہو تو مکلفین کے حق میں اس کا حکم ثابت نہیں ہوتا، بلکہ وہ حکم اول کے ساتھ مکلف ہیں جو اس ناسخ کے جبرائیل علیہ السلام کو القاء کرنے سے پہلے ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ جب نسخ نبی کریم ﷺ پر وارد ہو جائے اور ابھی امت تک وہ نہ پہنچی ہو، تو کیا امتیوں کے حق میں نسخ متحقق ہوگی یا نہیں؟

امام شافعی کے بعض اصحاب اس طرف گئے ہیں کہ نسخ ثابت ہوگا اور **بعض نے نفی کی ہے اور یہی امام ابو حنیفہ کے اصحاب اور امام احمد بن حنبل کا قول ہے، اور یہی مختار ہے۔**

اس کا بیان یوں ہے کہ نسخ اسے لازم ہے اور وہ خطاب سابق کے حکم کو اٹھانا ہے اور فعل واجب کے ساتھ عہدہ سے اولا خروج کا امتناع ہے اور فعل واجب ناسخ پر عمل کرنے کا لزوم ہے اور اس کے چھوڑنے پر گناہ اور کرنے پر ثواب ہے۔ اور یہ لوازم منتفی ہیں۔ اور لازم کے انتفاء سے ملزوم کا انتفاء لازم ہے۔ تو حکم سابق مرتفع نہ ہوا اور مکلف کے لیے اسے کرنے پر ثواب دیا جائیگا اور اس کے ذریعہ سے اپنی ذمہ داری پوری کرے گا اور **"نسخ کے پہنچنے سے قبل منسوخ پر عمل ترک کرنے سے بالاجماع یہ گناہگار ہوگا"۔**

---

[1] الإحكام في أصول الأحكام المؤلف: أبو الحسن سيد الدين علي بن أبي علي بن محمد بن سالم الثعلبي الآمدي دار الصميعي للنشر والتزيع الرياض الطبعة الاولى 1424ھ ج3 ص208

اس لیے اہل قباء کو جب بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا نسخ پہنچا تو انہوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیرا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی وہ رکعات جو وہ بیت المقدس کی طرف ادا کر چکے تھے بر قرار رکھیں، اور یہ نسخ کے نزول کے بعد اور ان کے علم سے پہلے تھا، اور رسول اللہ ﷺ نے ان پر کوئی انکار نہ فرمایا۔

امام آمدی کا مختار بھی احناف کی رائے ہے کہ حکم منسوخ ہو جانے کے باوجود جس تک ناسخ کی اطلاع نہ پہنچی ہو اس کے لیے نیا حکم ثابت ہی نہیں ہو گا۔ اور مزید لکھتے ہیں کہ اس پر اجماع ہے کہ ناسخ کی اطلاع پہنچے سے پہلے منسوخ پر ترک عمل سے گناہگار ہو گا۔

اسی طرح شوافع میں سے امام شمس الدین سبط جوزی شافعی بھی احناف کی تائید کرتے ہیں۔

١١۔ امام شمس الدین سبط ابن الجوزی

حنابلہ میں سے یوسف بن قزاوغلی یا قزغلی ابن عبد اللہ، ابو المظفر، شمس الدین، سبط ابی الفرج ابن الجوزی (م:654ھ) نے جو نقل کیا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی قبلہ کی تحری کے بعد جو جہت قبلہ کے خلاف نماز پڑھتا ہے تو یہ بھی خطاء اجتہادی نہیں کہ اعادہ واجب ہو آپ لکھتے ہیں:

مسألة إذا اشتبهت القبلة على مسافر في ليلة مظلمة فتحرى وصلى إلى أي جهة ثم تبين أنه استدبر القبلة أجزأه ولا إعادة عليه وهو قول ابن عمر ومالك والشافعي في القديم وأحمد وقال الشافعي في الجديد لا يجزئه ويلزمه الإعادة.[1]

مسئلہ: جب اندھیری رات میں مسافر پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور تحری کر کے ایک جہت کی طرف نماز پڑھ لے اور پھر ظاہر ہو کہ اس نے قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے نماز پڑھی ہے تو اس کی نماز ہو جائے گی اور اس پر نماز لوٹانا واجب نہیں۔ یہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما، مالک، اور امام شافعی کا قدیم قول ہے، امام شافعی کا نیا قول ہے کہ نماز نہیں ہوئی اعادہ کریگا۔

---

1 إيثار الإنصاف في آثار الخلاف المؤلف: يوسف بن قزأوغلي، أو قزغلي، ابن عبد الله، أبو المظفر، شمس الدين، سبط أبي الفرج ابن الجوزي (المتوفى: 654هـ) المحقق: ناصر العلي الناصر الخليفي الناشر: دار السلام – القاهرة الطبعة: الأولى، 1408ج1ص253

مختلف مذاھب لکھنے کے بعد اپنے مختار پر اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لنا ما روی أن الصحابة رضی الله عنهم خرجوا فی غزاة فاشتبهت علیهم القبلة فی لیلة مظلمة فصلی کل واحد علی حیاله فلما أصبحوا أخبروا النبی صلی الله علیه وسلم فنزلت {فأینما تولوا فثم وجه الله} وقال حدیث حسن۔ وروی أن أهل قباء لما أخبروا بتحویل القبلة استداروا إلیها ولم یستأنفوا الماضی وتلك الصلاة لم تكن إلی جهة القبلة مع القدرة علی إصابتها ومع هذا جازت فتجویزها مع العجز أولی احتج الشافعی بقوله تعالی {فولوا وجوهكم شطره} فتجب التولیة فی قضاء المأتی به قلنا المراد به حالة المشاهدة لأن ما ذكر فیه حرج وهو تكلیف ما لیس فی الوسع.[1]

ہماری دلیل ہے: کہ صحابہ کرام ایک غزوہ میں تھے کہ ان پر اندھیری رات میں قبلہ مشتبہ ہوا تو ہر ایک نے اسی طرف نماز پڑھی جس طرف اس کا منہ تھا جب صبح رسول اللہ ﷺ کو خبر دی تو یہ آیت نازل ہوئی: تم جدھر بھی رخ کرو اسی طرف اللہ کا رخ ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور جب اُہل قباء کو تحویل قبلہ کی خبر ملی تو انہوں نے قبلہ کی طرف رخ کیا اور گزشتہ نماز کا اعادہ نہ کیا حالانکہ یہ نماز قبلہ کی جانب نہ تھی، باوجود اس کے کہ قبلہ کی جانب رخ کرنے پر انہیں قدرت حاصل تھی۔ اور اس کے باوجود ان کی نماز ہوگئی تو معذور کے لیے بطریق اُولی جائز ہوگی۔ امام شافعی کے دلیل (فولوا وجوهكم شطره) ہے۔ ان کے نزدیک قضا کریگا اور قبلہ کی جانب وجوبا منہ پھیرنا واجب ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس سے مراد حالت مشاہدہ ہے (کہ قبلہ کو دیکھ رہا ہو) کیونکہ امام شافعی نے جو ذکر کیا ہے اس میں حرج ہے اور "**تکلیف مالیس فی الوسع**" ہے۔

امام ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی بھی ہماری رائے کے مؤید ہیں۔

---

1 إیثار الإنصاف في آثار الخلاف المؤلف: یوسف بن قزأوغلي، أو قزغلي، ابن عبد الله، أبو المظفر، شمس الدین، سبط أبي الفرج ابن الجوزي (المتوفى: 654هـ) المحقق: ناصر العلي الناصر الخلیفي الناشر: دار السلام – القاهرة الطبعة: الأولى، 1408 ج1ص253

نسخ سے غیر مطلع کی لئے عدم ثبوت کی تصریح

۱۲۔ امام عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی

امام ابو محمد، جمال الدین عبد الرحیم بن الحسن بن علی الإسنوی الشافعی، (المتوفی: 772ھ) "التمهيد فی تخريج الفروع على الأصول" میں مذہب احناف کو ہی مختار تسلیم کرتے ہیں اور ان کی دلیل کو درست تسلیم کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں:

اتَّفقُوا كَمَا قَالَه ابْن الْحَاجِب على أَن النّسخ لَا يثبت حكمه قبل أَن يبلغهُ جِبْرَائِيل إِلَى النَّبِي صلى الله عَلَيْهِ وَسلم.

وَاخْتلفُوا بعد وُصُوله إِلَيْهِ عَلَيْهِ الصَّلَاة وَالسَّلَام وَقبل تبليغه إِلَيْنَا هَل يثبت حكمه أَي بِالنِّسْبَةِ إِلَيْنَا؟

وَالْمُخْتَار أَنه لَا يثبت وَجزم الرَّوْيَانِيّ فِي الْبَحْر فِي كتاب الْقَضَاء بِأَنَّهُ لَا يثبت وَحكى وَجْهَيْن فِيمَا إِذا بلغه إِلَى الْبَعْض هَل يثبت ايضا بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْعَالمين وَقَالَ إِن أشبههما أَنه لَا يثبت لِأَن أهل قبا لما بَلغهُمْ نسخ الْقبْلَة وهم فِي الصَّلَاة استداروا وبنوا وَلم يستأنفوا.[1]

ابن حاجب کے قول کے مطابق سب کا اس پر اتفاق ہے کہ نسخ کا حکم اس وقت تک ثابت نہیں جب تک جبرائیل علیہ السلام نبی اکرم ﷺ تک نہ پہنچائیں۔

اختلاف اس میں ہے کہ جب جبرائیل علیہ السلام پہنچائیں اور ابھی رسول اللہ ﷺ نے اس کی تبلیغ نہ کی ہو تو کیا ہماری نسبت اس کا حکم ثابت ہے؟

مختار اس میں بھی یہی ہے کہ ثابت نہیں اور رویانی نے البحر کی کتاب القضاء میں اس بات کو تاکید سے لکھا ہے کہ یہ حکم ثابت نہیں ہوتا اور جب رسول اللہ ﷺ بعض تک پہنچائیں تو کیا دیگر عالمین کی نسبت وہ حکم ثابت ہوتا ہے اس میں دو قول ذکر کئے ہیں اور کہا کہ زیادہ مناسب یہ ہے کہ (جب تک نہیں پہنچا ان کے حق میں) ثابت نہیں کیونکہ اھل قباء کو جب قبلہ کا نسخ پہنچا اور نماز میں تھے تو کعبہ کی جانب پھرے اور نئے سرے سے نماز نہ پڑھی۔

---

[1] التمهيد في تخريج الفروع على الأصول المؤلف: عبد الرحيم بن الحسن بن علي الإسنوي الشافعيّ، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 772هـ) المحقق: د. محمد حسن هيتو الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت الطبعة: الأولى، 1400

آپ کی اس تصریح سے وضاحت ہو جاتی ہے کہ اب شوافع کا مختار بھی عدم ثبوت ہی ہے کہ ناسخ کی اطلاع جب تک نہ پہنچے تو حکم ثابت ہی نہیں ہو گا، لہذا اس کے لیے منسوخ پر عمل کرنا ہی واجب ہے۔

اسی طرح حنابلہ کے معروف امام قاضی ابو یعلی بھی احناف کے موقف کی تائید کرتے ہیں۔

۱۳۔امام قاضی ابو یعلی الحنبلی کی رائے

امام قاضی ابو یعلی محمد بن الحسین الفراء البغدادی الحنبلی (م458ھ) ''العدۃ'' میں لکھتے ہیں:

وذلك أن أهل قباء صلوا ركعة إلى بيت المقدس، ثم استداروا في الصلاة، ولو كان النسخ ثبت في حقهم لأمروا بالقضاء، فلما لم يؤمروا بالقضاء دل على أن النسخ لم يكن ثبت في حقهم.[1]

اہل قباء ایک رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے پھر نماز میں ہی رخ پھیر لیا تو نسخ اگر ان کے حق میں ثابت ہوتی تو انہیں قضا کا حکم دیا جاتا پس جب قضا کا حکم نہیں دیا گیا تو یہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ نسخ ان کے حق میں ثابت نہیں۔

۱۴۔امام تقی الدین ابو البقاء محمد بن احمد الفتوحی المعروف بابن النجار الحنبلی

امام تقی الدین ابو البقاء محمد بن احمد بن عبد العزیز بن علی الفتوحی المعروف بابن النجار الحنبلی (المتوفی: 972ھ) اپنی کتاب ''شرح الکوکب المنیر'' میں احناف کے موقف کی ہی تائید کرتے ہیں آپ لکھتے ہیں:

''وَلا حُكْمَ لِلنَّاسِخِ مَعَ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلامُ اتِّفَاقًا'' قَبْلَ أَنْ يُبَلِّغَهُ جِبْرِيلُ إلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''فَإِذَا بَلَّغَهُ'' لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ''لَمْ يَثْبُتْ حُكْمُهُ فِي حَقِّ مَنْ لَمْ يَبْلُغْهُ''[2] عِنْدَ أَصْحَابِنَا[3] وَالأَكْثَرُ[4] وَهُوَ ظَاهِرُ كَلامِ أَحْمَدَ رَحِمَهُ اللهُ؛ لأَنَّهُ أَخَذَ بِقِصَّةِ أَهْلِ قُبَاءَ وَالْقِبْلَةِ.[5]

---

1 العدة في أصول الفقه المؤلف: القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين بن محمد بن خلف ابن الفراء (المتوفى: 458هـ) الناشر: جامعة الملک محمد بن سعود الإسلامية (الطبعة: الثانية 1410هـ، 1990م) ج3 ص824

2 فإن كان الناسخ موجباً لعبادة، فلا يجب على من لم يبلغه قضاء.

3 انظر المسودة ص223، العدة 823/3، روضة الناظر ص83، مختصر الطوفي ص79، القواعد والفوائد الأصولية ص156.

4 انظر "التمهيد للأسنوي ص133 البرهان 1312/2، المستصفى 120/1، الإحكام للآمدي 168/3، اللمع ص35، نهاية السول 194/2، المحلي على جمع الجوامع وحاشية البناني عليه 90/2، الآيات البينات 159/3، شرح العضد 201/2، فواتح الرحموت 89/2".

5 شرح الكوكب المنير المؤلف: تقي الدين أبو البقاء محمد بن أحمد بن عبد العزيز الحنبلي (المتوفى: 972هـ)

جس ناسخ کا علم رسول اللہ ﷺ تک پہچانے سے پہلے حضرت جبریل کے پاس ہو تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ ثابت نہیں ہو تا پس جب رسول اللہ تک پہنچ گیا تو جن تک نہیں پہنچے گا تو ان کے لیے وہ حکم ثابت نہیں ہو گا ہمارے اصحاب کے نزدیک اور اکثر فقہاء کے نزدیک اور امام احمد کے کلام کا یہی ظاہر ہے کیونکہ انھوں نے اہل قباء اور قبلہ کے قصہ سے استدلال کیا ہے۔

یعنی امام احمد کے کلام کا ظاہر یہی ہے کہ غیر مطلع کے لیے نسخ ثابت نہیں ہو گا۔ بلکہ اس مسئلہ میں امام جوینی اور امام غزالی کے آراء بھی احناف کی موافق ہیں۔

۱۵۔ حجۃ الاسلام، امام ابو حامد محمد الغزالی الشافعی

حجۃ الاسلام، امام ابو حامد محمد بن محمد بن محمد غزالی شافعی (م 505ھ) اپنی کتاب "المستصفی" میں تحریر فرماتے ہیں:

أَمَّا إِذَا لَمْ يَبْلُغْهُ النَّصُّ لَا لِتَقْصِيرٍ مِنْ جِهَتِهِ لَكِنْ لِعَائِقٍ مِنْ جِهَةِ بُعْدِ الْمَسَافَةِ وَتَأْخِيرِ الْمُبَلِّغِ وَالنَّصُّ قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَهُ لَيْسَ حُكْمًا فِي حَقِّهِ فَقَدْ يُسَمَّى مُخْطِئًا مَجَازًا عَلَى مَعْنَى أَنَّهُ أَخْطَأَ بُلُوغَ مَا لَوْ بَلَغَهُ لَصَارَ حُكْمًا فِي حَقِّهِ، وَلَكِنَّهُ قَبْلَ الْبُلُوغِ لَيْسَ حُكْمًا فِي حَقِّهِ فَلَيْسَ مُخْطِئًا حَقِيقَةً؛ وَذَلِكَ أَنَّهُ لَوْ صَلَّى النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ بَعْدَ أَنْ أَمَرَ اللهُ تَعَالَى جِبْرِيلَ أَنْ يَنْزِلَ عَلَى مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُخْبِرَهُ بِتَحْوِيلِ الْقِبْلَةِ فَلَا يَكُونُ النَّبِيُّ مُخْطِئًا؛ لِأَنَّ خِطَابَ اسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ بَعْدُ لَمْ يَبْلُغْهُ فَلَا يَكُونُ مُخْطِئًا فِي صَلَاتِهِ، فَلَوْ نَزَلَ فَأَخْبَرَهُ وَأَهْلُ مَسْجِدِ قُبَاءَ يُصَلُّونَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَلَمْ يَخْرُجْ بَعْدُ إِلَيْهِمْ النَّبِيُّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَا مُنَادٍ مِنْ جِهَتِهِ فَلَيْسُوا مُخْطِئِينَ، إِذْ ذَلِكَ لَيْسَ حُكْمًا فِي حَقِّهِمْ قَبْلَ بُلُوغِهِ؛ فَلَوْ بَلَغَ ذَلِكَ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَاسْتَمَرَّ سُكَّانُ مَكَّةَ عَلَى اسْتِقْبَالِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَبْلَ بُلُوغِ الْخَبَرِ إِلَيْهِمْ فَلَيْسُوا مُخْطِئِينَ؛ لِأَنَّهُمْ لَيْسُوا مُقَصِّرِينَ. وَكَذَلِكَ نُقِلَ عَنْ "ابْنِ عُمَرَ: إِنَّا كُنَّا نُخَابِرُ أَرْبَعِينَ سَنَةً حَتَّى رَوَى لَنَا رَافِعُ بْنُ خَدِيجٍ النَّهْيَ عَنْ الْمُخَابَرَةِ" فَلَيْسَ ذَلِكَ خَطَأً مِنْهُمْ قَبْلَ بُلُوغِ لِأَنَّ الرَّاوِيَ غَابَ عَنْهُمْ أَوْ قَصَّرَ فِي الرِّوَايَةِ. فَإِذَا ثَبَتَ هَذَا فِي مَسْأَلَةٍ فِيهَا نَصٌّ فَالْمَسْأَلَةُ الَّتِي لَا نَصَّ فِيهَا كَيْفَ يُتَصَوَّرُ الْخَطَأُ فِيهَا؟[1]

جب نص نہ پہنچے کسی تقصیر کی وجہ سے نہیں بلکہ مسافت کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اور مبلغ کی تاخیر کی وجہ سے تو نص پہنچنے سے قبل اس کے حق میں حکم نہیں ہو تا اسے مجازا تو اسے کہا جاسکتا

---

[1] المستصفى المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالي الطوسي (المتوفى: 505هـ) تحقيق: محمد عبد السلام عبد الشافي الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: الأولى، 1413هـ 1993م) ج1ص 354

ہے اس معنی کے لحاظ سے کہ اس نے اس نص تک پہنچنے میں تاخیر کی اگر وہ اس تک پہنچتا تو اس کے حق میں حکم ہوتا، لیکن پہنچنے سے قبل حکم نہیں لہذا حقیقتاً مخطی بھی نہیں۔ اگر نبی کریم ﷺ بیت المقدس کی طرف رخ کر بھی لیتے اس حال میں کہ اللہ تعالی جبرائیل علیہ السلام کو امر کر چکا ہوتا کہ تحویل قبلہ کا حکم محمد ﷺ پر نازل کیا جائے تو نبی کریم ﷺ پھر بھی مخطی نہ ہوتے، کیونکہ تحویل قبلہ کا حکم تو ابھی تک آپ ﷺ تک پہنچا نہیں تو آپ اپنی نماز میں مخطی بھی نہ ہوتے، تو جب حکم نازل ہوا اور آپ ﷺ کو خبر دی اور اہل قباء بیت المقدس کی طرف ہی نماز پڑھ رہے تھے اور انہیں رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی پیغام نہیں پہنچا تو یہ بھی خطا پر نہ تھے، کیونکہ پہنچنے سے پہلے ان کے حق میں یہ حکم ہی نہیں، اگر یہ خبر ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما تک پہنچی مگر اہل مکہ بیت المقدس کی طرف ہی نماز پڑھ رہے ہوں تو خبر پہنچنے سے قبل یہ بھی خطا پر شمار نہ ہونگے کیونکہ یہ لوگ تو تقصیر کرنے والے نہ تھے، اسی طرح عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ ہم چالیس سال تک "مخابرہ" کرتے رہے یہاں تک رافع بن خدیج نے ہمیں "مخابرہ" سے نہی کی روایت بیان کی، تو یہ ان تک حکم پہنچنے سے پہلے ان سے خطا نہیں کیونکہ راوی ان سے غائب تھا یا روایت بیان کرنے میں تقصیر کی، تو جب یہ بات مسئلہ منصوصہ میں ثابت ہے تو وہ مسئلہ جس میں نص ہی نہ ہو تو اس میں کیسے خطا متصور ہو سکتی ہے؟

جب یہ حقیقی خطا ہی نہیں تو اسے خطاء اجتہادی کہنے کی ضرورت نہیں؛ کیونکہ خطاء اجتہادی وہاں ہے جہاں فیصلہ اپنی رائے سے ہو یا نص سے استدلال میں تقصیر ہو۔ تو جس تک نئی نص پہنچی ہی نہ ہو اور وہ ثابت شدہ نص کے حکم پر عمل پیرا ہو تو اس کی یہ خطا ہی نہیں ہوئی۔ جب خطاء ہی نہیں تو خطاء اجتہادی بھی نہیں کہا جائے گا۔

۱۶۔ امام ابو محمد موفق الدین ابن قدامہ الحنبلی

غوث الاغیاث، قطب الاقطاب کے شاگرد رشید ابو محمد موفق الدین عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ الحنبلی (المتوفی: 620ھ) بھی "روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل" میں جس تک نسخ کا حکم نہ پہنچا ہو اس کے بارے میں فقہ حنبلی کا مختار بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فصل: [في حكم من لم يبلغه النسخ]

إذا نزل الناسخ، فهل يكون نسخا في حق من لم يبلغه؟

قال القاضی: ظاهر کلام أحمد رحمه الله أنه لا یکون نسخا؛ لأن أهل قباء بلغهم نسخ الصلاة، إلی بیت المقدس وهم فی الصلاة فاعتدوا بما مضی من صلاتهم۔

وقال أبو الخطاب: یتخرج أن یکون نسخا؛ بناء علی قوله فی الوکیل: ''ینعزل بعزل الموکل وإن لم یعلم''؛ لأن النسخ بنزول الناسخ، لا بالعلم، إذ العلم لا تأثیر له إلا فی نفی العذر، ولا یمتنع وجوب القضاء علی المعذور کالحائض، والنائم.

والقبلة یسقط استقبالها فی حق المعذور، فلهذا لم یجب علی أهل قباء الإعادة وقال من نصر الأول: النسخ بالناسخ، لکن العلم شرط؛ لأن الناسخ خطاب، ولا یکون خطابا فی حق من لم یبلغه.[1]

فصل: (اس کے حکم میں جس تک نسخ نہ پہنچی ہو)

جب ناسخ نازل ہو جائے تو کیا اس شخص کے حق میں بھی نسخ ہو گا جس تک اس کا علم نہ پہنچا ہو؟

قاضی ابو یعلی فرماتے ہیں کہ امام احمد کے کلام کا ظاہر یہ ہے کہ یہ نسخ نہ ہو گی، کیونکہ اہل قباء کو نماز کے اندر بیت المقدس سے نماز کی نسخ پہنچی مگر جو نماز وہ پڑھ چکے تھے اس کا اعتبار کیا گیا (اور اسے نہ لوٹایا گیا)۔

ابو الخطاب فرماتے ہیں ظاہر یہ ہوتا ہے کہ یہ نسخ ہے، اپنے اس قول کی بنا پر کہ وکیل مؤکل کے معزول کر دینے سے معزول ہو جاتا ہے اگرچہ اسے علم نہ ہو۔ تو نسخ بھی ناسخ کے نزول کے ساتھ ہے نہ کہ علم کے ساتھ، کیونکہ علم کی کوئی تاثیر نہیں سوائے عذر کے (یعنی عدم علم سے معذور سمجھا جائے گا)۔ اور معذور پر قضا کا وجوب ممتنع نہیں جیسے حائضہ ہے (روزوں کی قضا ہے) نائم ہے (نماز کی قضا ہے) اور قبلہ کی طرف رخ کرنا معذور سے ساقط ہو جاتا ہے اس وجہ سے اہل قباء پر اعادہ واجب نہ تھا۔

(اس کے جواب میں قاضی ابو یعلی نے فرمایا ہے) جنہوں نے پہلے قول کی حمایت کی ہے وہ کہتے ہیں کہ نسخ ناسخ کے نزول سے ہے مگر علم شرط ہے کیونکہ ناسخ خطاب ہے اور جس تک نہ پہنچے اس کے حق میں خطاب نہیں۔

ناسخ کا علم ہونا شرط ہے جب تک کسی کے پاس اس کا علم نہیں پہنچتا اس کے حق میں یہ خطاب نہیں ہے اسی مسئلہ کی مزید وضاحت حنبلی امام علامہ طوفی نے اپنی کتاب ''البلبل'' میں کی ہے۔

---

[1] روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل المؤلف: موفق الدين عبد الله بن أحمد بن قدامة الجماعيلي (م: 620ھ) الناشر: مؤسسة الريّان للطباعة والنشر والتوزيع الطبعة: (الطبعة الثانية: ۱۴۲۳ھ) ج1ص 257

تبلیغ سے قبل ناسخ کے حکم کا عدم لزوم

۱۷۔علامہ نجم الدین طوفی صرصری حنبلی کی تائید

علامہ ابو الربیع، نجم الدین سلیمان بن عبد القوی بن الکریم الطوفی الصرصری، (المتوفی:716ھ) اپنی کتاب ”البُلبُل فی اصول الفقہ“میں لکھتے ہیں:

ولا يلزم المكلف حكم الناسخ قبل علمه به، اختاره القاضي، وخرج أبو الخطاب لزومه على انعزال الوكيل قبل علمه بالعزل، وهو تخريج دوري. لنا: لو لزمه لاستأنف أهل قباء الصلاة حين علموا بنسخ القبلة. قال: النسخ بورود الناسخ، لا بالعلم به. ووجوب القضاء على المعذور غير ممتنع، كالحائض والنائم. والقبلة تسقط بالعذر، وهم كانوا معذورين. قلنا: العلم شرط اللزوم; فلا يثبت دونه، والحائض والنائم علما التكليف، بخلاف هذا.[1]

علم سے قبل مکلف پر لازم نہیں کہ وہ ناسخ پر عمل کرے، یہ قاضی کا مختار قول ہے۔ ابو الخطاب نے (ناسخ پر) لزوم عمل کی تخریج اس سے کی ہے کہ وکیل کو معزول کیا جائے تو اسے علم ہونے سے پہلے وہ معزول ہی شمار ہوتا ہے۔ مگر یہ تخریج دوری ہے (اس میں دور ہے)۔ ہماری (حنابلہ کی) دلیل: اگر (ناسخ پر عمل) لازم ہوتا تو اھل قباء نماز آغاز سے پڑھتے جب انہیں قبلہ کے منسوخ ہونے کا علم ہوا۔ اس پر (ابو الخطاب) نے کہا: کہ نسخ ناسخ کے وارد ہونے سے ہوتا ہے اس پر علم سے نہیں۔ اور معذور پر قضا ممتنع تو نہیں مثلا حائض اور نائم (معذور ہیں مگر قضا کرینگے) اور قبلہ بھی عذر سے ساقط ہو جاتا ہے، اور اھل قباء معذور تھے۔ ہم نے (جوابا) کہا کہ علم لزوم کے لیے شرط ہے تو بغیر علم کے لزوم ثابت نہ ہو گا اور حائض ونائم مکلف ہونے کا علم رکھتے ہیں بخلاف اس کے (کیونکہ یہ ناسخ کا علم نہیں رکھتا)

اس کی مزید تفصیل سے وضاحت علامہ طوفی اپنی کتاب ”شرح مختصر الروضة“ میں کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[1] البلبل في أصول الفقه (مختصر روضة الناظر) المؤلف: سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى: ٧١٦هـ) مكتبة الامام شافعي الرياض (الطبعة الثانية 1410ھ) ص 80

خلاصہ شرح:

قاضی ابو یعلی کے نزدیک جس کو ناسخ کا علم نہیں ہوا اس کے حق میں نسخ ثابت نہیں، "**حتی لو أکل بعد النسخ، وقبل العلم، لم یکن عاصیا**"، مثلا کوئی کھانے کی چیز حرام ہوئی مگر ایک شخص نے نسخ کے علم سے پہلے (وارد ہونے کے بعد) وہ چیز کھائی تو گناہگار نہ ہوگا۔

ابو الخطاب کی تخریج سے دور لازم آتا ہے کیونکہ یہ مسئلہ اصولی ہے اور وکیل کی معزولی کا فرعی ہے تو مسئلہ نسخ پر یہ فرع ہے اور عادتاً اصول سے فروع کی تخریج کی جاتی ہے جب کہ یہاں پر فرع سے اصل کی تخریج ہے۔

"پھر یہ حکم ناسخ کے ساتھ ہی خاص نہیں بلکہ سارے نصوص کا یہی حکم ہے چاہے ناسخ ہوں یا ابتداءً ہوں" ان میں یہی اختلاف ہے کہ علم سے پہلے لازم ہیں یا نہیں اور ہمارے نزدیک صحیح ترین یہ ہے کہ علم سے پہلے عمل لازم نہیں۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اگر (علم سے قبل عمل) لازم ہو تو اہل قباء علم کے بعد نماز دوبارہ پڑھتے۔ یہ قاضی اور ان کے موافقین کا قول ہے کہ تبلیغ سے قبل ناسخ کا حکم لازم نہیں۔[1]

آپ اس کی تفصیل کے ساتھ وضاحت میں لکھتے ہیں:

وتقریره: أن أهل قباء بلغهم نسخ القبلة عن بيت المقدس إلى الكعبة، وهم في صلاة العصر أو الفجر فاستداروا إلى الكعبة، وبنوا على ما مضى من صلاتهم، ولم يستأنفوها. ولو ثبت حكم الناسخ في حقهم قبل بلوغه إياهم، لزمهم استئناف الصلاة ; لأنهم على هذا التقدير، قد ثبت أن القبلة شرط لصحة الصلاة في حقهم قبل الدخول فيها ; فحيث افتتحوها إلى غير القبلة ; فقد أخلوا بشرطها ; فيلزمهم أن يستأنفوها ; لأن افتتاحهم لها وقع فاسدا، للإخلال بشرطه، لكنهم لم يستأنفوها، ولم ينقل أنهم أمروا باستئنافها، مع أن مثل تلك القضية، لا يخفى عن النبي صلى الله عليه وسلم، عادة ; فوجب القول بأن حكم الناسخ لا يلزم من لم يبلغه.

---

[1] شرح مختصر الروضة المؤلف: سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى: ٧١٦هـ) وزارة الشؤون الإسلامية والاوقاف سعودية (الطبعة الثانية 1419ھ)ج 2ص 309

قوله: "قال"، يعنى أبا الخطاب ومن وافقه، احتج لقوله بأن "النسخ بورود الناسخ لا بالعلم به" فيثبت حكمه فى حق المكلف وإن لم يبلغه، وإنما قلنا: النسخ يحصل بورود الناسخ؛ لأن النسخ رفع الحكم، وبورود الناسخ يحصل الرفع، سواء بلغ المكلف الناسخ أو لا، وذلك يقتضى أن يثبت فى حقه مطلقا، بلغه أو لم يبلغه.

نعم إذا لم يبلغه الناسخ؛ فأخل بامتثال حكمه، كان معذورا بعدم العلم؛ فيلزمه الاستدراك بالقضاء، ووجوب القضاء على المعذور غير ممتنع، كالحائض والنائم، يقضيان ما فاتهما من العبادات وقت الحيض والنوم، مع أنهما معذوران.

كذلك من لم يبلغه الناسخ، يقضى ما فاته من حكمه فى حال عدم بلوغه إياه، ويظهر أثر عدم العلم فى سقوط الإثم؛ فإنه لو علم بالناسخ، وترك مقتضاه، أثم، ولزمه القضاء، فإذا لم يعلم، لزمه القضاء، ولا إثم عليه للعذر.

قوله: "والقبلة تسقط بالعذر". هذا جواب من أبى الخطاب عن قصة أهل قباء.

وتقريره: أن قصة أهل قباء لا حجة فيها على عدم لزوم حكم الناسخ من لم يبلغه؛ لأنهم كانوا معذورين بعدم العلم، وإنما أخلوا باستقبال القبلة فى ابتداء صلاتهم، واستقبال القبلة يسقط بالعذر فى جميع الصلاة، بدليل ما إذا اشتبهت عليه جهتها؛ فاجتهد؛ فأخطأها، فإن صلاته تصح، وإن وقعت جميعها إلى غير القبلة؛ فلأن تصح الصلاة، مع ترك الاستقبال فى جزء منها للعذر، أولى.

قوله: "وقلنا: العلم شرط اللزوم؛ فلا يثبت دونه"، إلى آخره. هذا جواب" عن دليل أبى الخطاب.

وتقريره: أنا إن سلمنا أن النسخ يحصل بورود الناسخ كما قررته، لكن العلم به، أى: علم المكلف به، وبلوغه إياه، شرط للزوم حكمه له؛ فلا يثبت فى حقه بدونه، أى: بدون العلم به، لاستحالة ثبوت المشروط بدون شرطه، وإنما قلنا: إن العلم بالحكم شرط فى لزومه للمكلف، لما سبق فى شروط التكليف، وذكر آنفا أيضا، من لزوم تكليف ما لا يطاق، أو تكليف ما لا يعلمه المكلف.

قوله: "ووجوب القضاء على المعذور غير ممتنع، كالحائض والنائم".

قلنا: الفرق بينهما: أن الحائض والنائم علما التكليف، أى: علما أنهما مكلفان بالصوم مثلا؛ فوجد شرط لزوم الحكم لهما، بخلاف هذا، أى: الذى لم يبلغه الناسخ؛ فإنه لا يعلم

أنه مكلف بالفعل، ولم يوجد شرط لزوم الحكم له ; فلا يلزمه ; فظهر الفرق. والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب.[1]

تقریرہ:

کہ اہل قباء نماز فجر یا عصر میں تھے کہ انہیں قبلہ کے نسخ کا بیت المقدس سے کعبہ کی طرف حکم پہنچا تو وہ کعبہ کی طرف پھر گئے اور وہی نماز جاری رکھی، نئے سرے سے نماز شروع نہ کی۔ اور اگر ناسخ کا حکم تبلیغ سے قبل ان کے حق میں لازم ہوتا تو نماز نئے سرے سے پڑھتے، کیونکہ صحت نماز کے لیے قبلہ رخ ہونا شرط ہے اور جب انہوں نے غیر قبلہ کی طرف نماز شروع کی تو شرط نہ پائی گئی، شرط میں خلل کی وجہ سے ان کا شروع کرنا ہی فاسد تھا اور اس وجہ سے استیناف (آغاز سے پڑھنا) لازم تھا مگر استیناف نہیں کیا اور نہ ہی انہیں دوبارہ نماز پڑھنے کا کہا گیا، حالانکہ یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ پر پوشیدہ نہ تھا، لہذا یہ قول ثابت ہوا کہ ناسخ کا جسے علم نہ پہنچا ہو اس پر ناسخ کا حکم لازم نہیں۔

ابو الخطاب کا قول کہ نسخ وارد ہونے سے ثابت ہو جاتی ہے علم حاصل ہونے سے نہیں۔ تو مکلف تک نہ بھی پہنچی ہو، نسخ کا حکم اس کے حق میں بھی ثابت ہے۔ (اس کی دلیل) کہ ہم کہتے ہیں کہ نسخ ناسخ کے ورود سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ نسخ حکم کا رفع کرنا ہے اور ناسخ کے وارد ہونے سے رفع حاصل ہو جاتا ہے چاہے مکلف کو ناسخ پہنچے یا نہیں۔ اور یہ تقاضا کرتا ہے کہ دونوں صورتوں میں (مکلف) کے حق میں مطلقا ثابت ہو۔

ہاں جب اسے ناسخ کا علم نہیں پہنچا اور حکم پر عمل نہ کیا تو عدم علم کی وجہ سے معذور ہے اور قضا سے استدراک (تدارک کرنا) لازم ہے، معذور پر قضا ممتنع نہیں، حائض اور نائم کی طرح باوجود ان کے عذر کے ان پر عبادات کی قضا ہے۔ اسی طرح جس تک ناسخ نہیں پہنچا تو عدم بلوغ کی حالت میں جو اس سے فوت ہوا ہے اس کی قضا کریگا۔ اور عدم علم کی وجہ سے وہ گناہگار نہیں ہو گا۔ کیونکہ اگر اسے ناسخ کا علم ہوتا اور اس کے مقتضی پر عمل نہ کرتا تو گناہگار ہوتا اور قضا لازم ہوتی مگر جب علم نہیں تو قضا تو لازم ہے مگر عذر کی وجہ سے گناہگار نہیں۔

---

[1] شرح مختصر الروضة) المؤلف: سليمان بن عبد القوي بن الكريم الطوفي الصرصري، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى: ٧١٦هـ) وزارة الشؤون الإسلامية والاوقاف سعودية (الطبعة الثانية 1419ھ) ج 2 ص 314

وَالْقِبْلَةُ تَسْقُطُ بِالْعُذْرِ

یہ ابو الخطاب کا اھل قباء کے عمل کا جواب ہے۔ کہ اھل قباء کے عمل میں کوئی حجت نہیں اس بات پر کہ ناسخ کا حکم تبلیغ سے قبل لازم نہیں، کیونکہ وہ عدم علم کی وجہ سے معذور تھے اور ابتداء نماز سے استقبال قبلہ میں خلل واقع ہوا اور یہ عذر کی وجہ سے ساری نماز سے بھی ساقط ہو جاتا ہے جیسے وہ شخص جس پر قبلہ مشتبہ ہوا اور اس نے اجتہاد کیا تو اس سے خطاہوئی تو اس کی نماز صحیح ہے اگر چہ اس کی نماز ساری غیر قبلہ کی طرف ہوئی ہو۔ تو ایک جزء میں قبلہ کا استقبال ترک کرنے والے کی نماز بطریق اولی ہو گی۔

وَقُلْنَا: الْعِلْمُ شَرْطُ اللُّزُومِ; فَلَا يَثْبُتُ دُونَهُ، إِلَى آخِرِهِ.

یہ ابو الخطاب کی دلیل کا جواب ہے:

تقریرہ:

اگر ہم یہ مانیں کہ ناسخ وارد ہونے سے نسخ حاصل ہوتا ہے جیسے تم نے کہا لیکن اس کا علم یعنی مکلف کا اس پر علم اور اس تک اس (ناسخ) کا پہنچنا اس کے لیے حکم لازم ہونے کے لیے شرط ہے۔ تو بغیر اس کے (مکلف کے) حق میں (نسخ) ثابت نہیں۔ کیونکہ بغیر شرط کے مشروط نہیں پایا جاتا۔ اور ہمارا یہ کہنا کہ حکم کا علم ہونا شرط ہے مکلف پر لازم ہونے کے لیے شروط تکلیف میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اس سے تکلیف مالا یطاق لازم آئیگی یا مکلف کو جس کا علم نہیں اس کی تکلیف دینا لازم آئیگی۔

قوله: "ووجوب القضاء على المعذور غير ممتنع، كالحائض والنائم"

قولہ: معذور پر قضا کا واجب ہونا غیر ممتنع ہے جیسا کہ حائض اور نائم۔

قلنا: الفرق بينهما:

ہم کہتے ہیں ان دونوں کے درمیان فرق ہے کہ حائض اور سونے والے کو تکلیف کا علم ہے یعنی وہ ان دونوں کو علم ہے کہ وہ صوم کے مکلف ہیں مثلا: لزوم حکم کی شرط ان دونوں کے لیے پائی گئی ہے۔ بخلاف اس صورت کے یعنی یہاں اس تک ناسخ ہی نہیں پہنچا اسے عمل ہی نہیں کہ وہ فعل کا مکلف ہے لہذا اس کے لیے لزوم حکم کی شرط ہی نہیں پائی گئی۔ اس لیے اس پر لازم ہی نہیں۔ پس فرق ظاہر ہے۔ والله سبحانه وتعالى أعلم بالصواب.

یعنی جب شرط نہ پائی جائے تو مشروط لازم ہی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ زکوٰۃ کے لزوم کے لیے نصاب کا پایا جانا شرط ہے، اسی طرح حج کے لزوم کے لیے استطاعت کا ہونا شرط ہے۔ اسی طرح ناسخ یا مخصوص پر عمل کے لیے اس کا علم ہونا شرط ہے جب تک علم نہیں ہو گا تو ناسخ و مخصوص لازم ہی نہیں ہو گا، جب لازم نہیں تو اس پر عمل نہ کرنا خطا یا خطاء اجتہادی نہیں۔

۱۸۔ امام ابو الثناء شمس الدین الأصفهانی کی تائید

محمود بن عبد الرحمن (ابی القاسم) ابن احمد بن محمد، ابو الثناء، شمس الدین الأصفهانی (م: 749ھ) اپنی کتاب المختصر میں لکھتے ہیں:

> إِذَا وَرَدَ نَاسِخٌ إِلَى الرَّسُولِ وَلَمْ يُبَلِّغْهُ إِلَى الْأُمَّةِ (بَعْدُ) هَلْ يَثْبُتُ حُكْمُهُ أَمْ لَا؟ فِيهِ خِلَافٌ.
> وَالْمُخْتَارُ أَنَّ النَّاسِخَ قَبْلَ تَبْلِيغِهِ لَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ.
> (مَثَلًا) وَرَدَ الْأَمْرُ أَوَّلًا بِاسْتِقْبَالِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ، وَوَرَدَ النَّاسِخُ وَهُوَ الْأَمْرُ بِاسْتِقْبَالِ الْكَعْبَةِ فِي الْمَدِينَةِ، فَلَا يَثْبُتُ حُكْمُ هَذَا النَّاسِخِ فِي حَقِّ أَهْلِ الْيَمَنِ مَا لَمْ يُبَلِّغْهُ إِلَيْهِمْ، بَلْ هُمْ مَأْمُورُونَ بِاسْتِقْبَالِ بَيْتِ الْمَقْدِسِ حَتَّى يُبَلِّغَ النَّاسِخَ إِلَيْهِمْ.[1]
> جب ناسخ کا ورود رسول اللہ کی طرف ہوا ہو اور امت تک نہ پہنچا ہو کیا اس کا حکم ثابت ہو گا یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ مختار یہ ہے کہ ناسخ کی تبلیغ سے پہلے اس کا حکم ثابت نہ ہو گا۔ مثلا پہلے بیت مقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم وارد ہوا۔ اور اس کا ناسخ وارد ہوا۔ اور وہ مدینہ میں اس بات کا حکم تھا کہ کعبہ کی طرف رخ کریں، یہ حکم اہل یمن کے حق میں اس وقت تک ثابت نہیں جب تک اس کا علم ان تک نہ پہنچا، بلکہ وہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے پر مامور تھے یہاں تک کہ ناسخ کا حکم ان تک پہنچ گیا۔

---

[1] كتاب بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمود بن عبد الرحمن (أبي القاسم) ابن أحمد بن محمد، أبو الثناء، شمس الدين الأصفهاني (م:749ھ) المحقق: محمد مظهر بقا الناشر: دار المدني، السعودية (الطبعة: الأولى، ١٤٠٦ھ) ج2ص564

ناسخ یا ممانعت کا حکم پہنچنے سے پہلے کے افعال کے بارے میں حکم قرآن

جن تک ممانعت کی نص نہ پہنچی ہو، نص پہنچے سے پہلے ان کے اس عمل کے جائز و حلال ہونے پر تو قرآن کا قطعی حکم موجود ہے۔ قرآن پاک میں جہاں سود کی حرمت کا بیان ہے وہاں حرمت کا حکم پہنچنے سے پہلے جس نے سود لے لیا تو اس کے بارے میں قرآن پاک کی آیت کریمہ ہے۔ ''وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ''[1]
اور اللہ نے حلال کیا بیع اور حرام کیا سُود تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت (حکم) آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جو اَب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے۔ (کنز الایمان)

نص کا حکم پہنچنے سے پہلے یہ لینا حلال ہے تو سیدہ زہراء کے حوالے سے لقمہ حرام کی بات کرنا کس قدر بے باکی و جرأت ہے۔

جو لوگ سود کا لین دین کرتے تھے ان کے حوالے سے ہے کہ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ پس جس کے پاس موعظہ (نصیحت یعنی ممانعت) پہنچی رب تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے پاس پہنچنے پر وہ اس (ربا) سے رک گیا۔ تو سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس حکم کے پہنچے سے پہلے جو مال وہ لے چکا ہے اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ اس کے لیے مال حلال ہے، لہذا یہ مال اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں، وہ مال اس کے لیے لینا نہ ہی خطا تھا، اور نہ ہی ناجائز و حرام کہ اسے معافی کی ضرورت ہوتی۔ اور نہ ہی دور رسالت کی کوئی ایسی مثال ہے کہ جس نے یہ حکم پہنچنے سے پہلے مال لے لیا، تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ واپس کروایا ہو کہ تم سے غلطی ہوگئی ہے یہ مال حرام ہے، لہذا لیا ہوا مال واپس کردو۔ جس طرح تحویل قبلہ وغیرہ میں ناسخ کے پہنچے سے پہلے ان کا عمل درست تھا، اسی طرح سود کے حوالے سے منسوخ ہونے کا حکم پہنچے سے پہلے جس نے مال لے لیا اس کے لیے وہ مال حلال تھا۔ اور آیت کریمہ اس مسئلہ میں ''فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ الخ'' دلالت کے اعتبار سے نص ہے۔ جس دور تک احکام پھیل نہیں گئے تھے اس دور تک کا حکم یہی ہے کیونکہ اس میں مکلف کی جہت سے تقصیر نہیں جب پھیل چکے تو مکلف نے تلاش نہیں کیا تو اس کی تقصیر ہے۔
قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں جو مال حلال تھا موصوف اسے لقمہ حرام قرار دے رہے ہیں۔

---

1 سورۃ البقرۃ: 275

علامہ ثناء اللہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ یعنی بلغه بتبلیغ الرسول صلی الله علیه وسلم حرمة الربوا ونهیه عنه فَانْتَهٰی ای اتبع النهی فَلَهٗ مَا سَلَفَ.[1]

جس کے پاس رب تعالی کا (ممانعت کا) حکم پہنچا یعنی اس تک رسول اللہ ﷺ کے تبلیغ کے ذریعے سود کی حرمت کا پیغام پہنچ گیا اور اس کی ممانعت تو وہ منع ہو گیا۔ یعنی ممانعت کی اتباع کی (سود لینے کی ممانعت) اور وہ اس سے رک گیا یعنی ممانعت پر عمل کیا تو اس سے پہلے جو لے چکا وہ حلال ہے۔

جب تک کسی کے پاس نص اس کی عدم تقصیر کی وجہ سے نہ پہنچی ہو تو حقیقی مخطی ہوتا ہی نہیں یعنی اس شخص کا وہ فعل شرعی اعتبار سے جائز و حلال ہوتا ہے خطا ہوتا ہی نہیں کہ اسے خطاء اجتہادی کہا جائے۔ اسی طرح سیدہ پاک اگر مخصص کی نص پہنچنے سے پہلے فدک لے بھی لیتیں تو خطا نہ ہوتی یہ کام جائز، درست وصواب ہوتا۔ مگر آپ رضی اللہ عنہا والی صورتحال میں تو اس کی بھی نوبت نہیں آئی اس سے پہلے ہی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہا کو مخصص سے آگاہ فرمادیا۔ یا سیدہ زہراء کا سوال اس لئے تھا کہ آیت میراث کے مقتضیٰ کی تخصیص کے متعلق جو روایت صدیق اکبر کے پاس ہے اس سے باقی بھی آگاہ ہو جائیں۔

ہمارا گمان تو یہ تھا کہ موصوف سے سبقت لسانی ہو گئی ہے مگر آپ مُصر ہیں کہ یہ سبقت لسانی نہیں تھی بلکہ آپ نے جان بوجھ کر سیدہ پاک کے لیے یہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اور اسے ایمانی تقاضا قرار دے کر سیدہ پاک کو خطا پر ثابت کرنے کے لیے دلائل گھڑنا شروع کر دیئے کیا یہ انصاف یا خدمت دین ہے؟ جب اتنے بڑے بڑے ائمہ اس قسم کی صورتحال کو خطا بیان ہی نہیں کرتے تو کیا ضرورت ہے اسے خطا کہنے کی؟ اور دین کی کونسی خدمت ہے؟ کہ بضعۂ رسول کو اس مسئلہ میں خطا پر کہا جائے۔ جب یہ حقیقت میں خطا ہے ہی نہیں، اب بھی امید ہے کہ موصوف ان دلائل پر غور کر کے توبہ و رجوع کر لیں گے۔ کیونکہ اسی میں ان کی اور ان کے مؤیدین کی عافیت ہے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ

---

1 التفسير المظهري المؤلف: المظهري، محمد ثناء الله المحقق: غلام نبي التونسي الناشر: مكتبة الرشدية – الباكستان الطبعة: 1412ھ

بی بی پاک رضی اللہ عنہا کے مخصص سننے سے پہلے ان کی طرف لقمہ حرام کی نسبت بھی انتہائی درجہ کی بے باکی و جرأت ہے۔ نص کی معرفت ہونے کے باجود دینے والے کے لیے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس کے لیے یہ دینا حرام ہے۔ مگر اس دور میں جس تک مخصص کی نص ہی نہ پہنچی ہو، اس کے لیے ایسا کلام کرنا کہ جیسے وہ لقمہ حرام مانگ رہی تھیں بے ادبی سے خالی نہیں۔ جیسا کہ خمر کی حرمت نازل ہونے کے بعد جن تک ناسخ کی اطلاع پہنچنے سے پہلے ان کے لیے یہ کہنا کہ وہ حرام پیتے رہے، حرام کا کاروبار کرتے رہے ان کی شان میں بہت بڑی جرأت و بے باکی ہے۔ اسی طرح متعہ کی حرمت کے بعد ناسخ کی اطلاع پہنچنے [1] سے پہلے ان لوگوں کے بارے میں ایسا کہنا کہ وہ حرام کا ارتکاب کرتے رہے صریح بے ادبی و توہین ہے۔ اسی طرح جو "مخابرہ" کی ممانعت کے بعد بھی ممانعت کا علم پہنچنے سے پہلے چالیس سال تک بعض افراد "مخابرہ" کرتے، اسی طرح بعض افراد تک پانچ مرتبہ کی رضعات کا نسخ نہیں پہنچا تھا اور وہ دور رسالت کے بعد بھی اسے قرآن کا حصہ سمجھتے رہے [2] حالانکہ اس کی تلاوت بھی منسوخ ہو چکی تھی۔ اب ان کے ان اعمال کے بارے میں سخت لفظ بولنا ان کی توہین و بے ادبی ہے۔ کیونکہ ناسخ کی اطلاع پہنچنے سے پہلے وہ سابقہ نص پر عمل کرتے رہے جو کہ ان کے لیے جائز تھا۔ کیونکہ تکلیف حسب الوسع ہے اور جس منسوخ پر نص کے ذریعے عمل واجب یا جائز تھا اس کے ناسخ کی اطلاع سے پہلے عمل کے حوالے سے قاعدہ یہ ہے کہ "اَلْعَمَلُ بِالدَّلِيلِ الظَّاهِرِ وَاجِبٌ عِنْدَ انْعِدَامِ دَلِيلٍ فَوْقَهُ"۔ (ظاہر دلیل کے ساتھ عمل واجب ہے جب تک اس سے اوپر کے درجے کی دلیل سے ختم نہ کیا جائے)، اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں کہ جنات کے قبیلہ کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو احکام بتائے تھے وہ انہیں لے کر اپنی قوم میں چلے گئے تھے۔ جب تک ان کے پاس نئے احکام نہیں پہنچے ان کے لیے ان احکام پر عمل واجب تھا۔ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک ایسے مسائل کی مثالیں موجود ہیں کہ تمام صحابہ تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکامات (مثلاً ناسخ کے احکامات) نہیں پہنچے

---

[1] وَقَدْ أَخْرَجَ مُسْلِمٌ حَدِيثَ جَابِرٍ مِنْ طُرُقٍ أُخْرَى مِنْهَا عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ جَابِرٍ أَنَّهُ سُئِلَ عَنِ الْمُتْعَةِ فَقَالَ فَعَلْنَاهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمِنْ طَرِيقِ عَطَاءٍ عَنْ جَابِرٍ اسْتَمْتَعْنَا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَأَخْرَجَ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ رَافِعٍ عَنْ عَبْدِ الرَّزَّاقِ عَن بن جُرَيْجٍ أَخْبَرَنِي أَبُو الزُّبَيْرِ سَمِعْتُ جَابِرًا نَحْوَهُ وَزَادَ حَتَّى نَهَى عَنْهَا عُمَرُ فِي شَأْنِ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ وَقِصَّةُ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ أَخْرَجَهَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ فِي مُصَنَّفِهِ بِهَذَا الْإِسْنَادِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَدِمَ عَمْرُو بْنُ حُرَيْثٍ الْكُوفَةَ فاستمتع بمولاة فأتى بها عمرو حبلى فسأله فاعترف قَالَ فَذَلِكَ حِينَ نَهَى عَنْهَا عُمَرُ قَالَ الْبَيْهَقِيُّ فِي رِوَايَةِ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ الَّتِي حَكَيْنَاهَا عَنْ تَخْرِيجِ مُسْلِمٍ ثُمَّ نَهَى عَنْهَا ضَبَطْنَاهُ نَهَى بِفَتْحِ النُّونِ وَرَأَيْتُهُ فِي رِوَايَةٍ مُعْتَمَدَةٍ نَهَا بِالْأَلِفِ قَالَ فَإِنْ قِيلَ بَلْ هِيَ بِضَمِّ النُّونِ وَالْمُرَادُ بِالنَّاهِي فِي حَدِيثِ سَلَمَةَ عُمَرُ كَمَا فِي حَدِيثِ جَابِرٍ قُلْنَا هُوَ مُحْتَمَلٌ لَكِنْ ثَبَتَ نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهَا فِي حَدِيثِ الرَّبِيعِ بْنِ سَبْرَةَ بْنِ مَعْبَدٍ عَنْ أَبِيهِ بَعْدَ الْإِذْنِ فِيهِ وَلَمْ نَجِدْ عَنْهُ الْإِذْنَ فِيهِ بَعْدَ النَّهْيِ عَنْهُ فَنَهْيُ عُمَرَ مُوَافِقٌ لِنَهْيِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْتُ وَتَمَامُهُ أَنْ يُقَالَ لَعَلَّ جَابِرًا وَمَنْ نُقِلَ عَنْهُ اسْتِمْرَارُهُمْ عَلَى ذَلِكَ بَعْدَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَنْ نَهَى عَنْهَا عُمَرُ لَمْ يَبْلُغْهُمُ النَّهْيُ وَمِمَّا يُسْتَفَادُ أَيْضًا أَنَّ عُمَرَ لَمْ يَنْهَ عَنْهَا اجْتِهَادًا وَإِنَّمَا نَهَى عَنْهَا مُسْتَنِدًا إِلَى نَهْيِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فتح الباری شرح صحیح البخاری المؤلف: أحمد بن علی بن حجر أبو الفضل العسقلانی الشافعی)

[2] "عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ: كَانَ فِيمَا نَزَلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُومَاتٍ يُحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُومَاتٍ فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ، صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ". (رَوَاهُ مُسْلِمٌ)

تھے اور وہ سابقہ (منسوخ) احکامات پر ہی عمل پیرا تھے، جب انہیں آگاہ کیا گیا تو انہوں نے سابقہ حکم پر عمل ترک کر دیا۔

لیکن یہاں تو بی بی پاک رضی اللہ عنہا فدک کو تصرف میں لائی ہی نہیں اگر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے مخصص بیان کرنے سے پہلے لے بھی لیتیں تو بھی جائز تھا منع نہیں تھا۔

خلاصۂ بحث

جاگیر فدک کے صدقہ کی حیثیت میں اور عام صدقات واجبہ میں فرق ہے۔ تو اس لیے ان کے احکام الگ الگ ہیں۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ صدقہ فدک کی منفعت کو آل رسول پر خرچ کرتے رہے اگر یہ بھی باقی صدقات واجبہ کی طرح ہوتا تو منفعت میں سے آل رسول پر خرچ نہ کیا جاتا۔

اگر سیدہ پاک رضی اللہ عنہا مخصص سننے سے پہلے فدک میں تصرف کر بھی لیتیں تو ان کے لیے یہ مال حلال و جائز تھا۔ کیونکہ اصول شرعیہ سے یہ بات ثابت شدہ ہے کہ جب تک مخصص معلوم نہ ہو عموم پر ہی عمل کیا جائے گا مخصص کو تلاش کرنا کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ اصل عموم ہے اور تخصیص کا نہ ہونا ہی اصل ہے مخصص کے عدم کے لیے محض نہ ہونے کا ظن غالب ہی کافی۔ اور احناف نے یہ اصول بیان کیا ہے کہ "**یجوز العمل بالعام قبل البحث عن المخصص**" (مخصص کی تلاش سے پہلے عام پر عمل کرنا جائز ہے) اور "**الحنفیة یوجبون العمل به قبل البحث**" (احناف بحث (مخصص) سے قبل عام پر عمل واجب رکھتے ہیں) اور اس اصول پر دور صحابہ سے لے کر دوسری اور تیسری صدی کے علماء کا اجماع رہا ہے، اور احناف کا آج بھی یہی مذہب ہے۔

بلکہ شوافع کا راجح بھی یہی ہے جیسا کہ علامہ زرکشی شافعی نے نقل کیا ہے کہ "**والمذهب وجوب العمل به حتى يبلغه التخصيص، لأن الأصل عدم المخصص، ولأن احتمال الخصوص مرجوح، وظاهر صيغة العموم راجح، والعمل بالراجح واجب بالإجماع**"، **وكما نقول في المنسوخ سواء. اور مذہب اس پر عمل کے وجوب کا ہے یہاں تک کہ اس تک تخصیص پہنچ جائے، کیونکہ مخصص میں اصل عدم ہے، کیونکہ خصوص کا احتمال بھی مرجوح ہے، اور عموم کے صیغہ کا ظاہر راجح ہے اور بالاجماع راجح پر عمل واجب ہے، اور جیسا کہ ہم منسوخ میں کہتے ہیں کہ ایسے ہی ہے۔**

اسی طرح ناسخ کے سننے سے پہلے منسوخ پر عمل بھی جائز بلکہ واجب ہے اور مخصص، مقید، استثناء وغیرہ کے لئے متقدمین کے ہاں نسخ کی ایک ہی اصطلاح استعمال ہوتی تھی متاخرین نے ان میں فرق کیا ہے جس کی وجہ سے متقدمین اور متاخرین کے درمیان آیات منسوخ کی تعداد میں اختلاف ہے۔ متقدمین نے ان کی تعداد سینکڑوں میں بیان کی ہے جبکہ متاخرین میں سے "الاتقان" میں علامہ جلال الدین سیوطی نے "بیس" بیان کی ہے اور شاہ ولی اللہ نے مزید تطبیق دیتے ہوئے "حجۃ البالغہ" میں "پانچ" بیان کی ہیں۔ ناسخ کے علم سے قبل

منسوخ پر عمل کرنا لازم ہوتا ہے گویا کہ مکلف کے حق میں ابھی ناسخ ثابت ہی نہیں اس لیے منسوخ پر ہی لازماً عمل کرے گا۔ جیسا کہ اہل قباء کا تحویل قبلہ والی آیت کے نزول کے بعد بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھ لینا اور حضور ﷺ کا اس کو جائز رکھنا اعادہ کا حکم نہ دینا ہے، کیونکہ "**التَّكْلِيفُ مُقَيَّدٌ بِالْوُسْعِ**" تکلیف بقدر الوسع ہے، اور نئے حکم سے ناآشنا کے لئے نیا حکم ثابت ہی نہیں ہوتا جس پر ائمہ کی تصریحات گزر چکی ہیں کہ **وَالْمُخْتَارُ أَنَّ النَّاسِخَ قَبْلَ تَبْلِيغِهِ لَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ**. (مختار یہ ہے کہ ناسخ کی تبلیغ سے پہلے اس کا حکم ثابت نہ ہوگا) اور جن کے نزدیک ثابت بھی ہے تو واجب العمل نہیں، اس کے لئے واجب منسوخ پر عمل کرنا ہی ہے۔ بلکہ علماء کرام نے تو حکم منسوخ ہو جانے کے باوجود ناسخ کا علم پہنچے سے پہلے منسوخ پر ترک عمل کرتے ہوئے ناسخ پر عمل کرنے کو گناہ لکھا ہے، جیسا کہ مسلم الثبوت میں علامہ محب اللہ بہاری نے لکھا ہے "**والمنسوخ واجب العمل ما لم يعتقد ناسخه حتى لو عمل به لعصى**" اور جب تک ناسخ کے ہونے کا اعتقاد نہ ہو منسوخ پر عمل واجب ہے اگر ناسخ پر عمل کرتا ہے تو گناہ کا مرتکب ہوگا۔ اور علامہ آمدی تو لکھتے ہیں کہ: "**وَيَأْثَمُ بِتَرْكِهِ لَهُ قَبْلَ بُلُوغِ النَّسْخِ إِلَيْهِ بِالْإِجْمَاعِ**". کہ نسخ کے اس تک پہنچنے سے پہلے منسوخ پر ترک عمل سے بالاجماع گناہگار ہوگا۔

علم سے پہلے اگر عمل کو لازم قرار دیا جائے تو یہ تکلیف مالا یطاق ہے جو شریعت مطہرہ کا مزاج نہیں ہے ورنہ اس سے تو یہ بھی لازم آئے گا کہ وحی جب جبریل علیہ السلام کو مل گئی اور ابھی حضور ﷺ پر نازل نہ ہوئی تو اس پر بھی عمل لازم ہے، حالانکہ اس کا کوئی بھی قائل نہیں اسی طرح جب وحی حضور ﷺ تک پہنچ گئی لیکن امت تک نہیں پہنچی تو ائمہ کرام کی اس پر بھی واضح تصریحات ہیں کہ تبلیغ سے قبل ابھی تک مکلفین پر عمل کرنا لازم نہیں۔ کیونکہ تکلیف بقدر الوسع ہے تو ناسخ سے غیر مطلع کے لیے یہ حکم ثابت ہی نہیں اسی طرح نسخ کے علم سے قبل منسوخ پر عمل باطل نہیں جیسا کہ علامہ کاسانی احناف کا اصول بیان کرتے ہیں: "**لَا يُوجِبُ بُطْلَانَ الْعَمَلِ بِالْمَنْسُوخِ فِي زَمَانِ مَا قَبْلَ النَّسْخِ**"، یہ کہ نسخ سے پہلے زمانے کا منسوخ پر کیا جانے والے کا عمل باطل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

مخصص سننے سے قبل سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کا فدک کے عین میں بھی تصرف جائز و حلال تھا اس امر پر دال بطور اقتضیٰ آیت قرآنی "**فَمَنْ جَاءَهُ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ فَانْتَهَىٰ فَلَهُ مَا سَلَفَ**" (تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت (حکم) آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا) ہے۔ جس چیز کے عین اور منفعت کو اسلام نے حرام قرار دے دیا لیکن اس کے باوجود جن تک یہ حرمت والی دلیل نہیں پہنچی تھی، دلیل حرمت پہنچنے سے قبل اگر انہوں نے سود لے لیا تو ان کے لئے وہ مال حلال تھا، لقمہ حرام نہیں تھا۔ کیونکہ آیت کے نزول اور ان کے علم میں آنے کے بعد وہ اس کاروبار سے رک گئے لیکن وہ سودی مال ان کے پاس باقی تھا، کسی کو اس کی واپسی کا

نہیں فرمایا گیا۔ اگر یہ حلال و جائز تھا تو جس چیز کی منفعت مخصص سننے کے بعد بھی جائز رہی ہو تو وہاں مخصص سننے سے قبل اگر عین میں تصرف کیا بھی جاتا تو وہ کیونکر حلال نہ ہوتا۔ لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا نے تو تصرف کیا ہی نہیں، اس تصرف کے بارے میں مخصص سننے سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا تھا۔

اللہ تعالیٰ اس مسئلہ کی صحیح فہم عطا فرمائے اور اس کی آڑ میں سیدہ پاک کی ذات مقدسہ کو تختہ مشق بنانے سے محفوظ فرمائے۔ فقیر کا اس تحریر سے مقصد یہ ہے کہ اس مسئلہ میں باقی خرابیوں کے علاوہ جو اصل خرابی اجماع صحابہ کے انکار کی بھی لازم آ رہی ہے اس کی طرف قائل اور باقی اہل علم کی توجہ دلائی جائے کہ سیدہ پاک رضی اللہ عنہا تو عموم سے استدلال فرماتے ہوئے فدک کا مطالبہ کر رہی تھیں۔ اگر آپ رضی اللہ عنہا کے اس مطالبہ پر کہا جاتا ہے کہ "جب مانگ رہیں تھیں تو خطا پر تھیں" یا "غلطی ہو گئی" تو یہ صرف سیدہ پاک رضی اللہ عنہا کی طرف خطا و غلطی کا انتساب نہیں ہے، بلکہ بشمول افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف خطا و غلطی کا انتساب ہے، اور صرف اجماع صحابہ کا ہی انکار نہیں، بلکہ تمام صحابہ کے فہم کو اس مسئلہ میں خطا و غلطی پر کہنا ہے۔ اور یہ بات واضح ہے کہ امت رسول خطا و غلطی پر جمع نہیں ہو سکتی۔ اپنی کج فہمی کی وجہ سے ایسے قول پر مصر رہنا کیسا ہے؟

کلام کے مفسدات دیکھتے ہوئے اہل علم کی توجہ اور متبعین و مؤیدین کی اصلاح کے لئے اتمام حجت کر دی ہے کہ خود فیصلہ فرمائیں کہ ایسے اقوال اور خاص طور پر باب دوم میں جن کی طرف نشاندہی کی ہے ان سے توبہ و رجوع ضروری ہے کہ نہیں؟

اہل ایمان کی شان تو یہ ہے کہ: وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ. وَ مَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ. وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ. (اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ کو یاد کر کے اپنے گناہوں کی معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے سوا اللہ کے اور اپنے کیے پر جان بوجھ کر اَڑ نہ جائیں) اور توبہ و رجوع سے لیت و لعل اور تاخیر کے بارے میں تو سخت وعید ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ۔ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ. (بیشک وہ جو ایمان لا کر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی اور وہی ہیں بہکے ہوئے) ایسے ہی ایک اور مقام پر فرمایا: اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ سَبِیْلًا. (بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے اللہ ہرگز نہ انہیں بخشے نہ انہیں راہ دکھائے)

مسئلہ فدک پر کلام بہت ہی زیادہ احتیاط کا متقاضی ہے، ہلکی سی بھی بے احتیاطی بہت بڑے نقصان کا باعث بن سکتی ہے۔ اور صحیحین کی روایات میں جہاں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے مشکل ترین روایات ہیں اور ان کی ظاہری عبارات کی روشنی میں اسے حل کرنا مشکل ترین ہے۔ لہذا فقیر اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے کہ ان پاک ہستیوں کے درمیان قاضی بننے کی کوشش کرے۔ بلکہ مناسب ترین وہ ہے جو کہ مامور من الرسول قبلہ تاجدار گولڑہ نے فرمایا ہے: ''ان کے اس باہمی اختلاف کا فیصلہ کرنے کا اختیار ہمیں تو نہیں دیا گیا۔ اور نہ ہی ہم سے سوال ہو گا کہ تم نے فیصلہ کیوں نہیں کیا۔ اور نہ ہم اس وقت اور موقع پر حاضر تھے۔ اور نہ ان کے تنازعہ کے درمیان بولنا ہمیں زیب دیتا ہے''۔

ان پاک ہستیوں کے دفاع میں اپنی یہ چند معروضات تحریر کر دی ہیں، ان کی طرف اور انبیاء علیہم السلام کی طرف بلاضرورت خطاء اجتہادی کی نسبت کی تشہیر کر کے عوام کے لئے ان پاک بارگاہوں کے لئے بے باکی کی راہیں ہموار نہ کی جاتیں تو ان ابحاث کو بھی ضبط تحریر میں نہ لایا جاتا۔ اس کے دوران اگر کسی بھی مقدس ہستی کے حوالے سے کوتاہی ہو گئی ہو۔ تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ.

اللہ تعالیٰ جل جلالہ فقیر کی سعی کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بضعۂ رسول رضی اللہ عنہا کی خوشنودی اور فقیر کی بخشش و نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین

ربنا اغفر لی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب

ابو تراب حبیب الحق شاہ کاظمی

المدینۃ المنورۃ

23 ربیع الأول 1445ھ، 8 اکتوبر 2023ء

مصادر ومراجع

1. القرآن الحکیم
2. الإبھاج فی شرح المنھاج (منھاج الوصول للقاضی البیضاوی) المؤلف: تقی الدین أبو الحسن علی بن عبد الکافی بن علی بن تمام بن حامد بن یحیی السبکی (م756ھ) وولدہ تاج الدین أبو نصر عبد الوھاب (م771ھ) الناشر: دولۃ الامارات العربیۃ المتحدۃ حکومۃ دبی سنۃ النشر: (1424—2004) (الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت (عام النشر: 1416ھ)
3. اتحاف السائل بما لفاطمۃ من المناقب والفضائل المؤلف: زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی القاھری (المتوفی: 1031ھ) الناشر: مکتبۃ القرآن للطبع والنشر والتوزیع، القاھرۃ
4. الإتقان فی علوم القرآن المؤلف: عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911ھ) المحقق: محمد أبو الفضل إبراھیم
5. إجابۃُ السائلِ شرحُ بُغْیَۃِ الآملِ المؤلف: محمد بن إسماعیل الأمیر الصنعانی (م:1182ھ) المحقق: القاضی حسین بن أحمد السیاغی، الدکتور حسن محمد مقبولی الأھدل الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت الطبعۃ: (الثانیۃ، ١٤٠٨ھ ١٩٨٨م)
6. الآحاد والمثانی المؤلف: أبو بکر بن أبی عاصم وھو أحمد بن عمرو بن الضحاک بن مخلد الشیبانی (المتوفی: 287ھ) الناشر: دار الرایۃ الریاض الطبعۃ: الأولی، 1411ـ1991
7. الأحادیث المختارۃ أو المستخرج من الأحادیث المختارۃ مما لم یخرجه البخاری ومسلم فی صحیحیھما المؤلف: ضیاء الدین أبو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد المقدسی (م: ٦٤٣ھ) الناشر: دار خضر للطباعۃ والنشر والتوزیع، بیروت لبنان الطبعۃ: الثالثۃ، ١٤٢٠ھ ٢٠٠٠م
8. الإحکام فی أصول الأحکام المؤلف: علی بن محمد الآمدی أبو الحسن (المتوفی: 631ھ) تحقیق د. سید الجمیلی الناشر دار الکتاب العربی سنۃ (النشر 1404ھ)
9. آداب المریدین ویلیه داعی الفلاح إلی سبل النجاح المولف: أبی النجیب عبد القاھر / السھروردی البکری (م: 563ھ) دار اکتب العلمیۃ
10. الأدب المفرد المؤلف: محمد بن إسماعیل بن إبراھیم بن المغیرۃ البخاری، أبو عبد اللہ (المتوفی: 256ھ) الناشر: دار البشائر الإسلامیۃ بیروت الطبعۃ: الثالثۃ، 1409—1989
11. إرشاد الساری لشرح صحیح البخاری المؤلف: أحمد بن محمد بن أبی بکر بن عبد الملک القسطلانی القتیبی المصری، أبو العباس، شھاب الدین (المتوفی: 923ھ) الناشر: المطبعۃ الکبری الأمیریۃ، مصر

12. استجلاب ارتقاء الغرف بحب أقرباء الرسول ـ صلى الله عليه وسلم ـ وذوى الشرف المؤلف: الحافظ شمس الدين محمد بن عبد الرحمن السخاوى (م: 902ھ) الناشر: دار البشائر الإسلامية، بيروت الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ ـ ۲۰۰۰م

13. الاستيعاب فى معرفة الأصحاب المؤلف: أبو عمر يوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر بن عاصم النمرى القرطبى (م: 463ھ) المحقق: على محمد البجاوى الناشر: دار الجيل، بيروت الطبعة: الأولى، 1412ھ 1992م)

14. أسد الغابة المؤلف: أبو الحسن على بن أبى الكرم محمد بن محمد بن عبد الكريم بن عبد الواحد الشيبانى الجزرى، عز الدين ابن الأثير (المتوفى: 630ھ) الناشر: دار الفكر بيروت عام النشر: 1409ھ1989م

15. الأشباه والنظائر المؤلف: تاج الدين عبد الوهاب بن على بن عبد الكافى السبكى (م:۷۷۱ھ) تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود، على محمد معوضالناشر: دار الكتب العلمية، بيروت (الطبعة: الأولى ۱۴۱۱ھ، ۱۹۹۱م)

16. اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ المولف: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دهلوی ترجمه مولانا عبد الحکیم شرف قادری، خان محمد قادری

17. اشعة اللمعات مؤلف: عارف بالله شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دهلوی (متوفی 1052ھ) رحمٰن گل پبلشرز پشاور

18. الإصابة فى تمييز الصحابة المؤلف: أبو الفضل أحمد بن على بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانى (المتوفى: 852ھ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت الطبعة: الأولى ـ 1415ھ

19. الأصل الجامع لإيضاح الدرر المنظومة فى سلك جمع الجوامع المؤلف: حسن بن عمر بن عبد الله السيناونى المالكى (المتوفى: بعد 1347ھ) الناشر: مطبعة النهضة، تونس الطبعة: (الأولى، 1928م)

20. أصول البزدوى، كنز الوصول الى معرفة الأصول المؤلف: على بن محمد البزدوى الحنفيى الناشر: مطبعة جاويد بريس — كراتشى

21. أصول السرخسى المؤلف: محمد بن أحمد بن أبى سهل السرخسى أبو بكر (م490ھ) تحقيق: أبو الوفا الأفغانى الطبعة: الأولى سنة الطبع: 1414 ـ 1993 م المطبعة: الناشر: دار الكتب العلمية ـ بيروت — لبنان الطبعة: (الأولى 1414ھ)

22. أصول الشاشى المؤلف: أحمد بن محمد بن إسحاق الشاشى أبو على (ہجری ،344) الناشر: دار الكتاب العربى — بيروت الطبعة: عام 1402ھ

23. أصول الفقه المؤلف: شمس الدين محمد بن مفلح المقدسى الحنبلى (م: 763ھ) حققه وعلق عليه وقدم له: الدكتور فهد بن محمد السَّدَحَان الناشر: مكتبة العبيكان الطبعة: (الأولى، ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹م)

24. إعلام الموقعين عن رب العالمين المؤلف: محمد بن أبي بكر بن أيوب بن سعد شمس الدين ابن قيم الجوزية (المتوفى: 751ھ) دار الكتب العلمية، بيروت الطبعة: (الأولى، 1411ھ)

25. الإعلام بقواطع الإسلام من قول أو فعل أو نية أو تعليق مكفر المؤلف: أحمد بن محمد بن على بن حجر الهيتمى السعدى الأنصارى، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (م: ۹۷۴ھ) تحقيق: محمد عواد العواد الناشر: دار التقوى / سوريا (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۸ھ / ۲۰۰۸م)

26. الإفصاح عن معانى الصحاح المؤلف: يحيى بن (هُبَيْرَة بن) محمد بن هبيرة الذهلى الشيبانيّ، أبو المظفر، عون الدين (م: ۵۶۰ھ) المحقق: فؤاد عبد المنعم أحمد الناشر: دار الوطن سنة (النشر: ۱۴۱۷ھ)

27. الأم المؤلف: أبو عبد الله محمد بن إدريس الشافعى (۱۵۰، ۲۰۴ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت الطبعة: (الثانية ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳م)

28. الانتقاء فى فضائل الثلاثة الائمة الفقهاء المؤلف: عبد الله نمرى قرطبى (م: 463ھ) مطبوعة الكتب العلميه بيروت

29. الإنصاف فى معرفة الراجح من الخلاف المؤلف: علاء الدين أبو الحسن على بن سليمان المرداوى الدمشقى الصالحى الحنبلى (المتوفى: 885ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربى الطبعة: الثانية - بدون تاريخ

30. الانوار فى شرح المنار فى أصول الفقه على مذهب ابى حنيفة المؤلف: الشيخ الامام العلامه شيخ الإسلام اكمل الدين البابرتى الحنفى (المتوفى: 786ھ) (مخطوطة)

31. الآيات البينات على شرح جمع الجوامع المؤلف: شهاب الدين أحمد بن قاسم الصباغ العبادى الشافعى الأزهرى (م: 992ھ) دار الكتب العلمية (تاريخ النشر 1433ھ)

32. إيثار الإنصاف فى آثار الخلاف المؤلف: يوسف بن قزأوغلى، أو قزغلى، ابن عبد الله، أبو المظفر، شمس الدين، سبط أبي الفرج ابن الجوزى (المتوفى: 654ھ) المحقق: ناصر العلى الناصر الخليفى الناشر: دار السلام — القاهرة الطبعة: الأولى، 1408)

33. البحر الرائق شرح كنز الدقائق المؤلف: زين الدين بن إبراهيم بن محمد، المعروف بابن نجيم المصرى (المتوفى: 970ھ) وفى آخره: تكملة البحر الرائق لمحمد بن حسين بن على الطورى الحنفى القادرى (م: بعد 1138ھ) وبالحاشية: منحة الخالق لابن عابدين الناشر: دار الكتاب الإسلامى الطبعة: الثانية، بدون تاريخ

34. بحر العلوم المؤلف: أبو الليث نصر بن محمد بن أحمد بن إبراهيم السمرقندى (المتوفى: 373ھ) دار النشر: دار الفكر — بيروت

35. البحر المحيط فى أصول الفقه المؤلف: أبو عبد الله بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر الزركشى (المتوفى: 794ھ) الناشر: وزارة الاقاف والشئون الإسلامية بالكويت (الطبعة الثانية 1413ھ، 1992)

36. البحر المحیط فی التفسیر المؤلف: أبو حیان محمد بن یوسف بن علی بن یوسف بن حیان أثیر الدین الأندلسی (المتوفی: 745ھ) المحقق: صدقی محمد جمیل الناشر: دار الفکر بیروت (الطبعة: 1420ھ)

37. البحر المورود فی المواثیق والعهود المؤلف: ابوالمواهب عبدالوهاب الشعرانی (م: 973ھ) دار الکتب العلمیه، بیروت، لبنان، الطبعة الثانیة 2011ء)

38. بدایة الحکمة، مولف سید محمدحسین طباطبایی ناشر: جماعة المدرسین فی الحوزة العلمیة بقم. مؤسسة النشر الإسلامی

39. البدایة والنهایة المؤلف: أبو الفداء إسماعیل بن عمر بن کثیر القرشی البصری ثم الدمشقی (المتوفی: 774ھ) تحقیق: عبد الله بن عبد المحسن الترکی الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزیع والإعلان سنة النشر: 1424ھ / 2003م)

40. بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع المؤلف: علاء الدین، أبو بکر بن مسعود بن أحمد الکاسانی الحنفی (المتوفی: 587ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة الطبعة: الثانیة، 1406ھ، 1986م)

41. البدر الطالع فی حل الفاظ جمع الجوامع فی أصول الفقه المؤلف: شمس الدین محمد بن أحمد الخطیب الشربینی الشافعی (م: 977ھ) دار الرسالة للنشر والتوزیع (1429ھ)

42. بدر الطالع فی حل جمع الجوامع المؤلف: جلال الدین محمد بن احمد المحلی الشافعی مؤسسة الرسالة الناشرون (الطبعة الأولی 1426ھ)

43. البرهان فی أصول الفقه المؤلف: عبد الملک بن عبد الله بن یوسف الجوینی أبو المعالی إمام الحرمین المحقق: عبد العظیم الدیب حالة الفهرسة: غیر مفهرس الناشر: دولة قطر سنة (النشر: 1399)

44. البرهان فی علوم القرآن المؤلف: أبو عبد الله بدر الدین محمد بن عبد الله بن بهادر الزرکشی (م: ۷۹۴ھ) المحقق: محمد أبو الفضل إبراهیم الناشر: دار إحیاء الکتب العربیة عیسی البابی الحلبی وشرکائه الطبعة: (الأولی، ۱۳۷۶ھ ۱۹۵۷م)

45. بریقة محمودیة فی شرح طریقة محمدیة وشریعة نبویة فی سیرة أحمدیة المؤلف: محمد بن محمد بن مصطفی بن عثمان، أبو سعید الخادمی الحنفی (م: ۱۱۵۶ھ) الناشر: مطبعة الحلبی الطبعة: بدون طبعة، ۱۳۴۸ھ)

46. بستان العارفین المؤلف: أبو زکریا محیی الدین یحیی بن شرف النووی (م: ۶۷۶ھ) الناشر: دار الریان للتراث

47. البلبل فی أصول الفقه (مختصر روضة الناظر) المؤلف: سلیمان بن عبد القوی بن الکریم الطوفی الصرصری، أبو الربیع، نجم الدین (المتوفی: ۷۱۶ھ) مکتبة الامام شافعی الریاض (الطبعة الثانیة 1410ھ)

48. البنایۃ شرح الہدایۃ المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى (المتوفى: 855ھ) الناشر: دار الكتب العلمية ـ بيروت، لبنان الطبعة: (الأولى، 1420ھ 2000م)

49. بہار شریعت، امجدعلی اعظمی (م: 1367ھ) ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور

50. بهجة المحافل وبغية الأماثل فی تلخيص المعجزات والسير والشمائل المؤلف: يحيى بن أبي بكر بن محمد بن يحيى العامرى الحرضى (المتوفى: 893ھ) الناشر: دار صادر بيروت

51. بيان المختصر شرحُ مختصرِ ابنِ الحاجب المؤلف: محمود بن عبد الرحمن (أبي القاسم) ابن أحمد بن محمد، أبو الثناء، شمس الدين الأصفهانى (المتوفى: 749ھ) المحقق: محمد مظهر بقا الناشر: دار المدنى، السعودية الطبعة: (الأولى، 1406ھ / 1986م)

52. بيان المختصر شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمود بن عبد الرحمن (أبي القاسم) ابن أحمد بن محمد، أبو الثناء، شمس الدين الأصفهانى (م:749ھ) المحقق: محمد مظهر بقا الناشر: دار المدنى، السعودية (الطبعة: الأولى، ١٤٠٦ھ)

53. البيان والتعريف فی أسباب ورود الحديث الشريف المؤلف: إبراهيم بن محمد بن محمد كمال الدين ابن أحمد بن حسين، برهان الدين ابن حَمْزَة الحُسَيْنى الحنفى الدمشقيّ (م:١١٢٠ھ) الناشر: دار الكتاب العربي ـ بيروت

54. تاريخ الإسلام ووفيات المشاهير والأعلام المؤلف: شمس الدين أبوعبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبى (المتوفى: 748ھ) الناشر: دار الكتاب العربي، بيروت الطبعة: الثانية، 1413ھ1993م

55. تاريخُ الخَميس فی أحوالِ أنفَس نَفيس المؤلف: حسين بن محمد بن الحسن الدِّيار بَكْرى (م:٩٦٦ھ) الناشر: دار صادر، بيروت الطبعة:

56. التاريخ الكبير المؤلف: محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخارى، أبو عبد الله (المتوفى: 256ھ) الطبعة: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد ـ الدكن

57. التاريخ الكبير المؤلف: محمد بن إسماعيل بن إبراهيم بن المغيرة البخارى، أبو عبد الله (المتوفى: 256ھ) الطبعة: دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد ـ الدكن

58. تاريخ بغداد / تاريخ مدينة السلام وأخبار محدثيها وذكر قطانها العلماء من غير أهلها ووارديها) المؤلف: أبوبكر أحمد بن على بن ثابت الخطيب البغدادى (المتوفى 463) الناشر: دار الغرب الإسلامى بيروت الطبعة: الأولى، ١٤٢٢ھ ٢٠٠٢م

59. تاريخ دمشق المؤلف: أبو القاسم على بن الحسن بن هبة الله المعروف بابن عساكر (المتوفى: 571ھ) الناشر: دار الفكر للطباعة والنشر والتوزيع عام النشر: 1415ھ ـ 1995م

60. التبصرة فى أصول الفقه المؤلف: أبو اسحاق إبراهيم بن على بن يوسف الشيرازى (المتوفى: 476ھ) المحقق: د. محمد حسن هيتو الناشر: دار الفكر — دمشق (الطبعة: الأولى، 1403)

61. التحبير شرح التحرير فى أصول الفقه المؤلف: علاء الدين أبو الحسن على بن سليمان المرداوى الدمشقى الصالحى الحنبلى (م: ۸۸۵ھ) دراسة وتحقيق: د. عبد الرحمن الجبرين، د. عوض القرنى، د. أحمد السراح أصل التحقيق: ۳ رسائل دكتوراة، قسم أصول الفقه فى كلية الشريعة بالرياض الناشر: مكتبة الرشد، السعودية، الرياض (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۱ھ)

62. تحفة الطالب بمعرفة أحاديث مختصرِ ابنِ الحاجبِ المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشى الدمشقى (المتوفى: 774ھ) الناشر: دار ابن حزم الطبعة: (الثانية، 1416)

63. تحفة المسؤول فى شرح مختصر منتهى السول المؤلف: أبو زكريا يحيى بن موسى الرهونى (م: ۷۷۳ھ) المحقق: جـ ۱، ۲ (الدكتور الهادى بن الحسين شبيلى)، جـ ۳، ۴ (يوسف الأخضر القيم) الناشر: دار البحوث للدراسات الإسلامية وإحياء التراث، دبى، الإمارات الطبعة: (الأولى، 1422ھ)

64. التحقيق والبيان فى شرح البرهان فى أصول الفقه المؤلف: على بن إسماعيل الأبيارى (م: ۶۱۶ھ) تنبيه: ورد على الغلاف عام الوفاة ۶۱۸ھ لكن المحقق رجح فى المقدمة أن الوفاة عام ۶۱۶ھ دراسة وتحقيق: د. على بن عبد الرحمن بسام الجزائرى، أستاذ بالمعهد الوطنى العالى لأصول الدين الجزائر أصل التحقيق: رسالة دكتوراة الناشر: دار الضياء، الكويت (طبعة خاصة بوزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية، دولة قطر) الطبعة: (الأولى، ۱۴۳۴ھ ۲۰۱۳م)

65. تدريب الراوى فى شرح تقريب النواوى المؤلف: عبد الرحمن بن أبى بكر السيوطى (المتوفى: 911ھ) الناشر: مكتبة الرياض الحديثة الرياض

66. التدوين فى أخبار قزوين المؤلف: عبد الكريم بن محمد بن عبد الكريم، أبو القاسم الرافعى القزوينى (م: ۶۲۳ھ) الناشر: دار الكتب العلمية الطبعة: ۱۴۰۸ھ ۱۹۸۷م

67. تذكرة الخواص المؤلف: العلامة شمس الدين يوسف بن قزاوغلى مشهور به سبط ابن جوزى (م: 654ھ) مكتبه النبويه الحديثه

68. ترجمه كشف المحجوب المولف: علامه ابو الحسنات سيد محمد احمد قادرى ناشر ضياء القرآن پبليكيشنز لاهور (سن اشاعت 2021ء)

69. تركة النبى صلى الله عليه وسلم والسبل التى وجهها فيها المؤلف: أبو إسماعيل حماد بن إسحاق بن إسماعيل بن حماد بن زيد بن درهم الأزدى البغدادى المالكى (م: ۲۶۷ھ) الطبعة: الأولى، ۱۴۰۴ھ

70. تسهيل الوصول الى علم الاصول المولف: محمد عبد الرحمٰن عيد المحلاوى الحنفى (المتوفى 1341ھ) المكتبة المكية الطبعة (الاولى 1428ھ)

71. تشنيف المسامع بجمع الجوامع لتاج الدين السبكي المؤلف: بدر الدين محمد بن عبد الله بن بهادر بن عبد الله الزركشي (م:٧٩٤ھ) الناشر: مكتبة قرطبة للبحث العلمي وإحياء التراث، توزيع المكتبة المكية الطبعة: (الأولى1418ھ)

72. تصفیه ما بیان سنی و شیعه مؤلف: عالم ربانی قبله عالم خواجه سید پیر مهرعلی شاه (م: 1356ھ) مقام اشاعت گولڑه شریف (مطبعة: 1399ھ)

73. تفسير أبي السعود = إرشاد العقل السليم إلى مزايا الكتاب الكريم المؤلف: أبو السعود العمادي محمد بن محمد بن مصطفى (المتوفى: 982ھ) دار إحياء التراث العربي بيروت

74. تفسير الإيجي جامع البيان في تفسير القرآن المؤلف: محمد بن عبد الرحمن بن محمد بن عبد الله الحسني الحسيني الإيجي الشافعيّ (المتوفى: 905ھ) دار النشر: دار الكتب العلمية — بيروت الطبعة: (الأولى، 1424ھ)

75. تفسير الطبري = جامع البيان عن تأويل آي القرآن المؤلف: محمد بن جرير بن يزيد بن كثير بن غالب الآملي، أبو جعفر الطبري (المتوفى: 310ھ) الناشر: دار هجر للطباعة والنشر والتوزيع والإعلان الطبعة: (الأولى، 1422ھ)

76. تفسير القرآن الحكيم (تفسير المنار) المؤلف: محمد رشيد بن علي رضا بن محمد شمس الدين بن محمد بهاء الدين بن منلا علي خليفة القلموني الحسيني (المتوفى: 1354ھ) الناشر: الهيئة المصرية العامة للكتاب (سنة النشر: 1990م)

77. تفسير القرآن العظيم المؤلف: أبو الفداء إسماعيل بن عمر بن كثير القرشي البصري ثم الدمشقي (المتوفى: 774ھ) الناشر: دار طيبة للنشر والتوزيع الطبعة: (الثانية 1420ھ)

78. تفسير الماتريدي (تأويلات أهل السنة) المؤلف: محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور الماتريدي (المتوفى: 333ھ) المحقق: د. مجدي باسلوم الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة: الأولى، (1426ھ، 2005م)

79. التفسير المظهري المؤلف: القاضي مولوي محمد ثناء الله الهندي الفاني فتي النقشبندي الحنفي العثماني المظهري (م: 1225ھ) الناشر: مكتبة الرشدية — الباكستان (الطبعة: 1412ھ)

80. تفسير خزائن العرفان مؤلف: صدر الافاضل حضرت مولانا سید محمد نعیم الدین مراد آبادی (م: 1367ھ)

81. التقريب والإرشاد (الصغير) المؤلف: القاضي أبو بكر محمد بن الطيب الباقلاني (م: ٤٠٣ھ) قدم له وحققه وعلق عليه: د. عبد الحميد بن علي أبو زنيد الناشر: مؤسسة الرسالة، بيروت، لبنان الطبعة: (الثانية، ١٤١٨ھ، ١٩٩٨م)

82. التقرير لأصول فخر الإسلام البزدوي لأكمل الدين محمد بن محمود البابرتي (المتوفى 786ھ) محقق خالد محمد العروسي عبد القادر جامعة أم القرى بمكة المكرمة (1418ھ)

83. التقرير و التحبير المؤلف: أبو عبد الله، شمس الدين محمد بن محمد بن محمد المعروف بابن أمير حاج ويقال له ابن الموقت الحنفي (المتوفى: 879ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (الطبعة: الثانية، 1403ھ، 1983م)

84. تکمیل الایمان المولف: شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دھلوی الناشر: الرحیم اکیڈمی کراچی (طبعة 1421ھ)

85. تلخيص روضة الناظر وجنة المناظر في أصول الفقه المؤلف: شمس الدين محمد بن أبي الفتح البعلي الحنبلي (المتوفى: 709ھ) دار التدمرية. (مطبوعة: 1426ھ)

86. تلقيح الفهوم في تنقيح صيغ العموم المؤلف صلاح الدين أبو سعيد خليل بن كيكلدي العلائي (المتوفى: 761ھ) شركة دار الارقم بن ابي الارقم (الطبعة الأولى 1418ھ)

87. التمهيد في أصول الفقه المؤلف: محفوظ بن أحمد بن الحسن أَبُو الخطاب الكَلْوَذَاني الحنبلي (المتوفى: 510ھ) الناشر: مركز البحث العلمي وإحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى (الطبعة: الأولى، 1406ھ)

88. التمهيد في تخريج الفروع على الأصول المؤلف: عبد الرحيم بن الحسن بن علي الإسنوي الشافعيّ، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 772ھ) المحقق: د. محمد حسن هيتو الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت الطبعة: (الأولى، 1400ھ)

89. التنوير شرح الجَامِع الصغِيرِ المؤلف: محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى: 1182ھ) المحقق: د. محمَّد إسحاق محمَّد إبراهيم الناشر: مكتبة دار السلام، الرياض (الطبعة: الأولى، 1432ھ)

90. التنوير شرح الجامِع الصغِيرِ المؤلف: محمد بن إسماعيل بن صلاح بن محمد الحسني، الكحلاني ثم الصنعاني، أبو إبراهيم، عز الدين، المعروف كأسلافه بالأمير (المتوفى: 1182ھ) الناشر: مكتبة دار السلام، الرياض الطبعة: الأولى، 1432ھ – 2011م

91. تهذيب التهذيب المؤلف: شهاب الدين أبو الفضل أحمد بن علي بن حجر العسقلاني (م: ٨٥٢ھ) الناشر: مطبعة دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد الدكن – الهند الطبعة: (الأولى، ١٣٢٥ – ١٣٢٧ھ)

92. تهذيب الكمال في أسماء الرجال المؤلف: يوسف بن عبد الرحمن بن يوسف، أبو الحجاج، جمال الدين ابن الزكي أبي محمد القضاعي الكلبي المزي (المتوفى: 742ھ) الناشر: مؤسسة الرسالة – بيروت (الطبعة: الأولى، 1400ھ)

93. توضيح المباني وتنقيح المعاني شرح مختصر المنا المولف: ملا علي القاري علي بن سلطان محمد الهروي الحنفي (المتوفى: 1014ھ) دار صادر الطبعة (الاولى 1427ھ)

94. التوضیح لشرح الجامع الصحیح المؤلف: ابن الملقن سراج الدین أبو حفص عمر بن علی بن أحمد الشافعی المصری (المتوفی: 804ھ) المحقق: دار الفلاح للبحث العلمی وتحقیق التراث الناشر: دار النوادر، دمشق — سوریا الطبعة: (الأولی، 1429ھ، 2008م)

95. التوقیف علی مهمات التعاریف المؤلف: زین الدین محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین الحدادی ثم المناوی القاهری (م: ۱۰۳۱ھ) الناشر: عالم الکتب ۳۸ عبد الخالق ثروت-القاهرة الطبعة: (الأولی، ۱۴۱۰ھ-۱۹۹۰م)

96. تیسیر التحریر المؤلف: محمد أمین بن محمود البخاری المعروف بأمیر بادشاہ الحنفی (المتوفی: 972ھ) الناشر: مصطفی البابی الحلبی - مصر (۱۳۵۱ھ ۱۹۳۲ م) وصورته: دار الکتب العلمیة - بیروت (۱۴۰۳ھ - ۱۹۸۳ م)، ودار الفکر - بیروت (۱۴۱۷ھ ۱۹۹۶ م)

97. تیسیر الوصول إلی منهاج الأصول من المنقول والمعقول ''المختصر'' المؤلف: کمال الدین محمد بن محمد بن عبد الرحمن المعروف بـ ''ابن إمام الکاملیة'' (م: ۸۷۴ھ) دراسة وتحقیق: د. عبد الفتاح أحمد قطب الدخمیسی، أستاذ أصول الفقه المساعد بکلیة الشریعة والقانون جامعة الأزهر، طنطا الناشر: دار الفاروق الحدیثة للطباعة والنشر، الطبعة: الأولی، ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲م

98. التیسیر بشرح الجامع الصغیر المؤلف: عبد الرؤوف المناوی (م: 1031ھ) الناشر: مکتبة الإمام الشافعی — الریاض الطبعة: الثالثة، 1408ھ

99. الثمار الیوانع علی جمع الجوامع للأزهری المولف: خالد بن عبد الله الأزهری دار النشر منشورات وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامیة تاریخ (النشر 1427ھ 2006م)

100. جامع الأحادیث المؤلف: عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911ھ)

101. جامع الأسرار فی شرح المنار المؤلف: محمد بن محمد احمد الکاکی حنفی (المتوفی: 749ھ) الناشر مکتبة نزار مصطفی الباز الطبعة (الثانیة 1426ھ)

102. جامع البیان فی تأویل القرآن المؤلف: محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب الآملی، أبو جعفر الطبری (المتوفی: 310ھ) المحقق: أحمد محمد شاکر الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: (الأولی 1420ھ، 2000م)

103. جامع التحصیل فی أحکام المراسیل المؤلف: أبو سعید بن خلیل بن کیکلدی أبو سعید العلائی المحقق: حمدی عبد المجید السلفی الناشر: عالم الکتب — بیروت الطبعة: (الثانیة 1407ھ 1986م)

104. الجامع الصحیح المختصر المؤلف: محمد بن إسماعیل أبو عبد الله البخاری الجعفی الناشر: دار ابن کثیر، الیمامة، بیروت (الطبعة الثالثة، 1407ھ)

105. الجامع الصحیح المسمی صحیح مسلم المؤلف: أبو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم القشیری النیسابوری الناشر: دار الجیل بیروت اَلْفَاتِحَۃُ دار الأفاق الجدیدة. بیروت

106. الجامع فی ألفاظ الکفر المؤلف: مجموعة من المصنفین المحقق: محمد بن عبد الرحمن الخمیس الناشر: دار إیلاف الدولیة للنشر و التوزیع (سنة النشر: 1420ھ، 1999م)

107. الجامع لأحکام القرآن = تفسیر القرطبی المؤلف: أبو عبد الله محمد بن أحمد بن أبی بکر بن فرح الأنصاری الخزرجی شمس الدین القرطبی (المتوفی: 671ھ) تحقیق: أحمد البردونی وإبراهیم أطفیش الناشر: دار الکتب المصریة — القاهرة الطبعة: (الثانیة، 1384ھ، 1964م)

108. الجرح و التعدیل المؤلف: أبو محمد عبد الرحمن بن محمد بن إدریس بن المنذر التمیمی، الحنظلی، الرازی ابن أبی حاتم (المتوفی: 327ھ) الناشر: طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانیة - بحیدر آباد الدکن — الهند دار إحیاء التراث العربی - بیروت

109. جمع الوسائل فی شرح الشمائل المؤلف: علی بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدین الملا الهروی القاری (المتوفی: 1014ھ) الناشر: المطبعة الشرفیة - مصر،

110. الجواهر المضیة فی طبقات الحنفیة المؤلف: عبد القادر بن محمد بن محمد بن نصر الله بن سالم بن أبی الوفاء القرشی الحنفی محی الدین أبو محمد المحقق: عبد الفتاح محمد الحلو الناشر: دار هجر سنة النشر: (1413ھ1993)

111. حاشیة الجَمل علی شرح المَنهَج المؤلف: سلیمان بن عمر بن منصور العجیلی الأزهری الجمل (1204ھ) دار الکتب العلمیة

112. حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار شرح تنویر الأبصار فی مذهب الأمام أبی حنیفة النعمان المولف: ، أحمد بن محمد بن اسماعیل الطحطاوی الحنفی (م: 1231ھ)

113. حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح المؤلف: أحمد بن محمد بن إسماعیل الطحطاوی الحنفی (م: 1231ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة بیروت — لبنان الطبعة: الطبعة (الأولی 1418ھ1997م)

114. حاشیة العطار علی شرح الجلال المحلی علی جمع الجوامع المؤلف: حسن بن محمد بن محمود العطار الشافعی (المتوفی: 1250ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة الطبعة: بدون طبعة وبدون تاریخ.

115. حاشیة الکلنبوی علی شرح الجلال الدوانی علی العقائد العضدیة

116. حاشیه بهارِ شریعت مجلس مدینة العلمیة (دعوت اسلامی) (طباعت اول: 1429ھ)

117. الحاوی للفتاوی المؤلف: عبد الرحمن بن أبی بکر، جلال الدین السیوطی (المتوفی: 911ھ) الناشر: دار الفکر للطباعة و النشر، بیروت، لبنان (عام النشر: 1424ھ، 2004م)

118. حجة البالغه شاه ولی الله محدث دهلوی (م: 1174ھ)

119. حجة الله البالغة المؤلف: الشاه ولی الله الدهلوی» (م: ١١٧٦ھ) الناشر: دار الجیل، بیروت لبنان

120. حلیة الأولیاء و طبقات الأصفیاء المؤلف: أبو نعیم أحمد بن عبد الله بن أحمد بن إسحاق بن موسی بن مهران الأصبهانی (المتوفی: 430ھ) الناشر: السعادة - بجوار محافظة مصر، 1394ھ1974م

121. خلاصة تذهيب تهذيب الكمال في أسماء الرجال (وعليه إتحاف الخاصة بتصحيح الخلاصة للعلامة الحافظ البارع علي بن صلاح الدين الكوكباني الصنعاني) المؤلف: أحمد بن عبد الله بن أبي الخير بن عبد العليم الخزرجي الأنصاري الساعدي اليمني، صفي الدين (م: بعد ۹۲۳ھ) المحقق: عبد الفتاح أبو غدة الناشر: مكتب المطبوعات الإسلامية / دار البشائر - حلب / بيروت الطبعة: (الخامسة، ۱۴۱۶ھ)

122. در السحابة في مناقب القرابة والصحابة المؤلف محمد بن علي بن محمد الشوكاني، الملقب ببدر الدين الشوكاني (م: 1250ھ.) الناشر دار الفقر دمشق الطبعة اولى 1404ھ

123. الدر المصون في علوم الكتاب المكنون المؤلف: أبو العباس، شهاب الدين، أحمد بن يوسف بن عبد الدائم المعروف بالسمين الحلبي (المتوفى: 756ھ)

124. الدر المنثور المؤلف: عبد الرحمن بن أبي بكر، جلال الدين السيوطي (المتوفى: 911ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت

125. الدرر اللوامِع في شرح جمع الجوامع المؤلف: شهاب الدين أحمد بن إسماعيل الكوراني (۸۱۳، ۸۹۳ھ) المحقق: سعيد بن غالب كامل المجيدي أصل التحقيق: رسالة دكتوراة بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة الناشر: الجامعة الإسلامية، المدينة المنورة، المملكة العربية السعودية (عام النشر: ۱۴۲۹ھ، ۲۰۰۸م.)

126. دستور العلماء = جامع العلوم في اصطلاحات الفنون المؤلف: القاضي عبد النبي بن عبد الرسول الأحمد نكري (م: 1180ھ) عرب عباراته الفارسية: حسن هاني فحص الناشر: دار الكتب العلمية - لبنان / بيروت الطبعة: (الأولى، ۱۴۲۱ھ - ۲۰۰۰م) (1 / 12)

127. ذخائر العقبى في مناقب ذوي القربى المؤلف: محب الدين أحمد بن عبد الله الطبري (المتوفى: 694ھ) عام النشر: 1356ھ

128. ذخائر العقبى في مناقب ذَوِي القربى المؤلف: المحب الطبري (المتوفى: 694ھ) في، 1 / 94،

129. الذخر الحرير بشرح مختصر التحرير المؤلف: أحمد بن عبد الله بن أحمد البعلي الحنبلي (م: ۱۱۸۹ھ) المحقق: وائل محمد بكر زهران الشنشوري تقديم: أحمد منصور آل سبالك الناشر: (المكتبة العمرية، دار الذخائر)، القاهرة، مصر (الطبعة: الأولى، ۱۴۴۱ھ)

130. الذرية الطاهرة النبوية المؤلف: أبو بِشْر محمد بن أحمد بن حماد بن سعيد بن مسلم الأنصاري الدولابي الرازي (م: ۳۱۰ھ) الناشر: الدار السلفية الكويت الطبعة: الأولى، ۱۴۰۷

131. الرخصة في تقبيل اليد المؤلف: أبوبكر محمد بن إبراهيم بن علي بن عاصم بن زاذان الأصبهاني الخازن، المشهور بابن المقرئ (م: ۳۸۱ھ) الناشر: دار العاصمة الرياض الطبعة: الأولى، ۱۴۰۸

132. رد المحتار على الدر المختار المؤلف: ابن عابدين، محمد أمين بن عمر بن عبد العزيز عابدين الدمشقي الحنفي (المتوفى: 1252ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت _ الطبعة: الثانية، 1412ھ، 1992م

133. الردود والنقود شرح مختصر ابن الحاجب المؤلف: محمد بن محمود بن أحمد البابرتي الحنفي (م: 786ھ) المحقق: جـ١ (ضيف الله بن صالح بن عون العمري)، جـ٢ (ترحيب بن ربيعان الدوسري) أصل التحقيق: رسالتا دكتوراة نوقشت بالجامعة الإسلامية، كلية الشريعة، قسم أصول الفقه ١٤١٥ھ الناشر: مكتبة الرشد ناشرون (الطبعة: الأولى، 1426ھ)

134. الرسالة القشيرية المؤلف: عبد الكريم بن هوازن بن عبد الملك القشيري (م: 465ھ) تحقيق: الإمام الدكتور عبد الحليم محمود، الدكتور محمود بن الشريف الناشر: دار المعارف، القاهرة باب الولاية،

135. الرسالة المؤلف: محمد بن إدريس الشافعي (١٥٠ھ - ٢٠٤ھ) تحقيق وشرح: أحمد محمد شاكر (عن أصل بخط الربيع بن سليمان كتبه في حياة الشافعي) الطبعة: الأولى، ١٣٥٧ھ - ١٩٣٨ م الناشر: مصطفى البابي الحلبي وأولاد - مصر

136. رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب المؤلف: تاج الدين أبي النصر عبد الوهاب بن علي بن عبد الكافي السبكي (570 - 646ھ) تحقيق: علي محمد معوض، عادل أحمد عبد الموجود دار النشر: عالم الكتب، لبنان / بيروت، الطبعة: (الأولى 1999 م، 1419ھ)

137. رفع النِّقاب عن تنقيح الشهاب المؤلف: أبو عبد الله الحسين بن علي بن طلحة الرجراجي الشوشاوي المالكي (م: 899ھ) المحقق: جـ ١، ٢، ٣ (د أحمد بن محمد السراح)، جـ ٤، ٥، ٦ (د عبد الرحمن بن عبد الله الجبرين) أصل التحقيق: رسالتا ماجستير في أصول الفقه، كلية الشريعة، بالرياض الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع، الرياض، المملكة العربية السعودية الطبعة: (الأولى، 1425ھ)

138. روح البيان المؤلف: إسماعيل حقي بن مصطفى الإستانبولي الحنفي الخلوتي اَلْبَقَرَةِ المولى أبو الفداء (المتوفى: 1127ھ) الناشر: دار الفكر - بيروت

139. روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني المؤلف: شهاب الدين محمود بن عبد الله الحسيني الألوسي (المتوفى: 1270ھ) المحقق: علي عبد الباري عطية الناشر: دار الكتب العلمية — بيروت الطبعة: (الأولى، 1415ھ)

140. الروض الأنف في شرح السيرة النبوية المؤلف: أبو القاسم عبد الرحمن بن عبد الله بن أحمد السهيلي (المتوفى: 581ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي، بيروت الطبعة: (الأولى، 1412ھ)

141. روضة الناظر وجنة المناظر عبد الله بن أحمد بن قدامة المقدسي أبو محمد سنة الولادة 541 / سنة الوفاة 620 تحقيق د. عبد العزيز عبد الرحمن السعيد الناشر جامعة الإمام محمد بن سعود سنة النشر 1399 مكان النشر الرياض

142. سبل السلام شرح بلوغ المرام المؤلف: محمد بن إسماعيل الأمير اليمني الصنعاني (١١٨٢ھ) تحقيق: عصام الصبابطي - عماد السيد الناشر: دار الحديث - القاهرة، مصر الطبعة: (الخامسة، ١٤١٨ھ ١٩٩٧م)

143. سبل الهدى والرشاد، في سيرة خير العباد، وذكر فضائله وأعلام نبوته وأفعاله وأحواله في المبدأ والمعاد المؤلف: محمد بن يوسف الصالحي الشامي (م: 942ھ) تحقيق وتعليق: الشيخ عادل أحمد عبد الموجود، الشيخ علي محمد معوض الناشر: دار الكتب العلمية بيروت — لبنان (الطبعة: الأولى، ۱۴۱۴ھ)

144. السبيل في أصول الفقه المولف: عبد الرحمن صابر حسين حمودہ العقبي دار الكتب العلمية

145. السراج المنير شرح الجامع الصغير المؤلف: الشيخ علي بن الشيخ أحمد بن الشيخ نور الدين بن محمد بن الشيخ إبراهيم الشهير بالعزيزي (م: 1070ھ)

146. سند عبد بن حميد المؤلف: أبو محمد عبد الحميد بن حميد بن نصر الكَسّي ويقال له: الكَشّي بالفتح والإعجام (م:۲۴۹ھ) الناشر: مكتبة السنة ـ القاهرة الطبعة: (الأولى، ۱۴۰۸ھ)

147. سنن أبي داود المؤلف: أبو داود؛ سليمان بن الأشعث بن إسحاق بن بشير الأزدي السجستاني، أبو داود (المتوفى: 275ھ)

148. سنن الترمذي المؤلف: محمد بن عيسى بن سَوْرة بن موسى بن الضحاك، الترمذي، أبو عيسى (المتوفى: 279ھ)

149. سنن الدارقطني المؤلف: أبو الحسن علي بن عمر بن أحمد بن مهدي بن مسعود بن النعمان بن دينار البغدادي الدارقطني (المتوفى: 385ھ) الناشر: دار المعرفة — (بيروت، 1386 — 1966)

150. سنن الدارمي المؤلف: عبد الله بن عبد الرحمن أبو محمد الدارمي (المتوفى: 255ھ) الناشر: دار الكتاب العربي — بيروت

151. السنن الكبرى المؤلف: أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي المتوفى: 303ھ الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت الطبعة: الأولى، 1421 ھـ ـ 2001 م

152. السنن الكبرى المؤلف: أحمد بن الحسين بن علي بن موسى أبو بكر البيهقي (م:۴۵۸ھ) الناش : مكتبة دار الباز ـ مكة المكرمة، 1414 ـ 1994

153. سير أعلام النبلاء المؤلف: شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي (المتوفى: 748ھ) الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: الثالثة، 1405ھ / 1985 م

154. السيرة النبوية لابن هشام المؤلف: عبد الملك بن هشام بن أيوب الحميري المعافري، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 213ھ) الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي وأولاده بمصر الطبعة: (الثانية، 1375ھ، 1955 م)

155. شرح (التبصرة والتذكرة = ألفية العراقي) المؤلف: أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم بن الحسين بن عبد الرحمن بن أبي بكر بن إبراهيم العراقي (م:۸۰۶ھ) المحقق: عبد اللطيف الهميم ـ ماهر ياسين فحل الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت لبنان الطبعة: (الأولى، ۱۴۲۳ھ ۲۰۰۲م)

156. شرح البخاری للسفیری (المجالس الوعظیة فی شرح أحادیث خیر البریة صلی اللہ علیہ وسلم من صحیح الإمام البخاری) المؤلف: شمس الدین محمد بن عمر بن أحمد السفیری الشافعی (المتوفی: 956ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت ـ لبنان الطبعة: (الأولی، 1425ھ)

157. شرح البدخشی منهاج العقول، شرح الأسنوی نهایة السول المؤلف: محمد بن الحسن البدخشی، عبد الرحیم الأسنوی دار الفکر

158. شرح التلویح علی التوضیح المؤلف: سعد الدین مسعود بن عمر التفتازانی (المتوفی: 793ھ) الناشر: مکتبة صبیح بمصر الطبعة: بدون طبعة وبدون تاریخ

159. شرح الزرقانی علی المواهب اللدنیة بالمنح المحمدیة المؤلف: أبو عبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن أحمد بن شهاب الدین بن محمد الزرقانی المالکی (المتوفی: 1122ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة الطبعة: الأولی 1417ھ-1996م

160. شرح الشفا المؤلف: علی بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدین الملا الهروی القاری (المتوفی: 1014ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة—بیروت

161. شرح الطیبی علی مشکاة المصابیح المسمی بـ (الکاشف عن حقائق السنن) المؤلف: شرف الدین الحسین بن عبد اللہ الطیبی (743ھ) الناشر: مکتبة نزار مصطفی الباز (مکة المکرمة الریاض) الطبعة: (الأولی، 1417ھ 1997م)

162. الشرح الکبیر لمختصر الأصول من علم الأصول المؤلف: أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفی بن عبد اللطیف المنیاوی الناشر: المکتبة الشاملة، مصر الطبعة: (الأولی، 1432ھ، 2011م)

163. شرح الکوکب الساطع. مکتبة الایمان للطبع والنشر والتوزیع (1420ھ)

164. شرح الکوکب المنیر = المختبر المبتکر شرح المختصر المؤلف: تقی الدین أبو البقاء محمد بن أحمد بن عبد العزیز بن علی الفتوحی المعروف بابن النجار الحنبلی (م: ۹۷۲ھ) المحقق: محمد الزحیلی ونزیه حماد الناشر: مکتبة العبیکان الطبعة: الطبعة (الثانیة ۱۴۱۸ھ)

165. شرح المقاصد المولف: سعد الدین مسعود بن عمر بن عبد اللہ التفتازانی الشافعی (المتوفی: 793ھ) دار المعارف النعمانیة لاهور

166. شرح المواقف المولف: السید الشریف علی بن محمد الجرجانی (م: 812ھ) منشورات الشریف الرضی قم ایران

167. شرح الورقات فی أصول الفقه مؤلف الأصل: أبو المعالی الجوینی الملقب بإمام الحرمین (م: 478ھ)

168. شرح صحیح البخاری لابن بطال المؤلف: ابن بطال أبو الحسن علی بن خلف بن عبد الملك (م: ۴۴۹ھ) تحقیق: أبو تمیم یاسر بن إبراهیم

169. شَرْحُ صَحِيح مُسْلِمِ لِلقَاضِى عِيَاض المُسَمَّى إِكمَالُ المُعْلِمِ بِفَوَائِدِ مُسْلِم المؤلف: عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبى السبتى، أبو الفضل (المتوفى: 544ھ) المحقق: الدكتور يحْيَى إِسْمَاعِيل الناشر: دار الوفاء للطباعة والنشر والتوزيع، مصر (الطبعة: الأولى، 1419ھ، 1998م)

170. شرح مختصر التحرير للفتوحى المؤلف: أبوعبد الله، أحمد بن عمر بن مساعد الحازمى مصدر الكتاب: دروس صوتية قام بتفريغها موقع الشيخ الحازمى

171. شرح مختصر الروضة المؤلف: سليمان بن عبد القوى بن الكريم الطوفى الصرصرى، أبو الربيع، نجم الدين (المتوفى: 716ھ) المحقق: عبد الله بن عبد المحسن التركى الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: (الأولى، 1407ھ1987م.)

172. شرح مختصر المنتهى الأصولى للإمام أبى عمرو عثمان ابن الحاجب المالكى (المتوفى ٦٤٦ھ) المؤلف: عضد الدين عبد الرحمن الإيجى (م:٧٥٦ھ) وعلى المختصر والشرح / حاشية سعد الدين التفتازانى (م: ٧٩١ھ) وحاشية السيد الشريف الجرجانى (م:٨١٦ھ)، وعلى حاشية الجرجانى / حاشية الشيخ حسن الهروى الفنارى (م:٨٨٦ھ) وعلى المختصر وشرحه وحاشية السعد والجرجانى / حاشية الشيخ محمد أبو الفضل الوراقى الجيزاوى (م:١٣٤٦ھ) المحقق: محمد حسن محمد حسن إسماعيل الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت — لبنان الطبعة: (الأولى، ١٤٢٤ھ، ٢٠٠٤م)

173. شرح مشكل الآثار المؤلف: أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة بن عبد الملك بن سلمة الأزدى الحجرى المصرى المعروف بالطحاوى (م:٣٢١ھ) تحقيق: شعيب الأرنؤوط الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: (الأولى ١٤١٥ھ)

174. شرح منار الانوار فى أصول الفقه المؤلف: مولى عبد اللطيف الشهير بابن الملك الحنفى (المتوفى: 854ھ) دار الكتب العلميه (الطبعة 1308ھ)

175. شرف المصطفى المؤلف: عبد الملك بن محمد بن إبراهيم النيسابورى الخركوشى، أبو سعد (المتوفى: 407ھ) الناشر: دار البشائر الإسلامية مكة الطبعة: الأولى 1424ھ)

176. شعب الإيمان المؤلف: أبو بكر أحمد بن الحسين البيهقى (م: ٤٥٨ھ) الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباى بالهند الطبعة: (الأولى، ١٤٢٣ھ)

177. الشفا بتعريف حقوق المصطفى المؤلف: عياض بن موسى بن عياض بن عمرون اليحصبى السبتى، أبو الفضل (المتوفى: 544ھ) الناشر: دار الفيحاء — عمان الطبعة: (الثانية، 1407ھ)

178. صحيح وضعيف الجامع الصغير وزيادته المؤلف: عبد الرحمن بن أبى بكر، جلال الدين السيوطى (المتوفى: 911ھ) الناشر: المكتب الإسلامى

179. الصواعق المحرقة على أهل الرفض والضلال والزندقة المؤلف: أحمد بن محمد بن علي بن حجر الهيتمي السعدي الأنصاري، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (م: ۹۷۴ھ) المحقق: عبد الرحمن بن عبد الله التركي كامل محمد الخراط الناشر: مؤسسة الرسالة — لبنان الطبعة: (الأولى، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷م)

180. الضعفاء الكبير المؤلف: أبو جعفر محمد بن عمرو بن موسى بن حماد العقيلي المكي (م: ۳۲۲ھ) المحقق: عبد المعطي أمين قلعجي الناشر: دار المكتبة العلمية — بيروت الطبعة: (الأولى، ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴م)

181. طبقات الحنابلة المؤلف: محمد بن أبي يعلى الفراء البغدادي الحنبلي أبو الحسين الناشر: مطبعة السنة المحمدية — القاهرة (عام النشر: ۱۳۷۱ھ ۱۹۵۲م)

182. الطبقات الكبرى، القسم المتمم لتابعي أهل المدينة ومن بعدهم المؤلف: أبو عبد الله محمد بن سعد بن منيع الهاشمي بالولاء، البصري، البغدادي المعروف بابن سعد (المتوفى: 230ھ) الناشر: مكتبة العلوم والحكم المدينة المنورة الطبعة: الثانية، 1408ھ

183. طبقات المحدثين بأصبهان والواردين عليها المؤلف: أبو محمد عبد الله بن محمد بن جعفر بن حيان الأنصاري المعروف بأبي الشيخ الأصبهاني (المتوفى: 369ھ) الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت الطبعة: الثانية، 1412 1992

184. طبقات المدلسين المولف: أبو الفضل أحمد بن علي بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلاني

185. طرح التثريب في شرح التقريب (المقصود بالتقريب: تقريب الأسانيد وترتيب المسانيد) المؤلف: أبو الفضل زين الدين عبد الرحيم بن الحسين بن عبد الرحمن بن أبي بكر بن إبراهيم العراقي (م: ۸۰۶ھ) الناشر: الطبعة المصرية القديمة وصورتها دور عدة منها (دار إحياء التراث العربي، ومؤسسة التاريخ العربي، ودار الفكر العربي)

186. العدة في أصول الفقه المؤلف: القاضي أبو يعلى، محمد بن الحسين بن محمد بن خلف ابن الفراء (المتوفى: 458ھ) المملكة العربية السعودية الطبعة (الثالثة 1414ھ)

187. عمدة البيان في معرفة فروض الأعيان (شرح مختصر الأخضري في فقه الإمام مالك) للفقيه الفرضي أبي محمد عبد اللطيف بن المسبّح المرداسي القسنطيني الجزائري (ت980ھ) الناشر دار الكتب العلمية بيروت لبنان سنة النشر 2010

188. عمدة القاري شرح صحيح البخاري المؤلف: أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابي الحنفي بدر الدين العيني (المتوفى: 855ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي بيروت

189. عمل اليوم والليلة المؤلف: أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علي الخراساني، النسائي (المتوفى: 303ھ) الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت الطبعة: الثانية، 1406

190. غاية المقصد فی زوائد المسند المؤلف: أبو الحسن نور الدين علی بن أبی بکر بن سليمان الهيثمی (م:۸۰۷ھ) المحقق: خلاف محمود عبد السميع الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت — لبنان الطبعة: (الأولى، ۱۴۲۱ھ ۲۰۰۱م)

191. غاية الوصول فی شرح لب الأصول المؤلف: زکريا بن محمد بن أحمد بن زکريا الأنصاری، زين الدين أبو يحيى السنيکی (المتوفى: 926ھ) الناشر: دار الكتب العربية الكبرى، مصر (أصحابها: مصطفى البابی الحلبی وأخويه)

192. غرائب القرآن ورغائب الفرقان المؤلف: نظام الدين الحسن بن محمد بن حسين القمی النيسابوری (المتوفى: 850ھ) الناشر: دار الكتب العلميه — بيروت الطبعة: (الأولى: 1416ھ)

193. الغرة المنيفة فی تحقيق بعض مسائل الإمام أبی حنيفة المؤلف: عمر بن إسحق بن أحمد الهندی الغزنوی، سراج الدين، أبو حفص الحنفی (المتوفى: 773ھ) الناشر: مؤسسة الكتب الثقافية الطبعة: (الأولى 1406ــ1986ھ)

194. غمز عيون البصائر فی شرح الأشباه والنظائر المؤلف: أحمد بن محمد مکی، أبو العباس، شهاب الدين الحسينی الحموی الحنفی (م: ۱۰۹۸ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (الطبعة: الأولى، ۱۴۰۵ھ)،

195. الغنية لطالبی طريق الحق عزوجل المؤلف: عبد القادر بن موسى بن عبد الله بن جنکی دوست الحسنی، أبو محمد، محيی الدين الجيلانی، أو الکيلانی، أو الجيلی (م: ۵۶۱ھ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت لبنان الطبعة: (الأولى، ۱۴۱۷ھ ۱۹۹۷م)

196. الفائق فی أصول الفقه المؤلف: صفی الدين محمد بن عبد الرحيم بن محمد الأرموی الهندی الشافعی (م:۷۱۵ھ) المحقق: محمود نصار الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت — لبنان (الطبعة: الأولى، ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵م)

197. الفتاوی الفقهية الكبرى المؤلف: أحمد بن محمد بن علی بن حجر الهيتمی السعدی الأنصاری، شهاب الدين شيخ الإسلام، أبو العباس (المتوفى: 974ھ) جمعها: تلميذ ابن حجر الهيتمی، الشيخ عبد القادر بن أحمد بن علی الفاکهی المکی (التوفی 982ھ) الناشر: المكتبة الإسلامية

198. فتاویٰ افریقه المولف: امام اهل سنت مولانا شاه احمد رضا خان (م: 1340ھ) مطبوعة نوری کتب خانه

199. فتاویٰ تاتارخانیه المولف: فرید الدین عالم بن علاء اِندرپتی دهلوی (م: ۷۸۶ھ)

200. فتاوی رضویه،، رضا فاؤنڈیشن، لاهور)

201. فتاوی سراجيه المؤلف: سراج الدين ابو محمد علی بن عثمان بن محمد (م: 559ھ، دار العلوم زکریا

202. فتاوی قاضی خان المولف: امام فخر الدین حسن بن منصور اوزجندی (متوفی 592ھ) مطبع نولکشور

203. فتح الباری شرح صحيح البخاری المؤلف: أحمد بن علی بن حجر أبو الفضل العسقلانی الشافعی الناشر: دار المعرفة، (بيروت، 1379)

204. الفروق ومعه إدرار الشروق على أنواء الفروق لابن الشاط وتهذيب الفروق للمكی الفروق = أنوار البروق فی أنواء الفروق المؤلف: أبو العباس شهاب الدين أحمد بن إدريس بن عبد الرحمن المالكی الشهير بالقرافی (المتوفى: 684ھ) الناشر: عالم الكتب

205. فصول البدائع فی أصول الشرائع المؤلف: محمد بن حمزة بن محمد، شمس الدين الفناری (أو الفَنَری) الرومی (المتوفى: 834ھ) المحقق: محمد حسين محمد حسن إسماعيل الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت — لبنان (الطبعة: الأولى، 2006 م)،

206. الفصول فی الأصول المؤلف: الإمام أحمد بن علی الرازی الجصاص (م: 370ھ) المحقق: د.عجيل جاسم النشمی الناشر: وزارة الأوقاف والشئون الإسلامية دولة الكويت (الطبعة: الأولى الجزء الأول والثانی: 1405ھ1985م)

207. فضائل الأوقات المؤلف: البيهقی؛ أحمد بن الحسين بن علی، أبوبكر الناشر: دار الكتب العلمية سنة (النشر: 1417ھ1997)

208. فضائل الصحابة المؤلف: أبوعبد الرحمن أحمد بن شعيب بن علی الخراسانی، النسائی (م: ۳۰۳ھ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت الطبعة: الأولى، ۱۴۰۵

209. فضائل الصحابة المؤلف: أبو عبد الله أحمد بن محمد بن حنبل بن هلال بن أسد الشيبانی (المتوفى: 241ھ) الناشر: مؤسسة الرسالة بيروت الطبعة: الأولى، 19831403

210. الفكر السامی فی تاريخ الفقه الإسلامی المؤلف: محمد بن الحسن بن العربیّ بن محمد الحجوی الثعالبی الجعفری الفاسی (المتوفى: 1376ھ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان (الطبعة: الأولى، 1416ھ، 1995م)

211. فواتح الرحموت بشرح مسلم الثبوت المؤلف: عبد العلی محمد بن نظام الدين الأنصاری، الهندی (م: 1225) دار الكتب العلمية (الطبعة الأولى 1323ھ)

212. الفوائد السنية فی شرح الألفية المؤلف: البرماوی شمس الدين محمد بن عبد الدائم (م: ۸۳۱ھ) المحقق: عبد الله رمضان موسى الناشر: مكتبة التوعية الإسلامية للتحقيق والنشر والبحث العلمی، الجيزة، مصر [طبعة خاصة بمكتبة دار النصيحة، المدينة النبوية، السعودية] الطبعة: (الأولى، ۱۴۳۶ھ)

213. فيض القدير شرح الجامع الصغير المؤلف: زين الدين محمد المدعو بعبد الرؤوف بن تاج العارفين بن علی بن زين العابدين الحدادی ثم المناوی القاهری (المتوفى: 1031ھ) الناشر: المكتبة التجارية الكبرى — مصر الطبعة: (الأولى، 1356)

214. القواعد والفوائد الأصولية وما يتبعها من الأحكام الفرعية المؤلف: أبو الحسن علاء الدين بن محمد بن عباس البعلی الحنبلی المعروف بابن اللحام (م: ۸۰۳ھ) المحقق: عبد الكريم الفضيلی الناشر: المكتبة العصرية الطبعة: (الثانية، ۱۴۲۰ھ ۱۹۹۹ م)

215. قوت القلوب فى معاملة المحبوب ووصف طريق المريد إلى مقام التوحيد المؤلف: محمد بن على بن عطية الحارثى، أبو طالب المكى (م: 386ھ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت لبنان (الطبعة: الثانية، 1426ھ)

216. الكامل فى ضعفاء الرجال المؤلف: أبو أحمد بن عدى الجرجانى (م:٣٦٥ھ) الناشر: الكتب العلمية بيروت-لبنان الطبعة: (الأولى، ١٤١٨ھ ١٩٩٧م)

217. الكامل فى ضعفاء الرجال المؤلف: أبو أحمد بن عدى الجرجانى (م:٣٦٥ھ) تحقيق: عادل أحمد عبد الموجود-على محمد معوض شارك فى تحقيقه: عبد الفتاح أبو سنة الناشر: الكتب العلمية بيروت-لبنان الطبعة: (الأولى، ١٤١٨ھ ١٩٩٧م)

218. كتاب التعريفات المؤلف: على بن محمد بن على الزين الشريف الجرجانى (م:٨١٦ھ) الناشر: دار الكتب العلمية بيروت، لبنان (الطبعة: الأولى ١٤٠٣ھ، ١٩٨٣م)

219. كتاب التلخيص فى أصول الفقه المؤلف: عبد الملك بن عبد الله بن يوسف بن محمد الجوينى، أبو المعالى، ركن الدين، الملقب بإمام الحرمين (المتوفى: 478ھ) المحقق: عبد الله جولم النبالى وبشير أحمد العمرى الناشر: دار البشائر الإسلامية—بيروت،

220. كتاب الفوائد (الغيلانيات) المؤلف: أبو بكر محمد بن عبد الله بن إبراهيم بن عبدوَيْه البغدادى الشافعى البزَّاز (المتوفى: 354ھ) الناشر: دار ابن الجوزى سنة النشر: 19971417

221. كشف الأسرار شرح أصول البزدوى المؤلف: عبد العزيز بن أحمد بن محمد، علاء الدين البخارى الحنفى (المتوفى: 730ھ) الناشر: دار الكتاب الإسلامى الطبعة: بدون طبعة وبدون تاريخ

222. الكشف الحثيث عمن رمى بوضع الحديث المؤلف: برهان الدين الحلبى أبو الوفا إبراهيم بن محمد بن خليل الطرابلسى الشافعى سبط ابن العجمى (م:٨٤١ھ) الناشر: عالم الكتب اَلْبَقَرَةِ مكتبة النهضة العربية بيروت الطبعة: الأولى، ١٤٠٧-١٩٨٧

223. الكشف الحثيث عمن رمى بوضع الحديث المؤلف: برهان الدين الحلبى أبو الوفا إبراهيم بن محمد بن خليل الطرابلسى الشافعى سبط ابن العجمى (م:٨٤١ھ) المحقق: صبحى السامرائى الناشر: عالم الكتب اَلْبَقَرَةِ مكتبة النهضة العربية—بيروت الطبعة: (الأولى، ١٤٠٧ھ ١٩٨٧)

224. كشف الخفاء ومزيل الإلباس عما اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس المؤلف: إسماعيل بن محمد العجلونى الجراحى (م:١١٦٢ھ) الناشر: مكتبة القدسى، لصاحبها حسام الدين القدسى القاهرة (عام النشر: ١٣٥١ھ)

225. كشف المشكل من حديث الصحيحين المؤلف: جمال الدين أبو الفرج عبد الرحمن بن على بن محمد الجوزى (م:٥٩٧ھ) المحقق: على حسين البواب الناشر: دار الوطن الرياض

226. الکشف و البیان عن تفسیر القرآن المؤلف: أحمد بن محمد بن إبراہیم الثعلبی، أبو إسحاق (المتوفی: 427ھ)

227. الکلیات معجم فی المصطلحات و الفروق اللغویۃ المؤلف: أیوب بن موسی الحسینی القریمی الکفوی، أبو البقاء الحنفی (م: ۱۰۹۴ھ) المحقق: عدنان درویش، محمد المصری الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ

228. الکلیات معجم فی المصطلحات و الفروق اللغویۃ المؤلف: أیوب بن موسی الحسینی القریمی الکفوی، أبو البقاء الحنفی (م: ۱۰۹۴ھ) الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ — بیروت.

229. الکوثر الجاری إلی ریاض أحادیث البخاری المؤلف: أحمد بن إسماعیل بن عثمان بن محمد الکورانی الشافعی ثم الحنفی (المتوفی ۸۹۳ھ) الناشر: دار إحیاء التراث العربی، بیروت — لبنان الطبعۃ: الأولی، ۱۴۲۹ھ)

230. الکوکب الساطع للسیوطی المولف: جلال الدین السیوطی (م: 911ھ) دار ابن الجوزی (1431ھ)

231. کشف المحجوب (فارسی) ص۱۲تا۱۳ ناشر مکتبہ نوریہ رضویہ طباعت (اول 1435)

232. کشف المحجوب المولف ابو الحسن علی بن عثمان جلابی ھجویری غزنونی (م در میان 481 تا 500) مطبوعہ انتشارات مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان اسلام آباد

233. کلام المرغوب ترجمہ کشف المحجوب مترجم علامہ ابو الحسنات سید محمد احمد قادری مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز

234. کنز العمال بحوالہ ان بشران فی امالیہ عن عمران بن حصین حدیث 34149 موسسۃ الرسالہ بیروت

235. لسان المیزان المؤلف: أبو الفضل أحمد بن علی بن محمد بن أحمد بن حجر العسقلانی (م: ۸۵۲ھ) المحقق: دائرۃ المعرف النظامیۃ — الہند الناشر: مؤسسۃ الأعلمی للمطبوعات بیروت — لبنان الطبعۃ: (الثانیۃ، ۱۳۹۰ھ/۱۹۷۱م)

236. اللمع فی أصول الفقہ المؤلف: إبراہیم بن علی بن یوسف الفیروزاباذی الشیرازی أبو إسحاق المحقق: عبد القادر الخطیب الحسنی

237. لوامع الأنوار البہیۃ و سواطع الأسرار الأثریۃ لشرح الدرۃ المضیۃ فی عقد الفرقۃ المرضیۃ المؤلف: شمس الدین، أبو العون محمد بن أحمد بن سالم السفارینی الحنبلی (المتوفی: 1188ھ) الناشر: مؤسسۃ الخافقین و مکتبتہا دمشق الطبعۃ: الثانیۃ 1402ھ 1982م

238. مالا بد منہ المؤلف: قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م: 1225ھ)، مکتبہ رحمانیہ، لاہور

239. مباحث فی علوم القرآن المؤلف: مناع بن خلیل القطان (المتوفی: 1420ھ) الناشر: مکتبۃ المعارف و ہبۃ

240. المبسوط المؤلف: محمد بن أحمد بن أبی سہل شمس الأئمۃ السرخسی (المتوفی: 483ھ) الناشر: دار المعرفۃ — بیروت الطبعۃ: بدون طبعۃ تاریخ النشر: 1414ھ، 1993م)

241. المجروحین المؤلف: محمد بن حبان بن احمد ابی حاتم 304ھ، دار النوعی، حلب

242. مجمع الأنھر فی شرح ملتقی الأبحر المؤلف: إبراھیم بن محمد بن إبراھیم الحَلَبی الحنفی (م: ۹۵۶ھ) المحقق: خرج آیاته وأحادیثه خلیل عمران المنصور الناشر: دار الکتب العلمیة لبنان/ بیروت الطبعة: (الأولی، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۸م)

243. مجمع الأنھُر فی شرح ملتقَی الأبحُر المؤلف: عبد الرحمن بن محمد بن سلیمان، المعروف بـ «داماد أفندی» [ت ۱۰۷۸ھ] (م: 1078) دار الکتب العلمیة

244. مجمع الزوائد ومنبع الفوائد المؤلف: أبو الحسن نور الدین علی بن أبی بکر بن سلیمان الھیثمی (المتوفی: 807ھ) المحقق: حسام الدین القدسی الناشر: مکتبة القدسی، القاھرة عام (النشر: 1414ھ 1994م)

245. المحصول المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی الملقب بفخر الدین الرازی خطیب الری (المتوفی: 606ھ) دراسة وتحقیق: الدکتور طه جابر فیاض العلوانی الناشر: مؤسسة الرسالة الطبعة: (الثالثة، 1418ھ، 1997م)

246. المحصول فی أصول الفقه المؤلف: القاضی محمد بن عبد الله أبو بکر بن العربی المعافری الاشبیلی المالکی (المتوفی: 543ھ) الناشر: دار البیارق — عمان الطبعة: الأولی، 1420ھ 1999)

247. المحقق: حسین سلیم أسد الدّارانی [م: ۱۴۴۳ھ] - عبده علی الکوشك [م: ۱۴۳۶ج] الناشر: دار الثقافة العربیة،

248. المحیط البرھانی فی الفقه النعمانی فقه الإمام أبی حنیفة رضی الله عنه أبو المعالی برھان الدین محمود بن أحمد بن عبد العزیز بن عمر بن مَازَةَ البخاری الحنفی (المتوفی: 616ھ) الناشر: دار الکتب العلمیة، بیروت، لبنان الطبعة: (الأولی، 1424ھ)

249. مختصرُ استدرَاك الحافِظ الذّھبی علی مُستدرَك أبی عبد اللهِ الحَاکم المؤلف: ابن الملقن سراج الدین أبو حفص عمر بن علی بن أحمد الشافعی المصری (م: ۸۰۴ھ)

250. مختصر منتھی السول والأمل فی علمی الأصول والجدل مختصر ابن الحاجب المالکی المولف: أبو عمرو عثمان بن عمر بن أبی بکر بن یونس الدوینی الإسنائی، الفقیه المالکی المعروف ابن الحاجب (المتوفی: 646ھ) دار ابن حزم الطبعة (الاولی 1427)

251. مدارج النبوت المولف: افضل الفضلاء اعلم العلماء فرید العصر مولانا شاہ عبد الحق محدث دھلوی ناشر مرکز اھل سنت برکات رضا پوربندر گجرات

252. مدارج النبوت ترجمه الحاج مفتی غلام معین الدین نعیمی ناشر مدینه پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی

253. مُذکِّرة فی أصول الفقه المؤلف: محمد الأمین بن محمد المختار بن عبد القادر الجکنی الشنقیطی مالکی (المتوفی: 1393ھ) الناشر: مکتبة العلوم والحکم، المدینة المنورة (الطبعة: الخامسة، ۲۰۰۱م)

254. مراۃ المناجیح المؤلف: مفتی احمد یار خان (م: 1391ھ) الناشر: نعیمی کتب خانہ گجرات

255. مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح المؤلف: علی بن (سلطان) محمد، أبو الحسن نور الدین الملا الھروی القاری (المتوفی: 1014ھ) الناشر: دار الفکر، بیروت — لبنان الطبعۃ: (الأولی، 1422ھ 2002م)

256. المرقاۃ مع حاشیتھا المرضاۃ المؤلف: الإمام العلامۃ فضل إمام بن محمد ارشد الخیرآبادی الھندی (م: 1244ھ) دار الملک (م: 1444ھ)

257. المُسامَرۃ شرح المُسایَرۃ فی العقائد المنجیۃ فی الآخرۃ المولف: کمال الدین محمد بن محمد الشافعی [ابن أبی شریف المقدسی] (م 906ھ) الناشر المکتبۃ الازھریۃ للتراثُ \ دار الکتب العلمیۃ،

258. المستدرک علی الصحیحین المؤلف: محمد بن عبد اللہ أبو عبد اللہ الحاکم النیسابوری (المتوفی: 405ھ) الناشر: دار الکتب العلمیۃ بیروت الطبعۃ الأولی، 19901411

259. المستدرک علی الصحیحین المؤلف: محمد بن عبد اللہ أبو عبد اللہ الحاکم النیسابوری الناشر: دار الکتب العلمیۃ — بیروت الطبعۃ (الأولی 1411ھ 1990)

260. المستصفی المؤلف: أبو حامد محمد بن محمد الغزالی الطوسی (المتوفی: 505ھ) تحقیق: محمد عبد السلام عبد الشافی الناشر: دار الکتب العلمیۃ الطبعۃ: (الأولی، 1413ھ، 1993م)

261. مسلم الثبوت المؤلف: قاضی محب اللہ بن عبد الشکور الھندی (م: 1119ھ) طبع بالمطبعۃ المصریۃ بکفر الطماعین

262. مسلم الثبوت مع حاشیۃ التعلیق المنعوت علی مسلَّم الثبوت المحشِّی للشیخ العلامۃ برکۃ اللہ بن محمد احمد اللہ الفرنجی محلی قادری (م) ناشر مؤسسۃ دار الملک

263. مسند أبی داود الطیالسی المؤلف: أبو داود الطیالسی سلیمان بن داود بن الجارود (م: ۲۰۴ھ) الناشر: دار ھجر مصر الطبعۃ: الأولی، ۱۴۱۹ھ ۱۹۹۹ م

264. مسند أبی یعلی المؤلف: أبو یعلی أحمد بن علی بن المثُنی بن یحیی بن عیسی بن ھلال التمیمی، الموصلی (م: ۳۰۷ھ) المحقق: حسین سلیم أسد [م: ۱۴۴۳ھ] الناشر: دار المأمون للتراث — دمشق الطبعۃ: (الأولی، ۱۴۰۴ھ ۱۹۸۴)

265. مسند إسحاق بن راھویہ المؤلف: أبو یعقوب إسحاق بن إبراھیم بن مخلد بن إبراھیم الحنظلی المروزی المعروف بـ ابن راھویہ (م: ۲۳۸ھ) الناشر: مکتبۃ الإیمان المدینۃ المنورۃ الطبعۃ: الأولی، ۱۴۱۲ — ۱۹۹۱

266. مسند الإمام أحمد بن حنبل المؤلف: أبو عبد اللہ أحمد بن محمد بن حنبل بن ھلال بن أسد الشیبانی (المتوفی: 241ھ) الناشر: مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ: (الأولی، 1421ھ 2001م)

267. مسند البزار (المطبوع باسم البحر الزخار) المؤلف: أبو بکر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق البزار المتوفی: 292ھ) الناشر: مکتبۃ العلوم والحکم — المدینۃ المنورۃ الطبعۃ: الأولی، (بدأت 1988م، وانتھت 2009م)

268. المسند الجامع حققه ورتبه وضبط نصه: بشار عواد معروف ـ السيد أبو المعاطى محمد النورى ـ أحمد عبد الرزاق عيد ـ أيمن إبراهيم الزاملى ـ محمود محمد خليل الناشر: دار الجيل للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت، الشركة المتحدة لتوزيع الصحف والمطبوعات، الكويت الطبعة: (الأولى ١٤١٣ھ ١٩٩٣م)

269. مسند الرويانى المؤلف: أبو بكر محمد بن هارون الرُّويانى (م: ٣٠٧ھ) الناشر: مؤسسة قرطبة القاهرة الطبعة: الأولى، ١٤١٦

270. المسند الصحيح المخرج على صحيح مسلم المؤلف: أبو عوانة يعقوب بن إسحاق الإسفرايينى (م: ٣١٦ھ) تحقيق: رسائل جامعية وبحوث أكاديمية بكلية الحديث الشريف بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة الناشر: الجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة عدد الأجزاء: ٢٤ (٢٢ والفهارس) الطبعة: (الأولى جـ ١ ـ ٢٠: ١٤٣٥ھ ٢٠١٤م)

271. المسند عبد بن حميد المؤلف: أبو محمد عبد الحميد بن حميد بن نصر الكَسّى ويقال له: الكَشّى بالفتح والإعجام (م: ٢٤٩ھ) الناشر: دار بلنسية للنشر والتوزيع الطبعة: الثانية ١٤٢٣ھ ٢٠٠٢م

272. مصباح الزجاجة على سنن ابن ماجه المولف: جلال الدين عبد الرحمن بن أبى بكر السيوطى (م: 911ھ) دار الكتب العلمية

273. مصباح الزجاجة» للسيوطى (م: 911ھ) 2ـ «إنجاح الحاجة» لمحمد عبد الغنى المجددى الحنفى (م: 1296ھ) 3ـ «ما يليق من حل اللغات وشرح المشكلات» لفخر الحسن بن عبد الرحمن الحنفى الكنكوهى (1315ھ) الناشر: قديمى كتب خانة ـ كراتشى

274. المصباح المنير فى غريب الشرح الكبير تأليف أحمد بن محمد بن على الفيومى المقرى (المتوفى: 770ھ)، الناشر: المكتبة العلمية — بيروت، كتاب القاف

275. المصنف المؤلف: أبو بكر عبد الرزاق بن همام بن نافع الحميرى اليمانى الصنعانى (المتوفى: 211ھ) المحقق: حبيب الرحمن الأعظمى

276. المصنف فى الأحاديث والآثار المؤلف: أبو بكر بن أبى شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستى العبسى (المتوفى: 235ھ) المحقق: كمال يوسف الحوت الناشر: مكتبة الرشد الرياض الطبعة: الأولى، 1409

277. المصنف فى الأحاديث والآثار المؤلف: أبو بكر بن أبى شيبة، عبد الله بن محمد بن إبراهيم بن عثمان بن خواستى العبسى (المتوفى: 235ھ) المحقق: كمال يوسف الحوت الناشر: مكتبة الرشد — الرياض الطبعة: (الأولى، 1409ھ)

278. المطلق والمقيد وأثرهما فى اختلاف الفقهاء المؤلف: حمد بن حمدى الصاعدى الناشر: عمادة البحث العلمى بالجامعة الإسلامية بالمدينة المنورة، المملكة العربية السعودية الطبعة: (الأولى، 1423ھ 2003م)

279. مَعالِمُ أصول الفقه عند أهل السنة والجماعة المؤلف: محمَّد بنُ حسَيْن بن حَسنُ الجيزاني الناشر: دار ابن الجوزي الطبعة: الطبعة (الخامسة، 1427ھ)

280. معالم السنن المؤلف: أبو سليمان أحمد بن محمد الخطابي البستي (288ھ) الناشر: المطبعة العلمية ـ حلب الطبعة (الأولى 1351ھ 1932م)

281. المعتصر من شرح مختصر الأصول من علم الأصول المؤلف: أبو المنذر محمود بن محمد بن مصطفى بن عبد اللطيف المنياوي الناشر: المكتبة الشاملة، مصر الطبعة: (الثانية، 1432ھ، 2011م)

282. المُعتَقَد المُنتقَد مترجم: تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی اختر رضا خان مکتبہ برکات المدینہ کراچی (طبع دوم 1428ھ)

283. المُعتَقد المُنتقَد مع شرحه المُستنَد المُعتمَد المولف: سيف الله المسلول حضرت شاہ فضل رسول بدایونی. رضا اکادیمی موممبائی (الطبعة الثانية: 1420ھ)

284. المعجم الأوسط المؤلف: أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني (٢٦٠ ـ ٣٦٠ھ) المحقق: أبو معاذ طارق بن عوض الله بن محمد ـ أبو الفضل عبد المحسن بن إبراهيم الحسيني الناشر: دار الحرمين — القاهرة عام (النشر: ١٤١٥ھ ١٩٩٥م)

285. معجم الشيوخ المؤلف: أبو القاسم، علي بن الحسن بن هبة الله الشافعي، المعروف بابن عساكر (م: ٥٧١ھ) حققه: الدكتورة وفاء تقي الدين

286. المعجم الصغير المؤلف: سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (المتوفى: 360ھ)

287. المعجم الكبير المؤلف: سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (المتوفى: 360ھ) دار النشر: مكتبة ابن تيمية القاهرة الطبعة: الثانية

288. المعجم الكبير المؤلف: سليمان بن أحمد بن أيوب بن مطير اللخمي الشامي، أبو القاسم الطبراني (م: ٣٦٠ھ) المحقق: حمدي بن عبد المجيد السلفي دار النشر: مكتبة ابن تيمية — القاهرة الطبعة: الثانية

289. معرفة السنن والآثار أحمد بن الحسين بن علي البيهقي أبو بكر; دار الوعي، حلب; سنة النشر: 1412ھ

290. المُعْلم بفوائد مسلم المؤلف: أبو عبد الله محمد بن علي بن عمر التَّمِيمي المازري المالكي (م: ٥٣٦ھ) المحقق: فضيلة الشيخ محمد الشاذلي النيفر الناشر: الدار التونسية للنشر المؤسّسة الوطنية للكتاب بالجزائر المؤسّسة الوطنية للترجمة والتحقيق والدّراسات بيت الحكمة

291. مفاتيح الغيب = التفسير الكبير المؤلف: أبو عبد الله محمد بن عمر بن الحسن بن الحسين التيمي الرازي الملقب بفخر الدين الرازي خطيب الري (المتوفى: 606ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي — بيروت الطبعة: (الثالثة ـ 1420ھ)

292. المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم المؤلف: أبو العبَّاس أحمَدُ بنُ الشيخِ المرحومِ الفقيهِ أبي حَفْصٍ عُمَرَبنِ إبراهيمَ الحافظ، الأنصاريُّ القرطبيُّ، (م:656ھ) دار ابن كثير (الطبعة الأولى 1417ھ)

293. ملفوظات مہریہ مؤلف: عالم ربانی قبلہ عالم خواجہ سید پیر مہر علی شاہ (م: 1356ھ) مقام اشاعت گولڑہ شریف (مطبوعہ گولڑہ شریف: 1394ھ)

294. مِن أصول الفقه على منهج أهل الحديث المؤلف: زكريا بن غلام قادر الباكستاني الناشر: دار الخراز (الطبعة: الطبعة (الاولى 1423ھ، 2002م)

295. مناقب أمير المؤمنين علي بن أبي طالب رضى الله عنه المؤلف: على بن محمد بن محمد بن الطيب بن أبي يعلى بن الجلابي، أبو الحسن الواسطي المالكي، المعروف بابن المغازلي (م: ۴۸۳ھ) الناشر: دار الآثار صنعاء الطبعة: الأولى ۱۴۲۴ھ ۲۰۰۳م)

296. منح الروض الأزهر شرح الفقه الأكبر، المولف: علامة المحدث الفقيه على بن سلطان محمد القارى طبع کراچی

297. منهاج الوصول إلى علم الأصول المؤلف: البيضاوى؛ عبد الله بن عمر بن محمد بن على الشيرازى، أبو سعيد، أو أبو الخير، ناصر الدين البيضاوى (سنة النشر: 1429ھ)

298. المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج المؤلف: أبو زكريا محيى الدين يحيى بن شرف النووى (المتوفى: 676ھ) الناشر: دار إحياء التراث العربي — بيروت (الطبعة: الثانية، 1392)

299. منية المفتى المؤلف: جمال الدين يوسف بن ابى سعيد سجستانى (م: 638ھ) مكتبة العلمية، بيروت

300. الْمُهَذَّبُ في عِلْمِ أُصُولِ الفِقْهِ الْمُقَارَنِ (تحريرٌ لمسائِلِه ودراستها دراسةً نظريَّةً تطبيقيَّةً) المؤلف: عبد الكريم بن على بن محمد النملة دار النشر: مكتبة الرشد — الرياض الطبعة (الأولى: 1420ھ، 1999م)

301. موارد الظمآن إلى زوائد ابن حبان المؤلف: أبو الحسن نور الدين على بن أبي بكر بن سليمان الهيثمي (م: ۸۰۷ھ)

302. موسوعة مصطلحات الفلسفة عند العرب المولف: جيرار جهامى (معاصر) مكتبة لبنان ناشرون، بيروت، طبع اول، 1998م.]

303. ميزان الاعتدال في نقد الرجال شمس الدين محمد بن أحمد الذهبى سنة الولادة / سنة الوفاة 748 الناشر دار الكتب العلمية

304. الناشر: المكتب الإسلامي الْبَقَرَة دار عمار - بيروت الْبَقَرَة عمان الطبعة: الأولى، 1405 - 1985

305. نسيم الرياض فى شرح شفاء القاضى عياض المؤلف: أحمد محمد عمر الخفاجى المصرى شهاب الدين (م: 1169ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1421 — 2001)

306. نسيم الرياض فى شرح شفاء وبهامشه شرح الشفا لعلى قارى (م 1014ھ) الناشر: دار الكتب العلمية (سنة النشر: 1327ھ)

307. نشر البُنُود على مراقي السعود المولف: سيدى عبد الله بن إبراهيم العلوى الشنقيطى، اللجنة المشتركة لنشر التراث الإسلامى بين حكومة المملكة المغربية و الامارات العربية المتحدة، تاريخ الإنشاء: 23 سبتمبر 2007)

308. نصب الراية لأحاديث الهداية مع حاشيته بغية الألمعي في تخريج الزيلعي المؤلف: جمال الدين أبو محمد عبد الله بن يوسف بن محمد الزيلعي (م: ٧٦٢ھ) الناشر: مؤسسة الريان للطباعة و النشر - بيروت - لبنان / دار القبلة للثقافة الإسلامية - جدة السعودية الطبعة: الأولى، ١٤١٨ھ ١٩٩٧م

309. نظم الدرر في تناسب الآيات و السور المؤلف: الإمام برهان الدين أبو الحسن إبراهيم بن عمر البقاعي دار النشر: دار الكتب العلمية - بيروت الطبعة: (الثانية 1424ھ)

310. نهاية السول في شرح منهاج الوصول المؤلف: عبد الرحيم بن الحسن بن علي الإسنوي الشافعيّ، أبو محمد، جمال الدين (المتوفى: 772ھ) الناشر: دار الكتب العلمية، بيروت، لبنان الطبعة: (الأولى 1420ھ، 1999م)

311. نِهاية المُحتاج إلى شرح المِنهاج المؤلف: شمس الدين محمد بن أبي العباس أحمد بن حمزة شهاب الدين الرَملي (المتوفى: 1004ھ) الناشر: دار الفكر، بيروت (الطبعة: ط أخيرة، 1404ھ / 1984م)

312. نِهاية الوصول في دَرَاية الأصول المؤلف: صفي الدين محمد بن عبد الرحيم الأرموي الهندي (٧١٥ھ) المحقق: د. صالح بن سليمان اليوسف، د. سعد بن سالم السويح أصل التحقيق: رسالتا دكتوراة بجامعة الإمام بالرياض الناشر: المكتبة التجارية بمكة المكرمة الطبعة: (الأولى، ١٤١٦ھ ١٩٩٦م)

313. نيل الأوطار المؤلف: محمد بن علي بن محمد بن عبد الله الشوكاني اليمني (المتوفى: 1250ھ) تحقيق: عصام الدين الصبابطي الناشر: دار الحديث، مصر الطبعة: (الأولى، 1413ھ 1993م)

314. الهداية في شرح بداية المبتدي المؤلف: علي بن أبي بكر بن عبد الجليل الفرغاني المرغيناني، أبو الحسن برهان الدين (المتوفى: 593ھ) المحقق: طلال يوسف الناشر: دار احياء التراث العربي، بيروت — لبنان

315. الوَاضِح في أصُولِ الفِقه المؤلف: أبو الوفاء، علي بن عقيل بن محمد بن عقيل البغدادي الظفري، (المتوفى: 513ھ) الناشر: مؤسسة الرسالة للطباعة و النشر و التوزيع، بيروت، لبنان الطبعة: (الأولى، 1420ھ)

316. وفيات الأعيان و أنباء أبناء الزمان المؤلف: أبو العباس شمس الدين أحمد بن محمد بن إبراهيم بن أبي بكر ابن خلكان البرمكي الإربلي (المتوفى: 681